میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبدُاللہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

میری عزیز بہنو۔ اسلام علیکم

تقریباً چار سال بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہوں۔ چار سال ایک طویل عرصہ ہے اور کسی بھی مصنفہ کے لیے اتنا عرصہ اپنے قارئین سے دور رہنا کس قدر مشکل ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ اس دوران میں نے لکھا ہی نہیں۔ میں اس ناول کی کئی قسطیں لکھ چکی ہوں۔

پھر اس غیر حاضری کی وجہ ــ؟

میں صرف اور صرف خواتین ڈائجسٹ میں لکھنا چاہتی ہوں۔ خواتین ڈائجسٹ نے مجھے پہچان دی۔ شہرت دی اور مجھے لاکھوں ذہنوں تک پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اِدھر اُدھر بھٹکی نہیں اور تنہا رہنا۔ خواتین ڈائجسٹ کے ساتھ میرا قلمی اور قلبی رشتہ اٹوٹ ہے۔ ہر ماہ اس ڈائجسٹ کے صفحات الٹتے ہوئے میں خود نگہت عبداللہ کو تلاش کرتی تھی۔ مجھے یہ کہنے میں عار نہیں کہ ادارۂ خواتین ڈائجسٹ نے مجھے اور ہر اس مصنفہ کو جس نے آج کوئی بڑا نام اور مقام پا لیا ہے لمحہ بہ لمحہ راہنمائی کی۔ کرداروں پر کہانی پر اس قدر محنت کروائی اور کی کہ ہر تحریر چھپنے کے بعد مصنف نے دلی سکون محسوس کیا۔

آج پھر میں اپنے نئے ناول کے ساتھ آپ کے سامنے موجود ہوں اور امید کرتی ہوں کہ میرے گزشتہ ناولوں کی طرح یہ ناول بھی آپ کے دل کو چھوئے گا۔ آپ کی آراء ہمیشہ میرے لیے مقدم رہی ہیں۔ اسی طرح ناول کے ہر موڑ پر مجھے ادارۂ خواتین ڈائجسٹ اور رشل کی راہنمائی کی ضرورت رہی ہے۔ امید کرتی ہوں کہ مجھے آپ بہنوں، ادارے اور رشل کا تعاون حاصل رہے گا۔

نگہت عبداللہ

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے جب توصیف احمد کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہو کر رک گئی۔ پھر پہلے انہوں نے خود کو ضبط کے کڑے پہروں میں مقید کیا' اس کے بعد گاڑی سے اتر کر اندر آئے تو انہیں دیکھتے ہی یاسمین نے پیشانی پر بل ڈال کر طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

"آ گئے آپ......" یاسمین کا لہجہ سوالیہ نہیں تھا' جب ہی وہ نظرانداز کر گئے اور ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"بچے کہاں ہیں؟"

"آپ تشریف رکھیے توصیف احمد! بچے بھی آجائیں گے۔" یاسمین کا انداز ہنوز تھا۔

"ویسے بچے اب کافی بڑے ہو گئے ہیں۔ اریبہ میڈیکل کے دوسرے سال میں' سارہ تھرڈ ایئر میں اور حماد کا میٹرک کا رزلٹ آج کل میں آنے والا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" توصیف احمد آرام سے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"اچھا......!" یاسمین اچھا کو لمبا کھینچ کر بولیں۔ "آپ کے بچے تو سنا ہے ابھی پرائمری کلاسوں میں ہیں۔"

"یاسمین!" توصیف احمد غالباً "تنبیہہ کرنا چاہتے تھے کہ سارہ کو آتے دیکھ کر ہونٹ بھینچ گئے۔

"السلام علیکم ڈیڈی!" سارہ نے قریب آتے ہوئے سلام کیا' پھر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام کیسا ہے میرا بیٹا؟" توصیف احمد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں ڈیڈی۔ آپ کب آئے؟"

"بس ابھی۔ اریبہ اور حماد کہاں ہیں؟" توصیف احمد سارہ سے بات کرتے ہوئے یاسمین کو یکسر نظرانداز کر گئے تھے۔

"اریبہ اپنے کمرے میں اور حماد کرکٹ کھیلنے گیا ہے۔ آپ چائے پئیں گے یا کھانا لگاؤں؟" سارہ نے جواب کے ساتھ پوچھا تو توصیف احمد سے پہلے یاسمین بول پڑیں۔

"کھانے کا پوچھ کر اپنے باپ کو شرمندہ مت کیا کرو' پتا تو ہے ان کے چھوٹے بچے ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے۔ کیوں توصیف احمد! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔"

توصیف احمد سارہ سے نظریں چرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا بیٹا! میں چلتا ہوں۔"

"اتنی جلدی' اریبہ سے نہیں ملیں گے۔ میں بلاتی ہوں اسے۔" سارہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھی اور جانے لگی تو وہ بھی اس کے ساتھ چلے آئے۔

اریبہ بیڈ پر نیم دراز ٹانگ پر ٹانگ رکھے' بہت دھیمی آواز میں کچھ گنگنا رہی تھی۔ سارہ کے ساتھ توصیف احمد اندر آئے تو اس نے اٹھنے میں بہت سستی دکھائی جس پر سارہ دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہنے لگی۔

"کیا بات ہے بیٹا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" توصیف احمد کے نرم لہجے میں ہلکی سی تشویش تھی۔

"یہ بالکل ٹھیک ہے ڈیڈی! آپ بیٹھیں' میں آپ کے لیے اچھی سی چائے لاتی ہوں۔" سارہ نے زبردستی توصیف احمد کو بٹھایا' پھر اریبہ کو گھورتی ہوئی چلی گئی۔

"جی۔" اریبہ نے سر جھٹکا' پھر توصیف احمد کے سامنے آکر براہ راست ان سے پوچھنے لگی۔ "یہ سارہ آپ کی اتنی چمچہ گیری کیوں کرتی ہے ڈیڈی؟"

"جسے آپ چمچہ گیری کہہ رہی ہو' وہ اس کی محبت ہے۔" توصیف احمد مسکرائے۔

"آپ کے خیال میں صرف وہی آپ سے محبت کرتی ہے؟" اریبہ کے لہجے میں ناگواری سمٹ آئی۔

"نہیں' میرے سب بچے مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ البتہ اظہار کا سلیقہ صرف سارہ میں ہے۔ وہ سب کو اپنا بنانا جانتی ہے۔" توصیف احمد نے دھیرج سے کہا تو وہ فوراً بولی تھی۔

"حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ نقصان ہی نقصان ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہو؟" توصیف احمد اس کی بات پر چونکے تھے۔

"اس لیے کہ اپنوں ہی سے دکھ ملتے ہیں اور نقصان بھی اپنے ہی پہنچاتے ہیں۔" وہ کچھ جتا نہیں رہی تھی۔ اس کا لہجہ صاف گو تھا۔

"میں آپ سے اختلاف نہیں کروں گا لیکن بیٹا......!" سارہ کے آنے سے توصیف احمد خاموش ہو گئے کیونکہ وہ اریبہ کی بحث اور جرح سے پریشان ہو جاتی تھی۔

"ڈیڈی! میں نے اسپیشل چائے بنائی ہے۔ یہ آپ کو فائیو اسٹار ہوٹل کا مزا دے گی۔" سارہ نے چائے کا کپ انہیں تھماتے ہوئے کہا' پھر دوسرا کپ اٹھا کر اریبہ کی طرف بڑھا دیا۔

توصیف احمد خاموشی سے چائے پینے لگے۔

"ہما اور فہد کیسے ہیں ڈیڈی؟" سارہ نے پوچھا۔ توصیف احمد چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور بس اثبات میں سر ہلا دیا' پھر چائے کا آخری سپ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اوکے بیٹا! میں چلتا ہوں اور ہاں آپ کو کوئی پرابلم تو نہیں ہے' کسی چیز کی ضرورت؟" انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا تو اریبہ بڑے آرام سے بولی تھی۔

"جی ڈیڈی! مجھے بائیک چاہیے۔"

"بائیک!" توصیف احمد حیران ہوئے' جبکہ سارہ پریشان ہو گئی تھی۔

"جی! کالج آنے جانے کے لیے۔" اریبہ کا انداز ہنوز تھا۔

"تو کیا آپ گاڑی استعمال نہیں کرتیں؟" توصیف احمد نے اریبہ سے پوچھ کر سارہ کو دیکھا جیسے وہ جواب دے گی۔

"گاڑی میں بہت پرابلم ہوتی ہے ڈیڈی' ٹریفک میں پھنس جاتی ہے۔ اکثر میں لیٹ ہو جاتی ہوں۔ میری کلاس مس ہو جاتی ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے میرا کتنا نقصان ہوتا ہے۔" اریبہ نے اپنی پرابلم بتا کر اصرار کیا۔

"بس آپ مجھے بائیک دلا دیں۔"

"وہ تو میں دلا دوں لیکن بائیک چلائے گا کون؟"

"میں خود۔"

اریبہ کے جواب نے سارہ کو مزید پریشان کر دیا۔ اس نے توصیف احمد کو دیکھا۔ وہ خاموش ہو گئے تھے' پھر خاموشی سے چلے گئے تو پہلی بار سارہ ان کے پیچھے جانے کی بجائے اریبہ سے الجھ پڑی تھی۔

* * *

رات وہ بہت دیر تک اسٹڈی کرتی رہی تھی۔ دو تو بج ہی گئے تھے' پھر صبح چھٹی بھی نہیں تھی جو وہ اطمینان سے سوتی' جب ہی صبح جلدی اٹھنے کی ٹینشن کے ساتھ اس نے لائٹ آف کر کے بیڈ پر چھلانگ لگائی تھی اور جلدی سو بھی گئی تھی۔ لیکن آج شاید اس کی قسمت میں سونا نہیں لکھا تھا جو گھنٹے بھر بعد اس کا موبائل میوزک بجانے لگا۔

وہ پہلے کسمسائی پھر ذرا سی آنکھیں کھول کر بیڈ کارنر پر رکھے موبائل کو دیکھنے لگی جس کی اسکرین اندھیرے میں جگمگا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ موبائل کی طرف ہاتھ بڑھاتی میوزک بند ہو گیا۔

"شکر......" اس نے کروٹ بدلی تھی کہ پھر میوزک بجنے لگا۔

"شٹ۔۔۔" اس نے فوراً موبائل اٹھایا اور بدتمیزی سے پوچھا تھا۔ "کون ہے؟"

"خاکسار کو اجلال رازی کہتے ہیں۔" ہمیشہ والا دلنشیں انداز جو کبھی اس کے اندر ہلچل مچایا کرتا تھا، اب اندر تک سلگا گیا۔

"کہتے ہوں گے، اس وقت یعنی رات کے تین بجے فون کرنے کا مقصد؟"

"مقصد تمہاری نیند اڑانا۔ جو خواب سوتے میں دیکھ رہی تھیں، وہ اب جاگتی آنکھوں میں سجالو۔ سن رہی ہو ناں! میں تمہارے خوابوں کی تعبیر بن کر آرہا ہوں۔" اجلال رازی کے لہجے میں ابھی بھی اس کے لیے بے پناہ چاہت تھی۔

"کیا بکواس ہے۔" وہ ہتھے سے اکھڑنے لگی۔

"کم آن اریبہ! تم شاید نیند خراب ہونے پر ناراض ہو رہی ہو۔ سوری یار میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ میں آرہا ہوں۔ میری سیٹ کنفرم ہو گئی ہے۔" اجلال رازی کے لہجے میں حد درجہ یقین تھا، جیسے وہ بے تابی سے پوچھے گی کب، کب آرہے ہو۔

"تو میں کیا کروں؟" اس نے نروٹھے پن سے کہہ کر موبائل آف کر دیا اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔ کتنی دیر وہ خود کو دھوکا دیتی رہی جیسے وہ سو چکی ہے اور جب تھک گئی تو ایک دم اٹھ بیٹھی۔ تکیہ کھینچ کر گود میں رکھ لیا اور دھیرے دھیرے جھولنے لگی۔ یہ اس کا اندرونی اضطراب تھا جو اسے بے چین کر رہا تھا۔

"رازی نے اپنے آنے کی اطلاع مجھے کیوں دی ہے۔ کیا تائی امی نے اسے نہیں بتایا کہ میں وہ بندھن توڑ چکی ہوں۔ شاید اس لیے چھپا گئی ہوں گی تاکہ وہاں رازی ڈسٹرب نہ ہو۔ اس کی پڑھائی سے توجہ نہ ہٹ جائے۔ بہت چالاک ہیں تائی امی، لیکن یہاں غلطی کر گئی ہیں۔ اب اچانک رازی کو پتا چلے گا کہ میں نے اس کے نام کی انگوٹھی اتار کر واپس کر دی ہے تو وہ کتنا شاکڈ ہو گا۔"

"ہوا کرے مجھے کیا۔" اس نے پھر خود کو دھوکا دیا تھا۔

* * *

"امی، امی۔۔۔!" ثنا بھاگتی ہوئی ساجدہ بیگم کے کمرے میں آئی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

"امی، رازی بھائی آرہے ہیں۔ ابھی ان کا فون آیا تھا۔ بتا رہے تھے سیٹ کنفرم ہو گئی ہے۔"

"اللہ ساتھ خیریت کے لائے۔ کب آرہا ہے۔" ساجدہ بیگم کے اندرونی جذبات کبھی ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ ہمیشہ پرسکون رہتی تھیں۔

"اس مہینے کی بیس تاریخ کو۔ اللہ! امی یہ دن کیسے کٹیں گے۔ میرا دل چاہ رہا ہے بس رازی بھائی ابھی آجائیں۔" ثنا کی بے صبری پر ساجدہ بیگم مسکرا کر رہ گئیں۔

"آپ کو خوشی نہیں ہو رہی۔ پورے پانچ سال بعد آرہے ہیں رازی بھائی۔" ثنا اکثر ان کے سکون پر جھنجلا جاتی تھی۔

"خوشی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم آپے سے باہر ہو جائیں۔ ڈھنڈورا پیٹ کر دنیا کو خبر دیں کہ ہم خوش ہیں۔ جو ہمیں خوشی عطا کرتا ہے ہمیں پہلے اسی کو یاد کرنا چاہیے۔"

ساجدہ بیگم تحمل سے بولی تھیں۔ ثنا یکدم ٹھنڈی پڑ گئی، پھر اچانک کسی خیال کے تحت ان کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگی۔

"اچھا امی! وہ اریبہ والی بات کا کیا ہو گا؟"

"جو اللہ کو منظور۔۔۔۔" ساجدہ بیگم کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی گویا دل پر بوجھ تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے، جو اللہ کو منظور ہو گا، وہی ہو گا لیکن ابھی جو رازی بھائی کو پتا چلے گا کہ اریبہ نے منگنی کی انگوٹھی واپس کر دی ہے تو وہ پریشان ہی نہیں ہوں گے بلکہ ناراض بھی ہوں گے کہ آپ نے انہیں اس وقت کیوں نہیں بتا دیا تھا۔ آخر کیوں چھپایا آپ نے ان سے۔۔۔؟" ثنا نے آنے والی صورت حال کی سنگینی کا احساس دلا کر سوال اٹھایا تھا۔

"مصلحتاً" چھپایا تھا بیٹی "مصلحتاً"۔۔۔ یہ رشتہ تمہارے ابا نے طے کیا تھا۔ میں اسے قائم رکھنا چاہتی ہوں اور اپنی پوری کوشش کروں گی۔ رازی ناراض ہو گا تو مان بھی جائے گا، پھر ہو سکتا ہے وہ اریبہ کو بھی منا لے۔ اس لیے میں نے اس بات کو وہیں دبا دیا تھا۔"

ساجدہ بیگم بظاہر سکون سے بول رہی تھیں، لیکن ان کے چہرے پر فکرمندی کا تاثر صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

"بے کار ہے امی! اریبہ کے اب مزاج ہی نہیں ملتے۔ پتا نہیں کیا سمجھنے لگی ہے اپنے آپ کو۔ بالکل اپنی ماں کی طرح ہو گئی ہے، بدمزاج اور بدزبان۔" ثنا نے جلے لہجے میں اریبہ کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔

"ہوں ہوں!" ساجدہ بیگم نے خفگی سے ٹوکا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو۔ بڑوں کے بارے میں اس طرح بات کرتے ہیں۔ یہی سکھایا ہے میں نے تمہیں۔"

"سوری امی!" ثنا اکتاہٹ سے بولی۔ "بس اب آپ مجھے مزید لیکچر مت دیجیے گا۔"

"اچھا جاؤ کچن دیکھو۔ ابھی بلال "کھانا کھانا" کرتے ہوئے آئے گا۔"

ساجدہ بیگم نے ثنا کو وہاں سے اٹھا دیا لیکن پھر خود اسی نہج پر سوچنے لگی تھیں، یعنی اریبہ کے بارے میں۔ منگنی کی انگوٹھی واپس کرنے کے بعد سے وہ واقعی بہت بدل گئی تھی۔ یہاں آنا تو بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ گزشتہ مہینے انہوں نے اپنی نند انیسہ کے گھر میں اسے دیکھا تھا۔ سلام تک نہیں کیا تھا اس نے اور ان ڈائریکٹ بہت کچھ سنا بھی گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ اسے بہو بنانے پر تیار تھیں، کیونکہ ایک تو یہ رشتہ ان کے مرحوم شوہر نے طے کیا تھا دوسرے وہ توصیف احمد کو بھی ناراض نہیں کر سکتی تھیں جو ان کا ماں کی طرح احترام کرتے تھے۔

"اے اللہ میں اس معاملے کو تیرے سپرد کرتی ہوں اور تجھ سے اچھی امید رکھتی ہوں تو یقیناً "بہتر کرنے والا ہے۔" ساجدہ بیگم خود کو بے بس محسوس کرتے ہوئے اللہ سے مدد مانگنے لگی تھیں۔

* * *

توصیف احمد معمول کے مطابق آفس سے آنے کے بعد فریش ہو کر لان میں آ بیٹھے تھے۔ جاتی گرمیوں کی خوشگوار سی شام تھی۔ فضا نے ہوا کی نمی چرا لی تھی۔ توصیف احمد اپنی عمر کی پانچ دہائیاں مکمل کر چکے تھے۔ زندگی کے نشیب و فراز کے باوجود ان کا ذہن سرسبز و شاداب تھا اور احساسات زندہ۔ جب ہی موسموں کا بدلنا محسوس کرتے تھے۔

وہ فطرتاً "محبت کرنے والے بہت نفیس انسان تھے۔ زندگی سے انہیں پیار تھا اور وہ اپنی زندگی محبت اور سکون سے بسر کرنا چاہتے تھے، لیکن یہ ان کی بدقسمتی کہ پہلے ان کی زندگی میں یاسمین آگئیں۔ یاسمین نے کسی بات پر راضی ہونا سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ جتنی حسین تھیں، اس سے کہیں زیادہ بدمزاج اور بدزبان۔ مشتعل ہوتیں تو توصیف احمد کو زمانے بھر میں رسوا کرنے سے نہیں چوکتی تھیں۔ اس کے باوجود زندگی کے خوب صورت سال توصیف احمد نے یاسمین کے ساتھ نباہ کرنے کی کوشش میں گزار دیے، اس امید پر کہ کبھی تو وہ خود کو بدلنے پر تیار ہوں گی۔ ان کے لیے نہ سہی بچوں کی خاطر ہی سہی، لیکن وہ جانے کس مٹی کی بنی تھیں۔ خود کو بدلنا تو دور کی بات

کبھی اپنے رویے پر نادم بھی نہیں ہوتی تھیں۔ آخر توصیف احمد اس زندگی سے تنگ آ گئے۔ پہلے زیادہ وقت آفس میں گزارنے لگے۔ لیکن آفس کے بعد گھر تو جانا ہی ہوتا تھا اور انہیں گھر کے نام سے وحشت ہونے لگی تھی۔

پھر ایک دن وہ اپنے بڑے بھائی حبیب احمد اور بھاوج ساجدہ بیگم کے سامنے باقاعدہ رو پڑے تھے۔

”میں تنگ آ گیا ہوں اس زندگی سے۔ اب مجھ میں برداشت کی طاقت نہیں رہی، لیکن میں ابھی مرنا نہیں چاہتا بھائی صاحب! مجھے بچا لیں۔ میں اپنے بچوں کے لیے جینا چاہتا ہوں۔“

حبیب احمد اور ساجدہ بیگم سے ان کے گھریلو حالات ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ انہوں نے اس وقت توصیف احمد کو بہت تسلی دلاسا دیا۔ پھر حبیب احمد نے ہی انہیں دوسری شادی کا مشورہ دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اپنی سالی خالدہ سے ان کی شادی کرا بھی دی تھی اور یہ شادی طویل عرصہ تک راز ہی رہی تھی، کیونکہ یاسمین کو کبھی اس بات سے دلچسپی نہیں رہی تھی کہ توصیف احمد ہر دوسرے ہفتے آفس ٹور پر اسلام آباد جاتے ہیں یا بنکاک اور واپسی میں اتنے دن کیوں لگا دیتے ہیں۔

بہرحال خالدہ سے شادی کے بعد توصیف احمد کو ایک گھر کا سکون میسر آ گیا تھا۔ اس لیے یاسمین کو انہوں نے ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ وہ جو کہتیں خاموشی سے سن لیتے، کیونکہ اریبہ اور سارہ سمجھ دار ہو گئی تھیں اور وہ اپنی طرف سے انہیں اچھا ماحول دینا چاہتے تھے۔

جب اریبہ نے میٹرک کر لیا تو حبیب احمد اور ساجدہ بیگم نے اسے اپنے بیٹے اجلال رازی کے لیے مانگ لیا۔ اجلال اس وقت ایم بی اے کے لیے امریکہ جانے والا تھا۔ یوں اس کے جانے سے پہلے باقاعدہ اریبہ کے ساتھ اس کی منگنی ہوئی تھی، جس میں دونوں کی رضا شامل تھی اور یاسمین نے بھی کوئی اعتراض نہیں اٹھایا تھا، کیونکہ اجلال کا مستقبل تابناک نظر آ رہا تھا۔ دوسرے اپنے میکے میں وہ اکلوتی تھیں۔

پھر جن دنوں اجلال امریکہ جانے کی تیاریاں کر رہا تھا، حبیب احمد دل کے دورے میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یوں کچھ عرصہ کے لیے اس کا جانا ملتوی ہو گیا۔ بلکہ وہ تو پھر جانا ہی نہیں چاہتا تھا، کیونکہ گھر میں اب بڑا وہی تھا، لیکن ساجدہ بیگم نے بہت ہمت سے کام لیا، پھر توصیف احمد نے بھی یہی کہا کہ اسے ضرور جانا چاہیے۔ یہ ان کے مرحوم بھائی کی خواہش تھی۔ یوں اجلال امریکہ چلا گیا۔ وہ گیا تو صرف دو سال کے لیے تھا لیکن پھر ایم بی اے کے بعد اس نے وہیں جاب کر لی۔

یہاں آ کر بھی اسے یہی کچھ کرنا تھا لیکن یہاں اور وہاں کی کرنسی میں فرق تھا، اس لیے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اس نے تین سال مزید وہاں لگا دیے تھے، جس پر توصیف احمد کو کوئی اعتراض نہیں تھا، کیونکہ اریبہ بھی ابھی پڑھ رہی تھی۔ میڈیکل اس کا شوق تھا اور توصیف احمد بچوں کے مثبت شوق کی پذیرائی کرتے تھے۔ بہرحال کچھ عرصہ یعنی چھ آٹھ مہینے پہلے تک سب ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا کہ اچانک بھونچال آ گیا۔ یوں کہ یاسمین کو ان کی دوسری شادی کی خبر ہو گئی جو کہ اب کافی پرانی ہو گئی تھی، یعنی خالدہ سے توصیف احمد کے بچے ہما اور فہد اسکول جانے والے ہو چکے تھے۔

اور یاسمین نے اپنی بے خبری پر ماتم نہیں کیا تھا، نہ توصیف احمد کو دوسری شادی کرنے پر لعن طعن کی ان کا سارا غصہ ساری لعن طعن ساجدہ بیگم پر تھی جنہوں نے اپنی بہن کو ان کی سوتن بنا دیا تھا۔

”چالاک، مکار عورت پہلے دن ہی مجھے دیکھ کر جل گئی تھی۔ سانپ لوٹنے لگے تھے اس کے سینے پر۔ میرا حسن، میری تعلیم اس جیسی عورت سے برداشت ہی نہیں ہوئی اور آخر لے آئی اپنی جاہل گنوار بہن کو۔ بس توصیف احمد اب میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ جاؤ اسی حرافہ کے پاس۔“

توصیف احمد تو پہلے بھی اس عورت کی زبان پر بند نہیں باندھ سکے تھے اب وہ مزید بے لگام ہو گئی تھی۔ اب

یاسمین نے اپنے ساتھ اریبہ کو بھی ملا لیا تھا۔ اریبہ چونکہ جذباتی لڑکی تھی اس لیے یاسمین اس کے سامنے آنسو بہا کر خود کو مظلوم ثابت کر لیتیں۔ جبکہ سارہ چھوٹی ہونے کے باوجود سمجھ دار تھی۔ وہ ماں کے آنسوؤں پر تسلی دلاسے دے کر فارغ ہو جاتی تھی۔

پھر پورے دو مہینے توصیف احمد نے اس گھر کا رخ نہیں کیا تھا، لیکن وہ ہمیشہ کے لیے غافل نہیں ہو سکتے تھے۔ بچوں کی محبت انہیں کھینچ لائی تھی۔ اس پر یاسمین نے بہت واویلا مچایا، بہت کوشش کی کہ توصیف احمد پر اس گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیں لیکن یہ ممکن نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ سارہ اور حماد کو باپ کا انتظار رہتا تھا۔ ہو سکتا ہے اریبہ کو بھی رہتا ہو لیکن وہ ظاہر نہیں کرتی تھی۔ ان ساری باتوں کے باوجود توصیف احمد اپنے اس دوسرے گھر میں خوش اور مطمئن تھے۔ بس ایک خلش تھی کہ وہ اریبہ، سارہ اور حماد کو زیادہ وقت نہیں دے سکتے تھے۔ انسان مکمل آسودہ تو نہیں ہوتا، کہیں کوئی کمی کوئی خلش تو ہوتی ہی ہے۔ ان کے ساتھ بھی یہی تھا۔

خالدہ چائے لے آئی تھیں۔ توصیف احمد نے ایک کپ اٹھا لیا پھر انہیں دیکھ کر پوچھنے لگے۔

”بچے کہاں ہیں؟“

”ان کا ٹیوٹر آیا ہوا ہے۔ آج کچھ لیٹ ہو گیا ہے۔“ خالدہ نے جواب دیا تھا کہ اسی پل گیٹ سے باہر گاڑی کا ہارن بجنے لگا، یوں جیسے کوئی ہارن پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا بھول گیا ہو۔ توصیف احمد نے انتہائی ناگواری سے گیٹ کی طرف دیکھا۔ ملازم بھاگتا ہوا جا رہا تھا اور جیسے ہی اس نے گیٹ کھولا، زن سے ایک بائیک نہ صرف اندر آ گئی بلکہ لان میں اتر کر باقاعدہ گول چکر لگانے لگی۔ توصیف احمد فوری طور پر سمجھ نہیں سکے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ خالدہ اپنی جگہ پریشان ہو گئی تھیں۔ چار پانچ چکر کے بعد بائیک توصیف احمد کے عین سامنے رک گئی۔

”ہو آر یو؟“ توصیف احمد نے انتہائی کرخت لہجے میں پوچھا تھا۔

”آئی ایم اریبہ۔“ اریبہ نے بتانے کے ساتھ ہیلمٹ اتار دیا۔ توصیف احمد اسے دیکھتے رہ گئے۔

”دیکھ لیا آپ نے میں بائیک چلا سکتی ہوں۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اگر آپ نہیں دلائیں گے تو میں پڑھائی چھوڑ دوں گی۔“

”اس سے نقصان کس کا ہو گا؟“ توصیف احمد کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

”میرا... اور میرے نفع نقصان سے شاید آپ کو کوئی دلچسپی نہیں۔ سوچ لیں میں اس سے زیادہ نقصان بھی کر سکتی ہوں آئی مین اپنا۔“

”آپ مجھے بلیک میل کر رہی ہو۔“ توصیف احمد کو خود پر ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

”آپ جو بھی سمجھیں..... اوکے۔“ اریبہ نے ہاتھ ہلا کر بائیک کو زوردار کک ماری اور جس طرح آندھی طوفان کی طرح آئی تھی۔ اسی طرح واپس چلی گئی۔

توصیف احمد شاکڈ بیٹھے تھے۔

☆ ☆ ☆

ڈائننگ ٹیبل پر رات کا کھانا لگاتے ہوئے سارہ جھنجھلا کر سب کو پکار بھی رہی تھی۔

”آ جاؤ بھئی کھانا لگ چکا ہے۔ مما، حماد، اریبہ! کہاں ہیں بھئی سب؟“

”میں یہاں ہوں۔“ سمیر پردہ کھینچ کر سامنے آ گیا۔

”ارے تم کب آئے؟“ سارہ کی ساری جھنجھلاہٹ غائب ہو گئی تھی۔

”ابھی تم نے پکارا نہیں اور میں آ گیا۔“ سمیر کہہ کر ٹیبل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ارے کوفتے کس نے بنائے ہیں؟"

"کون بنا سکتا ہے میرے علاوہ۔" سارہ اترائی۔

"اوہاں میں تو بھول ہی گیا تھا۔ تمہارے علاوہ اس گھر میں کوئی اور لڑکی ہے ہی نہیں۔" سمیر نے ڈش میں سے ایک کوفتہ اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ اچھل پڑی۔

"کیوں اریبہ نہیں ہے کیا؟"

"اریبہ کو تم لڑکی سمجھتی ہو۔ نہیں، نہیں۔ پوری لڑکا ہے وہ۔ شام میں میں نے اسے شارع فیصل پر بائیک بھگاتے دیکھا تھا۔ یقین کرو میں تو دنگ رہ گیا تھا بالکل اسی طرح جیسے تم....." سمیر نے انگلی سے اس کے کھلے منہ کی طرف اشارہ کیا تو اس نے سٹپٹا کر فوراً" منہ بند کیا، پھر خائف لہجے میں پوچھنے لگی۔

"تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"سو فیصد۔ اریبہ سے پوچھ لو، وہ تو جھوٹ نہیں بولتی۔" سمیر نے پورا کوفتہ منہ میں رکھ لیا تھا اور اسی کا مزا لے کر بولا تھا۔

"طنز کر رہے ہو یا مذاق اڑا رہے ہو؟" سارہ کا چہرہ بجھ گیا تھا۔

"توبہ کرو! میری اتنی مجال کہاں، ویسے میں نے غلط تو نہیں کہا، یہ تو تم بھی مانو گی کہ اریبہ سچ ہی بولتی ہے۔" سمیر کہتے ہوئے چیئر کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں، کڑوے سچ جو کسی کو ہضم نہیں ہوتے۔" وہ کہہ کر زور سے چیخی تھی۔ "حماد کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"تو اس میں اتنا چلانے کی کیا بات ہے۔" اریبہ اندر آتے ہوئے بولی۔ اس کے پیچھے حماد اور یاسمین بھی آگئیں۔

"السلام علیکم۔" سمیر یاسمین کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کیسے آئے۔" یاسمین نے سلام کا جواب نہیں دیا، الٹا نخوت سے پوچھا تھا۔ سمیر یاسمین کے اس انداز اور ایسی باتوں کا عادی ہو چکا تھا، جب ہی برا مانے بغیر بولا۔

"بس ادھر سے گزر رہا تھا، چلا آیا۔" پھر اریبہ کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔ "تم نے بائیک کب لی؟"

"ابھی لی کہاں ہے۔ وہ تو دوست کی تھی۔" اریبہ سمجھ گئی تھی وہ اسے بائیک چلاتے دیکھ چکا ہے، جب ہی بے نیازی سے بولی تھی۔

"تمہاری دوست بھی بائیک چلاتی ہے۔" حیرت سے سمیر کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔

"تو اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ چلو کھانا کھاؤ اور دیکھو تعریف ضرور کرنا کیونکہ سارہ نے کوفتوں پر بڑی محنت کی ہے۔"

"واقعی! جواب نہیں۔" سمیر نے فوراً" نوالہ منہ میں ڈال کر کہا، پھر یاسمین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "آنٹی! آپ کچھ چپ چپ ہیں۔ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟"

"سارہ! چائے میرے کمرے میں بھجوا دینا۔" یاسمین نے ہمیشہ کی طرح سمیر کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اٹھ کر چلی گئیں تو سارہ صفائی پیش کرنے لگی۔

"مما کی طبیعت واقعی ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیوں جھوٹ بولتی ہو؟ صاف کیوں نہیں کہتیں کہ مما اسے برداشت نہیں کرتیں۔" اریبہ نے سارہ کو ٹوکتے ہوئے کہا تو سمیر فوراً" بولا تھا۔

"یہی سچ ہے۔ لیکن مجھے برا نہیں لگتا۔ اصل میں....."

"بس، زیادہ تمہیدیں باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اریبہ کہتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ سمیر نے ذرا سے کندھے اچکائے، پھر حماد سے پوچھنے لگا۔

"تم کب جاؤ گے؟"

"کہاں؟" حماد سمجھا ہی نہیں۔

"اپنے کمرے میں اور کہاں۔ خیر بیٹھے رہو۔ میں ہی چلا جاتا ہوں۔" سمیر جھنجلا کر اٹھا تھا۔ سارہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔

* * *

ثنا بہت توجہ اور شوق سے رازی کے کمرے کی صفائی ستھرائی اور سیٹنگ میں لگی ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ بھائی اتنے عرصے بعد آ رہا تھا۔ پانچ سال کم نہیں ہوتے۔ جب وہ گیا تھا تب ثنا آٹھویں کلاس میں پڑھتی تھی اور اب تھرڈ ایئر میں آگئی تھی۔ بچپن کے ساتھ وہ اونگی بونگی حرکتیں بھی رخصت ہو گئی تھیں۔ اب تو وہ خاصی سمجھ داری کی باتیں کرتی تھی۔ آخر ساجدہ بیگم کی بیٹی تھی جن کی بردباری کے سامنے یاسمین جیسی بد زبان عورت بھی خود کو بے بس محسوس کرتی تھی۔ ان کی پیٹھ پیچھے لاکھ برائیاں کرتیں گالیاں دیتیں، لیکن سامنے زبان جیسے تالو سے لگ جاتی تھی۔ البتہ چہرے کے تاثرات چھپانے کی وہ کبھی کوشش نہیں کرتی تھیں۔ ساجدہ بیگم تو خیر نظرانداز کر جاتیں لیکن ثنا کو بہت غصہ آتا تھا۔ اس وقت رازی کے کمرے میں نئے پردے لگاتے ہوئے وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ یاسمین چچی کی ساری حرکتیں وہ رازی بھائی کو بتائے گی۔

"تمہاری اب تک سیٹنگ ختم نہیں ہوئی؟" بلال نے کمرے میں داخل ہو کر کہا تو ثنا نے رنگ میں آخری ہک ڈال کر اسٹول سے چھلانگ لگائی، پھر بلال کے ساتھ سمیر کو دیکھ کر اسی سے پوچھنے لگی۔

"آج تم کیسے راستہ بھول گئے۔"

"ابھی بھی میں کھینچ لایا ہوں۔ یہ تو کترا کے نکل رہا تھا۔" بلال نے سمیر کے کندھے پر دھپ مار کر کہا۔

"کترا کے کیوں؟ بلال سے کوئی قرض ورض لیا تھا کیا؟" ثنا اپنی بات پر خود ہی ہنسی، پھر ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"خیر! یہ بتاؤ پھوپھو کیسی ہیں؟"

"اچھی ہیں۔ کتنے دنوں سے کہہ رہی ہیں بڑے بھائی کے ہاں لے چلو۔ بس مجھے ہی فرصت نہیں ملتی۔" سمیر نے خاصے ڈھیلے ڈھالے انداز میں خود کو صوفے پر گرایا تھا۔

"فرصت نہیں ملتی۔ کیا کوئی کام دھندا شروع کر دیا ہے؟" بلال جو بیڈ پر دراز ہو چکا تھا، فوراً" اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کام دھندا تو نہیں۔ امتحان سر پر ہیں۔ تمہیں پتا ہے ابو اس معاملے میں کتنے سخت ہیں۔" سمیر بتاتے ہوئے اچانک چونکا، پھر کمرے میں۔ ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگا۔ "تم نے اپنا کمرہ چینج کر لیا ہے کیا؟"

"جی نہیں! یہ رازی بھائی کا کمرہ ہے۔" ثنا پہلے بول پڑی۔ "اور رازی بھائی آ رہے ہیں۔"

"اچھا کب؟" سمیر مشتاق ہو گیا تھا۔

"بیس تاریخ کو، صبح چار بجے کی فلائیٹ سے۔"

"اسی مہینے کی بیس کو؟"

"ہاں اسی بیس کو۔ جب ہی تو میں ان کا کمرہ سیٹ کر رہی ہوں۔" ثنا کے لہجے میں بھائی کی محبت چھلک رہی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی خبر سنائی تم نے۔ پھر یقیناً" ان کی شادی کا ہنگامہ ہو گا۔ لیکن اریبہ تو شاید ابھی شادی پر آمادہ نہیں ہو گی، کیونکہ اس کے دو سال باقی ہیں۔" سمیر نے اپنی بات کا خود ہی جواب بھی سوچ لیا تھا۔

"ہاں دیکھو! کیا ہوتا ہے۔" بلال نے اس موضوع کو طول نہیں دیا اور اشارے سے ثنا کو بھی منع کر کے اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ ساجدہ بیگم نے سختی سے تاکید کی تھی کہ اریبہ کے انگوٹھی واپس کرنے کی بابت ان دونوں کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلنی چاہیے۔

"کہاں جا رہے ہو؟" سمیر نے سر اونچا کر کے بلال کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"امی کے پاس۔"

"ہاں میں بھی ممانی جان سے مل لوں، پھر چلتا ہوں۔" سمیر فوراً اٹھ کر بلال کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ ثنا پھر نئے سرے سے کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔

* * *

توصیف احمد جان بوجھ کر اس وقت آئے تھے جب یاسمین گھر میں اکیلی تھیں۔ اریبہ اور سارہ اپنے اپنے کالج گئی ہوئی تھیں اور حماد کو خود انہوں نے فون کر کے اپنی بہن امینہ کے گھر بھیجا تھا کہ پھوپھو اسے بہت یاد کر رہی ہیں۔ اس کے بعد گھر آئے تو ان کی توقع کے عین مطابق یاسمین نے انہیں دیکھتے ہی تیوری چڑھا لی تھی۔

"اس وقت آنے کا مطلب؟ کیا بھول گئے ہو کہ اس وقت بچے اسکول کالج ہوتے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں بھولا۔ تم بھول رہی ہو کہ یہ میرا گھر ہے اور یہاں آنے جانے کے لیے میں کسی وقت کا پابند نہیں ہوں۔" توصیف احمد کے اندر جانے کس بات کا غصہ تھا جو فوراً ہی ظاہر بھی ہو گیا تھا۔

"اوہ! تو تم یہ جتانے آئے ہو کہ......"

"میں کچھ جتانے نہیں آیا' یاسمین! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے اور میں چاہتا ہوں تم آرام سے بیٹھ کر سکون سے میری بات سنو اور سمجھو بھی۔" توصیف احمد نے فوراً ٹوک کر مضبوط لہجے میں کہا تو یاسمین کھوجتی نظروں سے انہیں یوں دیکھنے لگیں جیسے خود ہی جان لینا چاہتی ہوں کہ وہ کیا بات کرنے والے ہیں۔

"مجھے بچوں سے متعلق بات کرنی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔" توصیف احمد نے اب لہجے کو نرم بنایا اور یاسمین کا بازو تھامنے کے لیے ہاتھ بھی بڑھایا تھا لیکن وہ فوراً جا کر دوسرے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"کہو کیا بات کرنی ہے......؟"

توصیف احمد نے چند لمحے توقف کیا' پھر کہنے لگے۔

"میں دیکھ رہا ہوں اریبہ دن بدن ضدی اور خود سر ہوتی جا رہی ہے۔ تم ماں ہو کنٹرول کرو اسے۔ اگر ابھی تم نے اس پر توجہ نہ دی تو پھر وہ بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

یاسمین بہت سکون سے انہیں دیکھے جا رہی تھیں۔ توصیف احمد نے بمشکل خود پر ضبط کیا' پھر کہنے لگے۔

"اس روز جب میں آیا تھا تو اریبہ نے مجھ سے بائیک کی فرمائش کی تھی۔ پھر کسی کی بائیک لے کر گھر آ گئی' یہ جتانے کہ وہ بائیک چلا سکتی ہے اور میں فوراً اسے بائیک دلا دوں' ورنہ وہ اپنا نقصان کرے گی۔ تم بتاؤ کیا یہ اچھی بات ہے؟ نہیں یاسمین! مجھے لڑکیوں کے یہ طور طریقے بالکل پسند نہیں ہیں۔ اس سے کہو صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دے' ورنہ میں کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔" آخر میں آپ ہی آپ ان کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔

"توصیف احمد! اب کیا سوچو گے۔ سوچنا اس وقت چاہیے تھا' جب دوسری شادی کرنے جا رہے تھے۔ اس وقت تمہیں یہ خیال کیوں نہیں آیا تھا کہ تمہاری بیٹیاں ہمیشہ بچی نہیں رہیں گی۔ بڑی بھی ہوں گی۔ پھر جن لڑکیوں کے باپ مر جائیں' انہیں تو سمجھایا جا سکتا ہے' اریبہ اور سارہ کو نہیں۔ کیونکہ اسی شہر میں ان کا باپ اپنے ہر عمل میں آزاد پھرتا ہے۔ پھر وہ کیوں نہ آزاد پھریں۔" یاسمین نے ان کی بات کو سکون سے سنا ضرور تھا لیکن سنجیدگی سے

نہیں لیا تھا۔ بلکہ انہیں تو ایسا موقع چاہیے ہوتا تھا کہ وہ دل کی بھڑاس نکالیں۔

"دیکھو یاسمین! یہ صرف میرا مسئلہ نہیں ہے۔ تم بھی پچھتاؤ گی۔" توصیف احمد نے غصے سے کہا تھا۔

"میں تو تم سے شادی کر کے اب تک پچھتا رہی ہوں۔" یاسمین سلگ کر بولی تھیں۔

"اپنی بات چھوڑو۔ اب تمہارا نہیں' تمہاری اولاد کا وقت ہے۔ میں جانتا ہوں تم صرف میری ضد میں اولاد کو خراب کرنا چاہتی ہو' لیکن میں یہ ہونے نہیں دوں گا۔ تم اگر اریبہ کو سمجھا سکتی ہو تو ٹھیک ورنہ اپنا بوریا بستر سمیٹو اور نکل جاؤ یہاں سے۔" توصیف احمد بالکل ہی بے قابو ہو گئے تھے۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہاری اولاد کی چوکیداری پر بیٹھنے کا۔ لیکن میں نکلوں گی نہیں۔ کوئی نہیں نکال سکتا مجھے یہاں سے۔ تمہارا باپ بھی نہیں۔ سمجھے تم جاؤ۔ تم نکل جاؤ۔ تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے یہاں۔ آئندہ مت آنا۔" یاسمین عادت کے مطابق چیخنے چلانے لگی تھیں۔ توصیف احمد کے لیے ان کا یہ روپ نیا نہیں تھا۔ جانتے تھے کہ اب وہ کچھ نہیں سنیں گی' اس لیے انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر باہر نکل آئے اور جیسے ہی گاڑی کا دروازہ کھولا' اسی وقت سارہ کالج وین سے اتر کر ان کے پاس آ گئی۔

"السلام علیکم ڈیڈی!"

توصیف احمد اس وقت کچھ بھی بولنے سے قاصر تھے' اس لیے سارہ کے سر پر ہاتھ رکھا' پھر فوراً گاڑی میں بیٹھ گئے۔

"ڈیڈی! آپ جا رہے ہیں۔" سارہ پوچھ رہی تھی۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور گاڑی بڑھا لے گئے۔ اوجھل ہونے تک سارہ وہیں کھڑی دیکھتی رہ گئی' پھر بھاگ کر اندر آئی تھی۔

"مما! ڈیڈی آئے تھے۔ کیا کہہ رہے تھے؟"

یاسمین سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا تو چیخ کر بولی تھیں۔

"اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"کیا ہوا ہے مما؟" سارہ سہم گئی۔

"قیامت آ گئی ہے' اور کچھ نہیں ہوا۔" یاسمین نے اسی طرح چیخ کر کہا پھر خود ہی جا کر اپنے کمرے میں بند ہو گئیں۔ سارہ کی ہمت نہیں ہوئی ان کے دروازے پر دستک دینے کی تو وہیں بیٹھ کر اریبہ کا انتظار کرنے لگی۔

اور اریبہ ایک گھنٹے بعد آئی تھی۔ مگن انداز میں بیگ جھلاتی ہوئی سیدھی اپنے کمرے میں جا رہی تھی کہ سارہ کو صوفے کے کونے میں دبکے دیکھ کر کچھ ٹھٹکی' پھر اس کے قریب چلی آئی۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو؟ کیا مما نے ڈانٹا ہے؟"

"نہیں اریبہ! پتا نہیں کیا ہوا ہے' جب میں کالج سے آئی تو ڈیڈی جا رہے تھے۔ شاید غصے میں تھے۔ مجھ سے بات بھی نہیں کی' پھر اندر آئی تو مما بھی غصے میں تھیں۔ مجھے ڈانٹا اور اپنے کمرے میں بند ہو گئیں۔" سارہ نے جلدی جلدی بتایا تو اریبہ اپنا بیگ ایک طرف اچھال کر بولی۔

"اچھا! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں مما کو دیکھتی ہوں اور ہاں حماد کہاں ہے؟"

"پتا نہیں' شاید گھر پر نہیں ہے۔" سارہ کا جواب سن کر اریبہ یاسمین کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ پہلے ہینڈل گھما کر دیکھا' پھر دستک دے کر بولی۔

"مما' مما دروازہ کھولیں۔"

اندر اریبہ کی آواز سن کر یاسمین نے فوراً سوٹ کیس کھینچ کر بیڈ پر رکھا۔ الماری کھولی پھر بال بکھرا کر خود کو نڈھال ظاہر کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"مما!" اریبہ، یاسمین کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ "کیا ہوگیا ہے آپ کو؟"

"کچھ نہیں۔" یاسمین رندھی آواز میں کہہ کر الماری کے پاس آگئیں اور کپڑے کھینچ کر سوٹ کیس میں رکھنے لگیں۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ، کہیں جا رہی ہیں کیا؟" اریبہ کچھ سمجھ نہیں پائی تو بڑھ کر الماری بند کردی۔ "بتائیں ناں کہاں جا رہی ہیں؟"

"کہیں بھی چلی جاؤں گی۔ یہاں نہیں رہ سکتی۔ تمہارے ڈیڈی کا آرڈر ہے۔ میں نکل جاؤں یہاں سے۔" یاسمین دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر سسکنے لگی تو اریبہ مزید پریشان ہوگئی۔

"مما پلیز۔ آپ روئیں نہیں، کوئی آپ کو یہاں سے نہیں نکال سکتا۔ مجھے بتائیں ڈیڈی نے کیا کہا ہے؟"

"بیٹا! وہ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن بتاؤ میں اس عمر میں کہاں جاؤں۔" یاسمین ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے انتہائی مظلومیت سے بولی تھیں۔

"اوہو، کہیں نہیں جائیں گی آپ۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ ڈیڈی نے ایسا کہا کیوں؟" اریبہ جھنجلائی تھی۔

"تم نے ان سے بائیک کی فرمائش کی تھی؟" یاسمین نے یوں پوچھا جیسے اسی بات کی سزا انہیں مل رہی ہے۔

"او تو ڈیڈی نے اس بات کو ایشو بنایا ہے۔" اریبہ جیسے ساری بات سمجھ گئی۔

"بیٹا! تم یہ ضد چھوڑ دو۔ ورنہ میں کہیں کی نہیں رہوں گی، میری خاطر بیٹا۔" یاسمین نے اریبہ کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر منت کی۔

"آپ کی خاطر میں جان دے سکتی ہوں مما! لیکن یہ اب میری ضد ہے کہ میں بائیک ضرور لوں گی اور آپ اس خوف سے نکل آئیں کہ آپ کہیں کی نہیں رہیں گی، کیونکہ آپ اکیلی نہیں ہیں۔ میں، سارہ اور حماد آپ کے ساتھ ہیں۔ ڈیڈی سے کہیے، اگر گھر سے نکالنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنی اس موٹی بیوی کو نکالیں۔" اریبہ جذباتی ہو کر بولے جا رہی تھی۔

یاسمین اس کے اسی جذباتی پن سے فائدہ اٹھا کر اسی کے ذریعے توصیف احمد کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتی تھیں اور اکثر کامیاب بھی ہو جاتی تھیں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ جسے وہ اپنی کامیابی سمجھتی ہیں، وہ ان کی ہار ہی نہیں، ان کے لیے عذاب بھی ہو سکتی تھی۔ ابھی بھی وہ اریبہ کو منہ سے باز رکھنے کے بجائے مزید اکسا کر اندر ہی اندر خوش ہو رہی تھیں۔

اریبہ نے ان کے کپڑے واپس الماری میں رکھے۔ بیڈ سے سوٹ کیس ہٹایا، پھر انہیں آرام کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

"کچھ پتا چلا کیا ہوا تھا؟" سارہ نے پوچھا تو وہ بیڈ پر گرتی ہوئی بولی۔

"ڈیڈی کو میرے بائیک چلانے پر غصہ ہے۔"

"ٹھیک تو ہے تم کیوں ایسی حرکتیں کرتی ہو۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ یا تو لڑکیوں کا بائیک چلانا عام سی بات ہوتی تب تم بھی اپنا شوق پورا کرلیتیں مگر یہاں تو سرے سے ایسا کوئی ماحول ہی نہیں ہے۔" سارہ نے اسے اچھی خاصی سنا ڈالیں۔

"ماحول بنانا پڑتا ہے۔ میں چلاؤں گی تو دیکھنا سب میدان میں نکل آئیں گی۔" وہ خلاف توقع آرام سے بولی تھی۔

"ہاں، جیسے سب تمہارے انتظار میں بیٹھی ہیں۔" سارہ سلگ گئی۔

"میرے انتظار میں نہیں، اس انتظار میں کہ کوئی تو پہل کرے اور دیکھو یہ اعزاز میرے حصے میں آئے گا۔" وہ سارہ کے سلگنے پر ہنس رہی تھی۔

"چھوڑو اس فضول بات کو۔ تمہیں پتا ہے رازی بھائی آرہے ہیں۔" سارہ نے اچانک یاد آنے پر کہا تو اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"آج ثنا نے بتایا ہے۔ بہت خوش تھی۔ ہے بھی خوشی کی بات۔ اسی ہفتے آرہے ہیں رازی بھائی۔ صبح چار بجے کی فلائیٹ ہے۔ چلیں گے ایئرپورٹ مزا آئے گا۔ پتا نہیں، رازی بھائی ہمیں پہچانیں گے بھی کہ نہیں۔" سارہ اپنی دھن میں بولے جا رہی تھی۔

وہ اپنے اندر اٹھتے ابال کو دبانے کی سعی میں ناکام ہوئی جا رہی تھی۔

* * *

سرمئی شام دھیرے دھیرے رخصت ہو رہی تھی۔ ماحول پر عجیب سی خاموشی اور اداسی چھانے لگی تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھی اس خاموش اداس منظر کا ہی کوئی حصہ لگ رہی تھی۔ اس کا وجود ساکت تھا، بس نظریں بھٹک رہی تھیں۔ کبھی ناریل کے اونچے پیڑ پر، کبھی اس سے اوپر کھلا آسمان جو اس وقت نیلا سا ہو رہا تھا۔ پھر اس نیلے آسمان پر اس کی نظریں کوئی ستارہ تلاش کرنے لگیں اور اسی تلاش میں اچانک اس کا ذہن بھٹک گیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے ناں، میں امریکہ جا رہا ہوں۔"

"جی!" وہ اس وقت ٹین ایجر تھی۔

"دو سال بہت زیادہ نہیں ہوتے اور اب تو یوں بھی لگتا ہے جیسے وقت کو پر لگ گئے ہوں۔ اڑتا چلا جا رہا ہے۔ پتا بھی نہیں چلے گا۔ میں واپس آجاؤں گا۔ ہے ناں۔" رازی اسے تسلی دے رہا تھا۔ وہ خاموش تھی۔

"اچھا! یہ بتاؤ مجھے یاد کروگی؟" رازی کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ اس کی ناک پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔

"تم نروس ہو رہی ہو یا مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتیں؟" رازی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ وہ گھبرا کر ہاتھ چھڑانے لگی۔

"کیا کر رہے ہیں، کوئی آجائے گا۔"

"آنے دو، اب ڈر کس بات کا ہے۔ تم میری ہو چکی ہو۔" رازی اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر مسکرایا تھا۔

"پلیز، میرا ہاتھ چھوڑیں۔" وہ سہمی جا رہی تھی۔

"پہلے بتاؤ تم خوش ہو؟" رازی کو وہ سہمی ہوئی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"پہلے ہاتھ چھوڑیں، پھر بتاؤں گی۔"

"بے ایمانی تو نہیں کروگی؟"

"نہیں۔"

رازی نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ بھاگ کر دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

"نہیں بتاؤں گی۔" رازی نے اپنے چہرے پر خفگی سجالی تھی۔ اس کی جان پر بن آئی۔ زور زور سے اثبات میں سر ہلاتی چلی گئی تھی۔ وہ مکمل طور پر اس وقت کی گرفت میں تھی کہ سارہ نے لائٹ آن کر کے کہا تھا۔

"تمہیں اندھیرا محسوس نہیں ہو رہا تھا؟"

"اندھیرا!" اس نے چونک کر سارہ کو دیکھا۔ "روشنی ہے تو۔"

"یہ تو میں نے ابھی لائٹ آن کی ہے۔" سارہ اس کے برابر آن بیٹھی اور معنی خیز لہجے میں پوچھنے لگی۔ "کن سوچوں میں گم تھیں؟"

وہ فوری طور پر کوئی بات نہیں بنا سکی تو بات ہی بدل گئی۔

"تمہیں پتا ہے' مما مسز عبید کے ہاں گئی ہیں۔ ان کے ہاں کوئی تقریب ہے۔ میں نے زبردستی مما کو بھیجا تھا۔"

"کیا ضرورت تھی زبردستی بھیجنے کی۔ مجھے مسز عبید بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" سارہ نے ناگواری کا اظہار کیا۔

"اچھا ہے ناں! مما کا دھیان بٹ جائے گا۔ دوپہر سے ڈیڈی کی باتوں پر کڑھ رہی تھیں۔ ویسے ڈیڈی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ بائیک کی ضد میری ہے' ہمارے کیوں ناراض ہونے آ گئے۔ میں کل جاؤں گی ڈیڈی کے پاس۔"

"کیوں جاؤ گی۔ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کہا ہو گا' جس پر اتنا شور مچایا جائے۔" سارہ ہمیشہ توصیف احمد کی طرف داری کرتی تھی۔

"میں بھی ڈیڈی سے ایسا کچھ نہیں کہوں گی۔" وہ جل کر بولی اور اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔

* * *

سارہ نے صبح ہی یاسمین سے کہہ دیا تھا کہ وہ کالج کے بعد امینہ پھوپھو کے گھر چلی جائے گی' جس پر یاسمین نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا' کیونکہ سارہ پر ان کا زیادہ بس نہیں چلتا تھا۔ وہ کچھ کہتیں تو الٹا سارہ انہیں سمجھانے بیٹھ جاتی تھی۔ ڈانٹ بھی سنتی' پھر بھی باز نہیں آتی تھی۔ اس لیے یاسمین اسے رشتے داروں کے ہاں آنے جانے پر ٹوکنے سے خود کو باز رکھتی تھیں۔ البتہ اریبہ پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ ماں کے خلاف کوئی بات برداشت ہی نہیں کر سکتی تھی۔ بس جو یاسمین کہہ دیتیں وہی اس کے لیے سچ ہوتا تھا' جس پر سارہ جھنجلاتی اور کڑھتی بھی تھی۔ بہرحال اس وقت وہ تپتی دوپہر میں امینہ پھوپھو کے گھر آئی تھی۔ امینہ اس کی آمد پر خوش تو ہوئیں مگر ساتھ ٹوکا بھی کہ دوپہر میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

"بس پھوپھو! گھر جا کر پھر کہیں نکلنا ہی نہیں ہوتا' اس لیے میں کالج سے یہیں آ گئی۔"

"اچھا اچھا بیٹھو! اریبہ کیسی ہے؟ حماد اور تمہاری امی۔" امینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں۔ آپ کیا گھر میں اکیلی ہیں؟" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا کیونکہ کہیں بھی کسی کی موجودگی کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔

"نہیں' سمیر ہے البتہ طیبہ اپنے چچا کے ہاں گئی ہے۔ آ جائے گی کچھ دیر میں۔ تم آرام سے بیٹھو۔" امینہ پھوپھو نے طیبہ کے آنے کا یوں کہا کہ کہیں وہ چلی نہ جائے۔

"میں آرام سے ہوں پھوپھو!" وہ ان کی اتنی محبت پر شرمندہ ہونے لگتی تھی۔

"لو! میں بھی بیٹھ گئی۔ تم کالج سے آ رہی ہو' بھوک لگ رہی ہو گی۔ میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" امینہ پھوپھو کو فوراً" ہی احساس ہو گیا۔ اٹھنے لگی تھیں کہ اس نے روک دیا۔

"اوہو پھوپھو! اتنا تکلف کیوں کر رہی ہیں۔ مجھے جب کھانا ہو گا' میں خود گرم کر لوں گی۔ ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"اچھا.....!" امینہ پھوپھو اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ انہیں جب کوئی بات نہیں سوجھتی تھی تو وہ یونہی محبت سے دیکھا کرتیں۔ بہت مشفق خاتون تھیں۔ سارہ کو ان سے مل کر جہاں سکون ملتا' وہاں دل میں خلش محسوس ہوتی کہ اس کی مما ایسی کیوں نہیں ہیں۔

"سمیر کہاں ہے پھوپھو؟" وہ ان کے مسلسل دیکھنے سے اب کچھ گھبرا گئی تھی۔

"ابھی تو یہیں تھا۔ دیکھو اپنے کمرے میں ہو گا۔" انہوں نے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی' پہلے ان کے واش روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ اس کے بعد سمیر کے کمرے میں آ گئی۔

"تم اس وقت؟" سمیر نے اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا تھا۔

"غلط وقت پر آ گئی ہوں' کیا نہیں آنا چاہیے تھا؟" اس نے قصداً" برا مان کر کہا۔

"ارے کیوں نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں تو چاہتا ہوں تم روز روز آؤ۔"

"تم کیوں نہیں آتے؟ ویسے میں جانتی ہوں تمہیں مما کی باتیں بری لگتی ہیں ناں' مجھے بھی اچھا نہیں لگتا جب وہ تمہارے آنے پر ناگواری کا اظہار کرتی ہیں۔ یقین کرو۔ میں اپنے آپ میں گلٹی فیل کرتی ہوں۔" وہ شاید یہی بات خاص طور سے کہنے آئی تھی۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ میں نے کبھی تم سے شکوہ کیا ہے۔ نہیں ناں' پھر تم کیوں ایسا سمجھ رہی ہو۔" سمیر نے ٹوک کر کہا تو وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"کھانا کھایا تم نے؟" سمیر کو خود بھوک کا احساس ہوا تو اس سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلو' پہلے کھانا کھاتے ہیں۔"

"تم پھوپھو کے پاس جاؤ' میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" وہ کہہ کر پہلے کمرے سے نکلی اور کچن کی طرف چل پڑی۔

* * *

بالوں میں برش کرتے ہوئے اس کی نظر یونہی سارہ کی طرف اٹھی تھی' پھر وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ پتا نہیں وہ کون سی کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر تحریر کا عکس جھلک رہا تھا۔ یقیناً" کوئی دل کو چھو لینے والی بات تھی۔

"سنو اریبہ!" سارہ نے کتاب پر سے نظریں ہٹائے بغیر اسے مخاطب کیا تو وہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی' چونک کر اپنا چہرہ آئینے کی طرف موڑ لیا۔

"یہ نظم پڑھی ہے تم نے؟" سارہ نے کتاب پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں۔ سنانا بھی مت۔" اس نے تیزی سے کہا اور اسی تیزی سے بالوں میں برش پھیرنے لگی۔

"سنو تو....." سارہ نے کہہ کر نظم پڑھنی شروع کر دی۔ اس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ برش رکھ کر وارڈ روب کھول لی اور صبح کے لیے کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی۔ پھر ایک سوٹ نکال کر اس نے استری کا بٹن آن کیا تھا کہ جیسے سارے سوئچ آن ہو گئے۔

"محبت مشوروں' پند و نصیحت اور تاویلوں کے تابع جو نہیں ہوتی۔

اسے کیا' راستوں میں پھول کتنے' دھول کتنی ہے؟
کسی نازک سمے میں جو ہوئی تھی بھول کتنی ہے؟
اسے کیا بھول سے ہاتھوں میں اب تک خار کتنے ہیں؟
یا دشمن گھات میں بیٹھے پس دیوار کتنے ہیں؟
اسے کیا' جاگتی آنکھوں میں پنہاں خواب کیسا ہے؟
اور اس میں وصل کی خاطر کوئی بے تاب کیسا ہے؟

Sem & Friends Korner.com

اسے کیا‘ شام کیسی تلخیِ ایام کیسی ہے؟
اسے کیا‘ زندگی کس کی کسی کے نام کیسی ہے؟
اسے کیا‘ چاہتوں میں صورتِ آلام کیسی ہے؟"

"کیسی ہے؟" سارہ اختتام کے بعد اس سے پوچھ رہی تھی اور وہ گم صم کھڑی تھی۔

"انتہائی بدذوق ہو تم۔ بلکہ میں ہی پاگل ہوں جو تمہیں سنانے بیٹھ گئی۔" سارہ نے کتاب کارنر ٹیبل پر زور سے پٹخی تب وہ چونکی لیکن کہا کچھ نہیں شرٹ پر استری پھیرنے لگی۔ سارہ کچھ دیر اپنے آپ بڑبڑاتی رہی پھر اسے پکار لیا۔

"اریبہ! سنو۔"

"بولتی جاؤ سن رہی ہوں۔" اس نے اپنی مصروفیت ترک نہیں کی۔

"کیا واقعی صبح ایئرپورٹ جانے کا پروگرام نہیں ہے۔" سارہ نے پوچھا تو وہ یکدم چیخ گئی۔

"نہیں نہیں۔ کتنی بار کہوں، نہیں۔"

"بس ایک بار کافی ہے۔" سارہ چڑ کر پھر اپنے آپ بولنے لگی تھی۔ "میں بھی اب ڈرائیونگ سیکھ لوں گی تاکہ تمہاری محتاجی نہ رہے۔ دیکھنا پھر کہیں آنے جانے کے لیے تم سے پوچھوں گی بھی نہیں۔ اللہ پتا نہیں کیا سوچیں گے رازی بھائی۔"

"میں بتاؤں کیا سوچے گا۔" وہ استری کا پلگ کھینچ کر سارہ کی طرف گھومی تھی۔

"نہیں، خدا کے لیے تم کچھ مت بتانا۔ میں کل شام میں خود ہی رازی بھائی سے پوچھ لوں گی۔" سارہ نے فوراً" ہاتھ جوڑ کر کہا پھر اچانک خیال آنے پر پوچھنے لگی۔

"کل شام میں تو چلو گی ناں؟"

"کہاں؟" وہ شاید بھول گئی تھی۔

"وہیں تائی امی کے گھر۔ انہوں نے رازی بھائی کے آنے کی خوشی میں تقریب رکھی ہے۔ آج ثنا کا فون آیا تھا۔ بہت اصرار سے بلایا ہے بلکہ وہ تو کہہ رہی تھی، ہم لوگ جلدی آجائیں۔" سارہ نے اس کے کڑے تیوروں کے باوجود ساری بات بتا ڈالی۔

"دیکھو سارہ! تم جانتی ہو کہ میں منگنی توڑ چکی ہوں۔" وہ بہت ضبط سے بولنا شروع ہوئی تھی کہ سارہ نے ٹوک دیا۔

"منگنی توڑی ہے۔ دوسرا رشتہ تو قائم ہے اور اسے تم تو کیا دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی۔ رازی بھائی ہمارے چچا زاد ہیں، رہیں گے۔"

"اسی لیے تو میں تمہیں منع نہیں کرتی۔ تم شوق سے نبھاؤ رشتہ داریاں لیکن مجھے مجبور مت کرو۔ میں صرف اپنی ماں کو مانتی ہوں، کسی دوسرے رشتے کے لیے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں۔"

"میں جانتی ہوں، تمہارا دل سنسان گلی ہے۔" سارہ نے جل کر کہا تھا۔

"ہاں اور اس سنسان گلی میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں حد درجہ کڑواہٹ تھی۔

سارہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

* * *

کتنے برسوں بعد حبیب ولا میں زندگی کی رونقیں اتری تھیں۔ ساجدہ بیگم کے بردبار چہرے پر خوشی کا رنگ الگ سے چھلکتا نظر آرہا تھا۔ ثنا چہکتی پھر رہی تھی۔ بلال سارے انتظامات کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ مہمانوں کو بھی خوش آمدید کہہ رہا تھا اور وہ اجلال رازی جس کے اعزاز میں یہ خوب صورت ہنگامہ آرائی تھی، وہ اپنے کمرے میں تیاری کے مرحلے خلافِ عادت بہت سستی سے طے کر رہا تھا۔ اصل میں وہ یہ چاہ رہا تھا کہ اریبہ آئے تو سب میں اسے نہ پا کر ڈھونڈتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی آئے۔ اس لیے اس کا سارا دھیان دروازے کی طرف تھا۔ باہر کسی کا بھی گزر ہوتا قدموں کی آواز پر وہ چوکنا ہو جاتا اور پھر مایوس۔

"کیا ہو گیا ہے اسے۔ صبح ایئرپورٹ بھی نہیں آئی۔ آخر کس بات پر ناراض ہے؟" وہ ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے سوچنے لگا۔ تب ہی دھاڑ سے دروازہ کھلا اور طیبہ اور سارہ اندر آکر ایک ساتھ بولیں۔

"السلام علیکم رازی بھائی!"

"وعلیکم السلام۔" وہ پرسوچ انداز میں باری باری دونوں کو دیکھنے لگا۔

"دیکھا، میں نے کہا تھا ناں۔ رازی بھائی ہمیں نہیں پہچانیں گے۔" سارہ نے طیبہ سے کہا تو وہ اس کی آواز اور انداز سے فوراً" سمجھ گیا۔

"کیوں نہیں پہچانوں گا۔ تم سارہ ہو اور یہ طیبہ۔ ویسے کچھ زیادہ بڑی تو نہیں ہوئیں تم دونوں۔ اتنی کی اتنی ہو، جتنی میں چھوڑ کر گیا تھا۔"

"ہائے نہیں۔ اس وقت تو ہم اسکول میں پڑھتی تھیں۔ فراک پہنتی تھیں۔" سارہ نے احتجاجاً" کہا۔

"ہاں بس فراک اور شرٹ کا فرق ہے۔" وہ شرارتاً" مسکرایا پھر طیبہ سے پوچھنے لگا۔ "پھوپھو آئی ہیں۔"

"جی، آپ چلیں ناں۔ امی بہت بے قرار ہو رہی ہیں آپ سے ملنے کو۔" طیبہ نے کہا تو وہ فوراً" ٹائی درست کر کے ان دونوں کے ساتھ باہر آگیا۔ اور پہلے امینہ پھوپھو سے ملا۔ کتنی دیر وہ اسے سینے سے لگائے دعائیں دیتی رہیں۔ اس کے بعد اس کے ننھیالی رشتہ داروں نے اسے گھیر لیا تھا۔

سارہ، طیبہ کے ساتھ ایک کونے میں آبیٹھی۔ اسے اریبہ پر غصہ آنے لگا تھا۔ اپنے آپ جانے کیسے اس نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ خود ہی جا کر ساجدہ بیگم کو انگوٹھی واپس کر آئی تھی۔

"کتنے اچھے ہو گئے ہیں ناں رازی بھائی!" طیبہ نے پُراشتیاق لہجے میں کہا تو اس نے "ہاں" کہنے سے خود کو باز رکھا کیونکہ جانتی تھی کہ ہونٹ کھلنے کے ساتھ سینے میں دبی سانس کو باہر کا راستہ مل جائے گا۔ اس لیے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ارے ہاں، اریبہ اور یاسمین آنٹی نہیں آئیں کیا.....؟" قدرے توقف سے طیبہ نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"خالدہ آنٹی جو آئی ہوئی ہیں۔" اس کی نظریں توصیف احمد کے ساتھ کھڑی خالدہ پر تھیں۔

"اچھا ہاں.....!" طیبہ کچھ سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

سارہ کی نظریں خالدہ سے ہٹ کر اجلال رازی کے ساتھ ساتھ بھٹکنے لگیں پھر اچانک وہ ٹھٹکی تھی کہ جہاں اجلال رازی ہوتا وہاں اس کی ماموں زاد سنبل بھی ضرور موجود ہوتی۔ اب پتا نہیں یہ اتفاق تھا یا سنبل زبردستی رازی کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اسے بہرحال بہت برا لگا بلکہ عجیب سی جلن بھی محسوس ہونے لگی تھی۔

"تم دونوں یہاں کونے میں کیوں چھپی بیٹھی ہو۔ طیبہ! جاؤ تمہیں امی بلا رہی ہیں۔" سمیر نے آکر طیبہ کو اٹھا دیا اور اس کی جگہ خود بیٹھ کر سارہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم بجھی بجھی لگ رہی ہو، کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں....." وہ کوشش سے بھی نہیں مسکرا سکی۔

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" سمیر اس کی طرف جھک کر سرگوشی میں بولا تھا۔ وہ جزبز ہونے لگی۔

"اریبہ والی بات سے پریشان ہو ناں؟" سمیر نے قیاس نہیں کیا۔ یقین سے پوچھا تھا۔ اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔

"رازی بھائی نے اس سلسلے میں تم سے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں، لیکن وہ پوچھیں گے ضرور۔"

"تو اس میں تمہاری کیا غلطی ہے، جو تم پریشان ہو رہی ہو۔ چلو اٹھو، کھانا لگ چکا ہے۔" سمیر زبردستی اسے اٹھا کر کھانے کی ٹیبل کے پاس لے آیا اس کے بعد خود پتا نہیں کہاں غائب ہو گیا۔ وہ پلیٹ ہاتھوں میں لے کر توصیف احمد کی طرف بڑھنے لگی کہ اچانک اجلال رازی سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

"اریبہ کیوں نہیں آئی؟"

"پتا نہیں۔" وہ اپنے آپ میں الجھنے لگی۔

"تمہیں کیسے پتا نہیں ہے۔ سچ بتاؤ، کیا ہوا ہے؟" اجلال رازی کی حد درجہ سنجیدگی سے وہ خائف ہو گئی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں پتا، آپ کو جو پوچھنا ہو، اسی سے پوچھیں۔"

"اس سے بھی پوچھ لوں گا۔ تمہیں بتانے میں کیا اعتراض ہے۔ کیا اس نے منع کیا ہے؟" اجلال رازی ہر صورت جاننا چاہتا تھا۔

"نہیں، اصل میں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ اٹک اٹک کر بولی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" اجلال رازی مشکوک تھا لیکن یقین کرنے پر مجبور بھی۔

"بخار۔ کل سے بخار ہے۔" وہ جھوٹ بولتے ہوئے خود شرمندہ تھی۔

"سچ کہہ رہی ہو یا کوئی اور بات ہے؟" اجلال رازی کی کھوجتی نظروں سے وہ جھنجلا گئی۔

"آپ ایسے کیوں کر رہے ہیں۔ اریبہ اگر نہیں آئی تو اس میں میرا کیا قصور، آپ کو جو کہنا سننا ہو اسی سے کہیے گا۔" اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے پلٹ کر دوسری سمت چلی گئی۔

اجلال رازی مزید الجھ گیا تھا۔

* * *

رات کا کھانا اس نے یاسمین کے ساتھ بہت خاموشی سے کھایا تھا۔ اس کے بعد چائے بنائی اور کپ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اب اس کا ارادہ روزانہ کی طرح پڑھائی کرنے کا تھا۔ چائے کا کپ بیڈ کارنر پر رکھ کر اس نے اپنی کتابیں اور رجسٹر اٹھایا پھر آرام سے بیٹھ گئی۔ پہلے چائے پی، اس کے بعد کتابوں میں سر کھپانے لگی۔ لیکن بہت جلدی اسے احساس ہو گیا کہ اس کا ذہن یکسو نہیں ہے۔ کہیں ادھر ادھر بھٹک رہا ہے۔ تب اس نے کتابیں سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیں اور موبائل لے کر اپنی دوستوں کو ایس ایم ایس کرنے لگی۔ کیونکہ وہ کچھ اور سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے اسی شغل میں خود کو مصروف کر لیا گو کہ جلد ہی اس سے بھی اکتاہٹ ہونے لگی تھی پھر بھی سارہ کے آنے تک اس نے اس مصروفیت کو ترک نہیں کیا تھا۔

سارہ آتے ہی سیدھی واش روم میں چلی گئی تھی اور تقریباً" پندرہ منٹ بعد نکلی تھی۔

"یہ اس وقت تم نہا رہی تھیں؟" اس نے سارہ کے گیلے بالوں کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"بہت تھکن ہو گئی تھی۔ شاور لے کر کچھ سکون ملا ہے۔ اب آرام سے سو سکوں گی۔ ٹائم کیا ہوا ہے۔ اوہو دو بج گئے۔ خیر صبح تو چھٹی ہے۔ دیر تک سو لیں گے۔" سارہ بولتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ کوئی ایسی بات کہنا چاہتی ہے۔ جس کے لیے اسے خود کو تیار کرنا پڑ رہا ہے۔

"مما تو سو گئی ہوں گی۔ اب مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ تمہارا اگر ابھی مزید پڑھنے کا ارادہ ہو تو میں دوسرے کمرے میں چلی جاؤں۔" سارہ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا شاید غلطی سے۔

"تمہاری مرضی، ویسے میں کچھ پڑھ نہیں رہی۔" اسے سارہ کی بے کار باتوں سے الجھن ہونے لگی۔

"چلو پھر یہیں سو جاؤں گی۔ تم ڈسٹرب تو نہیں ہو گی ناں۔"

"پہلے تو کبھی تم نے نہیں پوچھا جب دل چاہتا ہے یہاں سو جاتی ہو ابھی کیا ہو گیا ہے تمہیں کیوں فضول بک بک کر رہی ہو۔ جو کہنا ہے صاف کہو۔" وہ چڑ گئی تھی۔

"رازی بھائی تمہارا پوچھ رہے تھے بلکہ ناراض ہو رہے تھے کہ تم کیوں نہیں آئیں۔" سارہ روانی سے کہہ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تو تم نے کیا کہا___؟" اس کی پیشانی پر شکنیں واضح ہو گئیں۔

"غلط بیانی کرنا پڑی کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" سارہ کا لہجہ ناراضی لیے ہوئے تھا۔

"کیوں غلط بیانی کی کیا ضرورت تھی۔ صاف کیوں نہیں بتایا کہ میں اس گھر سے کوئی واسطہ، تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔" وہ سارہ پر بگڑنے لگی۔

"یہ تم خود ان سے کہہ دینا۔ میری تو ہمت نہیں ہوئی۔ ویسے تم غلطی کر رہی ہو اریبہ! رازی بھائی ایسے نہیں ہیں جن سے منہ موڑا جائے۔ اتنے ہینڈسم، اتنے اسمارٹ اور یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔" سارہ اب سہولت سے بول رہی تھی۔

"لیکن میرے دل میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔" وہ ہنوز اکڑی ہوئی تھی۔

"میں نہیں مانتی۔ کچھ عرصہ پہلے تک تم ان ہی کے گیت گاتی تھیں۔ دو دن ان کا فون نہیں آتا تھا تو تم کتنی پریشان ہو جاتی تھیں۔ پھر ڈیڈی کی دوسری شادی کا کیا پتا چلا کہ تم رازی بھائی سے ہی اکھڑ گئیں۔ کیوں؟ اس میں رازی بھائی کا کیا قصور؟ انہوں نے تو ڈیڈی کو مشورہ نہیں دیا تھا۔ بلکہ اس وقت وہ یہیں تھے اور ہماری طرح انہیں بھی ڈیڈی کی دوسری شادی کا پتا نہیں تھا۔" سارہ سلگ کر بولتی چلی جا رہی تھی۔

"کیسے پتا نہیں تھا۔ اسی کی خالہ سے ڈیڈی نے شادی کی اور خود اس کی اماں نے کروائی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رازی کو پتا نہ ہو۔ سب شریک تھے۔ ایک صرف ہم ہی لوگ انجان تھے۔ تم زیادہ ان لوگوں کی چمچہ گیری مت کرو۔ مجھے نفرت ہے رازی سے، اس کے گھر بھر سے۔"

اس کے غصے بھرے لہجے میں نفرت کے ساتھ حقارت بھی تھی۔ سارہ نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنا تکیہ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

* * *

ناشتے کی ٹیبل پر ثنا اور بلال ہی بولتے رہے۔ کہیں کہیں ساجدہ بیگم بھی لب کشائی کرتیں لیکن اجلال رازی بالکل خاموش تھا اور اس کی خاموشی ساجدہ بیگم نہ صرف محسوس کر رہی تھیں بلکہ سبب بھی جان رہی تھیں اور اس صورت حال کا تو انہیں پہلے سے اندازہ تھا اور وہ خود کو تیار بھی کرتی رہی تھیں۔ اس کے باوجود اب خود کو بے بس محسوس کر رہی تھیں۔ بار بار اجلال رازی کی طرف دیکھتیں جس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کی چھاپ تھی اور آنکھوں میں سوچ..... اس پر ثنا اور بلال کی نوک جھونک کا بھی کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ آخر ساجدہ بیگم نے ثنا اور بلال کو وہاں سے جانے کا اشارہ کر دیا کیونکہ وہ دونوں ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ جبکہ رازی نے اپنے کپ میں مزید چائے انڈیل لی تھی۔ اس لیے ساجدہ بیگم نے بھی وہاں سے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور جب ثنا اور بلال اٹھ کر

چلے گئے، تب وہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

"اجلال! کیا بات ہے بیٹا، نیند پوری نہیں ہوئی یا۔" انہوں نے قصداً" بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"یاسمین چچی اور اریبہ رات کیوں نہیں آئی تھیں۔" رازی نے بے معنی گفتگو سے اجتناب کیا اور اصل بات پوچھ لی۔

ساجدہ بیگم کو غالباً" اس کی توقع نہیں تھیں۔ اس لیے چند لمحے اسے دیکھتیں رہیں پھر کہنے لگیں۔

"یاسمین تو بیٹا جب سے اسے توصیف کی دوسری شادی کا پتا چلا ہے، اس نے سب سے ملنا جلنا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"توصیف چچا کی دوسری شادی کوئی نئی بات تو نہیں امی! دس سال تو ہو ہی چکے ہوں گے۔ یاسمین چچی نے اب کیوں اسے ایشو بنایا ہے۔" رازی کے لیے یہ توجیح بے معنی تھی۔

"اسے تو اب ہی پتا چلا ناں۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا، چھ آٹھ مہینے پہلے کی بات ہے۔ بہت واویلا مچایا تھا اس نے پھر اپنے طور پر سب سے قطع تعلق کر کے بیٹھ گئی۔ میرا تو خیر یوں بھی کہیں آنا جانا نہیں ہوتا۔ البتہ تمہاری امینہ پھوپھو ایک دوبار گئی تھیں یاسمین کے پاس لیکن اس نے سیدھے منہ بات ہی نہیں کی۔ تب سے امینہ نے بھی قدم روک لیا۔" ساجدہ بیگم بہت سنبھل کر بول رہی تھیں۔ کیونکہ وہ اسے وہ ساری باتیں نہیں بتانا چاہتی تھیں جو یاسمین نے آکر ان سے کہی تھیں اور توصیف احمد کی دوسری شادی کا ذمہ دار انہیں ٹھہراتے ہوئے خوب برا بھلا بھی کہا تھا۔

"اور اریبہ؟ اسے تو آنا چاہیے تھا۔" وہ ساری بات سن کر بولا تھا۔

"ہاں، وہ شاید ماں کی وجہ سے نہیں آئی ہوگی۔" ساجدہ بیگم نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

"نہیں، آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔" رازی ان کے نظریں چرانے پر ٹھٹکا تھا۔ ساجدہ بیگم جز بز ہونے لگیں۔

"بتائیں ناں امی! کیا بات ہے۔ کہیں اریبہ نے بھی تو آپ سے بدتمیزی نہیں کی؟" اس نے اصرار کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں، اس نے بدتمیزی نہیں کی بس وہ منگنی کی انگوٹھی واپس کر گئی تھی۔" ساجدہ بیگم چونکہ اس رشتے کو قائم رکھنا چاہتی تھیں۔ اس لیے اریبہ کی بدتمیزی چھپا گئیں۔

"کیا؟" وہ شاکڈ ہو کر انہیں دیکھے گیا۔

"تم پریشان مت ہو بیٹا! اریبہ نادان ہے، جذباتی ہے۔ وقتی جذبات میں اس نے یہ قدم اٹھا تو لیا لیکن۔" ساجدہ بیگم اسے ڈھنگ سے سمجھا بھی نہیں پا رہی تھیں۔

"آپ نے توصیف چچا سے بات کی؟" وہ بمشکل بولنے کے قابل ہوا تھا۔

"نہیں میں اگر توصیف سے بات کرتی تو ہو سکتا تھا کہ بیٹی کی ضد سے مجبور ہو کر وہ بھی یہ رشتہ ختم کرنے کا اعلان کر دیتا۔ اس لیے میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ اب تم آگئے ہو تو تم ہی اس معاملے کو سلجھاؤ۔" ساجدہ بیگم کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی جس سے ظاہر تھا کہ وہ اندر سے کتنی پریشان ہیں۔

"میں ابھی جاتا ہوں اریبہ کے پاس۔ پوچھتا ہوں، اس نے یہ حرکت کیوں کی۔" رازی کو اب غصہ آرہا تھا "اور آپ نے بھی حد کر دی، کم از کم مجھے تو بتانا چاہیے تھا۔"

"بیٹا! تم پردیس میں پریشان ہوتے....."

"اب تو جیسے بہت خوش ہو رہا ہوں۔ میں ابھی جاتا ہوں۔" وہ ایک دم کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تو ساجدہ بیگم

مزید پریشان ہو گئیں۔

"آرام سے بیٹا! وہاں بھی آرام سے بات کرنا۔ وہ نادان ہے تم نادانی مت کرنا۔"

"نہیں کروں گا۔ آپ نہ پریشان ہوں جائیں، اپنے کمرے میں آرام کریں۔ میں ابھی آتا ہوں۔" وہ انہیں تسلی دے کر باہر نکل آیا۔

پانچ سالوں میں شہر کافی ترقی کر گیا تھا۔ وہ راستے جو اسے ازبر تھے وہ اب کہیں نہیں تھے۔ جب ہی اسے بہت مشکل پیش آئی۔ بیس منٹ کا فاصلہ تھا لیکن گھر ڈھونڈنے میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ جس سے اس کا موڈ مزید خراب ہو چکا تھا۔ کال بیل کا بٹن چھونے سے پہلے اس نے خود کو تھوڑا ریلیکس کیا پھر بٹن دبایا تو کچھ دیر بعد حماد نے گیٹ کھولا تھا۔

"السلام علیکم رازی بھائی۔ آیئے، اندر آیئے۔" حماد اسے دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو پارٹنر!" وہ مسکراتا ہوا اندر آگیا۔ حماد نے گیٹ بند کیا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگا۔ برآمدے میں آکر وہ رک گیا۔ اسے پتا تھا، سامنے لابی میں دائیں ہاتھ پر اریبہ کا کمرہ ہے۔ لیکن وہ پہلے یاسمین سے ملنا چاہتا تھا۔

"تمہاری مما کہاں ہیں؟" اس نے حماد سے پوچھا۔

"میں بلاتا ہوں مما کو۔" حماد کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ اس کی نظریں لابی میں بھٹکنے لگیں جبکہ دل فوراً" اس تک پہنچنے کی ترغیب دینے لگا تھا۔

"مما! آئیں، دیکھیں تو کون آیا ہے۔" حماد کی آواز پر وہ فوراً" سنبھل کر ادھر متوجہ ہوا اور یاسمین کو دیکھ کر مودبانہ سلام کیا۔

"السلام علیکم!"

"تم!" یاسمین اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگیں بلکہ ایکٹنگ۔ جس پر وہ جز بز ہو کر بولا۔

"میں اجلال ہوں آنٹی؟"

"اچھا ہاں، کیسے آئے؟" یاسمین نے عادتاً" کیسے آئے کہا تھا۔ لیکن پھر خود ہی گڑبڑا گئیں۔ کیونکہ سامنے اجلال رازی تھا۔ بے پناہ وجیہہ باوقار اور اعلا تعلیم یافتہ۔

"میرا مطلب ہے کب آئے؟" یاسمین نے اپنی بات سنبھالی تھی۔

"جی امریکہ سے تو کل صبح آیا ہوں۔ آپ کو کسی نے نہیں بتایا؟" اس نے بتانے کے ساتھ تعجب کا اظہار کیا۔

"نہیں۔ مجھے کون بتائے گا، خیر چھوڑو تم آؤ بیٹھو۔ یہاں بیٹھو گے یا۔"

"جی میں پہلے اریبہ کی طبیعت پوچھ لوں۔ رات سارہ بتا رہی تھی کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ سہولت سے کہہ گیا تھا۔

"ہاں۔ کچھ حرارت تھی۔ دیکھو اپنے کمرے میں ہوگی۔ میں چائے بھجواتی ہوں۔" یاسمین کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

اس نے چند لمحے رک کر کچھ سوچا پھر مضبوطی سے ایک ایک قدم جماتا اریبہ کے کمرے تک آگیا۔ بس ایک بار ہلکے سے دروازہ پر دستک دی اور جواب کا انتظار کیے بغیر ہینڈل گھما کر پورا دروازہ کھول دیا۔

اریبہ آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔ دروازہ کھلنے پر فوراً" پلٹی اور رازی کو دیکھ کر اس کا دل یکبارگی بڑی زور سے دھڑکا تھا لیکن اگلے پل پیشانی پر ناگواری کی لکیریں ابھر آئیں۔ جنہیں قصداً" نظرانداز کر کے وہ دلکشی سے مسکرایا اور قدم بڑھا کر اندر آگیا۔

”بڑی بے مروت ہو۔ میں تو سمجھا تھا۔ تم میری واپسی کے دن گن رہی ہو گی اور میرے استقبال کو سب سے پہلے موجود ہو گی۔“

”کیوں کیا تمہیں تمہارے گھر والوں نے نہیں بتایا کہ میں وہ ناتا توڑ چکی ہوں جس میں دن گننے کا خبط ہوتا ہے۔“ وہ فوراً ”تنک کر بولی تھی۔

”ہاں ابھی امی نے بتایا کہ تم نے انگوٹھی واپس کر دی تھی۔ میرا تمہارا ناتا اس انگوٹھی کا مرہون منت تو نہیں تھا‘ جس کے اتار دینے سے ہمارا ناتا ٹوٹ گیا۔ نہیں اریبہ! ہم دل کے رشتے سے بندھے ہیں۔“ رازی کا لہجہ جذبات میں بھیگ رہا تھا۔ ”میرا تمہارا دل کا ناتا ہے یہ اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹ سکتا۔“

”دل کا ناتا!“ وہ استہزائیہ ہنسی۔ ”میرا دل میرے اپنے اختیار میں ہے۔ رازی اور میں نے اس میں سے ساری کثافتیں دھو ڈالی ہیں۔“

”کثافتیں!“ رازی کو شدید دھچکا لگا تھا۔ ”مجھے‘ میری محبت کو تم کثافتوں سے محمول کر رہی ہو۔“

”تم جو بھی سمجھو میں اس پر بحث نہیں کروں گی۔“ وہ نروٹھے پن سے کہہ کر رخ موڑنے لگی تھی کہ رازی نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ خاصا جارحانہ انداز تھا۔

”بحث نہیں حساب دینا پڑے گا تمہیں۔ میرے رت جگوں کا‘ میرے ہر اس پل کا جس پر تم قابض رہیں۔ اتنی آسانی سے میں تمہیں نہیں بخشوں گا۔ سمجھیں تم۔“

”رازی.....!“ وہ چیخ پڑی۔ ”تمہیں مجھ سے اس طرح بات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میرا بازو چھوڑو۔“

”پہلے میری بات کا جواب دو۔ تم نے کیا سوچ کر انگوٹھی واپس کی اور کیوں۔“ وہ سفاکی پر اتر آیا تھا۔

”کیونکہ مجھے تم سے شادی نہیں کرنی۔“ وہ تیزی سے بولی تھی۔

”وہی تو پوچھ رہا ہوں کیوں؟ تم نے یا تمہاری آپ یہ فیصلہ کیسے کر لیا۔ کس بنا پر اگر تم توصیف چچا اور خالدہ آنٹی کی شادی کو ایشو بناؤ تو وہ میں نہیں مانوں گا۔ کیونکہ میرا اس بات سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر ہماری منگنی توصیف چچا کی شادی کے بعد ہوئی تھی اس وقت تم نے کیوں منع نہیں کر دیا تھا۔“ وہ جیسے ساری باتیں ابھی کلیر کرنا چاہتا تھا۔

”میں تمہارے سامنے صفائیاں پیش کرنے کی پابند نہیں ہوں۔“ وہ جھٹکے سے بازو چھڑا کر دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

”مت دو صفائیاں لیکن میرا قصور تو بتاؤ۔“ وہ زچ ہوا تھا۔

”تمہارا قصور یہ ہے کہ تم ساجدہ بیگم کی اولاد ہو اور ساجدہ بیگم وہ عورت ہے جو......“

”شٹ اپ!“ وہ یکدم چیخا تھا۔ ”خبردار جو میری ماں کے خلاف ایک لفظ بھی کہا تو۔“

”مجھ سے بھی اپنی ماں پر زیادتی برداشت نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے زیادتی کرنے والوں سے سارے ناتے توڑ لیے۔“ وہ دوبدو جواب دے رہی تھی۔

”زیادتی میری یا میرے گھر والوں کی طرف سے نہیں ہوئی اریبہ! تم غلط سوچ رہی ہو۔“

وہ اسے جھنجوڑنا چاہتا تھا لیکن وہ مزید کچھ سننے پر تیار ہی نہیں ہوئی‘ تب اس وقت وہ وہاں سے چلا آیا تھا۔

* * *

یاسمین نے اریبہ کا رازی پر چلانا سنا تھا اور اطمینان سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ جبکہ سارہ کا سارا اطمینان رخصت ہو گیا تھا کیونکہ وہ یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ رازی اریبہ کو سمجھا لے گا اور تھوڑے گلے شکووں کے بعد دونوں میں دوستی ہو جائے گی۔ لیکن یہاں تو معاملہ زیادہ ہی بگڑ گیا تھا۔ رازی بھی غصے میں چلا گیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے ”رازی بھائی‘ رازی بھائی“ پکارتی لپکی بھی تھی لیکن وہ نہیں رکا تھا اور اس وقت اریبہ سے کچھ کہنا فضول تھا۔ کتنی دیر لاؤنج میں ٹہل ٹہل کر وہ خود ہی ہلکان ہوتی رہی پھر یاسمین کے کمرے میں آ گئی۔

”تم اٹھ گئیں‘ ناشتا کر لیا؟“ یاسمین یوں اطمینان سے تھیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

”آپ کو پتا ہے مما! رازی بھائی آئے تھے۔“ سارہ ان کی بات ان سنی کرتے بولی تھی۔ اس کے لہجے میں حد درجہ تشویش تھی۔

”ہاں مجھ سے ملا تھا۔ خوب نکھر کر آیا ہے امریکہ سے۔ ابھی بیٹھا ہے یا چلا گیا؟“ یاسمین اس کی کیفیت سمجھ رہی تھیں پھر بھی اپنا اطمینان قائم رکھا۔

”چلے گئے رازی بھائی اور بہت غصے میں گئے ہیں۔“ سارہ رو دینے کو ہو رہی تھی۔

”کیوں؟“ یاسمین کی پیشانی پر اب ہلکی سی شکن آئی تھی۔

”اریبہ نے ان کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ بہت جھگڑ رہی تھی ان سے۔ مما! آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔ وہ بہت غلط کرنے لگی ہے ہر ایک کے ساتھ۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ کبھی تائی امی کو برا بھلا کہتی ہے‘ کبھی پھوپھو کو۔ اس کے برا کہنے سے کوئی برا نہیں ہو گا مما! الٹا ہم لوگ برے بنیں گے۔“

وہ رندھی آواز میں بولے جا رہی تھی۔ یاسمین نے اسے کھینچ کر اپنی بانہوں میں لے لیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کی یہ بیٹی بہت حساس ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ وہ اس کی مرضی کے مطابق پوز کرتی تھیں۔ رنگ بدلنے میں وہ گرگٹ کو بھی مات دے گئی تھیں۔

”بیٹا! تم کیوں دل چھوٹا کر رہی ہو۔ میں سمجھاؤں گی اریبہ کو۔“

”اور مما! اسے یہ بھی اچھی طرح سمجھا دیجیے گا کہ اس کی شادی رازی بھائی سے ہی ہو گی۔“ سارہ کو زیادہ دکھ اسی بات کا تھا کہ کہیں سچ مچ یہ رشتہ ٹوٹ نہ جائے۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹا! تم پریشان مت ہو۔“ یاسمین نے اپنے حساب سے کہا تھا۔ پھر اس کا گال تھپک کر بولیں۔

”جاؤ تم ناشتا واشتا کرو۔ اریبہ سے بھی پوچھ لینا‘ وہ بھی ابھی اٹھی تھی۔“

”اب تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے مما!“ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

”ہاں‘ پتا نہیں بوا کھانے میں کیا بنا رہی ہیں۔ مجھ سے پوچھا بھی نہیں۔“

”میں دیکھتی ہوں۔“ وہ یاسمین کے کمرے سے نکل آئی اور سیدھی کچن کی طرف جا رہی تھی کہ اریبہ کے تیز بولنے کی آواز سن کر رک گئی۔ اب پتا نہیں وہ کس سے جھگڑ رہی تھی۔

اس نے آواز کی سمت کا تعین کیا پھر بھاگ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ حماد کے ساتھ دو لڑکے جو غالباً ”اس کے دوست تھے سر جھکائے کھڑے تھے اور اریبہ باقاعدہ ان کی کلاس لے رہی تھی۔

”ابھی رزلٹ نہیں آیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم لوگ یہ وقت کھیلنے کودنے اور آوارہ گردی میں گزار دو۔ کتنے دنوں سے میں نوٹ کر رہی ہوں تم لوگوں کی سرگرمیاں۔ تپتی دوپہر میں آخر کہاں جاتے ہو۔ بتاؤ۔ حماد! میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔“

”کہیں نہیں۔“ حماد کی آواز شاید اس کے اپنے کانوں نے بھی نہیں سنی ہو گی اور اریبہ کو شاید اسی جواب کی توقع تھی۔

”کہیں نہیں۔ یہ کہیں نہیں کون سی جگہ ہے؟ دیکھو حماد سدھر جاؤ ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔ یہ مت سمجھو کہ ڈیڈی یہاں نہیں رہتے تو تم جو مرضی کرتے پھرو گے۔“

"اریبہ... !" سارہ تیزی سے اریب کے سامنے آگئی کہ کہیں وہ اب ڈیڈی کے خلاف نہ بولنا شروع کر دے۔

"کیا ہے...؟" اریبہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے گھورا تھا۔

"کسی کا غصہ ان بچوں پر کیوں نکال رہی ہو۔ پتا ہے تمہارے چلانے سے مما کتنی پریشان ہو رہی ہیں۔ چلو اپنے کمرے میں۔" سارہ زبردستی اسے کھینچتی ہوئی اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔

"تم خوامخواہ حماد کی طرف داری مت کرنا۔ یہی عمر اسے کنٹرول کرنے کی ہے۔ اگر کسی غلط راستے پر نکل گیا تو سب سے زیادہ تم ہی روؤ گی۔" اریبہ کا بقیہ نزلہ اس پر گرنے لگا اور اس نے فی الوقت خاموشی ہی میں عافیت سمجھی تھی۔

☼ ☼ ☼

اجلال رازی آتے ہی اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔ اس کا دماغ بری طرح چیخ رہا تھا۔ اریبہ اس سے اتنی متنفر ہو جائے گی، یہ تو کبھی اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ کیسی اجنبی لگ رہی تھی جیسے کبھی اس سے کوئی واسطہ کوئی تعلق ہی نہ رہا ہو۔ ادھر کچھ مہینوں سے گو کہ وہ ایسی ہی اکھڑی اکھڑی تھی کہ وہ جب فون کرتا تو وہ بہت اکھڑے لہجے میں مختصر بات کر کے سلسلہ منقطع کر دیا کرتی تھی اور کتنی بار یہ بھی کہہ چکی تھی کہ بس اب فون کا سلسلہ بند کرو، میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی اور ایک بار تو اس نے غصے میں ایک ہی بات کہہ کر فون بند کر دیا تھا کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں اور ان ساری باتوں کو وہ اس انداز سے سوچتا تھا کہ وہ اب اس سے دوری سہہ نہیں پا رہی اور یوں ناراضی ظاہر کر کے اسے واپس بلانا چاہتی ہے۔ یوں اس کی خفگی پر بجائے پریشان ہونے کے وہ محظوظ ہوتا رہا تھا۔ یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ واقعی اس سے قطع تعلق کا سوچ لے گی۔ وہ بات جس کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا، اسے بنیاد بنا کر کیسے اس نے اس کی محبت کو دل سے نکال پھینکا۔ یہ بات اسے ہضم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

پانچ سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ ان برسوں میں کوئی ایک دن ایسا نہیں تھا کہ اس نے اریبہ کے بارے میں سوچا نہ ہو۔ اسے خود سے قریب محسوس نہ کیا ہو۔ پھر ہر ہفتے فون پر لمبی گفتگو کرنا۔ تہواروں پر ایک دوسرے کو خوب صورت کارڈ بھیجنا۔ وہ سب ایسا تو نہیں کہ پل میں بھلا دیا جائے۔

"جھوٹی ہے اریبہ، کچھ بھی کرے میری محبت کو دل سے نہیں نکال سکتی۔" وہ بار بار خود کو صرف تسلی نہیں دے رہا تھا بلکہ یقین سے سوچ رہا تھا۔

اور ادھر ساجدہ بیگم کو کسی پل قرار نہیں تھا۔ رازی جس طرح آتے ہی کمرے میں بند ہو گیا تھا اس سے وہ سمجھ گئی تھیں کہ اریبہ نے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا ہو گا جو ان کے ساتھ کیا تھا اور خود انہوں نے تو صبر کر لیا تھا لیکن فی الوقت اسے تو ایسا کچھ نہیں سمجھایا جا سکتا تھا۔ کیونکہ جانتی تھیں کہ اس کے دل پر کیا گزری ہو گی۔ بہرحال ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ پانچ سال بعد بیٹا گھر لوٹا تھا۔ وہ اس کے آنے پر جتنی خوش تھیں اب اس سے کہیں زیادہ پریشان۔ جبکہ بلال اور ثناء دونوں کو ہی غصہ آ رہا تھا کیونکہ ابھی تو انہوں نے بھائی کے ساتھ جی بھر کر باتیں کرنا تو دور کی بات ٹھیک سے اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔ دونوں اپنے دل کی بھڑاس اریبہ کو برا بھلا کہہ کر نکال رہے تھے۔

"مجھے تو خیر وہ شروع ہی سے اچھی نہیں لگتی تھی، ابو نے پتا نہیں کیا سوچ کر رازی بھائی سے رشتہ طے کر دیا تھا۔" ثنا جل کر کہہ رہی تھی۔ بلال نے اس کی تائید کی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اب میں تو اس بات کے حق میں ہی نہیں ہوں کہ یہ رشتہ دوبارہ جوڑا جائے۔"

"ہاں اللہ کرے۔ رازی بھائی بھی منع کر دیں۔ ان کے لیے لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔ میں نے تو جب اریبہ انگوٹھی واپس کر گئی تھی تب سے ہی لڑکیاں دیکھنے شروع کر دی تھیں۔" ثنا کی بات پر ساجدہ بیگم اپنے کسی خیال سے چونکی تھیں۔

"یہ تم دونوں کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔ کیا تمہیں بھائی کی خوشی عزیز نہیں ہے۔"

"ہم بھائی کی خوشی ہی تو سوچ رہے ہیں۔ اریبہ سے شادی کر کے تو ان کا بھی وہی حال ہو گا جو توصیف چچا کا ہوا تھا۔" بلال نے ذرا خیال نہیں کیا۔ صاف گوئی سے کہہ دیا تھا۔

"بلال!" ساجدہ بیگم کا غصے سے صرف بلال کہہ دینا ہی کافی تھا۔ وہ اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ثنا جز بز ہونے لگی کیونکہ اس کی بات دل میں رہ گئی تھی۔

"جاؤ چائے بناؤ، میں رازی کو اٹھاتی ہوں۔" ساجدہ بیگم نے ثنا پر یوں ظاہر کیا جیسے رازی انہیں بتا کر سویا تھا۔

"بھائی نے دوپہر سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔" ثناء اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں، پوچھتی ہوں۔ کھانا کھائے گا یا چائے کے ساتھ بسکٹ وغیرہ۔" ساجدہ بیگم کہتی ہوئی رازی کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ دوپہر کے کھانے پر انہوں نے خود ہی اسے نہیں بلوایا تھا۔ اصل میں وہ چاہتی تھیں کہ وہ خود سے باہر آئے لیکن اب سہ پہر ڈھلنے پر بھی وہ کمرے سے نہیں نکلا تھا تو انہیں تشویش ہونے لگی تھی۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

"رازی! دروازہ کھولو بیٹا۔" ان کی آواز بھی کمزور تھی۔ چند لمحوں بعد ہی رازی نے دروازہ کھول دیا۔ تو اسے دیکھ کر ساجدہ بیگم کا دل پھٹنے لگا۔ کیسا اجڑا اجڑا کھڑا تھا۔

"بیٹا! یہ تم نے کیا حالت بنائی ہے۔ میں مر تو نہیں گئی۔ زندہ کھڑی ہوں ابھی اور میرے ہوتے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ تم کیا چاہتے ہو۔"

"کچھ نہیں۔ آپ بیٹھیں۔" وہ کہہ کر واش روم میں چلا گیا اور منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر واپس آ گیا۔ "سوری امی! میں نے آتے ہی آپ کو پریشان کر دیا۔"

"میں تو کب سے پریشان ہوں۔ یہ بتاؤ کیا کہا یا سمین نے؟" ساجدہ بیگم کو اب جاننے کی جلدی ہو رہی تھی۔

"ان سے میری زیادہ بات نہیں ہوئی اور اریبہ وہی کہتی رہی کہ اس نے منگنی توڑ دی ہے۔" رازی نے مختصراً بتایا۔

"ایسے کیسے منگنی ٹوٹ جائے گی۔ میں ابھی جاتی ہوں توصیف کے پاس اور منگنی چھوڑ شادی ہی طے کر آتی ہوں۔ توصیف میری بات نہیں ٹالے گا۔ بیٹی کو بھی سنبھالے گا۔" ساجدہ بیگم تو اس وقت اس کی اجڑی صورت نے یہ کہنے پر مجبور کیا تھا ورنہ وہ تحمل کا دامن کبھی نہیں چھوڑتی تھیں۔

"نہیں امی! مجھے اس طرح زور زبردستی سے شادی نہیں کرنی۔ یوں بھی ابھی اریبہ پڑھ رہی ہے۔ اس کا میڈیکل کمپلیٹ ہو جائے پھر دیکھیں گے۔" وہ اس وقت سے جانے کیا کچھ سوچ چکا تھا، اس لیے اس نے ساجدہ بیگم کو کسی بھی کارروائی سے روک دیا۔

"تو اتنا عرصہ تم یونہی پریشان رہو گے۔" ساجدہ بیگم نے اس کی ناگفتہ بہ حالت کو جتایا۔

"میں پریشان نہیں ہوں امی۔ آپ بالکل فکر نہ کریں، دو چار دن آرام کروں گا پھر ان شاء اللہ ابو کا بزنس سنبھالوں گا۔" رازی کو اب احساس ہو رہا تھا کہ اس کی وجہ سے ماں کتنی پریشان ہے۔ بے اختیار ان کے گلے لگ گیا۔

"جیتے رہو۔ اللہ تمہیں بہت خوشیاں دکھائے۔" ساجدہ بیگم کی آواز بھرا گئی تھی۔

* * *

توصیف احمد صبح کہہ گئے تھے کہ شام میں وہ جلدی آجائیں گے پھر بچوں کو کہیں گھمانے لے جائیں گے۔ اس لیے خالدہ نے ہما اور فہد کو جلدی ہوم ورک کرا دیا تھا۔ پھر انہیں تیار کرکے خود بھی تیار ہو گئی۔ پانچ بج رہے تھے۔ توصیف احمد آنے ہی والے تھے اور کیونکہ آفس سے آکر وہ ایک کپ چائے ضرور پیتے تھے، اس لیے خالدہ ہما اور فہد کو آرام سے کھیلنے کی تاکید کرکے خود کچن میں چلی آئی اور ابھی چولہے پر چائے کا پانی رکھا ہی تھا کہ گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجنے لگا۔ خالدہ نے کچن کی کھڑکی میں سے دیکھا۔ ملازم بھاگ کر گیٹ کھول رہا تھا۔ خالدہ جلدی جلدی ٹرے میں ٹی پاٹ اور کپ رکھنے لگی۔ پھر چولہا تیز کرکے کھڑکی سے دیکھا اور توصیف احمد کے بجائے اریبہ کو آتے دیکھ کر پریشان ہو گئی کہ کہیں وہ پھر تو بائیک پر نہیں آگئی۔ اس روز اس کے جانے کے بعد بہت دیر تک توصیف احمد کا موڈ خراب رہا تھا۔

"اب پتا نہیں کیا ڈیمانڈ لے کر آئی ہے۔" خالدہ نے ناگواری سے سوچا اور چولہا دھیما کرکے کچن سے نکل آئی۔ اریبہ لاؤنج میں آچکی تھی۔ خالدہ کو دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

"ڈیڈی آفس سے نہیں آئے؟"

"نہیں...." خالدہ نا چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھنے لگی۔ بلیک جینز پر پنک ٹی شرٹ میں وہ بہت اسمارٹ لگ رہی تھی۔

"کب تک آجائیں گے۔ آئی مین مجھے زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑے گا۔" اریبہ کا انداز اس کے لیے نوٹس والا تھا۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔" خالدہ نے جان بوجھ کر نہیں بتایا کہ توصیف احمد ابھی آنے والے ہیں۔

"اور وہ دونوں کہاں ہیں ہما اور فہد۔" اریبہ نے خود کو صوفے پر گراتے ہوئے پوچھا۔ خالدہ اسے جواب دینے کے بجائے بچوں کو پکارنے لگی تو وہ دونوں بھاگتے ہوئے آگئے۔

"ڈیڈی آگئے مما....؟" فہد نے آتے ہی خالدہ سے پوچھا۔

"نہیں بیٹا! تمہاری آنٹی آئی ہیں۔" خالدہ کے منہ سے بلا ارادہ ہی اس کے لیے آنٹی نکل گیا تھا۔

"آنٹی...." اریبہ سلگ گئی۔ "میں کس حساب سے ان کی آنٹی ہو گئی۔"

"سوری بیٹا، یہ تمہاری باجی ہیں۔" خالدہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھیں۔

"مجھے پتا ہے مما یہ اریبہ باجی ہیں۔" فہد نے کہا تو ہما بھی فوراً بولی تھی۔

"مجھے بھی پتا ہے۔"

"پتا ہے تو آکر سلام کرو۔ تمہیں یہ سب نہیں سکھایا گیا۔" اریبہ نے درحقیقت خالدہ کو سنایا تھا۔

"جاؤ بیٹا....!" خالدہ دونوں بچوں کو اس کے پاس جانے کا اشارہ کرکے واپس کچن میں آگئی۔ چولہے پر پانی کھول رہا تھا۔ وہ ٹی پاٹ میں چائے دم کرکے وہیں کھڑی رہی اور جب توصیف احمد آگئے تب ٹرے اٹھا کر لاؤنج میں آگئی۔ توصیف احمد اریبہ سے پوچھ رہے تھے۔

"سب ٹھیک ہیں بیٹا!"

"جی، سب ٹھیک ہیں، بس میں ٹھیک نہیں ہوں۔" اریبہ نے روٹھے انداز میں کہا تھا۔ توصیف احمد نے ایک نظر تیار کھڑی خالدہ کو دیکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگے۔

"کیا بات ہے۔ کوئی مسئلہ ہے؟"

"میں نے آپ کو اپنا مسئلہ بتایا تو تھا کہ میں کالج سے لیٹ ہو جاتی ہوں۔ ٹریفک کی وجہ سے۔ آپ پلیز مجھے بائیک دلا دیں۔" اریبہ نے بظاہر منت بھرے انداز میں کہا تھا۔

"بیٹا! یہ آپ کی فرمائش ہے یا ضد جو بھی ہے بالکل غلط ہے۔ آخر وہ اسٹوڈنٹس بھی تو وقت پر کالج پہنچ جاتے ہیں جو بسوں میں سفر کرتے ہیں۔ پھر آپ کے پاس تو گاڑی ہے۔ آئی ایم سوری میں آپ کی یہ ضد پوری نہیں کر سکتا اور نہ ہی میں آپ کو اس کی اجازت دوں گا۔" توصیف احمد بہت ضبط سے ٹھہر ٹھہر کر بولے تھے۔

اریبہ چند لمحے اپنے ناخن دیکھتی رہی پھر ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑی۔

"اریبہ واپس آؤ۔" توصیف احمد نے پکار کر کہا لیکن وہ ان سنی کرکے باہر نکل گئی تھی۔

"آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" خالدہ نے محض اریبہ کی طرف سے ان کا دھیان ہٹانے کی خاطر چائے کا کپ اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ چائے واقعی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ توصیف احمد نے ایک گھونٹ لے کر کپ ٹرے میں رکھ دیا پھر صرف ہما اور فہد کی خاطر اٹھ کھڑے ہوئے ورنہ ان کا موڈ بدل چکا تھا۔

* * *

زمیں پر ہے مگر آسمان جیسی ہے
وہ نرم نرم سی لڑکی چٹان جیسی ہے

سمیر نے عقب سے سارہ کے گھٹنوں پر کھلی کتاب میں جھانک کر اونچی آواز میں شعر پڑھا تھا۔ سارہ نے مسکرانے کا جیسے تکلف کیا پھر کتاب بند کرکے دھیرے سے بولی تھی۔

"ایسے چپکے سے آجاتے ہو، پتا ہی نہیں چلتا۔"

"اتنی گہری خاموشی جو چھائی ہے۔ مجھے اپنے قدموں کی آواز سے بھی ڈر لگنے لگا تھا۔ کیا گھر میں کوئی نہیں ہے؟" سمیر بولتا ہوا اس کے سامنے آگیا۔

"میں ہوں اور بوا ہیں۔ چائے پیو گے؟" سارہ کو غالباً بوا کے ساتھ ہی چائے کا خیال بھی آگیا تھا۔

"کیا فوراً بھگانے کا ارادہ ہے۔" سمیر کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں اتنی جلدی بھاگنے والا نہیں ہوں اور ابھی تو فراغت سے آیا ہوں۔"

"کیوں تمہارے امتحان ہو گئے کیا۔" سارہ نے فراغت کا مطلب یہی لیا تھا۔

"نہیں ابھی تو شروع بھی نہیں ہوئے۔ ایک مہینہ پڑا ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا تھا۔

"صرف ایک مہینہ سال نہیں جو تم اتنے اطمینان سے پھر رہے ہو۔ پتا ہے پھوپھو تم سے کتنی امیدیں لگائے بیٹھی ہیں۔" سارہ نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"پتا ہے اور میں نے کب انہیں مایوس کیا ہے۔ اپنی عمر سے دو سال آگے جا رہا ہوں۔ ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ بلال میرے برابر ہے ناں لیکن مجھ سے دو سال پیچھے ہے۔" سمیر نے فوراً بلال سے موازنہ کرکے ثابت بھی کر دیا تو وہ جھنجلا گئی۔

"اوہو! تمہیں تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔"

"یوں کھولا جواب ہو گئی ہو۔" وہ ہنسا پھر اچانک خیال آنے پر کہنے لگا۔ "اریبہ تو آج کل بہت خوش ہو گی، رازی بھائی جو آگئے ہیں۔ یار اب جلدی ان کی شادی ہونی چاہیے۔ خوب ہلا گلا کریں گے۔"

"ہوں!" وہ اس موضوع سے بچنے کی خاطر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں بوا سے چائے کا کہہ آؤں۔"

"میں کہتا ہوا آیا تھا۔ بیٹھ جاؤ۔" سمیر نے اس کا ہاتھ کھینچ کر واپس بٹھا دیا اور اس کے چہرے پر نظریں جما کر

Scan & PDF EJAZ AHMED Friends Korner.com

پوچھنے لگا۔ ”سنو یہ اریبہ اور رازی بھائی کا کیا معاملہ ہے۔“

”کیسا معاملہ۔۔۔“ وہ اندر سے خائف ہو گئی تھی۔

”انجان مت بنو سارہ! مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔ میں نے اس روز رازی بھائی کو بہت پریشان دیکھا تھا اور ادھر کچھ عرصے سے اریبہ بھی عجیب و غریب حرکتیں کر رہی ہے۔ اس سے میں تو یہی سمجھ پایا ہوں کہ ان دونوں کا معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ ہے ناں۔“ سمیر نے ساری بات کہہ کر اس سے تصدیق چاہی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ شاید تھک گئی تھی۔

”بتاؤ گی نہیں۔“ سمیر کے لہجے میں دوستی کا مان تھا۔

”میں نہیں بتاؤں گی تب بھی سب کو پتا تو چل ہی جانا ہے۔ چھپنے والی بات تو نہیں ہے۔“ وہ آزردگی میں گھر گئی تھی۔ ”دراصل میں اریبہ کو تائی امی پر غصہ ہے کہ انہوں نے ڈیڈی کی شادی اپنی بہن سے کرا دی۔ جب تک یہ شادی راز رہی تب تک تو اریبہ خوش تھی۔ لیکن پھر جیسے ہی راز فاش ہوا اریبہ نے رازی بھائی سے ناتا توڑ لیا۔ ان کے آنے سے پہلے ہی وہ منگنی کی انگوٹھی تائی امی کو واپس کر آئی تھی۔“

”پاگل ہے کیا۔ اس میں رازی بھائی کا کیا قصور؟“ سمیر ساری بات سن کر یکدم جذباتی ہو گیا تھا۔

”یہی میں اس سے کہتی ہوں اور رازی بھائی نے بھی یہی کہا لیکن وہ مان ہی نہیں رہی۔“ وہ مایوسی سے بولی تھی۔

”اور رازی بھائی اب کیا کہہ رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے ان کا کیا ارادہ ہے۔“ سمیر نے پوچھا۔ اسی لمحے بوا چائے لے کر آ گئیں اور خاموشی سے دونوں کو مگ تھما کر ان ہی پیروں واپس پلٹ گئیں۔ سمیر نے فوراً“ چائے کا گھونٹ لیا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”ہاں میں کیا کہہ رہا تھا۔“

”تم رازی بھائی کا ارادہ پوچھ رہے تھے۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔ کیونکہ اس روز وہ اتنے غصے میں گئے تھے کہ پھر میری ہمت ہی نہیں ہوئی ان کے پاس جانے یا انہیں فون کرنے کی۔“ وہ حد درجہ دل گرفتہ لگ رہی تھی۔ سمیر کچھ دیر پرسوچ انداز میں اسے دیکھتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

”توصیف ماموں نے کچھ نہیں کہا اریبہ سے؟“

”ڈیڈی کو کچھ نہیں پتا‘ شاید تائی امی نے کسی کو نہیں بتایا۔ لیکن اب تو ظاہر ہے بات کھل ہی جائے گی۔ پھر دیکھو ڈیڈی کیا کرتے ہیں۔“

”اچھا تو تم کیوں اتنی ڈس ہارٹ ہو رہی ہو۔ ٹھیک ہو جائے گا‘ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ سمیر اسے تسلی دینے لگا تب ہی اریبہ آ گئی۔ بس ایک لحظہ کو رکی‘ اگلے پل سمیر کے سر پر پہنچ کر کڑے تیوروں سے پوچھنے لگی۔

”تم کب آئے؟“

”کافی دیر ہوئی۔۔۔“ سمیر اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”کافی دیر ہوئی۔ یعنی یہ جاننے کے باوجود کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔ سارہ اکیلی ہے۔ تم بیٹھ گئے۔“ اریبہ کی بات پر سارہ چکرا گئی۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو اریبہ۔ میں اکیلی نہیں بوا بھی موجود ہیں۔“

”بوا اپنے کام میں مصروف رہتی ہیں۔ انہیں کیا پتا تم لوگ کیا کر رہے ہو۔“ اریبہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ مارے توہین کے سمیر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایک نظر سناٹے میں کھڑی سارہ کو دیکھا پھر تیز قدموں سے چلا گیا۔

”تم اندر چلو۔“ اریبہ نے سارہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتی ہوئی کمرے میں لے آئی۔ تب ایک دم سارہ اس کا ہاتھ جھٹک کر چیخ پڑی۔

”تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ تم گھر آئے مہمان کی بے عزتی کرو اور تم نے اتنی گھٹیا بات کہی کیسے؟“

”بس زیادہ آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ جب دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ باپ کا گھر سمجھ رکھا ہے کیا۔“ اریبہ کو جانے اسی بات کا غصہ تھا یا کہیں اور کا غصہ یہاں نکل رہا تھا۔

”اس کے ماموں کا گھر ہے۔ آئے گا وہ اور سب آئیں گے۔ تم اگر کسی سے نہیں ملنا چاہتیں مت ملو۔ مجھے تم نہیں روک سکتیں۔“ سارہ نے اس وقت سارے لحاظ بھلا دیے تھے۔

اریبہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وارڈ روب کھول کر ایک سوٹ نکالا اور واش روم میں بند ہو گئی۔ سارہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ ایک طرف توہین کا احساس دوسری طرف ندامت کہ کیا سوچے گا سمیر۔

☆ ☆ ☆

اجلال رازی نے بس تین دن آرام کیا تھا۔ اس کے بعد اپنے مرحوم والد حبیب احمد کا بزنس سنبھال لیا۔ اب تک یہ بزنس توصیف احمد کی نگرانی میں چل رہا تھا اور چونکہ وہ بھی اسے زیادہ وقت نہیں دے پاتے تھے اس لیے منیجر عنایت اللہ کے رحم و کرم پر تھا۔ بس یہ تھا کہ حبیب احمد کی بنائی ہوئی فرم قائم تھی۔ اگر نفع نہیں تو نقصان بھی نہیں۔ یوں اجلال رازی کو نئے سرے سے تگ و دو نہیں کرنی پڑی۔ گو کہ وہ بڑے پلان بنا کر آیا تھا۔ لیکن فوری طور پر عمل ممکن نہیں تھا۔ پہلے تو اسے گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالنا تھا اس کے بعد وہ اپنے پلان پر عمل کر سکتا تھا۔ یوں اس نے اپنے مرحوم والد کی کرسی سنبھال لی اور یہ تو اسے کرنا ہی تھا۔ لیکن اتنی جلدی بزنس کے بکھیڑوں میں الجھنے کا اس نے نہیں سوچا تھا۔ وہ کچھ دن اپنی زندگی انجوائے کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے وہ جانے کیا کچھ سوچ کر آیا تھا۔ لیکن یہاں آ کے اریبہ نے اس کے سارے خوش کن حالات کو اس بری طرح روندا تھا کہ وہ توانا مرد چکرا کر رہ گیا تھا۔ مگر اس کے اندر کیونکہ اپنی بیوہ ماں اور چھوٹے بہن بھائی کا احساس تھا‘ اس لیے ان کی خاطر اس نے فوراً“ خود کو سنبھال لیا تھا اور کام سے بھی لگ گیا۔ یہ اس کی مجبوری بھی تھی‘ کیونکہ جہاں وہ فارغ بیٹھتا اسے اریبہ اور اس کی زیادتی یاد آنے لگتی۔

پھر وہ اسی نہج پر سوچتا چلا جاتا کہ اریبہ کو کیسے سمجھائے۔ اسے کیسے یقین دلائے کہ وہ اس کے لیے کتنی اہم ہے۔ اس کی خاطر دیار غیر کی رنگینیوں میں اس نے خود کو کتنا پابند رکھا‘ صرف اس لیے کہ کہیں اریبہ تک کوئی ایسی بات نہ پہنچ جائے جس سے اس کا دل ٹوٹے اور وہ کتنی سنگدلی سے اس کے دل کے ٹکڑے کر گئی تھی۔ وہ اس روز سے ان ٹکڑوں کو سمیٹنے میں لگا ہوا تھا‘ لیکن کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا‘ اس لیے خود کو بہت مصروف کر لیا تھا۔ صبح آفس کے لیے نکلتا تو واپسی میں رات ہو جاتی اور ساجدہ بیگم بجائے اطمینان سے ہونے کے مزید پریشان ہو گئی تھیں‘ کیونکہ وہ ماں تھیں۔ جانتی تھیں کہ رازی خود سے فرار کی خاطر مصروفیت میں پناہیں ڈھونڈ رہا ہے اور یہ پناہیں اسے مزید تھکا رہی تھیں۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتیں جس پر محبت کی بے حرمتی کا دکھ واضح نظر آتا تھا۔ تب ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کریں۔ اس وقت وہ اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ رات کے نو بج چکے تھے۔ ان کی نظریں وال کلاک پر تھیں۔ جب ثنا آ کر پوچھنے لگی۔

”امی کھانا لگا دوں؟“

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔)

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں، سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی، خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ یاسمین اس پر اپنے جیٹھ جیٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلا تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوگئی اور اس نے اجلال سے منگنی توڑ دی۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آیا تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلا۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

۲
دوسری قسط

"بھائی کو تو آنے دو یا اگر تمہیں اور بلال کو بھوک لگی ہے تو تم دونوں کھالو۔" ساجدہ بیگم نے اس انداز سے کہا جیسے انہیں ابھی بھوک نہیں ہے۔

"اوہو امی! میں اور بلال بھوک برداشت کرسکتے ہیں۔ میں تو آپ کی وجہ سے کہہ رہی ہوں' رازی بھائی کے انتظار میں مت بیٹھا کریں۔" ثنا نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔

"کیا کروں اس کے بغیر نہیں کھایا جاتا۔"

"اتنے برسوں سے ان کے بغیر ہی کھا رہے تھے ناں ہم لوگ۔ چند دنوں میں آپ نے اپنی روٹین خراب کرلی۔" ثنا ناراضی سے بولی تھی۔

"ثناء!" ساجدہ بیگم نے تنبیہی انداز میں اسے گھورا تو وہ منہ بنا کر جانے لگی۔ تب ہی رازی کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا۔

"لو آگیا رازی۔ جاؤ لگاؤ کھانا۔ بلال کو بھی بلاؤ۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ بلال کو پکارتی ہوئی چلی گئی۔ چند لمحوں بعد رازی اندر آگیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام! بہت دیر کردیتے ہو۔ جاؤ اب جلدی سے کپڑے بدل کر آؤ۔ ثنا کھانا لگا رہی ہے۔" ساجدہ بیگم کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جی آپ چلیں' میں آرہا ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ساجدہ بیگم ڈائننگ روم میں آگئیں۔ بلال سالن کی ڈش میں چمچ گھما کر ثناء سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ تم نے کیا بنایا ہے؟"

"مغز۔" ثنا جانے کیوں تپی ہوئی تھی۔

"کس کا.....؟" بلال نے اس کا تپنا محسوس کر کے مزید چھیڑنے کی غرض سے پوچھا تھا۔

"اپنا۔" تڑاخ سے جواب آیا تھا۔

"میں بھی یہی سمجھ رہا تھا' بس تم سے تصدیق کروانا چاہ رہا تھا۔" بلال نے انتہائی معصوم شکل بنا کر کہا۔ ساجدہ بیگم قصداً خاموش رہیں۔

"دیکھ رہی ہیں امی آپ اسے؟" ثناء نے شکایتاً کہا۔ جواب میں بلال کچھ کہنا چاہتا تھا کہ رازی کے آنے پر شرارت سے مسکرا کر رہ گیا تھا۔

"لو بیٹا!" ساجدہ بیگم نے سالن کی ڈش اٹھا کر رازی کے آگے رکھ دی تو اس نے پہلے ان کی پلیٹ میں سالن نکالا پھر اپنی پلیٹ میں نکال کر ڈش ثنا کی طرف بڑھا دی۔

"بھائی! سارے خاندان والے آپ سے ناراض بیٹھے ہیں۔" ثناء نے ڈش تھامتے ہوئے کہا تو رازی حیران ہوا۔

"مجھ سے کیوں؟"

"ظاہر ہے سب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کی باقاعدہ دعوت کرنا چاہتے ہیں اور آپ ہیں کہ آتے ہی مصروف ہوگئے۔ پرسوں ممانی جان شکایت کر رہی تھیں۔ ہیں ناں امی؟"

ثناء نے آخر میں ساجدہ بیگم کی طرف دیکھا لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔

"کام زیادہ ضروری ہے۔ دعوتوں میں وقت ہی ضائع ہوگا۔ باقی ملنا ملانا تو چلتا ہی رہے گا۔" وہ سہولت سے کہہ کر کھانے میں مصروف ہوگیا پھر اچانک جانے کیا خیال آیا ثناء کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"تم کالج جا رہی ہو.....؟"

"ہوں.....!" ثنا منہ میں نوالہ ڈال چکی تھی' اس لیے ہوں کی آواز نکالی۔

"سارہ سے ملاقات ہوتی ہے؟" رازی کا اگلا سوال تھا۔ ساجدہ بیگم چونک گئیں۔

"جی۔ لیکن اب وہ پہلے کی طرح نہیں ملتی۔ بہت روڈ ہوگئی ہے۔ صاف لگتا ہے جیسے بات ہی نہیں کرنا چاہتی۔"

ثناء کچھ زیادہ بولنے لگی تھی کہ ساجدہ بیگم نے کہنی مار کر اسے خاموش کرا دیا پھر کن انکھیوں سے رازی کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ثنا ساجدہ بیگم کی بیٹی تھی لیکن ان کی کوئی بات' کوئی خوبی اس میں نہیں آئی تھی۔ ساجدہ بیگم جتنی منکسر المزاج' متحمل اور بردبار تھیں' ثنا اسی قدر بے صبری' تنک مزاج اور اس کے اندر جلن کا مادہ بھی تھا۔ یہ تو ساجدہ بیگم کا رعب تھا جو اسے بے لگام نہیں ہونے دیتا تھا۔ ورنہ اس کے اندر بڑی بغاوت تھی۔ بہرحال جب سے اریبہ منگنی کی انگوٹھی واپس کر گئی تھی تب سے وہ صرف اس سے ہی نہیں اس کے پورے گھر سے خار کھانے لگی تھی اور اس نے چاہا تو یہ تھا کہ اس بات کو باقاعدہ سارے میں نشر کر دیا جائے۔ لیکن یہاں ساجدہ بیگم نے بہت سختی برتی تھی اور یہ کہا تھا کہ رازی کے آنے کے بعد حالات دیکھتے ہوئے کوئی فیصلہ ہوگا۔ یعنی اگر رازی نے بھی اس رشتے سے انکار کر دیا تب کوئی مسئلہ نہیں ہوگا اور اب تو مسئلہ ہی مسئلہ تھا۔

رازی اریبہ کی اس حرکت سے ناراض ضرور تھا لیکن اس سے ناتا توڑ لینے کے حق میں نہیں تھا۔ اس لیے اس نے ساجدہ بیگم کو توصیف احمد سے بات کرنے سے روک دیا تھا۔ پھر جس طرح وہ بزنس میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس سے ثنا تلملائی ہوئی تھی۔ وہ یہ سوچتی کہ اریبہ کی وجہ سے بھائی اس سے بلکہ پورے خاندان سے دور ہو گیا ہے۔ گو کہ یہ سوچنے میں وہ کسی حد تک حق بجانب بھی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ خود غرض بھی ہو گئی تھی۔ یعنی اسے یہ احساس نہیں تھا کہ رازی کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ وہ بس یہ چاہتی تھی کہ رازی فوراً" اریبہ کی محبت دل سے نکال پھینکے۔

"اریبہ کوئی ایسی حور پری نہیں ہے جس کے لیے جوگ لیا جائے۔ میں رازی بھائی کے لیے اس سے اچھی لڑکی لاؤں گی۔" اس وقت وہ اپنی ماموں زاد سنبل کے سامنے اچانک پھٹ پڑی تھی۔

"ارے کیا تمہاری لڑائی ہوگئی ہے اریبہ سے؟" سنبل اس کے مزاج سے واقف تھی تب ہی یہی سمجھی۔

"جی نہیں۔ میں کیوں لڑوں گی اس سے۔ ایسے لوگوں کو تو میں منہ ہی نہیں لگاتی۔"

"بری بات۔ وہ تمہاری بھابھی بننے والی ہے اور وہ بھی بڑی۔" سنبل نے ٹوک کر کہا تو اب وہ کچھ رازداری سے بولی تھی۔

"نہیں سنبل آپی! وہ بات ختم ہوگئی۔ میرا مطلب ہے منگنی ٹوٹ گئی۔"

"کیا؟ کب؟" سنبل شاکڈ نہیں ہوئی تھی بلکہ شاید اس کی دلی مراد بر آئی تھی۔ البتہ حیران ضرور ہوئی۔

"بہت دن ہوئے۔" ثنا لاپروائی سے بولی۔ "اچھا ہوا' سنبل آپی! مجھے اریبہ شروع ہی سے پسند نہیں تھی۔"

"لیکن وہ دونوں تو ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔" سنبل کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

"کرتے تھے۔ اب تو ایک دوسرے کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔ خیر چھوڑیں' یہ بتائیں' آپ ہمارے گھر کب آرہی ہیں؟" ثنا نے سر جھٹک کر سنبل کا ہاتھ تھام لیا اور لگاوٹ کا مظاہرہ کرنے لگی۔

"تم کہہ رہی ہو منگنی ٹوٹے بہت دن ہوگئے لیکن میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں سنی۔" سنبل کا ذہن اسی بات میں الجھا تھا۔

"کیسے سنتیں۔ امی نے کسی کو بتایا ہی نہیں اور ہمیں بھی بتانے سے منع کیا ہے۔ یہاں تک کہ توصیف چچا کو بھی پتا نہیں ہے۔" ثنا سوچے سمجھے بغیر معلومات فراہم کررہی تھی۔

"مجھے تمہاری باتیں بالکل سمجھ میں نہیں آرہیں ثنا یعنی اتنی بڑی بات ہوگئی اور کسی کو پتا ہی نہیں۔ توصیف انکل بھی بے خبر ہیں اور خالہ آنٹی؟" سنبل نے الجھ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"خالہ آنٹی کو آپ بتادیں ناں تاکہ توصیف چچا تک بات پہنچ جائے۔ امی پتا نہیں کیوں چھپائے بیٹھی ہیں۔ آپ بتائیں چھپانے کا کوئی فائدہ ہے کیا۔ کم از کم توصیف چچا کو تو ضرور خبر ہونی چاہیے۔ آخر وہ اریبہ کے باپ ہیں۔" ثنا نے بڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"ہوں۔۔۔!" سنبل نے یونہی سرہلادیا تھا۔

"پتا ہے سنبل آپی! میں تو آپ کو اپنی بھابھی بنانا چاہتی ہوں۔" ثنا اپنے مطلب پر آگئی۔ سنبل چونک کر اسے دیکھنے لگی تو جلدی سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے۔ امی بھی یہی چاہتی ہیں۔ بس انتظار کررہی ہیں کہ رازی بھائی سیٹ ہوجائیں اور جو اپنی اجڑی محبت کا ماتم کررہے ہیں۔ اس سے بھی نکل آئیں پھر وہ آپ کے لیے بات کریں گی۔"

سنبل کا دل گو کہ ہلکورے لینے لگا تھا۔ لیکن بظاہر سنجیدگی سے ثنا کو دیکھنے لگی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں سنبل آپی! میں امی کا ارادہ بھانپ کرہی آپ کے پاس آئی ہوں اور ساری بات آپ کو بتادی ہے۔ صرف اس لیے کہ آپ رازی بھائی کو سنبھال سکتی ہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" سنبل چونکی تھی۔

"میرا مطلب ہے وہ بے چارے بہت ڈسٹرب ہیں۔ منگنی ٹوٹنے سے ان کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اگر آپ ٹوٹے دل کو جوڑ سکیں تو یہ آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ میں رازی بھائی کو ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی ہوں۔ پلیز سنبل آپی!" ثنا آزردہ لہجے میں بولتے ہوئے روہانسی بھی ہوگئی تھی۔

"اوہو۔۔۔ روؤ تو مت۔" سنبل اسے پچکار کر بولی۔ "میں کوشش کروں گی۔"

"سچ، سچ سنبل آپی!" ثنا خوش ہوگئی اور اثبات میں سرہلاتے ہوئے سنبل اپنے کسی خیال پر مسکرانے لگی تھی۔

* * *

صبح کی تازہ ہوا میں خوشگوار سی ٹھنڈک تھی۔ جب ہی وہ اٹھنا نہیں چاہتا تھا لیکن مرغے کی چنگھاڑتی ہوئی آواز کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھی۔ اس نے بہت جتن کیے، کبھی کانوں میں انگلیاں ٹھونسیں۔ کبھی تکیہ سر پہ رکھا لیکن بے سود۔ آخر جھنجلا کر آنکھیں کھولیں تو دور تک پھیلے نیلے شفاف آسمان کو دیکھتے ہی اس کی طبیعت خوش ہوگئی۔ بڑے دنوں بلکہ مہینوں بعد وہ آسمان کو اس کے اصل رنگ میں دیکھ رہا تھا۔ ورنہ شہر میں تو باقی ہر شے کی طرح آسمان بھی اپنا اصل رنگ کھوچکا تھا۔ اس کی نظریں ایک جگہ ٹھہری نہیں رہی تھیں۔ حالانکہ دور تک کہیں کسی دوسرے رنگ کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ پھر بھی جانے اس کے اندر کیسی سرشاری تھی کہ نظر ٹھہر رہی تھی نہ دل۔ گو کہ اس کے لیے یہ سادہ مگر دل فریب منظر نیا نہیں تھا۔ وہ یہیں پیدا ہوا یہیں پلا بڑھا تھا۔ زندگی کے ابتدائی پندرہ سال اس نے اسی گاؤں میں گزارے تھے۔ اس کے بعد بھی اس کا آنا جانا تو رہتا ہی تھا۔ چھٹیوں میں، امتحانوں کے بعد لیکن تب شاید اسے اتنا شعور نہیں تھا یا شاید حالات کو اپنے تابع کرنے کی جستجو اور انتھک محنت نے اسے زندگی کی بہت سی رنگینیوں سے دور کردیا تھا۔ بجز تاباں۔۔۔ ابھی بھی وہ ابا ہی کی آواز پہ چونکا تھا۔

"ابا! اتنا دن چڑھ آیا۔ اب اٹھ بھی جا۔" تاباں اپنے ابا سے کہہ رہی تھی لیکن وہ سمجھ گیا در حقیقت اسے مخاطب کررہی ہے۔ اس کا سارا دھیان دیوار کے اس طرف منتقل ہوگیا تھا۔

"پراٹھا بنادیا ہے ابا! اور تو کھیر شوق سے کھاتا ہے ناں میں نے تیرے لیے کھیر بھی بنادی ہے۔"

"جیسے کملی ایہہ کھیر۔ کتنی بار کہا ہے سوجی کا حلوہ بنادیا کر۔" تاباں کا ابا کھیر کا سن کر بدمزہ ہوا تھا جبکہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"تو اب میں کھیر کا کیا کروں۔ چل پڑوس میں دے آؤں گی اور ہاں ابا جلدی آیا کرناں۔ اتنی دیر کردیتا ہے، میری آنکھیں تھک جاتی ہیں تیری راہ تکتے تکتے۔"

وہ محظوظ ہورہا تھا۔

"آئندہ اگر اتنی دیر کی تو میں سچ مچ ناراض ہوجاؤں گی، تجھے پتا ہے ناں میرا غصہ بڑا خراب ہے۔"

تاباں کا ابا غالباً" ناشتا کرنے میں مصروف تھا جب ہی ہوں ہاں میں جواب دے رہا تھا۔ اس کا دل چاہا دیوار سے جھانک کر دیکھے، وہ کہاں بیٹھی ہے۔ لیکن پھر اس خیال سے کہ کہیں اس کا ابا نہ دیکھ لے، وہ تکیہ اٹھا کر سیڑھیاں اتر آیا۔ اس کے ابا صحن میں بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔

"السلام علیکم ابا۔۔۔!" وہ ان کے سامنے بچھی چارپائی پہ تکیہ پھینک کر پھر وہیں لیٹ گیا۔

"جیوندا رہ۔ رات ٹھیک سویا؟" ابا نے دعا کے ساتھ پوچھا۔

"جی ابا! مزے کی نیند آئی اور یہ آپ کیا خالی پیٹ حقہ گڑگڑانے بیٹھ جاتے ہیں۔ پہلے کچھ کھاپی لیا کریں۔" اس نے جواب کے ساتھ ٹوک بھی دیا لیکن ابا پہ کچھ اثر نہیں ہوا۔ اپنا شغل جاری رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"اس بار تو پورے چار مہینے بعد آیا ہے اور چار دن میں اکتا بھی جائے گا۔ کیوں تیرا دل نہیں لگتا یہاں؟"

"نہیں۔۔۔!" وہ بے ساختہ کہہ کر پھر فوراً وضاحت کرنے لگا تھا۔ "یہاں میرے لیے کچھ نہیں ہے ابا! میں جو پڑھ رہا ہوں، اس کے بعد یہاں آپ کے ساتھ کھیتی باڑی تو نہیں کرسکتا۔"

"کیوں کھیتی باڑی کرنے سے تیری شان گھٹ جائے گی۔" ابا نے برا مان کر ٹوکا تو وہ محض تکرار سے بچنے کی خاطر بہن کو پکارنے لگا۔

"تاجور۔۔۔ تاجور!"

"جی بھائی۔" تاجور بھاگی آئی تھی۔

"چائے۔۔۔" وہ چائے کہتے کہتے رہ گیا اور بے اختیار تاجور کی کلائی پکڑ کر پوچھنے لگا۔

"تم اتنی کمزور کیوں ہوگئی ہو۔ کھاتی پیتی نہیں ہو کیا؟"

"کھاتی ہوں۔" تاجور کی آواز دھیمی تھی۔

"کیا کھاتی ہو۔۔۔؟"

"وہی جو تو وہاں سے بھیجتا ہے۔" ابا پہلے بول پڑے۔ "گھی شکر، دودھ ملائیاں، وہ سارا یہی تو کھاتی ہے۔"

"ابا! کیا ہوگیا ہے؟" وہ بری طرح جھنجلایا تھا۔

"کیا ہوگیا ہے۔ چار دن کے لیے آتا ہے، دماغ خراب کرجاتا ہے اس کا۔ میری ایک صرف یہ اولاد نہیں ہے۔ اور بھی ہیں۔ میں جتنا کرسکتا ہوں کررہا ہوں۔" ابا کو غصہ جانے کس بات کا تھا جو منہ میں آیا بولتے ہوئے باہر نکل گئے۔ اس نے سر جھٹک کر تاجور کو دیکھا۔ وہ نوعمر معصوم لڑکی خائف کھڑی تھی۔ تب وہ زبردستی مسکرایا اور تاجور

کو پاس بٹھا کر پوچھنے لگا۔

"تم اچھی تو ہو ناں ۔۔۔؟" تاجور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"خالہ ڈانٹتی مارتی تو نہیں ہے ۔۔۔" وہ اور تاجور بھی سوتیلی ماں کو خالہ کہتی تھی۔

"نہیں۔" تاجور کا ایک "نہیں" بے انتہا مجبوری لیے ہوئے تھا۔ وہ خاموش ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ کندنی رنگت سنولا گئی تھی۔ آنکھوں میں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ تب ہی بیرونی دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا اور تاباں وہیں سے پکارتی ہوئی چلی آئی۔

"چاچی ۔۔۔ چاچی!" اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ ہاتھوں میں غالباً "کھیر کا پیالہ لیے ہوئی تھی۔ یکدم انجان بن گئی۔

"ہیں! تو کب آیا؟"

"ابھی ۔۔۔!" اس نے بے نیازی سے جھوٹ بولا تو تاباں اچھل پڑی۔

"جھوٹا کہیں کا رات میں نے خود تجھے تانگے سے اترتے دیکھا تھا۔"

"اچھا!" وہ قصداً ہنسا تو تاباں نے سٹپٹا کر کھیر کا پیالہ آگے بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"کھیر 'ابا کے لیے بنائی تھی پر اس نے کھائی نہیں۔ سوچا تو کھا لے گا' اس لیے لے آئی۔" تاباں نے جلدی جلدی بتاتے ہوئے پیالہ اسے تھمانا چاہا لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"بڑی مہربانی۔ میں بھی کھیر نہیں کھاتا۔"

"توبہ توبہ۔ شہر میں رہ کر تو تو پکا جھوٹا ہو گیا ہے۔ کھیر نہیں کھاتا۔ پچھلی بار جب آیا تھا تو فرمائشیں کر کر کے پکوائی تھی ۔۔۔ لے تاج! تو رکھ لے اور خبردار جو اسے ذرا سی بھی چکھائی تو۔" تاباں نے پیالہ تاجور کے ہاتھوں میں تھمایا اور جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے واپس پلٹی تھی۔

"ارے سنو تو۔" وہ اس کی ناراضی سوچ کر ہی پریشان ہو گیا تھا۔

* * *

اریبہ اپنا جیولری بکس کھولے بیٹھی تھی۔ جس میں ایک لاکٹ 'ٹاپس' دو تین انگوٹھیاں اور دو چوڑیاں تھیں اور وہ ان کی مالیت کا اندازہ کر رہی تھی۔ سارہ بار بار کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آخر اس سے رہا نہیں گیا تو پوچھ لیا۔

"کسی شادی میں جا رہی ہو کیا؟"

"نہیں۔" اریبہ نے اپنے حساب کتاب کے درمیان جواب دیا تھا۔

"پھر یہ جیولری ۔۔۔؟" سارہ اب براہ راست اسے دیکھنے لگی تھی۔

"دیکھ رہی ہوں' کتنے میں بکے گی۔" وہ لاکٹ ہتھیلی پر اچھالتے ہوئے بولی۔

"کیا ۔۔۔!" سارہ اچھلی تھی۔ "یہ نوبت آ گئی ہے کیا؟ میرا مطلب ہے ایسے تو حالات نہیں۔ کیوں بیچنا چاہتی ہو؟"

"مجھے بائیک خریدنی ہے۔" وہ اطمینان سے بولی تھی۔ سارہ بری طرح سلگ گئی۔

"بائیک 'بائیک تم کوئی چھوٹی بچی تو نہیں ہو جو ایسی ضدیں کرتی ہو۔"

"یہی تو میں بھی بتانا چاہتی ہوں کہ میں بڑی ہو گئی ہوں۔" وہ ہنوز اطمینان سے تھی۔

"تو اس کا ثبوت تم بائیک چلا کر دینا چاہتی ہو۔ کیا بات ہے تمہاری۔ اس کا مطلب ہے 'مجھے بھی خود کو بڑا ثابت کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔" سارہ مذاق اڑانے لگی۔ اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ٹشو پیپر کھینچ کر جیولری اس میں رکھنے لگی۔

"کیا واقعی تم ۔۔۔؟" سارہ پریشان ہو گئی تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائی پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"سارہ بی بی! دل باغی ہو جائے ناں پھر کسی کی نہیں سنتا۔ کسی کی نہیں مانتا اور اکساتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ تم خواہ مخواہ اپنا دل مت جلایا کرو۔ ریلیکس رہا کرو گی۔" وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی باہر نکل آئی۔

اپنے اس اقدام پر وہ مطمئن تھی۔ ایک پل کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ نہ توصیف احمد کی ناراضی کو سوچا جبکہ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ اور وہ شاید یہ سمجھ رہی تھی کہ توصیف احمد دوسری شادی کر کے ان پر حق کھو چکے ہیں۔ اب وہ اپنے ہر عمل میں آزاد ہے اور اسی آزادی کے نشے میں سرشار وہ گاڑی بھگا رہی تھی کہ اچانک سگنل آف ہونے پر اس نے بڑی عجلت میں بریک پر پاؤں رکھا تھا۔ اسی پل اس کے قریب دوسری گاڑی کے ٹائر چرچرائے تو اس نے بلا ارادہ گردن موڑی اور رازی کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا گویا بے اختیاری کا پل تھا۔ لیکن اگلا پل اس کا اپنا تھا۔ فوراً گردن سیدھی کر کے یوں بن گئی جیسے دیکھا ہی نہیں۔ پھر سگنل کھلنے پر اسی اسپیڈ سے گاڑی بھگا دی اور جب مطلوبہ جگہ پارکنگ میں گاڑی لاک کر کے شاپنگ مال کی طرف بڑھ رہی تھی تب رازی ایک دم سامنے آ گیا۔

"کہاں جا رہی ہو ۔۔۔؟"

"کہیں بھی جاؤں' تمہیں کیا؟ تم پوچھنے والے کون ہو ۔۔۔؟" وہ غرائی تھی۔ ایک پل کو رازی کی پیشانی شکن آلود ہوئی لیکن پھر دھیرج سے بولا تھا۔

"چلو خیر تم مانو گی نہیں لیکن چچا زاد ہونے کو جھٹلا نہیں سکتیں۔"

"چچا زاد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم میرا پیچھا کرو۔ میری انکوائری کرو کہ میں کیا کرتی پھر رہی ہوں۔" اس نے مزید غصہ ظاہر کیا۔ رازی نے ایک نظر اطراف کا جائزہ لیا پھر ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں۔

"میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔" وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر خفگی سے بولی۔

"میں تو ہٹ جاؤں لیکن کیا تم پھر ان راستوں پر چل سکو گی۔" رازی کا لہجہ مغلوب کر دینے والا تھا۔ وہ فوراً سنبھل نہیں سکی تو اس کی سائیڈ سے نکل کر تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ رازی کے ہاتھ میں اس کی ڈور آ گئی تھی جسے مضبوطی سے تھام کر اس کے پیچھے جیولری دکان تک آ گیا تھا۔

اریبہ ٹشو پیپر میں رکھی جیولری شوکیس پر رکھ کر دکان دار سے بات کرنے لگی۔ وہ جیولری بیچنے کی بات کر رہی تھی۔ رازی کو حیرت ہوئی لیکن بولا کچھ نہیں۔ تمام کارروائی خاموشی سے دیکھتا رہا اور جب وہ اچھی خاصی رقم لے کر دکان سے نکل گئی تب اس نے جلدی جلدی دکان دار سے کچھ کہا پھر تیزی سے نکل کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا۔ آئی مین کوئی ضرورت تھی تو توصیف چچا سے کہتیں۔ کیا وہ منع کر دیتے؟"

"وہ منع کر چکے ہیں۔" وہ سلگتے لہجے میں کہہ کر تقریباً بھاگنے لگی تھی۔

"مانتا ہوں کہ اس وقت تمہارے پاس موٹی رقم ہے لیکن میں بھی تو تمہارے ساتھ ہوں پھر کیوں بھاگ رہی ہو۔ میں تمہیں غنڈوں سے بچا سکتا ہوں۔" رازی نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا تھا اور اس کی توقع کے عین مطابق جواب آیا۔

"میں غنڈوں سے نہیں تم سے بھاگ رہی ہوں۔"

"یہ فضول کوشش کیوں کر رہی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ نہ میں تم سے بھاگ سکتا ہوں اور نہ تم مجھ سے۔" وہ مسلسل مصالحانہ انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔

"ہونہہ! پتا نہیں کیسی کیسی خوش فہمیاں پال لیتے ہیں لوگ۔" وہ نخوت سے سر جھٹک کر اپنے آپ بولتی ہوئی گاڑی کا لاک کھول کر بیٹھ گئی اور فوراً" دروازہ بند کر لیا تھا۔

"او کے۔ سی یو۔" رازی نے انگلی سے شیشہ بجا کر کہا اور مسکرایا بھی تھا۔

* * *

وہ بہت تپی ہوئی گھر میں آئی تھی۔ سیدھے اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی لیکن لاؤنج میں سارہ اور یاسمین کو بیٹھے دیکھ کر رک گئی۔ ٹیبل پر چائے کی ٹرے کے ساتھ دوسرے لوازمات بھی رکھے تھے۔ جو کسی مہمان کی آمد ظاہر کر رہے تھے۔ اسے اچھنبا ہوا کیونکہ جب سے یاسمین نے ساجدہ بیگم اور آمنہ پھوپھو سے بگاڑ پیدا کی تھی تب سے کوئی ادھر کا رخ نہیں کرتا تھا۔

"کون آیا تھا مما؟" وہ وہیں آکر بیٹھ گئی۔

"اخلاق چچا اور ان کی بیگم آئی تھیں۔" سارہ نے فوراً" بتایا۔

"خیریت! کیوں آئے تھے؟" اس نے نمکو کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ان کی بیٹی عفت کی شادی ہے۔ یہ شادی کارڈ دینے آئے تھے۔" یاسمین نے کارڈ ہاتھ میں لے کر اسے دکھایا لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ آرام سے نمکو کھانے لگی۔

"مما! چلیں گے ناں؟" سارہ نے شوق سے یاسمین سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! ضرور چلیں گے۔" یاسمین کے جواب پر وہ اچھل پڑی۔

"کیا کہہ رہی ہیں مما! اخلاق چچا کوئی ہمارے سگے چچا تھوڑی ہیں۔ ڈیڈی کے تایا زاد بھائی۔ دور کی رشتہ داریاں دور ہی رکھیں۔"

"دور کی رشتہ داریاں ہی تو اچھی ہوتی ہیں۔ دشمنی تو قریب والے کرتے ہیں جانے کن جنموں کا بدلہ لیتے ہیں۔" یاسمین کی اپنی منطق تھی۔

توصیف احمد کے چچیرے، ممیرے، بہن بھائیوں سے وہ ابھی بھی بہت اچھے طریقے سے ملتی تھی۔ کیونکہ اسے یہ سننا بہت اچھا لگتا تھا کہ کیا ہو گیا تھا توصیف کو۔ آپ جیسی خوب صورت، اسمارٹ بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کر لی۔ ان لوگوں کے سامنے وہ مظلوم بن جاتی اور سب کی ہمدردیاں سمیٹتی۔ خاص طور سے شادی بیاہ کی تقریبات میں تو ضرور جاتی۔ جہاں وہ سب کی توجہ کا مرکز بنتی اور اپنے مقابلے میں توصیف احمد کو زیرو ہوتے دیکھ کر اسے عجیب خوشی ملتی تھی۔

"بہرحال میں تو نہیں جاؤں گی۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو سارہ یک دم خیال آنے پر پوچھنے لگی۔

"ہاں اریبہ! کیا ہوا۔ وہ تمہاری جیولری۔۔۔!"

"بک گئی۔ اب تم پوچھو گی کتنے پیسے ملے۔ پیسے نہیں نوٹ اور وہ بھی ہزاروں میں۔ سونا مہنگا ہو گیا ہے ناں اور بائیک سستی۔" وہ سارہ کو چڑانے والے انداز میں بولے جا رہی تھی۔ یاسمین اس کی طرف متوجہ تو ہو گئی تھی لیکن کچھ سمجھ نہیں پائی تو پوچھنے لگی۔

"کیسا سونا۔۔۔ کیسی بائیک؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"مما! اس نے بائیک خریدنے کے لیے اپنی جیولری بیچ دی۔" سارہ کو یقین تھا کہ یاسمین ضرور ناراض ہو گی۔ لیکن ناراض تو کیا حیران بھی نہیں ہوئی اور جل کر بولی تھی۔

"ظاہر ہے جب باپ خیال نہیں کرے گا تو یہی کرے گی۔"

"ڈیڈی خیال کیوں نہیں کرتے۔ ہر بات کا خیال کرتے ہیں۔ ہر ضرورت پوری کرتے ہیں ہماری۔ اب اگر میں کہوں کہ مجھے جہاز دلا دیں تو یہ تو نہیں کر سکتے ناں ڈیڈی۔" سارہ کو یاسمین کی بے حسی پر افسوس ہوا تھا۔

"میں نے جہاز نہیں، بائیک مانگی تھی جو لاکھوں میں نہیں ہزاروں میں آجاتی ہے۔"

"بات لاکھوں ہزاروں کی نہیں ہے اریبہ! تمہاری بائیک کی ضد غلط ہے۔ مما! آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔" سارہ نے زچ ہو کر یاسمین کو دیکھا تھا۔

"بیٹا! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" یاسمین نے بجائے سارہ کو سپورٹ کرنے کے اسے وہاں سے اٹھا دیا پھر اریبہ سے کہنے لگی۔

"اس کے سامنے ایسی باتیں مت کیا کرو۔ ابھی بچی ہے۔"

"بچی نہیں ڈیڈی کی بچی۔ ہر وقت مجھے سمجھانے کی بات کرتی ہے اپنے آپ کو نہیں دیکھتی۔" وہ غصے سے بولی تھی۔ پھر ایک دم سر جھٹک کر یاسمین کے پاس آبیٹھی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر لجاجت سے پوچھنے لگی۔

"مما! میں بائیک لے لوں ناں۔"

"بیٹا! مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ ظاہر ہے تمہاری ضرورت ہے۔ لیکن تمہارے ڈیڈی۔" یاسمین نے قصداً" بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ڈیڈی کی باتیں آپ سن لیجیے گا ناں۔"

"ہمیشہ سے سنتی آ رہی ہوں۔" یاسمین فوراً" مظلوم بن گئی۔ لمبی آہ کھینچی پھر اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔ "میں نے تم لوگوں کی خاطر سب برداشت کیا اور تمہارے لیے تو میں توصیف سے لڑ بھی سکتی ہوں۔ کیونکہ ایک تم ہی میری ڈھال ہو۔ اگر تم میرا دفاع نہ کرو تو توصیف احمد کبھی مجھے یہاں نہیں رہنے دیں گے۔ نکال باہر کریں گے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا مما۔" وہ تڑپ کر یاسمین کے گلے لگ گئی۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے یاسمین کے چہرے پر عجیب مسکراہٹ چمکنے لگی تھی۔ پھر اسے خود سے الگ کر کے پوچھنے لگی۔

"کب لے رہی ہو بائیک۔۔۔؟"

"بس ایک دو دن میں۔ پھر تو میرے امتحان شروع ہو جائیں گے۔ دعا کریں مما! یہ وقت جلدی گزر جائے۔ میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤں گی تو پھر ہمیں اپنی ضرورتوں کے لیے ڈیڈی کے پاس نہیں بھاگنا پڑے گا۔" وہ مکمل طور پر یاسمین کے زیر اثر تھی۔

"ہاں بیٹا! میں تو ہر وقت دعا کرتی ہوں۔" یاسمین کا ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔

"چلیں اب آپ آرام کریں۔ میں ذرا سارہ کی خبر لے لوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں بیٹا! اسے کچھ مت کہو۔ ابھی نا سمجھ ہے۔" یاسمین نے چونک کر اسے ٹوکا تو وہ ہنس پڑی۔

"مجھے پتا ہے مما اور میں تو یونہی اسے چھیڑتی ہوں۔ ورنہ سچ بتاؤں میں اس سے بہت پیار کرتی ہوں۔ روٹھ جاتی ہے تو مجھے نیند نہیں آتی۔ لیکن میں اس پر ظاہر نہیں کرتی۔"

"اچھا جاؤ، دیکھو وہ کیا کر رہی ہے۔" یاسمین کو اس کی باتوں سے الجھن ہونے لگی تھی شاید اس کے اندر محبت

کا خوف تھا۔ وہ جاتے جاتے پھر رک گئی۔

"ہاں مما! آپ کو پیسے چاہئیں۔"

"نہیں۔ پہلے تم اپنی ضرورت پوری کرو۔" یاسمین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چلیں، جو باقی بچیں گے۔ وہ آپ کو دے دوں گی۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ سارہ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس کھڑی جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ اس نے فوراً اسے نہیں چھیڑا۔ پہلے اپنا پرس الماری میں رکھا پھر بیڈ پر بیٹھ کر سینڈل اتارتے ہوئے کہنے لگی۔

"پتا ہے کیا ہوا سارہ! جب میں جیولر کی دکان پر گئی تو وہاں رازی بھی آگیا۔"

"پھر؟" رازی کا سن کر سارہ فوراً اس کی طرف گھومی تھی۔

"پھر کیا بس وہ آگیا۔" اسے جیسے بس یہی اطلاع دینی تھی۔ سینڈل بیڈ کے نیچے دھکیل کر آرام سے لیٹ گئی۔ جبکہ سارہ کے اندر بے چینی پھیل گئی تھی۔

"تو تمہاری کوئی بات نہیں ہوئی ان سے؟"

"مجھے تو خیر اس سے کوئی بات کرنی ہی نہیں تھی البتہ وہ زبردستی مسلط ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن میں نے لفٹ ہی نہیں دی۔ اپنا کام کیا اور چلی آئی۔" وہ خود کو حد درجہ بے نیاز ثابت کر رہی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ تم نے رازی بھائی کے سامنے جیولری۔" سارہ صدمے میں گھر گئی تھی۔

"کیوں رازی کے سامنے جیولری بیچنا منع ہے کیا۔ جب خریدی جا سکتی ہے تو بیچی کیوں نہیں جا سکتی۔" وہ سارہ کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہی تھی اور اندر ہی اندر محظوظ ہو رہی تھی۔

"لیکن ارے! وہ کیا سوچیں گے۔ تمہیں اگر ان کی پروا نہیں ہے تو کم از کم اپنی عزت کا خیال تو کرو۔" سارہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"اوہو! اس میں عزت، غیرت کہاں سے آگئی۔ تمہیں تو کچھ بتانا ہی فضول ہے۔ پتا نہیں کیا کیا سوچ لیتی ہو۔" وہ واقعی جھنجلا گئی تھی۔

"اور تم کچھ نہیں سوچتیں۔" سارہ کہہ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس نے گہری سانس کھینچ کر گویا اس پر تاسف کا اظہار کیا پھر موبائل اٹھا کر ایس ایم ایس چیک کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

آج شمشیر علی کی واپسی تھی۔ اس کے بیگ میں کپڑے رکھتے ہوئے تاجور کا دل بھر آ رہا تھا۔ لیکن وہ کمال ضبط سے آنسوؤں کو اندر ہی اندر پی رہی تھی۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی آنکھ میں آنسو دیکھ کر اس کا بھائی پریشان یہاں سے جائے اور وہاں بھی پریشان رہے۔ مزید خالہ کا خوف بھی تھا۔ اس لیے وہ خود کو کڑے پہروں میں رکھ کر شمشیر علی کا بیگ تیار کر رہی تھی۔

"تاج! میرے موزے اور رومال رکھ دیے ہیں؟" شمشیر علی نے پکار کر پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بیگ کی زپ بند کرنے لگی۔

"لگتا ہے میری بہن اداس ہو رہی ہے۔" شمشیر اس کے پاس آ کھڑا ہوا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا "کیا کروں مجبوری ہے ورنہ میرا دل تمہیں چھوڑ کر جانے کو نہیں چاہتا۔ دعا کرو اللہ کوئی ایسا انتظام کر دے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکوں۔"

"آپ کے ساتھ۔" تاجور حیران اور بے یقین تھی۔

"ہاں۔ ابھی بھی میں کوشش کر رہا ہوں۔ رہائش کا تو کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن تمہیں وہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں صبح آفس جاتا ہوں۔ وہاں سے یونیورسٹی پھر گھر آتے رات گیارہ بج جاتے ہیں۔ میں یونیورسٹی سے فارغ ہو جاؤں پھر ان شاءاللہ کسی عورت کا انتظام کر کے تمہیں لے جاؤں گا۔" وہ سوچتے ہوئے بول رہا تھا آخر میں اسے دیکھا وہ اب بھی خائف کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے پریشان کیوں ہو جاتی ہو؟" وہ نرمی سے ٹوک کر کہنے لگا۔ "میں جانتا ہوں، خالہ کا سلوک تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہے اور میں ان کو کیا کہوں جب ابا ہی ہمارے نہیں رہے۔ سب کچھ ان کے سامنے ہوتا ہے لیکن وہ کچھ نہیں بولتے۔ خیر تم فکر مت کرو اب بس تھوڑا وقت رہ گیا ہے گزر جائے گا۔"

"آپ پھر کب آؤ گے؟" اس کی باتوں سے تاجور کی ڈھارس بندھی تھی۔

"جلدی آؤں گا۔ کوشش کروں گا، ہر مہینے چکر لگا لیا کروں۔" اس نے مزید حوصلہ دیا پھر جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس کی مٹھی میں دبا کر کہنے لگا۔ "یہ تمہارے خرچے کے لیے ہیں۔ کچھ پھل فروٹ منگوا کر کھا لیا کرو۔ بہت کمزور ہو گئی ہو۔"

تاجور نے سر جھکا لیا تب ہی خالہ اپنی پاٹ دار آواز میں بولی تھیں۔

"شمشیر کو تانگا لینے آیا ہے۔"

"اچھا۔ میں چلتا ہوں۔" اس نے تاجور کا سر اپنے سینے سے لگا کر بوسہ دیا پھر بیگ اٹھا کر خالہ کو تاجور کا خیال رکھنے کا کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ تاجور یہی سمجھی کہ خالہ بھی کمرے سے نکل گئی ہیں لیکن وہ انتظار میں کھڑی تھیں۔ جب یقین ہو گیا کہ شمشیر کا تانگا گلی کے نکڑ سے مڑ گیا ہو گا تب تیر کی سی تیزی سے وہ تاجور پر جھپٹی تھیں۔

"کیوں ری۔ کیا کیا لگائی ہے بھائی کو میرے خلاف۔ بڑے ظلم توڑتی ہوں میں تجھ پر۔ یہی کہا ہے ناں۔"

"نہیں خالہ!" تاجور کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

"خالہ کی بچی! میں کیا تجھے جانتی نہیں ہوں۔ میسنی گھنی۔" خالہ نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

"چار دن کے لیے بھائی آتا ہے تو اس کے سامنے نواب زادی بن جاتی ہے۔ میں کیا تیرے باپ کی نوکر ہوں جو تجھے پکا پکا کر کھلاؤں گی۔ چل اپنی اوقات پہ۔"

"میرے بال!" تکلیف کی شدت سے اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے، لیکن خالہ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ گھسیٹتے ہوئے اسے کچن میں لا پٹخا اور دو چار لاتیں بھی رسید کر دیں۔

"اماں!" وہ درد سے کراہی تھی۔

"مر گئی تیری اماں۔ تو بھی اس کے ساتھ مر جاتی بے غیرت اور یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟" خالہ کو اچانک اس کی مٹھی میں لال نوٹوں کی جھلک نظر آئی تھی۔

"نامراد اب چوری بھی کرنے لگی۔ میں کب سے ڈھونڈ رہی ہوں۔ میرے پیسے کہاں گئے۔ کوئی ضرورت تھی تو مانگ لیتی چوری۔"

"چوری نہیں کی خالہ! مجھے بھائی نے دیے ہیں۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

"تیرے بھائی کے پاس کہاں سے آئے؟ وہ تو خود بھیک منگا ہے۔ یہاں آتا کس لیے ہے؟ باپ کے پاس جو کچھ ہو، بٹور کے لے جاتا ہے۔" نوٹ گننے کے ساتھ خالہ کی زبان بھی چل رہی تھی پھر جاتے جاتے اسے لات مارنا نہیں بھولی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اجلال رازی کا آج آفس کے کسی کام میں دل ہی نہیں لگا۔ سارا وقت ذہن پر اریبہ سوار رہی تھی۔ اس کا رویہ تو تھا ہی تکلیف دہ، مزید کل اس کے جیولری بیچنے سے وہ الجھ گیا تھا کہ ایسی کون سی ضرورت ہے اس کی جو تو توصیف احمد پوری کرنے سے قاصر ہیں، کتنی بار اس نے سوچا کہ وہ فون کرکے سارہ سے معلوم کرے۔ لیکن پھر شاکی بات یاد آجاتی جو اس نے کہا تھا کہ سارہ بہت روڈ ہوگئی ہے۔ اگر ایسا تھا تو پھر ظاہر ہے، وہ اس سے بھی کچھ معلوم نہیں کرسکتا تھا۔ اسی الجھن میں وقت سے پہلے ہی وہ آفس سے نکل آیا پھر راستے میں اچانک کچھ سوچ کر اس نے گاڑی موڑ دی اور توصیف احمد کے بنگلے پر آگیا۔ اس وقت سہ پہر کے چار بجے تھے۔ وہ جانتا تھا توصیف احمد ابھی آفس سے نہیں آئے ہوں گے اور اگر خالدہ سے صرف چچی والا رشتہ ہوتا تو شاید وہ اس وقت آنے سے کتراتا لیکن خالدہ اس کی خالہ بھی تھیں اس لیے وہ آرام سے آگیا تھا۔ خالدہ نے اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا پھر شکوہ بھی کرنے لگیں۔

"کتنا انتظار تھا تمہارا اور تم آتے ہی آفس کے جھمیلوں میں الجھ گئے گویا تمہارے نزدیک عزیز رشتہ داروں کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔"

"ایسا نہیں ہے خالدہ آنٹی! بس میں نے سوچا' آپ سب سے ملنا ملانا تو رہے گا ہی۔ ساتھ ساتھ کام بھی شروع ہوجائے تو زیادہ اچھا ہے۔ اب دیکھیے میں آگیا ہوں نا آپ کے پاس۔" اس نے اپنائیت سے خالدہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ لگایا پھر پوچھنے لگا۔

"ہما اور فہد کہاں ہیں؟"

"وہ سنبل آئی ہوئی ہے اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ تم بیٹھو میں بلاتی ہوں انہیں۔ اور ہاں کیا پیو گے؟" خالدہ نے جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

"چائے اور ساتھ کچھ ہلکا پھلکا کھانے کو بھی مل جائے تو۔" وہ بلا تکلف بولا۔

"ہلکا پھلکا کیوں' بھوک لگی ہے تو میں کھانا گرم کروا دیتی ہوں۔"

"نہیں خالدہ آنٹی! زیادہ بھوک نہیں ہے۔ آپ کچھ بھی نہ کریں۔ میرے پاس بیٹھ جائیں۔ میں صرف آپ سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے خالدہ کی محبت کا جواب محبت سے دیا تھا۔

"اچھا۔ میں سنبل سے کہتی ہوں' وہ چائے بنا دے گی۔" خالدہ کہہ کر چلی گئیں اور کچھ دیر بعد واپس آئیں تو ہما اور فہد بھی ان کے ساتھ تھے۔

"بیٹا! یہ تمہارے رازی بھائی ہیں' سلام کرو۔" دونوں بچوں سے کہتے ہوئے خالدہ کو ایک دم اریبہ کی بات یاد آئی تو انہیں ہنسی بھی آگئی۔

"السلام علیکم رازی بھائی!" ہما اور فہد نے ایک ساتھ اسے سلام کیا لیکن اس کا دھیان خالدہ کے ہنسنے پر تھا۔ چونک کر سلام کا جواب دیا پھر پوچھنے لگا۔

"خالدہ آنٹی آپ ہنسیں کیوں؟"

"ایک بات یاد آگئی تھی۔" خالدہ کے ہونٹوں پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔

"بتانے والی ہو تو بتائیے تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ مسکرا سکوں۔"

"وہ ایک دن اریبہ آئی تھی۔ ہما اور فہد سے کہہ رہی تھی کہ تمہیں کسی نے سلام کرنا نہیں سکھایا کیا' درحقیقت مجھے سنا رہی تھی۔" خالدہ نے محظوظ انداز میں بتایا تھا اور اسے موقع مل گیا فوراً" پوچھنے لگا۔

"اریبہ آئی ہے؟"

"ہاں کبھی آجاتی ہے پریشان کرنے' میرا مطلب ہے جب بھی آتی ہے کوئی ایسی بات کرجاتی ہے جس سے توصیف پریشان ہوجاتے ہیں' تم برا مت ماننا میں اس کی برائیاں نہیں کررہی' بس اس کی حرکتیں کچھ عجیب سی ہوگئی ہیں۔" خالدہ نے بات کرتے ہوئے احتیاط کا دامن تھاما' یہ ان کی مجبوری تھی۔

"نہیں خالدہ آنٹی! میں برا نہیں مانوں گا' آپ بتائیے' کیا کہتی ہے وہ۔" وہ اندر ہی اندر جزبز ضرور ہوا تھا لیکن خالدہ پر اعتماد ظاہر کیا۔

"مجھ سے تو کچھ نہیں کہتی۔ توصیف کو تنگ کرتی ہے۔ ایک دن بائیک چلاتی ہوئی آئی تھی اور اب ضد کررہی ہے کہ اسے بائیک دلائی جائے۔" خالدہ نے بتایا تو وہ کتنی دیر تک انہیں دیکھتا رہ گیا۔ پتا نہیں حیران تھا یا پریشان۔ وہ اپنی کیفیت خود نہیں سمجھ پارہا تھا۔

"تم اسے سمجھاؤ ناں شاید تمہاری بات مان جائے۔" خالدہ شاید اب اس سے اگلوانا چاہتی تھیں۔ صبح سے سنبل ان کے پاس آئی ہوئی تھی اور اس نے منگنی ٹوٹنے کا بتا دیا تھا' یہی بات وہ رازی کے منہ سے سننا چاہ رہی تھیں۔

"تو یہ ضرورت ہے اریبہ کی۔" وہ اپنی سوچ میں تھا۔ خالدہ کی بات سنی ہی نہیں تو جواب کیا دیتا' جبکہ خالدہ کھوجتی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ تب ہی سنبل چائے لے کر آگئی۔

"السلام علیکم!" سنبل نے سلام کیا تب رازی نے چونک کر اسے دیکھتے ہوئے بلا ارادہ پوچھ لیا۔

"تم کب سے یہاں ہو؟"

"آج ہی آئی ہوں اور ابھی چلی جاؤں گی۔" سنبل نے چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے بتایا۔

"ماموں جان اور ممانی جان ٹھیک ہیں؟" وہ اب سنبھل کر بیٹھ گیا تھا' اسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ کوئی بے تکی بات کرگیا ہے۔

"جی' آپ تو آئے ہی نہیں۔" سنبل نے شکوہ کرڈالا۔

"آؤں گا۔ دیکھو' آج خالدہ آنٹی کے پاس آیا ہوں تو کسی دن تمہاری طرف بھی آجاؤں گا۔" وہ کہہ کر چائے پینے لگا۔

"یہ کباب لیجیے۔" سنبل نے خالدہ کے اشارے پر کباب کی پلیٹ اٹھا کر اس کے سامنے کردی۔

"تھینک یو۔ اس نے ایک کباب اٹھالیا۔ پھر سامنے والے کلاک پر نظر ڈال کر پوچھنے لگا" توصیف چچا کب آتے ہیں؟"

"آتے ہی ہوں گے' تم آرام سے بیٹھو ان سے مل کر جانا' بلکہ رات کا کھانا کھا کر' بتاؤ کیا کھاؤ گے میں وہی بنا دیتی ہوں۔" خالدہ کی محبت گو کہ فطری تھی لیکن اس وقت شاید اسے گھیرنا چاہتی تھیں۔

"ارے نہیں خالدہ آنٹی! ابھی تو میں بہت جلدی میں ہوں۔ پھر کسی دن فرصت سے آؤں گا۔" وہ دو گھونٹ میں چائے ختم کرکے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ چلو کھانے تک مت رکو' لیکن اپنے چچا جان سے تو مل لو' وہ بس آنے والے ہیں۔" خالدہ نے تعجب کے اظہار کے ساتھ کہا گو کہ بات معقول تھی لیکن پھر توصیف احمد کے ساتھ اسے کچھ دیر تو بیٹھنا ہی پڑتا اس لیے معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"سوری آنٹی! اصل میں مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ ویسے چچا جان سے میری تقریباً" روز ہی فون پر بات ہوتی ہے۔" اس نے حد درجہ عجلت ظاہر کرکے خالدہ کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا اور پھر جلدی آنے کا کہہ کر چلا گیا۔

خالدہ سنبل کو دیکھنے لگیں جس کی نظریں گلاس وال سے رازی کا تعاقب کررہی تھیں۔ جب وہ گیٹ سے باہر

نکل گیا تب کہنے لگی۔

"میں نے سوچا تھا' رازی کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔ مجھے گھر ڈراپ کر دیتے' لیکن وہ تو اتنی جلدی میں چلے گئے۔"

"ہاں اس کا یوں آنا اور چلے جانا میری سمجھ میں نہیں آرہا' خاص طور سے مجھ سے ملنے تو آیا نہیں ہو گا۔" خالدہ سوچتے ہوئے بولی تھیں۔

"میرا خیال ہے خالدہ آنٹی وہ یہ دیکھنے بلکہ جاننے آئے ہوں گے کہ منگنی ٹوٹنے کی خبر کہاں کہاں پہنچی۔ آپ نے کچھ ظاہر تو نہیں کیا؟" سنبل نے رازداری کا انداز اختیار کیا۔ خالدہ نے نفی میں سر ہلا کر پھر اس کی تائید کی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو' وہ اسی مقصد سے آیا ہو گا۔"

* * *

جس روز سے اریبہ نے سمیر کو ٹوکا تھا' اس دن کے بعد سے وہ ادھر آیا ہی نہیں تھا' سارہ جانتی تھی کہ وہ غصے میں اور ناراض ہو کر گیا تھا ۔ کوئی اور بات ہوتی تو وہ فوراً" اسے فون کرتی یا اس کے گھر پہنچ جاتی۔ لیکن اریبہ نے بات ہی ایسی کی تھی جسے سوچ کر وہ خود شرم سے زمین میں گڑنے لگتی۔ جب ہی اس کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی سمیر کو فون کرنے کی۔ جبکہ اس کی ناراضی سے وہ پریشان بھی بہت تھی کیونکہ ایک وہی تو تھا جس سے باتیں کر کے اس کے دل کا بوجھ سرک جاتا تھا۔ کتنے دن ہو گئے تھے وہ اسی انتظار میں تھی کہ کسی دن وہ خود ہی آجائے گا اور ہمیشہ کی طرح کہے گا کہ میں کسی بات کا برا نہیں مانتا' لیکن اب یقیناً" وہ برا مان گیا تھا جب ہی اتنے دنوں سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ آخر اس کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے خود ہی اسے فون کر ڈالا۔

"ہیلو۔!" سمیر کا انداز ظاہر کر رہا تھا جیسے اس نے جاتے جاتے پلٹ کر فون اٹھایا تھا۔

"ناراض ہو۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

"کون سارہ' کیسی ہو۔" سمیر کے لہجے میں ہمیشہ والی شگفتگی سمٹ آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں' تم کیسے ہو۔ آئے کیوں نہیں اتنے دنوں سے؟" اس نے چور سے انداز میں شکوہ کیا تھا۔

"نا بابا! میں اب تمہارے ہاں نہیں آؤں گا۔ تمہاری بہن کی سوچ بہت گھٹیا ہو گئی ہے اور میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن گھٹیا الزام برداشت نہیں کر سکتا۔" سمیر نے بغیر گھمائے پھرائے واضح طور پر نہ آنے کی وجہ بھی بتا دی تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی تھی۔

"ہیلو!" قدرے رک کر وہ پوچھنے لگا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں' چپ کیوں ہو گئیں؟"

"تو اور کیا کروں۔" اس کا لہجہ روٹھا ہوا تھا۔

"کچھ بولو۔"

"نہیں بول سکتی۔" اس کا دل بھر آرہا تھا۔

"کیوں؟"

"مجھے رونا آرہا ہے اور میں رو رہی ہوں۔" وہ واقعی رونے لگی تھی۔

"ارے رے' پاگل ہو گئی ہو کیا' رونا ہے تو کمرے میں بند ہو کر رو' مجھے کیوں پریشان کر رہی ہو۔ چلو فون بند کرو۔ میں کہہ رہا ہوں تم فون بند کرو۔" وہ اس کے رونے سے پریشان ہو گیا تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو ڈانٹنے لگا' وہ اور شدت سے رونے لگی۔

"جتنا مرضی روؤ' میں چپ کرانے نہیں آؤں گا۔" سمیر نے فون پٹخ دیا تھا اس کے باوجود وہ ریسیور تھامے کھڑی

kfunplace.com

رہی۔ آنسو ایک تواتر سے بہتے چلے آرہے تھے۔ اسی پل اجلال رازی آگیا اور اسے یوں روتے دیکھا وہ بھی فون پر تو ایک دم پریشان ہو گیا۔ فوراً" بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف مکمل خاموشی تھی پھر اس سے پوچھنے لگا۔

"کس کا فون تھا؟"

وہ نفی میں سر ہلا کر ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

"پھر تم رو کیوں رہی ہو؟" رازی کی تشویش کم نہیں ہوئی تھی۔

"بس دل چاہ رہا تھا اور آپ۔ آپ کیوں آگئے' جان تو گئے ہیں اریبہ کتنی بدلحاظ ہو گئی ہے پھر کچھ الٹا سیدھا بول دے گی۔" وہ بولتے چلی گئی۔ "آپ پلیز جائیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ وہ خواہ مخواہ چیخنا چلانا شروع کر دیتی ہے۔"

"میں اس سے زیادہ اونچی آواز میں چلا سکتا ہوں' ہے کہاں؟" رازی نے پوچھا۔ پھر خود ہی ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔

"گھر پہ نہیں ہے۔ کوئی نہیں ہے۔ بس آپ جائیں۔" اس نے پھر جانے پر زور دیا۔ رازی کو غصہ آگیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ گھر آئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ چلو منہ دھو کر آؤ۔ پھر بات کرتا ہوں اور خبردار اب روتے ہوئے مت آنا۔" رازی نے باقاعدہ اسے ڈانٹ دیا تو وہ خائف سی ہو کر بھاگ گئی۔ کچھ دیر بعد منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو بوا رازی سے چائے وغیرہ کا پوچھ رہی تھیں۔

"بس بوا! صرف چائے۔" وہ بوا سے کہہ کر اسے دیکھنے لگا۔ رونے کے باعث اس کی آنکھیں اور ناک بھی سرخ ہو رہی تھی۔ رازی کو افسوس ہونے لگا کہ خواہ مخواہ اسے ڈانٹ دیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کرسی پر بٹھا کر نرمی سے پوچھنے لگا۔

"ہاں اب بتاؤ۔ کیا بات ہے' کیوں رو رہی تھیں؟"

"بس یونہی۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"اس کا مطلب ہے بتانا نہیں چاہتیں۔ لیکن پلیز یہ تو بتا دو اریبہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنی کسی دوست کے ہاں گئی ہے۔ اصل میں اس کے امتحان ہو رہے ہیں۔ وہ اپنی دوست کے ساتھ ہی تیاری کرتی ہے۔" وہ رک رک کر بولی تھی۔

"ہوں!" رازی نے چند لمحے توقف کیا پھر پوچھنے لگا۔ "اور یہ بائیک کا کیا معاملہ ہے؟"

"آپ کو کس نے بتایا؟" وہ خائف ہو کر دیکھنے لگی۔

"کسی نے بھی بتایا ہو' اریبہ کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ اس سے کہنا اگر میں نے اسے سڑکوں پر بائیک چلاتے ہوئے دیکھ لیا تو وہیں شوٹ کر دوں گا اسے۔" رازی کا ڈپریشن یکدم ظاہر ہو گیا تھا۔

"یہ بات آپ خود اس سے کہہ دیجئے گا۔" وہ منمنائی تھی۔

"اسی سے کہنے آیا تھا' کب تک آجائے گی وہ؟"

"پتا نہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں چائے لاتی ہوں۔"

"رہنے دو۔ میں جا رہا ہوں' اریبہ کے امتحان ہو جائیں میں پھر آؤں گا۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا پھر جانے کیا خیال آیا تھا' جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگا۔

"سنو تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں؟" وہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

"وہ جو اریبہ میرے اور اپنے تعلق کو ختم کرنے پر بضد ہے تو تمہارا کیا خیال ہے واقعی ختم ہو جانا چاہیے۔" رازی نے وضاحت کی تو وہ فوراً" بولی تھی۔

"نہیں رازی بھائی! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں بھی ایسا نہیں چاہتا بلکہ ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ کیونکہ میں دل سے چاہتا ہوں اسے اگر میں خاموش ہوں تو صرف اس لیے کہ وہ اپنا میڈیکل کمپلیٹ کرے۔ اس کے بعد میں ایک دن نہیں رکوں گا' یہ بات تم اسے اچھی طرح سمجھا دینا' او کے۔"

رازی مضبوط لہجے میں بولتے ہوئے اس کی حیران آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا پھر خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

سارہ کو ایک بڑے ٹینشن سے نجات مل گئی تھی۔ یوں لگا جیسے طوفان آتے آتے تھم گیا ہو۔ وہ اپنا رونا بھول گئی۔ اب اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

* * *

سمیر نے سارہ کو ڈانٹ تو دیا تھا پھر اس کے بعد وہ خود بھی چین سے نہیں تھا' رات کتنی دیر تک وہ خود کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ اسے سارہ سے صرف ہمدردی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ لیکن دل یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا' جہاں وہ یہ سوچتا کہ روتی ہے تو روئے مجھے کیا' وہیں دل احتجاج کرنے لگتا' آخر وہ ہار گیا تھا' جب ہی اگلے روز کالج ٹائم پر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سارہ اسے دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟"

"ضروری بات یہاں کھڑے ہو کر نہیں کر سکتا' میرے ساتھ چلو۔" اس کا انداز ہمیشہ سے مختلف تھا۔ سارہ نے جھجک کر اپنی وین کی طرف اشارہ کیا۔

"میں کالج وین سے جاتی ہوں۔"

"مجھے پتا ہے اور میں نے وین والے سے کہہ دیا ہے کہ میں تمہیں لینے آیا ہوں' چلو۔" وہ کہہ کر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا' سارہ اس خیال سے کہ کہیں سب لڑکیاں متوجہ نہ ہو جائیں فوراً" اس کے پیچھے چلی آئی اور جیسے ہی بائیک پر بیٹھی اس کی نظر ثنا پر پڑی تھی۔ وہ بہت مشکوک نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ سارہ کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ سمیر کے کندھے میں ناخن چبھو کر بولی۔

"ثنا دیکھ رہی ہے؟"

"تو پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھا ہم دونوں کو۔" سمیر پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ الٹا مذاق اڑا کر بائیک بھگا دی۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ مضبوطی سے اس کا کندھا تھام کر پوچھنے لگی۔

"تمہارا مقصد کیا ہے اور یہ تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں تمہیں اغوا کر کے ایسی جگہ لے جا رہا ہوں' جہاں تم تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔" سمیر نے ترنگ میں اس کی دونوں باتوں کا جواب دیا تھا۔

"فضول باتیں مت کرو۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"تم بھی فضول سوال مت کرو۔" وہ سکون سے بولا تھا۔ سارہ نے خاموشی اختیار کر لی۔ جان گئی تھی کہ اس کے رحم و کرم پر ہے اور وہ اس کی ایک نہیں سنے گا۔ جانے کن کن راستوں پر بائیک بھگاتا ہوا ایک جگہ وہ رک گیا تو وہ فوراً" چھلانگ مار کر اتر گئی اور کچھ غصے سے اسے دیکھنے لگی۔

"بیکار ہے' میں تمہارے گھورنے سے مرعوب ہونے والا نہیں ہوں۔" وہ جانے کیوں ہنس رہا تھا۔ بائیک بند کر کے اسے لیے ہوئے پیزا ہٹ کی سیڑھیاں چڑھ آیا اور اسے سامنے بٹھا کر بغیر کسی تمہید کے شروع ہو گیا۔

"میں اب تک یہ سمجھتا رہا ہوں کہ تم میری کزن اور بس دوست ہو' تھوڑی ڈرپوک اور بہت زیادہ حساس' ذرا ذرا سی بات کو محسوس کرکے رنجیدہ ہوجاتی ہو' اور تمہیں تسلی دے کر میں سمجھتا تھا کہ میں نے اپنا کام کرلیا۔ یعنی دوستی کا حق ادا کردیا۔ کل فون پر جب تم روئیں تو میں اس وقت تسلی دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لیے تمہیں ڈانٹ دیا۔ اور یہ بہت اچھا ہوا کیونکہ اس کے بعد مجھے احساس ہوا بلکہ مجھ پر ادراک ہوا کہ تم سے میرا تعلق صرف تسلی دینے والا نہیں ہے اس سے کچھ زیادہ' کچھ نہیں بہت زیادہ' سمجھ رہی ہونا۔"

وہ بہت خاموشی سے سن رہی تھی' ہونٹ ذرا سے نیم وا تھے۔

"دیکھو۔ مجھے گھما پھرا کر بات کرنا نہیں آتی۔ اس لیے صاف لفظوں میں کہہ رہا ہوں کہ تم میرے دل میں سما گئی ہو۔ اچھی تو خیر تم مجھے شروع سے لگتی تھیں' لیکن یہ مجھے کل رات پتا چلا کہ میں تمہیں رونے کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر کبھی انجانے میں بھی ایسا ہوا تو میں خود کو معاف نہیں کروں گا۔ تم میری اولین محبت ہو اب تو سمجھ گئی ہونا۔" سمیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ وہ چونکی' گھبرائی' پھر ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"مجھے جو کہنا تھا' کہہ دیا' اب تم کچھ کہو۔" وہ خاصا مشتاق ہوگیا تھا۔ جیسے اس کی طرح وہ بھی اتنے آرام سے حال دل بیان کردے گی۔

"میں کیا کہوں؟" سارہ نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا تھا۔

"جو تمہارے دل میں ہے۔ یعنی میرے بارے میں تمہارے احساسات کیا ہیں۔ مجھے کس انداز سے سوچتی ہو۔" سمیر کا انداز اکسانے والا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی' پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"میں نہیں بتا سکتی' میرا مطلب ہے' مجھے نہیں پتا۔"

"اس کا مطلب ہے' ابھی تم پر ادراک نہیں ہوا۔ خیر کوئی مسئلہ نہیں۔ کسی دن اچانک ہی تمہیں خود پتا چل جائے گا۔ لیکن دیکھو' پھر مجھ سے چھپانا مت' فوراً" بتا دینا۔" وہ بہت اطمینان سے اور بہت پریقین تھا۔ سارہ کو حیرت ہوئی' سمجھ کر بھی پوچھنے لگی۔

"کیا۔ کیا فوراً" بتادوں؟"

"یہی کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے' جو کہ یقیناً" ہے' کیونکہ جب میں ناراض ہوتا ہوں تو تم رونے لگتی ہو' میں نہیں آتا تو پریشان ہوجاتی ہو اور ہاں' جب میں تمہارے پاس آتا ہوں تو تم خوش ہوجاتی ہو۔" وہ محبت کی علامات بتا رہا تھا۔ سارہ نے بمشکل ہنسی روکی' پھر بظاہر سادگی سے کہنے لگی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو' لیکن یہ سب تو اوروں کے لیے بھی ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچھلا تھا۔

"میرا مطلب ہے اریبہ' حماد' ڈیڈی اور رازی بھائی بھی اگر ناراض ہوں تو میں پریشان ہوجاتی ہوں۔" وہ بہت کوشش سے معصوم بن رہی تھی۔ ورنہ ہنسی پھوٹ پڑنے کو بے تاب تھی۔

"چلو۔ چلو اٹھو۔" وہ یک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔"

"اور وہ پزا۔" وہ حیران ہوئی۔

"پیک کروادوں گا' گھر جاکر کھالینا۔" وہ غصے سے کہتا آگے بڑھ گیا۔ سارہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ منہ ہاتھ دھوکر ڈائننگ روم میں آئی تو فوری طور پر اس نے دھیان نہیں دیا کہ سارہ موجود نہیں۔ خاصی عجلت میں چیئر کھینچ کر بیٹھی تو عادت کے مطابق پہلے یاسمین کی پلیٹ میں سالن نکالا' پھر حماد' اس کے بعد سارہ کی پلیٹ میں ڈالنے لگی تھی کہ اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ فوراً" یاسمین کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"سارہ کیا اتنی دیر سے آتی ہے؟"

"نہیں۔ روزانہ تو اتنی دیر نہیں ہوتی۔ کبھی کبھار وین خراب ہوجاتی ہے تو۔" یاسمین نے ہاٹ پاٹ میں سے روٹی نکالتے ہوئے سرسری انداز میں جواب دیا تھا۔

"اپنا سیل تو گھر چھوڑ جاتی ہے' عجیب پاگل لڑکی ہے۔ اب کیسے معلوم کیا جائے کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔" وہ جھنجلا کر بولی تھی۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ کہا نا' وین خراب ہوجاتی ہے۔ تم کھانا کھاؤ۔" یاسمین کے نزدیک شاید کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی' اور وہ سمجھتی تھی ماں اسے ٹینشن سے بچانا چاہتی ہے اس لیے اس کے سامنے پریشانی کا اظہار نہیں کرتی۔

"آپی! آپ کے امتحان ختم ہوگئے؟" حماد نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی پریکٹیکل باقی ہیں' کیوں پوچھ رہے ہو۔" وہ نوالہ منہ میں ڈال کر سوالیہ نظروں سے حماد کو دیکھنے لگی۔

"بیٹا۔ اگر اس نے پوچھ لیا تو کیا ہوگیا۔ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔" یاسمین نے دھیمے سے اسے ٹوکا۔

"مما! آپ کو نہیں پتا' یہ کوئی بات یوں ہی نہیں کرتا۔" وہ یاسمین کے ٹوکنے سے جھلا گئی' پھر حماد سے کہنے لگی۔

"سنو۔ یہ مت سمجھنا کہ میں امتحانوں کی وجہ سے تم سے غافل ہوجاؤں گی۔ تمہاری ساری سرگرمیوں کی خبر رکھتی ہوں۔ اگر کسی دن میں نے تمہیں غلط قسم کے لڑکوں کے ساتھ دیکھ لیا تو تم سوچ نہیں سکتے میں تمہارا کیا حشر کروں گی۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 450 روپے
☆ دردکی منزل، رضیہ جمیل قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں قیمت: 400 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 250 روپے
☆ امربیل، عمیرہ احمد قیمت: 550 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"مجھے پتا ہے۔" حماد منہ پھلا کر بولا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر جلدی جلدی کھانا ختم کیا، پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس وقت وہ کچھ دیر کے لیے ہی سہی سکون سے سونا چاہتی تھی۔ اس لیے دبیز پردے گرا کر اس نے کمرے میں مکمل اندھیرا کر دیا اور جیسے ہی آ کر لیٹی، اسی وقت سارہ آ گئی۔ باہر سے آ رہی تھی اور ایسے میں یوں بھی صاف نظر نہیں آتا۔ یہاں تو مکمل اندھیرا تھا۔

"یا اللہ! یہ دن میں رات کا سماں۔" سارہ نے کہتے ہوئے لائٹ آن کی تو اریبہ کی پیشانی سکڑ گئی اور کہنا چاہتی تھی کہ فوراً "لائٹ آف کرو" لیکن اس کے ہاتھوں میں پیزا ہٹ کا شاپر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"یہ تم کالج کے بہانے کہاں کہاں جاتی ہو؟"

"میں نے تو کبھی تم سے نہیں پوچھا۔" سارہ اس کی بات پر سلگ کر بولی۔

"دیکھو سارہ! اس طرح بات مت کرو، میں تم سے بڑی ہوں اور پوچھنے کا حق رکھتی ہوں۔" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور تنبیہی لہجے میں ٹوک کر کہا۔

"میں مانتی ہوں، لیکن اگر تم ٹیڑھے طریقے سے پوچھو گی تو میں کبھی سیدھا جواب نہیں دوں گی۔" سارہ خفگی سے کہتے ہوئے الماری کھول کر اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

"اچھا تو سیدھے طریقے سے پوچھ لیتی ہوں، کہاں گئی تھیں؟" اس نے سارہ کی بات تسلیم کر لی، پھر بھی انداز نہیں بدلا تھا۔

"کالج۔ پھر واپسی میں سمیر مل گیا تو اس کے ساتھ پیزا ہٹ چلی گئی تھی۔" سارہ نے اپنی مصروفیت ترک کیے بغیر جواب دیا تھا۔

"کیوں۔ میرا مطلب ہے، یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ اب پلیز یہ مت کہہ دینا کہ تم بھی تو جانے کیا کچھ کرتی پھرتی ہو۔" اسے فوراً ہی معاملے کی نزاکت کا احساس ہو گیا تھا۔ اس لیے دوستانہ انداز میں بولی تھی۔ سارہ نے الماری بند کی، پھر اس کی طرف پلٹ کر کہنے لگی۔

"یہ واقعی اچھی بات نہیں ہے۔ پھر بتاؤ میں کیا کروں، سمیر کو یہاں آنے سے بھی تو تم نے روکا ہے۔"

"نہیں تو۔ میں نے کب روکا ہے۔" اسے پتا نہیں اپنی بات یاد نہیں تھی یا اس کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

"کیوں۔ اس روز تم نے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ میں گھر میں اکیلی ہوں اور وہ کیوں بیٹھ گیا ہے۔" سارہ نے تپ کر یاد دلایا تھا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں نے اسے آنے سے ہی منع کر دیا۔ خیر اس بحث کو چھوڑو، یہ بتاؤ باہر ملنے کا مطلب جانتی ہو۔" وہ بہت ٹھنڈے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"جانتی ہوں، لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سارہ الجھ گئی تھی۔

"ہونا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ یہ سب لوگ ہمارے ساتھ فیئر نہیں ہیں۔ سب آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی یہاں آتا ہے تو صرف یہ جاننے کی غرض سے کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ میں کیا کر رہی ہوں۔ تم کیا کر رہی ہو، اور مما ابھی تک سوکن کا ماتم کر رہی ہیں یا انہوں نے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ یہ سب لوگ صرف تماشا دیکھنا چاہتے ہیں۔" وہ بالکل اسی طرح سارہ کو بدظن کرنے کی کوشش کر رہی تھی، جس طرح یاسمین نے اسے کیا تھا۔ سارہ قصداً خاموش رہی، پھر چینج کرنے کا کہہ کر واش روم میں بند ہو گئی اور وہ جو سکون سے سونا چاہتی تھی، اس کی نیند تو اڑی ہی، ساتھ فکر مند بھی ہو گئی تھی۔ اس کے نزدیک سارہ ابھی ناسمجھ تھی اور وہ اسے نرمی سے ہی ہینڈل کرنے

کا سوچنے لگی تھی۔

"پزا کھاؤ گی؟" سارہ نے واش روم سے نکلتے ہی اس سے پوچھا۔ وہ بے دھیانی میں اسے دیکھے گئی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔" سارہ پزا کا شاپر اٹھا کر اس کے پاس آ بیٹھی اور پیک کھولتے ہی خوش ہو گئی۔ "واؤ زبردست! لو کھاؤ۔"

"میں نے ابھی کھانا کھایا ہے' اور یہ تم یہاں کہاں بیٹھ گئی۔ اپنے بیڈ پر جاؤ' میں لیٹوں گی۔" وہ کہہ کر لیٹ بھی گئی۔ سارہ اٹھ کر اپنے بیڈ پر جا بیٹھی اور شوق سے پزا کھانے میں لگ گئی' پھر اچانک یاد آنے پر اسے مخاطب کر کے بولی تھی۔

"ہاں اریبہ! کل رازی بھائی آئے تھے۔"

"پھر؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"انھیں کس نے بتایا کہ تم بائیک لینا چاہتی ہو؟" سارہ نے قصداً اپنی توجہ کھانے پر مرکوز رکھ کر پوچھا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" اس نے کسی خیال سے پوچھا تھا۔

"ناراض ہو رہے تھے۔" سارہ نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ ترخ کر بولی تھی۔

"مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔" اس کے ساتھ ہی تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا۔ گویا اب کوئی بات نہیں کرے گی۔

* * *

جس دن سے سنبل' خالدہ کو اریبہ کی منگنی ٹوٹنے کا بتا کر گئی تھی ان کے اندر کھدبد مچی ہوئی تھی' لیکن وہ خاصی سمجھ دار خاتون تھیں۔ "فوراً" توصیف احمد تک اس بات کو نہیں پہنچایا تھا کہ کہیں ان کے میکے والوں پر بات نہ آجائے کہ انھوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہو گا۔ اس لیے کافی دن صبر سے رہیں اور یہ انتظار بھی کیا کہ شاید کہیں اور سے بات نکل کر توصیف احمد تک پہنچ جائے' لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا' تب انھوں نے خود ہی سوچ کر طریقے سے بات شروع کی تھی۔

"آپ کو پتا ہے توصیف! اریبہ اپنی منگنی ختم کرنا چاہ رہی ہے۔"

"یہ تم سے کس نے کہا؟" توصیف احمد یک دم ٹینشن میں آگئے تھے۔ خالدہ کو اسی سوال کی توقع تھی' بہت سنبھل کر بولیں۔

"وہ اس دن اریبہ ہی ایسی کوئی بات کر رہی تھی۔"

"یوں ہی کہہ گئی ہو گی۔ اصل میں اسے بائیک نہ دلانے کا غصہ ہے۔" توصیف احمد کے لہجے کی مایوسی اریبہ کے لیے تھی' پھر خالدہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"کیا کہہ رہی تھی؟"

"پتا نہیں۔ میرا مطلب ہے آپ وہیں سے معلوم کر لیں۔ میں کچھ کہہ کر بری نہیں بننا چاہتی۔" خالدہ نے اپنی پوزیشن جتائی تھی۔

"برا بننے کا کیا سوال' خیر ٹھیک ہے میں وہیں سے معلوم کرتا ہوں۔" توصیف احمد اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ خالدہ نے قصداً حیرت کا اظہار کیا۔

"آپ ابھی جا رہے ہیں کیا؟"

"ہاں... یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اریبہ کو سمجھانا پڑے گا۔ ورنہ اگر بھابھی بیگم تک بات پہنچ گئی تو۔" وہ اب عجلت میں باہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خالدہ کہنا چاہتی تھیں کہ ان پر بات نہیں آنا چاہیے' لیکن اس کے لیے انھیں توصیف احمد کے پیچھے لپکنا پڑتا اور یہ بات انھیں پسند نہیں تھی کہ جب وہ باہر جا رہے ہوں تو پیچھے سے انھیں پکارا جائے یا روکا جائے' جب ہی وہ انھیں جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

توصیف احمد بالکل انجان تھے' اس لیے انھیں یہ پریشانی لاحق تھی کہ کہیں بات ساجدہ بیگم تک نہ پہنچ جائے۔ وہ ساجدہ بیگم کا ماں کی طرح احترام کرتے تھے اور کبھی ان کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کی تھی۔ اس لیے "فوراً" اریبہ کو سمجھانے آگئے تھے کہ کہیں انھیں ساجدہ بیگم کے سامنے جواب دہ نہ ہونا پڑے۔ ہمیشہ کی طرح سارہ انھیں دیکھ کر بھاگی آئی تھی۔

"السلام علیکم ڈیڈی!"

"وعلیکم السلام' کیسی ہو بیٹا؟" انھوں نے سارہ کو اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"میں ٹھیک ہوں اور ابھی میں آپ کو یاد کر رہی تھی' بلکہ فون بھی کرنے والی تھی۔"

"اچھا۔ باقی سب کہاں ہیں؟" وہ لاؤنج میں آ کر رک گئے تھے۔

"مما اپنے کمرے میں ہیں اور... اریبہ' حماد کے ساتھ مارکیٹ گئی ہے۔ وہ حماد کا رزلٹ آگیا ہے نا ڈیڈی' اس نے میٹرک کر لیا ہے۔ اسی خوشی میں اریبہ اسے شاپنگ کرانے لے گئی ہے۔" سارہ نے خوشی سے بتایا۔

"کب آیا اس کا رزلٹ؟" انھوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"آج ہی' میں یہی بتانے کے لیے آپ کو فون کرنے والی تھی۔ مما کو بلاؤں۔" سارہ نے بیٹھتے بیٹھتے رک کر پوچھا اور وہ "ہاں" کہتے کہتے رہ گئے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولے۔

"آپ بیٹھو بیٹا! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"جی ڈیڈی!" وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"دیکھو بیٹا! جو میں پوچھوں' سچ سچ بتانا۔ کیا اریبہ نے ایسی کوئی بات کی ہے کہ وہ رازی سے شادی نہیں کرے گی؟" توصیف احمد نے بہت نرمی سے پوچھا' جبکہ نظریں اس کے چہرے پر جمی رہنے دیں' جب ہی اس کی پریشانی چھپی نہیں رہ سکی۔ وہ واقعی گھبرا گئی تھی۔

"ڈیڈی وہ..." فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

"بیٹا! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ مجھے بتاؤ' جب تک میرے علم میں بات نہیں ہو گی میں کیسے اس معاملے کو ہینڈل کر سکوں گا۔" توصیف احمد نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

"میں کیا بتاؤں ڈیڈی' بس اریبہ نے اپنے آپ ہی۔" سارہ خود کو بہت مشکل میں محسوس کر رہی تھی۔

"کیا اپنے آپ۔" توصیف احمد کو الجھن ہونے لگی' لیکن وہ کھٹکے بھی تھے۔

"میرا مطلب ہے' اس نے خود ہی جا کر تائی امی کو انگوٹھی واپس کر دی۔" سارہ نے اٹکتے ہوئے بتایا تھا۔ توصیف احمد یک دم سناٹے میں آگئے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

۳

تیسری قسط

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں' سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی' خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ یاسمین اس پر اپنے جیٹھ' جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے' جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد' اجلال رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین' اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلا تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوگئی اور اس نے اجلال سے منگنی توڑ دی۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آیا تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلا۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

توصیف احمد تو یہ سوچ کر بھاگے چلے آئے تھے کہ کہیں بات ساجدہ بیگم تک نہ پہنچ جائے اور اریبہ نے ڈائریکٹ بات پہنچائی ہی وہیں تھی۔ کتنی دیر وہ سکتہ کی حالت میں سارہ کو دیکھے گئے۔ اس کے بعد بمشکل بول پائے تھے۔

"یہ..... یہ کب کی بات ہے؟"

"کافی دن بلکہ مہینے ہو گئے۔" سارہ یہ نہیں کہہ سکی کہ جب ان کی دوسری شادی کا راز کھلا تھا۔

"مہینے.....!" وہ مزید حیران ہوئے۔ "رازی کے آنے سے پہلے کی بات ہے؟"

"جی.....!" سارہ نے سر جھکا لیا گو کہ وہ قصوروار نہیں تھی پھر بھی مجرم بنی ہوئی تھی۔

"آپ نے اسی وقت مجھے کیوں نہیں بتایا تھا؟" توصیف احمد نے ابھی بھی نرمی سے پوچھا تھا پھر بھی وہ خائف ہو کر رونے لگی۔ توصیف احمد نے اسے چپ نہیں کرایا اور اٹھ کر یاسمین کے کمرے میں آ گئے۔

یاسمین کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر بھڑک اٹھی۔

"توصیف احمد! جب میں تم سے تعلق نہیں رکھنا چاہتی تو میرے بیڈ روم میں آنے کا مطلب؟"

"شٹ اپ' تمہارا کیا خیال ہے میں یہاں تم سے تعلقات استوار کرنے آیا ہوں۔" توصیف احمد نے غصے سے طنز آمیز چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ سارہ کے سامنے انہوں نے خود پر بہت ضبط کیا تھا لیکن اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"پھر یہاں آنے کا مقصد؟" یاسمین نے ان ہی کے انداز میں پوچھا تھا۔

"میں تم سے اریبہ کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں وہ بھابھی بیگم کے پاس کیوں گئی تھی؟" وہ اب کوشش سے بھی اپنے غصے پر کنٹرول نہیں کر پا رہے تھے۔

"مجھے کیا پتا!" یاسمین نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"سب پتا ہے تمہیں' سب جانتی ہو اور تم ہی اکساتی ہو اسے میرے خلاف۔ میرے پورے خاندان کے خلاف' لیکن تم سن لو یاسمین! اریبہ کی شادی رازی کے ساتھ ہی ہو گی۔ یہ تم اسے اچھی طرح سمجھا دینا اگر اس نے دوبارہ ایسی کوئی حرکت کی تو وہ اس گھر میں تمہارا آخری دن ہو گا۔"

توصیف احمد اسے متنبہ کر کے رکے نہیں اسی وقت باہر نکل آئے۔ ان کا ڈپریشن مزید بڑھ گیا تھا کہ انہیں خلاف عادت' خلاف مزاج یاسمین کے ساتھ اسی کی طرح چلانا پڑا تھا ورنہ وہ خود ہمیشہ سے دھیمے مزاج کے نفیس انسان تھے۔ بہرحال اس وقت انہوں نے سوچا تو یہ تھا کہ اسی وقت ساجدہ بیگم کے پاس جا کر ان سے معذرت کریں گے لیکن اپنے خراب موڈ کی وجہ سے انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

چھٹی کا دن تھا۔ صبح معمول کے مطابق اجلال رازی کی آنکھ کھلی تو تھی لیکن وہ پھر سو گیا تھا۔ اس کے بعد تقریباً" دس بجے کچھ کھٹ پٹ کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ پہلے اس نے گھڑی میں ٹائم دیکھا پھر اٹھنے لگا تھا کہ سنبل پر نظر پڑی۔ وہ ٹیبل کے پاس کھڑی پتا نہیں کیا کر رہی تھی۔ اسے اس سے غرض نہیں تھی بلکہ وہ اس کی اپنے کمرے میں موجودگی پر حیران ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ اس کی اتنی بے تکلفی تو کبھی بھی نہیں تھی۔ بس کزن ہونے کے ناتے رسمی علیک سلیک ہوا کرتی تھی۔ بہرحال اسے متوجہ کرنے کے لیے وہ کھنکارا تو سنبل فوراً" اس کی طرف پلٹی اور دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"آپ اٹھ گئے۔ اتنی دیر سے اٹھتے ہیں آپ؟ دس بج رہے ہیں۔"

''ہاں وہ..... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ اس کی بات کا جواب دیتے دیتے ایک دم وہی پوچھ گیا جو سوچ رہا تھا۔

''یں آپ کو دیکھنے آئی تھی۔'' سنبل نے کہا تو اسے بڑا عجیب سا لگا۔

''یکھنے آئی تھی بکیا مطلب' پہلے کبھی نہیں دیکھا مجھے۔'' سنبل کھلکھلا کر ہنس پڑی' پھر اپنی بات کی وضاحت انے لگی۔

''آپ سمجھے نہیں۔ میں یہ دیکھنے آئی تھی کہ آپ اٹھ گئے یا نہیں۔''

''جھ سے کوئی کام ہے؟'' وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''نہیں کام تو کوئی نہیں ہے۔ آپ کے لیے چائے لاؤں؟'' سنبل اب کچھ سٹپٹائی تھی۔

''کیوں ثناء کہاں ہے؟'' اس نے پیشانی پر بل ڈال کر پوچھا۔

''وہ فون پر اپنی کسی سہیلی سے بات کر رہی ہے۔ اسی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ کو اٹھا دوں۔'' سنبل نے اس کے تیور بگڑتے دیکھ کر ثناء پر بات رکھ دی۔

''انتہائی فضول لڑکی ہے۔ جاؤ' اس سے کہو چائے لے کر آئے اور جلدی۔'' اس نے قصداً" غصہ ظاہر کیا۔

سنبل جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

''آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟''

''تم جاؤ پلیز۔'' وہ کہہ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ اسے واقعی غصہ آ رہا تھا۔ پتا نہیں آج کا دن کیسے گزرے گا۔ اٹھتے ہی موڈ خراب ہو گیا تھا۔ اسے سنبل سے کوئی پرخاش نہیں تھی مگر اس کے یوں کمرے میں چلے آنے پر ہنجھلا رہا تھا۔ وہ بھی ایسے وقت' جب وہ سو رہا تھا۔ جب ثنا چائے لے کر آئی تو وہ اس پر بھی بگڑ گیا۔

''سنبل کو تم نے بھیجا تھا میرے کمرے میں؟''

''جی اصل میں میں وہاں کچن میں مصروف تھی۔ میں نے سنبل آپی سے کہا' آپ کو اٹھا دیں۔'' ثنا نے بظاہر ادگی سے بات بنائی پھر فوراً" کہنے لگی۔

''امی بھی نہیں ہیں۔ شام میں اخلاق چچا کی بیٹی کی شادی ہے ناں۔ امی ابھی چلی گئی ہیں۔''

''کس کے ساتھ گئی ہیں؟'' اس کا دھیان بٹ گیا۔ ثنا کا یہی مقصد تھا۔ بہت چالاکی سے بات گھما دی تھی۔

''بلال کے ساتھ' ہم لوگ رات میں چلیں گے۔ چلیں گے ناں بھائی؟''

''ہاں کیوں نہیں' ضرور چلیں گے۔ اسی بہانے سب سے ملاقات ہو جائے گی۔'' اس نے چائے کا گھونٹ لے کہا پھر پوچھنے لگا۔ ''امی ابھی کیوں چلی گئیں؟''

''وہ اخلاق چچا اور چچی رات ہی انہیں روک رہے تھے۔ آپ کو تو پتا ہے امی کو اپنے بستر کے علاوہ کہیں نیند ہی نہیں آتی۔ اس لیے معذرت کر کے چلی آئیں۔ اس وعدے کے ساتھ کہ صبح جلدی آ جائیں گی۔ اس لیے ابھی چلی گئیں۔ آپ کے لیے ناشتا بناؤں؟'' ثنا نے روانی سے بتا کر پوچھا۔

''نہیں ناشتے کا موڈ نہیں ہے اور ہاں سنبل کب آئی؟'' اسے پھر اچانک سنبل کا خیال آ گیا تھا۔

''امی کے جانے سے پہلے۔ میں نے بلوایا ہے انہیں۔ میں اکیلی ہو گئی تھی ناں۔''

ثنا نے فوراً" توجیہ بھی پیش کر دی۔ اس نے مزید کچھ نہیں کہا۔ چائے کا آخری گھونٹ لے کر کپ ثنا کی طرف یا۔ ثنا کپ لے کر چلی گئی تو وہ ادھر ادھر یوں دیکھنے لگا جیسے کیا کرنا چاہیے۔ گھر میں رہ کر تو اس کے پاس کرنے کو بھی نہیں تھا۔ عموماً" چھٹی کا دن اس کا بور ہی گزرتا تھا۔ جب امریکہ میں تھا تو وہاں دوستوں کے ساتھ کہیں نہ جانے کا پروگرام بنا لیا کرتا تھا لیکن یہاں تو کوئی دوست ہی نہیں تھا اور جس کے ساتھ وہ بہت سارے ن لر آیا تھا وہ بات تک کرنے کی روادار نہیں تھی۔

اریبہ کے بارے میں سوچتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا کہ شام میں شادی کی تقریب میں وہ بھی تو آئے گی۔ گویا اس سے ملاقات متوقع تھی۔ گو کہ اس کی طرف سے کسی اچھی بات کی امید نہیں تھی پھر بھی وہ اس سے ملتے رہنا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہ محض اس کی خوش فہمی نہیں تھی بلکہ اسے یقین تھا کہ کسی دن اچانک وہ اس کے سامنے ہار جائے گی۔ اسے اپنی محبت پر بھروسا تھا اور اس کی محبت سے بھی واقف تھا۔ بدلتے حالات کے پیش نظر وہ لاکھ منہ موڑے لیکن اپنے دل سے اس کی محبت نکال کر نہیں پھینک سکتی تھی۔

* * *

وہ گاؤں سے اپنی بہن تاجور کی فکر ساتھ لایا تھا۔ کتنی مرجھا گئی تھی وہ اور کمزور بھی بہت ہو گئی تھی۔ گو کہ اس کی طرف سے اسے اطمینان تو پہلے بھی نہیں تھا بس یہ سوچتا کہ ابا کچھ نہ کچھ خیال تو کرتے ہی ہوں گے‘ آخر وہ ان کی اولاد ہے پھر تاجور نے بھی کبھی شکایت نہیں کی تھی۔ ہمیشہ اس کے پوچھنے پر یہی کہتی کہ وہ ٹھیک ہے‘ خوش ہے۔ لیکن اس بار اس نے خود دیکھ لیا تھا کہ ابا کو بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں رہی بلکہ ہر بات میں اسے ہی سخت ست کہتے تھے۔ اس پر بھی وہ اف نہیں کرتی تھی۔ شاید اندر ہی اندر کڑھتے رہنے سے وہ اس حال کو پہنچ گئی تھی اور وہ اسے یوں اس کے حال پر تو نہیں چھوڑ سکتا تھا کہ وہ اس کی ماں جائی تھی۔

ماں‘ جو اسے جنم دیتے ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً" دس گیارہ سال تھی۔ جہاں وہ اپنی ننھی بہن کو پا کر خوش تھا‘ وہاں ماں کی ابدی جدائی نے اسے بے تحاشا رلایا تھا اور شاید اسے سنبھلنے میں بہت وقت لگ جاتا لیکن ننھی تاجور نے اس کا دھیان بٹا دیا تھا۔ اب وہ سارا وقت اسی کے ساتھ لگا رہتا۔ ابا تو کام پر چلے جاتے تھے۔ شام میں آتے بھی تو تھوڑا وقت ہی دونوں بچوں کو دے پاتے‘ پھر جو چارپائی پر گرتے تو صبح ہی اٹھتے تھے۔

بہر حال اتنی سی عمر میں وہ کافی سمجھ دار اور ذمہ دار ہو گیا تھا اور شاید حالات سے سمجھوتا بھی کر لیتا۔ لیکن اس کے اندر پڑھنے اور بڑا آدمی بننے کی جو امنگ اس کی ماں نے پیدا کی تھی‘ وہ اس سے دستبردار نہیں ہو سکا۔

تو دل لگا کر پڑھنا۔ پتا بھی نہیں چلے گا وقت گزر جائے گا۔ پھر تو بڑا آدمی بن جائے گا۔ تیرے پاس موٹر کار ہو گی۔ اتنا بڑا گھر ہو گا۔ پھر میں تیری دلہن لاؤں گی۔"

ماں روزانہ اسے اسکول کے لیے تیار کرتے ہوئے ایسی ہی باتیں کرتی تھی اور وہ ماں کا چہرہ دیکھ کر خوش ہوتا تھا جس پر اسے اس کے خوابوں کی تعبیر کا عکس نظر آتا تھا اور اس کا دل چاہتا‘ وہ پلک جھپکتے بڑا ہو جائے۔ لیکن تقدیر کی ستم ظریفی کہ ماں جس نے کہا تھا "پتا بھی نہیں چلے گا وقت گزر جائے گا۔" وہ خود گزر گئی لیکن اپنے خواب اسے دان کر گئی تھی تب ہی وہ بے چین رہتا تھا۔ سارے دن میں جب بھی اسے موقع ملتا خصوصاً" جب تاجور سو جاتی‘ تب وہ اپنی کتابیں کھول لیتا۔ اس وقت وہ چھٹی جماعت میں تھا گو کہ اس کا اسکول چھوٹ گیا تھا لیکن اس نے پڑھنا نہیں چھوڑا تھا۔

وہ اپنے اسکول کا سب سے لائق بچہ تھا اس لیے اسکول کے ہیڈ ماسٹر خود ابا کے پاس کئی بار آئے تھے کہ اس کا اسکول نہ چھڑائیں۔ لیکن ابا بھی کیا کرتے۔ وہ اپنا کام دھندا چھوڑ کر گھر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ یوں وہ گھر کا ہو کر رہ گیا۔ پھر سال بھر بعد جب ابا نے دوسری شادی کی تب وہ پھر سے اسکول جانے لگا لیکن اس کی دوسری ماں جسے وہ خالہ کہنے لگا تھا وہ اس کے اسکول جانے کے سخت خلاف تھی۔ صبح جب وہ اٹھتا تو جان بوجھ کر اسے اِدھر اُدھر کے کاموں میں لگا دیتی۔ یہاں تک کہ اسکول کا وقت نکل جاتا۔

ہفتے میں ایک دو دن ہی وہ اسکول جا پاتا تھا۔ لیکن اس کے اندر کی لگن نے کہیں بھی اس کے حوصلے پست نہیں

ونے دیے۔ جیسے تیسے اس نے مڈل پاس کر لیا۔ گاؤں میں کوئی ہائی اسکول نہیں تھا اور ابا چاہتے تھے وہ ان کے ساتھ کھیتی باڑی میں لگ جائے۔ جبکہ وہ مزید پڑھنا چاہتا تھا۔ پھر جب ابا نے سختی کی تو وہ گھر سے بھاگ کر قریبی شہر رحیم یار خان چلا گیا۔ جہاں محنت مزدوری کے ساتھ اس نے اپنی تعلیم جاری رکھی گو کہ یہ کٹھن وقت تھا خصوصاً" تاجور کے لیے وہ بہت تڑپتا تھا لیکن اس نے ٹھان لی تھی کہ وہ کچھ بن کر ہی واپس جائے گا پھر تاجور کو اپنے ساتھ لے آئے گا۔

یوں اس نے میٹرک فرسٹ ڈویژن سے پاس کر لیا پھر کالج جوائن کرنے سے پہلے اسے تاجور کی کشش واپس کھینچ لائی۔ لیکن وہ کچھ دن ہی اس کے پاس رہا پھر واپس چلا گیا پھر تو اس کے لیے وقت کاٹنا اور مشکل تھا۔ کیونکہ اس دوران گھر میں اس کے اور بہن بھائی کا اضافہ ہو گیا تھا جس سے تاجور کو جو تھوڑی بہت توجہ ملتی تھی‘ وہ اس سے بھی محروم ہو گئی تھی۔ بس ایک پڑوس میں تاباں اور اس کی اماں تھیں جو خصوصاً" تاجور کے لیے آتی تھیں اور اس کا کچھ خیال کر لیتی تھیں۔

بہر حال وقت جیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے۔ اس نے رحیم یار خان سے بی کام کیا اس کے بعد کراچی کا رخ کیا۔ اس دوران وہ چھٹیوں میں اور امتحانوں کے بعد گاؤں جاتا رہا تھا اور صرف تاجور کو ہی نہیں اچھے دنوں کی آس دلاتا تھا‘ تاباں بھی تھی‘ اس کی بچپن کی ساتھی۔ جس کے ساتھ بڑے خاموش عہد و پیمان ہوئے تھے۔

تاباں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ بے حد لاڈلی ہونے کے باعث اپنی بات منوا لیا کرتی تھی۔ لیکن گزشتہ سال اس کی اماں کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد اس کا ابا اس پر کچھ سختی کرنے لگا تھا۔ خصوصاً" گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ اس لیے اب وہ گاؤں جاتا تو تاباں سے ایک آدھ بار ہی ملاقات ہو پاتی تھی اور اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ اسے دیکھ لیتا ہے۔

بہر حال اس کی اماں نے جو خواب اس کے لیے دیکھے تھے ان کی تعبیر اب زیادہ دور نہیں تھی۔ اب وہ ایک گارمنٹ فیکٹری میں اکاؤنٹنٹ تھا۔ ساتھ ہی سی اے بھی کر رہا تھا۔ رہائش کے لیے اس نے دو کمروں کا فلیٹ کرائے پر لیا ہوا تھا گو کہ اس اکیلے کے لیے جاب بھی ٹھیک تھی اور رہائش بھی لیکن یہ اس کی منزل نہیں تھی۔ اسے ابھی اور آگے بڑھنا تھا۔ سی اے میں دو سال باقی تھے اور جیسے پچھلا وقت گزرا یہ دو سال بھی گزر جانے تھے لیکن اب وہ تاجور کو جس طرح کمزور اور لاغر دیکھ کر آیا تھا‘ خود کو اطمینان نہیں دلا پا رہا تھا کہ محض دو سال ہی کی تو بات ہے‘ اور تاجور کو لانے کی سوچتا تو آگے یہ مسئلہ زیادہ گمبھیر تھا کہ وہ اکیلی کیسے رہے گی۔ کیونکہ وہ تو صبح آفس کے لیے نکلتا تو پھر رات گیارہ بارہ بجے ہی گھر لوٹتا تھا اور اس شہر کے حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ تاجور کو اکیلے گھر میں چھوڑ دیتا نہ ہی کسی پر بھروسا کیا جا سکتا تھا۔

"پھر کیا کروں!" وہ جب سے آیا تھا‘ اسی ایک بات میں الجھا رہتا تھا۔ لیکن اس کا کوئی فوری حل اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

* * *

اریبہ نے دور سے ہی اجلال رازی کو آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً" منہ موڑنا چاہتی تھی لیکن اس کے ساتھ سنبل پر نظر پڑی تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ حالانکہ سارہ نے پہلے ہی اسے خبردار کیا تھا کہ رازی کی کزن سنبل اس کے بہت آگے پیچھے پھر رہی تھی لیکن اس نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اس لیے نہیں کہ اس کے نزدیک واقعی اس کی اہمیت نہیں تھی بلکہ اسے یقین تھا کہ رازی بحالت مجبوری تو اس سے دستبردار ہو سکتا ہے خوشی سے نہیں اور اتنی جلدی وہ کیسے مجبور ہو سکتا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھے گئی۔ سرمئی

رنگ کے سوٹ میں وہ بہت نمایاں نظر آرہا تھا۔ وہ اپنی نظروں پہ پہرے بٹھانے میں ناکام ہو رہی تھی۔ سب سے ملتا ہوا آخر میں وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"ہیلو، کیسی ہو؟" رازی کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ تھی جو صرف اس کے لیے مخصوص تھی۔

"بہت اچھی۔" وہ یکدم بے نیاز بن گئی۔

"گڈ! اس کا مطلب ہے میں تمہارے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں۔" رازی نے خوش ہو کر کہا۔

"کیوں اس کے ساتھ جا کر بیٹھو، جسے ساتھ لیے پھرتے ہو۔" اریبہ کی زبان سے بلا ارادہ ہی پھسل گیا، جس پر وہ اندر ہی اندر خود کو کوسنے لگی تھی۔

"کون؟" وہ ایک لحظہ کو حیران ہوا پھر سمجھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"سنبل کی بات کر رہی ہو؟"

"کون سنبل میں کسی سنبل کو نہیں جانتی۔" وہ اب لاکھ انکار کرتی رازی کو کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

"نام سے واقف نہیں ہو گی۔ وہ میری ماموں زاد ہے۔ آج کل ہمارے ہاں رہنے آئی ہوئی ہے، بڑی رونق ہو گئی ہے اس کے آنے سے۔"

"تو...... میں کیا کروں۔" وہ تنک کر بولی تھی۔

"یونہی بتا رہا ہوں۔ تمہاری معلومات میں اضافے کے لیے۔" وہ اندر ہی اندر بے حد محظوظ ہو کر بولا تھا۔

"کر چکے میری معلومات میں اضافہ؟ اب جاؤ یہاں سے۔" وہ بری طرح سلگ رہی تھی۔ اگر تقریب میں نہ کھڑی ہوتی تو اسے بے نقط سناتی۔ اب صرف دانت پیس رہی تھی۔

"اب کہاں جاؤں ہم سے آگے تو کچھ نہیں ہے۔ آئی مین! میرا سفر تم پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔" رازی کا لہجہ یک لخت جذبوں سے چُور ہو گیا تھا۔ نظروں میں بھی وارفتگی سمٹ آئی تھی۔

"لیکن میرا سفر یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ جس کے اختتام کی کوئی حد نہیں۔" وہ سلگتے لہجے میں اسے بھی سلگا رہی تھی۔

"غلط بالکل غلط تم سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔ یہ دھوکا ہے اریبہ! خود کو دھوکا مت دو۔" رازی نے دھیرے سے اسے جھٹلا کر کہا۔

"دھوکا تو تم اپنے آپ کو دے رہے ہو۔ میرے واضح انکار کے بعد بھی تم نے کیوں مجھ سے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اپنا فیصلہ واپس لے لوں گی؟ نہیں کبھی نہیں۔ مجھے تم سے نفرت ہے اور اس نفرت کی بھی کوئی حد نہیں۔" وہ انتہائی غصے سے اسے ٹھکرا کر پیر پٹختے ہوئے وہاں سے نکل کر یاسمین کے پاس آ بیٹھی۔ رازی وہیں کھڑا ہونٹ بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا؟" یاسمین نے اس کے تپتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں، سارہ کہاں ہے؟" اس نے بمشکل اپنے غصے پر کنٹرول کرتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں مل رہی ہو گی اپنے ددھیال والوں سے۔" دوسری بات یاسمین نے بڑبڑانے کے انداز میں کہی تھی پھر بھی اس نے سن لی لیکن فوراً" کوئی تبصرہ نہیں کیا البتہ نخوت سے سر جھٹکا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں اسے بلاتی ہوں مما! پھر چلتے ہیں۔"

"ہاں حماد کو بھی دیکھ لینا۔"

"جی!" اس نے پہلے وہیں کھڑے رہ کر سارہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں پھر اسے ڈھونڈتی ہوئی اسٹیج کی طرف آئی تو وہ اگلی رو میں امینہ پھوپھو کے پاس بیٹھی نظر آئی۔

"سارہ!" وہ چند لمحوں میں سارہ کے سر پر پہنچ گئی۔ "چلو ہم جا رہے ہیں۔"

"ہاں، میرا مطلب ہے ابھی تو کھانا بھی نہیں لگا۔" سارہ نے کہا تو وہ چڑ کر بولی۔

"کھانا گھر پر بھی مل جائے گا، چلو اٹھو۔"

"بیٹا! میرے پاس بیٹھو۔ تم تو آتی ہی نہیں ہو۔" امینہ پھوپھو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ وہ جھٹکے سے ہاتھ چھڑا بولی۔

"آپ کون سا آتی ہیں۔"

"میں تو آنا چاہتی ہوں پر......" امینہ پھوپھو خاموش ہو گئیں۔ اس نے ان کی ادھوری بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور سارہ کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہے اریبہ! کچھ دیر رکو ناں۔ دلہن تو دیکھ لیں۔" سارہ نے منت سے کہا۔

"بہت شوق ہے تمہیں دلہن دیکھنے کا۔ چلو اٹھو۔" اس نے سارہ کا ہاتھ کھینچ کر زبردستی اٹھا دیا تھا۔

* * *

توصیف احمد حیران تھے کہ ساجدہ بیگم نے اشارتاً" بھی ان سے اریبہ کی اس حرکت کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ بقول سارہ کے اس بات کو کافی مہینے ہو گئے تھے اور اس عرصے میں ان کا کتنی بار ساجدہ بیگم سے سامنا ہوا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح ہی ملی تھیں۔ اب پتا نہیں انہوں نے اریبہ کی اس حرکت کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی یا اپنے طور پر وہ بھی بات ختم کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ انہیں بہرحال اس معاملے کو نبٹانا تھا اور اس وقت وہ اسی ارادے سے ساجدہ بیگم کے پاس آئے تھے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں خاص طور پر رازی کا اتنی جلدی بزنس سنبھال لینا موضوع رہا اس کے بعد وہ کہنے لگے۔

"بھابھی بیگم! مجھے ابھی چند روز پہلے پتا چلا کہ اریبہ آپ کے پاس آئی تھی بہت غلط حرکت کی اس نے۔"

"نادان ہے۔" ساجدہ بیگم فوراً" بولی تھیں۔ "جذباتی ہے۔ غصے میں تھی شاید، کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو انگوٹھی واپس کرنے چلی آئی۔"

"لیکن بھابھی بیگم! آپ کو مجھے تو بتانا چاہیے تھا۔" وہ شاکی ہوئے۔

"کیا فائدہ ہم بھی غصے میں آجاتے اور غصے میں معاملے ٹھیک نہیں ہوتے اور بگڑ جاتے ہیں۔ جبکہ میں معاملہ بگاڑنا نہیں چاہتی۔ اس لیے میں نے خاموشی اختیار کر لی اور تمہیں بھی میں یہی مشورہ دوں گی کہ بچی پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے خود سمجھنے دو۔" ساجدہ بیگم نے اسی بردباری سے کہا جو ان کا خاصا تھی۔

"وہ خود سے کیسے سمجھ سکتی ہے۔ آپ جانتی تو ہیں یاسمین کو۔ وہی اسے مسلسل ورغلاتی رہتی ہے۔ وہ کبھی بھی اریبہ کو اس کی غلطی کا احساس نہیں ہونے دے گی بلکہ اور اکسائے گی۔" توصیف احمد بہت فکر مندی سے بولے تھے۔

"تو تم کیا چاہتے ہو، اس رشتے کو ختم کر دیا جائے؟" ساجدہ بیگم نے پوچھا تو توصیف احمد پریشان ہو کر انہیں دیکھنے لگے، وہ اس وقت خود کو بہت بے بس محسوس کر رہے تھے۔

"تم نہیں چاہتے ہمیں بھی نہیں چاہتی۔ رازی بھی اس رشتے کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔" ساجدہ بیگم ان کی ناخوشی سے سمجھ کر بولی تھیں۔

"پھر کیا کیا جائے؟" توصیف احمد کا انداز ایسا تھا جیسے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔

"صبر...... صبر سے کام لو اور اللہ پر بھروسا رکھو۔ اگر اللہ نے یہ جوڑی لکھی ہے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

ساجدہ بیگم نے انہیں تسلی دی تھی اور اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

"میں تو سوچ رہا تھا فوری شادی کردی جائے۔" توصیف احمد قدرے توقف سے بولے تھے۔

"زبردستی نہیں۔ اس سے بعد میں زیادہ مسئلے کھڑے ہو جائیں گے۔ اریبہ کبھی بھی یہاں ایڈجسٹ ہونے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ صبر سے اچھے وقت کا انتظار کرو اور ساتھ میں نرمی سے اریبہ کو سمجھانے کی کوشش کرو۔ ضرور سمجھ جائے گی۔ آخر سارہ بھی تو اسی گھر میں رہتی ہے۔ اس پر تو یاسمین کی باتوں کا اثر نہیں ہوتا۔" ساجدہ بیگم سمجھانے کے انداز میں بولے چلی گئیں۔ توصیف احمد خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے، پھر کہنے لگے۔

"بہرحال میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں بھابھی بیگم! اریبہ نے اگر آپ کے ساتھ بدتمیزی کی ہے تو۔"

"نہیں نہیں، کوئی بدتمیزی نہیں کی اور تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اریبہ جیسے تمہاری بچی ہے ویسے میری، مجھے اس کی کوئی بات بری نہیں لگی۔" ساجدہ بیگم نے بڑے ظرف کا مظاہرہ کیا تھا۔ توصیف احمد کے دل میں ان کا مقام مزید بڑھ گیا — بے اختیار ان کے ہاتھ تھام کر بولے۔

"بھابھی بیگم! میں اپنی بچیوں کی طرف سے بہت فکرمند ہوں۔"

"کیوں، کیوں فکرمند ہو۔ کیا بات پریشان کرتی ہے تمہیں؟" ساجدہ بیگم کچھ ٹھٹکی تھیں۔

"وہی یاسمین کی۔" وہ اسی قدر کہہ سکے تھے۔

"ہاں فکر کی بات تو ہے۔ بچیاں اب ماشاءاللہ بڑی ہو گئی ہیں۔ تم وہاں جاتے آتے ہو کہ نہیں۔" ساجدہ بیگم نے ان کی بات کو سوچتے ہوئے اچانک پوچھا تھا۔

"بہت کم مہینے میں ایک آدھ بار، وہ بھی یاسمین کو کھلتا ہے۔ اس کا بس نہیں چلتا کسی طرح میرا اس گھر میں داخلہ بند کروا دے۔" انہوں نے بتایا تو ساجدہ بیگم کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگیں۔

"تم یاسمین کی پرواہ مت کرو اور اپنے بچوں کے لیے وہاں زیادہ وقت گزارو اور یوں نہیں کہ گئے آئے۔ کچھ دن خالدہ کے پاس رہو اور کچھ دن وہاں۔ بیٹیوں کے سر پر باپ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ ماں کو اولاد کی سرے سے پرواہ ہی نہ ہو۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں بھابھی بیگم! دعا کریں میری بیٹیاں عزّت آبرو سے اپنے گھروں کی ہو جائیں۔" توصیف احمد بہت دل گرفتہ تھے۔

"اللہ بہتر کرے گا۔ تم پریشان مت ہو اور جیسا میں نے کہا ہے، ویسا کرو۔" ساجدہ بیگم نے انہیں تسلی دے کر کہا تو اثبات میں سرہلاتے ہوئے توصیف احمد کو اپنے دل پر پڑا بوجھ سرکتا محسوس ہوا تھا۔

* * *

چھٹی کا دن تھا اس لیے وہ دیر سے اٹھا تھا۔ بارہ بجنے والے تھے۔ اس نے اطمینان سے شاور لیا پھر کچن میں آگیا اور ابھی چولہے پر چائے کا پانی رکھا تھا کہ ڈور بیل بجنے لگی۔ اس نے پہلے چولہا جلایا پھر جا کر دروازہ کھولا تو سامنے پہلی منزل والے الیاس صاحب کھڑے تھے، جو اکثر چھٹی کے دن اس کے پاس آجایا کرتے تھے۔

"السلام علیکم۔ آیئے تشریف لایئے۔" اس نے سامنے سے ہٹ کر انہیں راستہ دیا تو وہ اندر آتے ہوئے بولے۔

"میاں! تم تو آتے نہیں ہم ہی چلے آتے ہیں۔"

"کیا کروں انکل! میری روٹین تو آپ کو پتا ہی ہے۔ خیر، آپ بیٹھیں، میں چائے لاتا ہوں۔" وہ انہیں لاؤنج میں بٹھا کر خود کچن میں آگیا۔ جلدی جلدی دو کپ چائے بنائی پھر ان کے پاس آبیٹھا۔

"میاں! کب تک خود چائے بناتے رہو گے۔ اب چائے بنانے والی لے ہی آؤ۔" الیاس صاحب پہلے بھی کئی بار اس سے یہ بات کہہ چکے تھے۔ وہ جھینپ کر سر جھکا لیتا۔ ابھی بھی یہی ہوا۔

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟" الیاس صاحب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مسئلہ!" وہ انہیں دیکھنے لگا۔ "نہیں انکل! کوئی مسئلہ نہیں۔ بس میں پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتا ہوں۔"

"تعلیم بھی مکمل ہو جائے گی۔ بلکہ پھر تمہارے لیے آسانی ہو جائے گی۔ بیوی گھر سنبھالے گی تم آرام سے پڑھ لینا۔" الیاس صاحب نے کہا تو اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ ان سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آنے والی کے بھی کچھ خواب ہوں گے۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا بیٹا! گھر کے سو بکھیڑے ہوتے ہیں، تمہیں ان میں بھی دماغ کھپانا پڑتا ہوگا۔ اس کے بعد پڑھائی کیا خاک ہوتی ہوگی۔ بیوی کے آنے سے کم از کم تمہیں گھر کے بکھیڑوں سے تو نجات مل جائے گی۔" الیاس صاحب شاید آج اسے قائل کرنے کا سوچ کر آئے تھے۔

"جی!" اس نے یونہی سرہلادیا۔

"پھر میں تمہاری آنٹی سے کہوں۔ کوئی لڑکی دیکھیں تمہارے لیے؟" الیاس صاحب یوں آرام سے بیٹھ گئے جیسے ابھی سارے معاملات طے کر کے ہی اٹھیں گے۔

"نہیں انکل!" وہ بوکھلا گیا۔ "ابھی نہیں۔ میرا مطلب ہے میری انگیجمنٹ ہو چکی ہے۔"

"اچھا ــــ!" الیاس صاحب نہ صرف مایوس ہوئے بلکہ ان کا انداز بھی بدل گیا تھا۔

"پھر شادی کیوں نہیں کرتے!"

"کرلوں گا۔" اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑے۔

ہاں جلدی کرلو تو اچھا ہے۔ خوامخواہ لوگ باتیں بناتے ہیں۔"

"جی ــــ!" وہ حیران ہوا۔ "میں سمجھا نہیں۔"

"میاں! چھڑے چھانٹ رہتے ہو۔ یہاں سب کے گھروں میں بہو بیٹیاں ہیں۔ کوئی بھی بات بنا سکتا ہے۔" الیاس صاحب کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ وہ سنّاٹے میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ جب وہ چلے گئے تب سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

یہ الیاس صاحب کیسی باتیں کر رہے تھے۔ میں صبح نکلتا ہوں تو پھر رات میں ہی واپسی ہوتی ہے۔ مجھے یہ تک نہیں پتا کہ سامنے فلیٹ میں کون رہتا ہے۔ الیاس صاحب بھی خود ہی آجاتے ہیں۔ میں ان کے اصرار پر بھی کبھی ان کے گھر نہیں گیا پھر لوگ کیا باتیں بناتے ہیں اور کیوں؟ میں چھڑا چھانٹ ہوں یا میرا پورا کنبہ یہاں رہتا ہو، کسی کو اس سے کیا غرض ــــ وہ سارا دن وقفے وقفے سے یہ ہی باتیں سوچتا اور کھولتا رہا تھا۔ پھر شام میں محض اپنا دھیان بٹانے کی خاطر باہر نکلا تھا۔

دن بھر حبس زدہ گرمی کے بعد اب ہوا چلنے لگی تھی۔ جب ہی وہ ٹہلتا ہوا بہت دور نکل آیا تھا اور ابھی جانے وہاں تک جاتا کہ بھوک سے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے۔ تب جہاں تھا وہیں جو ریسٹورنٹ نظر آیا اس میں آجا بیٹھا اور کھانا آرڈر کر کے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال رہا تھا کہ کسی نے اسے پکارا تھا۔

"ہے شمشیر!" اس نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا تو وہ اس کا آفس کا ساتھی جاوید تھا اور اس کے ساتھ غالباً اس کی بیوی تھی جب ہی اس نے مسکرا کر ہاتھ ہلانے پر اکتفا کیا۔

"یہاں آجاؤ یار!" جاوید نے کہنے کے ساتھ ہاتھ کے اشارے سے اسے بلایا تو وہ اٹھ کر ان کی ٹیبل پر آگیا۔

"یہ میری وائف ہے فائزہ اور فائزہ! یہ میرے آفس کے ساتھی شمشیر علی ہیں۔" جاوید نے تعارف کروا کر ساتھ اس سے پوچھا۔

"اکیلے آئے ہو۔۔۔؟"

"ہوں۔۔۔!" اس نے اختصار سے کام لیا۔

"یہیں قریب رہتے ہو۔۔۔؟" جاوید نے پھر پوچھا تو وہ خود چونکا کہ کہاں آگیا ہے، پھر نفی میں سر ہلا کر کہنے لگا۔

"نہیں میری رہائش نارتھ میں ہے۔ بس ٹہلتے ہوئے ادھر نکل آیا۔ اچانک بھوک نے ستایا تو یہاں آگیا۔"

"اچھا اچھا۔ ہم بھی نارتھ میں ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اتنی دور تمہاری طرح ٹہلتے ہوئے نہیں آگئے۔" جاوید نے کہا پھر معنی خیزی سے پوچھنے لگا۔ "ویسے اتنی دور پیدل مارچ کس سلسلے میں؟"

"کسی سلسلے میں نہیں۔ اصل میں میں یہاں اکیلا رہتا ہوں۔ یعنی اس شہر میں میرا کوئی عزیز رشتے دار نہیں ہے۔ اس لیے چھٹی کے دن خاصا بور ہو جاتا ہوں۔ پھر آج ایک پڑوسی کی باتوں نے پریشان کر دیا۔" وہ آخری جملہ بلا ارادہ کہہ گیا تھا۔

"پڑوسی تو یار ہوتے ہی پریشان کرنے کے لیے ہیں۔ ویسے انہیں تم سے کیا شکایت ہے؟"

جاوید ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک نظر فائزہ کو دیکھا جو ان کی گفتگو میں شریک نہیں تھی لیکن سن ضرور رہی تھی، جب ہی وہ ٹال گیا۔

"چھوڑو یار! کھانا شروع کرو۔ بھابھی آپ لیں ناں۔" اس نے ڈش اٹھا کر فائزہ کے سامنے رکھی تو وہ شکریہ کے ساتھ کہنے لگی۔

"شاید آپ میری وجہ سے بات نہیں کرنا چاہ رہے۔ میں ایسا کرتی ہوں اپنے کان بند کر لیتی ہوں، آپ آرام سے بات کریں۔" وہ کچھ نہیں بولا جاوید کو دیکھنے لگا تھا۔

"بتا دو یار! ورنہ خاتون مائنڈ کریں گی۔" جاوید نے ہنس کر کہا تو اس سے پہلے کہ فائزہ احتجاج کرتی وہ شروع ہو گیا۔ الیاس صاحب کی تمام باتیں دہرا کر کہنے لگا۔

"میں وہاں دو سال سے رہ رہا ہوں۔ اس سے پہلے تو انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اب اچانک انہیں میرا اکیلا رہنا کھلنے لگا ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کیوں۔"

"کیونکہ آپ ان کی مجبوری سمجھ نہیں رہے۔" فائزہ فوراً بولی تھی۔

"کون سی مجبوری؟" وہ بالکل نہیں سمجھا اور فائزہ کے بجائے جاوید کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کتنی بیٹیاں ہیں ان کی؟" جاوید کی معنی خیز مسکراہٹ سے وہ سٹپٹا گیا۔

"مجھے کیا پتا۔"

"پتا کرو نا یار! اصل بات یہی ہے کہ تم کسی کو لفٹ نہیں کروا رہے۔ مانا کہ شریف آدمی ہو مگر کبھی کبھی شرافت بھی الزام بن جاتی ہے۔"

وہ جاوید کی بات سمجھ گیا تھا لیکن اس پر عمل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ کوئی دل پھینک قسم کا نوجوان نہیں تھا نہ ہی اسے تاک جھانک کی عادت تھی۔ اپنے فلیٹ کی بالکونی میں بھی وہ ضرورتاً جاتا تھا یا پھر رات کے اس پہر جب ہر سُو سناٹا چھا جاتا۔ اس لیے جاوید کی بات پر اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ جلدی جلدی کھانا ختم کیا اور انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دے کر اٹھ گیا تھا۔

* * *

اگر سانسیں مہک جائیں
اگر آنکھیں چھلک جائیں
اگر خوابوں کی خواہش ہو
اگر پھولوں کی بارش ہو
اگر ہنستے ہوئے رونے کو جی چاہے اکیلے میں
اگر کوئی دیکھ کر تم کو کہیں کھو جائے میلے میں
اگر تم پوچھنے جاؤ کہ آخر کیا حقیقت ہے
اور اس کا یہ جواب آئے۔ مجھے تو تم سے نفرت ہے
سمجھ لینا محبت ہے
سمجھ لینا محبت ہے

اریبہ اپنے موبائل کی اسکرین پر نظریں جمائے کھوسی گئی تھی۔ جیسے رازی پر پہلی نظر پڑنے پر اس کا دل بے اختیار دھڑکتا تھا اس کے بعد اپنا رویہ تبدیل کرنے میں سراسر اس کے ارادے کو دخل ہوتا تھا۔ اسی طرح اس کا ایس ایم ایس دیکھتے ہوئے وہ پہلے کھوسی گئی تھی۔ دل بھی مدھم لے پر دھڑکنے لگا تھا لیکن پھر اچانک اس کے اندر ابال اٹھا تھا۔

نان سینس۔ اس نے موبائل تکیے پر پٹخ دیا تو سارہ اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟"

"رازی کا میسج ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا' آخر وہ میرے پیچھے کیوں پڑا ہے۔" وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"ظاہر ہے تم ان کی منگیتر ہو۔" سارہ نے اطمینان سے کہا تھا۔

"شٹ اپ۔۔۔!" وہ سلگ کر بولی۔ "خبردار جو مجھے اس کی منگیتر کہا تو۔"

"میرے نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب رازی بھائی بضد ہیں۔ پتا ہے اس دن وہ کہہ رہے تھے کہ وہ صرف تمہارے میڈیکل کمپلیٹ ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ایک دن نہیں رکیں گے۔" سارہ رازی کے پیغام قسطوں میں پہنچا رہی تھی۔

"اچھا!" وہ استہزائیہ ہنسی پر سارہ کو دیکھ کر کہنے لگی۔ "اور اگر اس دوران میرے لیے کوئی اچھا پرپوزل آگیا تو تمہارا کیا خیال ہے میں منع کر دوں گی؟"

"یہ تو مجھے نہیں پتا لیکن یہ میں کہہ سکتی ہوں کہ تمہارے لیے پروپوزل آ ہی نہیں سکتا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ تم انگیج ہو۔" سارہ اس کے انگیج ہونے کو جتانے سے باز نہیں آئی تھی۔

"انگیجڈ تھی۔" وہ زور دے کر کہنے لگی۔ "اب سب کو پتا چل گیا ہے کہ وہ منگنی ٹوٹ چکی ہے۔ ڈیڈی اس دن اسی سلسلے میں آئے تھے۔ بہرحال مجھے اب خاندان میں شادی کرنا ہی نہیں ہے اور تمہیں بھی میں یہی مشورہ دوں گی۔"

"شکریہ' جب وقت آئے گا تو تمہارے مشورے پر غور کروں گی۔" سارہ نے کسی بحث سے بچنے کی خاطر مسکرا کر کہا تب ہی دروازے پر پہلے دستک ہوئی پھر سمیر اندر جھانک کر پوچھنے لگا۔

"میں آسکتا ہوں؟"

"ضرور آؤ۔" اریبہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سمیر اندر آگیا تب اس سے پوچھنے لگی۔ "کیا میں نے تمہیں یہاں آنے سے منع کیا تھا؟"

’’نہیں تو؟‘‘ سمیر قدرے سٹپٹا کر سارہ کو دیکھنے لگا۔

’’اسے کیا دیکھ رہے ہو‘ میں بات کررہی ہوں تم سے‘ بتاؤ میں نے کیا غلط کہا تھا۔‘‘ وہ باقاعدہ کلاس لینے کھڑی ہوگئی۔ ’’میں بڑی ہوں تم دونوں سے۔ اگر میں کوئی اچھی بات سمجھانے کی کوشش کروں تو اسے سمجھو نہ کہ احتجاج کرنے لگو۔ انتہائی غلط حرکت کی تم دونوں نے‘ باہر ملنے کی کیا ضرورت تھی۔‘‘

’’وہ ہم تو۔۔۔ میرا مطلب ہے ہم باقاعدہ پلاننگ کرکے نہیں گئے تھے۔ اتفاقاً‘‘ راستے میں ملاقات ہوگئی تو پزا ہٹ چلے گئے اور ہم وہاں بیٹھے بھی نہیں۔ پزا لے کر چلے آئے۔ کیوں سارہ! تم نے گھر آکر کھایا تھا ناں؟‘‘ سمیر بوکھلا کر بولتے ہوئے آخر میں سارہ کو مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ بے چارہ بری طرح پھنس گیا تھا۔

’’مجھے پتا ہے۔ میرے سامنے ہی کھایا تھا اس نے۔ فالتو پیسے آگئے ہیں تمہارے پاس ابھی کمانے والے تو ہوئے نہیں‘ کہاں سے لیے تھے پیسے۔‘‘ وہ کسی طرح بخشنے پر تیار نہیں تھی۔ اب سارہ نے مداخلت ضروری سمجھی۔

’’اریبہ! یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔ پیسے کہاں سے آئے۔۔۔ کمانے والے۔۔۔‘‘

’’تمہارا بولنا ضروری ہے کیا؟‘‘ اس نے سارہ کو ٹوکا تو سمیر فوراً‘‘ اس کی طرف ہو کر کہنے لگا۔

’’ہاں‘ تمہیں کیا ضرورت ہے بولنے کی ہم بڑے بات کررہے ہیں ناں۔ میں بتاتا ہوں۔‘‘

’’رہنے دو۔‘‘ وہ سر جھٹک کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر پلٹ کر سارہ سے بولی تھی۔ ’’سارہ! میں اپنی دوست کے پاس جارہی ہوں اور وہاں سے ہم کہیں اور جائیں گے۔ مما کو بتادینا۔‘‘

’’کہیں اور کہاں؟‘‘ سارہ نے پوچھا۔

’’یہ میں واپس آکر بتاؤں گی۔‘‘ وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ سمیر نے شکر کے انداز میں ہاتھ اٹھائے۔ پھر بیڈ پر گرتے ہوئے بولا تھا۔

’’کیا چیز بنائی ہے اللہ نے۔‘‘ سارہ ہنسنے لگی۔

’’ایمان سے صرف تمہاری خاطر آیا ہوں ورنہ اس دن تو میں نے قسم کھائی تھی کہ کبھی تمہاری گلی سے بھی نہیں گزروں گا‘ خیر چھوڑو یہ بتاؤ کیسی ہو۔ کچھ احساس وحساس جاگا کہ نہیں۔‘‘ سمیر سر جھٹک کر اپنے مطلب کی بات پر آگیا۔

’’کیسا احساس؟‘‘ وہ فوراً‘‘ نہیں سمجھی تھی۔

’’محبت کا؟‘‘

’’تم صرف احساس کی بات کرتے ہو۔ میں تو سراپا محبت ہوں۔ اللہ نے میرا خمیر ہی محبت کی مٹی سے اٹھایا ہے۔‘‘

’’اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن میں اپنی بات کررہا ہوں۔ میرے لیے تمہارے احساسات کیا ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔‘‘ وہ اپنی محبت کا اعتراف کرنے کے بعد سے بے چین اور بے صبرا ہورہا تھا۔ سارہ بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کیا سننا چاہتا ہے لیکن اسے تنگ کرنے میں مزہ آرہا تھا‘ تب ہی سادگی کا لبادہ اوڑھ کر بولی۔

’’پتا نہیں سمیر! میری سمجھ میں تمہاری باتیں نہیں آتیں۔‘‘

’’کیا مشکل ہے۔ چلو سیدھے سادے طریقے سے پوچھ لیتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟‘‘ سمیر نے بیڈ پر اچھل کر اپنا رخ اس کی طرف موڑلیا اور براہ راست اسے دیکھنے لگا تھا۔

’’کرتی ہوں۔ سب سے کرتی ہوں۔‘‘ وہ مزید معصوم بن گئی۔

’’یہ سب کہاں سے آگئے بیچ میں۔‘‘ وہ بری طرح جھنجلا تھا۔ ’’میری بات کرو‘ صرف میری اور اپنی۔‘‘

’’ھلا یوں رہے ہو۔ آرام سے بات کرونا۔‘‘ اس نے خود کو خائف ظاہر کیا۔

’’آرام سے۔‘‘ سمیر نے ہاہ کی آواز نکال کر خود کو ریلیکس کیا اور لہجہ بھی ملائم بنالیا۔

’’ہاں اب بتاؤ مجھ سے شادی کروگی یا سب سے؟‘‘

’’تم کیا کہہ رہے ہو۔ شادی تو ایک سے ہی ہوتی ہے۔‘‘

’’شکر یہ تو تم نے تسلیم کیا کہ شادی ایک سے ہوتی ہے۔‘‘

’’اب میں اتنی بے وقوف بھی نہیں ہوں۔‘‘ اس نے روٹھے لہجے میں کہا۔

’’پتا ہے کتنی عقل مند ہو۔ خیر اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے میری بات کا جواب دو۔ مجھ سے شادی کروگی؟‘‘ سمیر کے انداز میں حد درجہ عجلت تھی جیسے ابھی وہ ہامی بھرے گی اور ابھی وہ بینڈ باجے بجوادے گا۔

’’پہلے تو اریبہ کی شادی ہوگی ناں۔‘‘ اس نے پھر معصومیت سے کہا۔ سمیر کا ضبط جواب دے گیا۔

’’ہاں میری ماں! پہلے اریبہ کی ہوگی۔ پھر خاندان بھر میں جتنے بھی کنوارے ہیں ان سب کے بینڈ بجیں گے‘ آخر یں ایک میں رہ جاؤں گا۔ اف! کیسی کوڑھ مغز لڑکی پر میرا دل آیا ہے۔ اُف۔‘‘ وہ اپنے بال نوچتا ہوا چلا گیا اور اس ے پیچھے سارہ ہنستے ہنستے دہری ہوگئی تھی۔

✡ ✡ ✡

اریبہ کے دوستوں میں لڑکے لڑکیاں سب ہی شامل تھے اور وہ سب اس کے کالج فیلو تھے۔ یعنی اسے فالتو ستوں کا شوق نہیں تھا اور نہ ہی خواہ مخواہ کسی سے راہ و رسم بڑھاتی تھی۔ کالج فیلوز کے ساتھ کیونکہ مستقل اسطہ رہتا تھا اس لیے وہ ان سے کٹ کر بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ البتہ اس کی خاص دوستوں میں صرف عروسہ‘ مہک اور جمال تھے۔ جن کے ساتھ وہ کالج کے علاوہ بھی رابطہ میں رہتی تھی۔ وہ اکثر اپنی شاپنگ عروسہ اور مہک ے ساتھ کرتی تھی اور اگر اس کی گاڑی کوئی مسئلہ کرتی تو وہ جمال کی خدمات حاصل کرلی تھی۔ البتہ لائبریری میں چاروں ایک ساتھ پڑھائی کرتے اور ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے تھے۔ اس وقت آخری پیپر دے کر وہ چاروں ان میں کھڑے ایک دوسرے سے چھٹیوں کا پروگرام پوچھ رہے تھے۔

’’میں اسلام آباد جاؤں گی اپنی مما کے پاس اور تم؟‘‘ عروسہ اپنا پروگرام بتا کر ان تینوں کو سوالیہ نظروں سے یکھنے لگی۔

’’میرا کہیں جانے کا باقاعدہ کوئی پروگرام نہیں ہے‘ ہوسکتا ہے اچانک بن جائے تو پھر لاہور جاؤں گی خالہ کے پاس۔‘‘ مہک نے بتایا۔۔۔ جمال نے لمبی آہ بھری پھر کہنے لگا۔

’’تم لڑکیوں کے مزے ہوتے ہیں۔ آرام سے چچا ماموں کے ہاں رہ آتی ہو۔ ہم لڑکوں کو تو چاچیاں‘ مامیاں اشت ہی نہیں کرتیں۔‘‘ وہ تینوں بے ساختہ ہنسی تھیں۔

’’تم ان کی بیٹیوں کو جو تاڑتے ہو۔‘‘ عروسہ ہنسی روک کر بولی تھی۔

’’توبہ کرو۔‘‘ جمال نے برا سا منہ بنایا پھر اریبہ سے پوچھنے لگا۔

’’تمہارا کیا پروگرام ہے۔ کہاں جاؤ گی؟‘‘

’’کہیں نہیں۔ یہیں اپنے شہر میں گھوم پھرلوں گی‘ ویسے بھی کوئی اتنی لمبی چھٹیاں نہیں ہیں۔ دو چار دن تو آرام نے اور خود کو فریش کرنے میں ہی نکل جائیں گے۔‘‘ اس نے کہا تو جمال فوراً‘‘ تائید کرتے ہوئے بولا۔

’’یہ تو ہے۔ میں تو آج لمبی تان کر سوؤں گا۔‘‘

’’ضرور سونا لیکن ابھی تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے بلکہ میرے ساتھ چلنا ہے۔‘‘ اریبہ کہہ کر فوراً‘‘ اپنا پرس

چیک کرنے لگی۔

"کہاں ۔۔۔؟" جمال سوالیہ نشان بنا کھڑا تھا اور وہ پرس میں ہاتھ مار رہی تھی پھر اطمینان سے پرس بغل میں دبا کر بولی۔

"مجھے بائیک لینا ہے۔"

"لے لینا یار! لیکن ابھی نہیں۔ ابھی میں بہت تھک گیا ہوں۔ یقین کرو رات بھر نہیں سویا بہت نیند آرہی ہے۔"

جمال نے دونوں بازو پھیلا کر یہ اشارہ بھی دیا کہ اس کا بدن ٹوٹ رہا ہے لیکن وہ کہاں ماننے والی تھی۔ باقاعدہ پلان کر کے آئی تھی۔ مزید عروسہ اور مہک نے بھی اس کا ساتھ دیا اور جمال کو اس کے ساتھ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ایک بات بتاؤ۔" جب وہ بائیک کی ادائیگی کر چکی تب جمال اس سے پوچھنے لگا۔ "تمہیں بائیک لینے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟"

"کسی نے نہیں' میں نے ضرورت محسوس کی' لے لی۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"کیوں' تمہارے پاس گاڑی بھی تو ہے۔ اس سے تمہاری ضرورت پوری نہیں ہوتی۔"

"نہیں ۔۔۔!" وہ جمال کو دیکھ کر اس انداز سے ہنسی جیسے بیکار ہے مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرنا۔

"اوکے میں چلتا ہوں۔" جمال نے اس کا اشارہ سمجھ کر کندھے اچکائے اور اپنی بائیک اسٹارٹ کر کے بھگا لے گیا اور اس نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کو چند لمحے سوچا پھر بائیک اسٹارٹ کی اور تقریباً" بیس منٹ میں رازی کے آفس پہنچ گئی تھی۔

"تم!" رازی اسے دیکھ کر بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ "زہے نصیب' آؤ' بیٹھو۔"

"تھینک یو۔" وہ آرام سے اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور چاروں طرف گردن گھما کر آفس کا جائزہ لینے لگی۔

"ابھی میں نے آفس سیٹ نہیں کیا۔ نئے آفس میں کام ہو رہا ہے۔ جلدی وہاں شفٹ ہو جاؤں گا۔" رازی نے اس کے بصرہ کرنے سے پہلے ہی وضاحت کر دی۔

"یہ بھی اتنا برا نہیں ہے۔" وہ سرسری انداز میں کہہ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"اصل میں جگہ کم ہے۔ مزید اسٹاف کے لیے گنجائش بالکل نہیں ہے۔ خیر تم بتاؤ کیا پیو گی یا اگر لنچ کرو تو۔" رازی انٹرکام کا ریسیور ہاتھ میں لے کر اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں کچھ نہیں' میں تو بس یونہی آئی تھی ۔۔۔ یہاں سے گزر رہی تھی سوچا تم سے مل لوں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ رازی الجھ گیا۔ اس کا رویہ بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"رات سارہ نے بتایا تم گھر آئے تھے؟" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"ہاں' تمہارے ایگزام ہو رہے تھے۔ ہو گئے؟" رازی کو وہ معمہ لگنے لگی تھی۔

"آج ہی فارغ ہوئی ہوں۔ سوچا پہلے تمہارا حساب بے باق کر دوں۔" وہ کھڑکی سے باہر کا جائزہ لینے کے بعد اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

"میرا حساب!" وہ فوراً" سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں۔ یہاں آکر دیکھو۔ باہر ٹریفک کے ہجوم میں۔" اس نے کھڑکی سے باہر اشارا کیا پھر الوداعی مسکراہٹ اس کی نذر کر کے آفس سے نکل گئی۔ رازی ابھی بھی کچھ نہیں سمجھ پا رہا تھا اور سمجھنے کے لیے ہی وہ کھڑکی کے قریب آ

اسے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ اسی کی بلڈنگ سے نکلتی نظر آئی اور پھر ایک بائیک کو زوردار کک مار کر آناً" فاناً" نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

اجلال رازی کا دماغ گھوم گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سارہ' سارہ!" وہ بائیک اسٹینڈ پر کھڑی کر کے ہلا چلا کر سارہ کو پکارنے لگی۔ تیسری آواز پر سارہ بھاگتی ہوئی آئی لیکن بائیک دیکھتے ہی فاصلے پر رک گئی تھی۔

"کیا ہوا' یہاں آؤ ناں۔" اس نے کہا۔ سارہ سست روی سے قریب آگئی اور تاسف سے بولی۔

"تو تم نے اپنی ضد پوری کر لی۔"

"جو بھی سمجھو' یہ بتاؤ کیسی ہے' بیٹھو گی؟" وہ خوش ہو رہی تھی۔

"نا بابا ۔۔۔!" سارہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"کیوں؟ سمیر کے ساتھ تو بیٹھ جاتی ہو۔" اس نے فوراً" جتایا۔ سارہ کو ناگوار تو گزرا لیکن خاموش رہی۔

"سوری' تمہیں شاید برا لگا اور دیکھو رازی کیا کہتا ہے۔ میں پہلے اسی کے پاس گئی تھی۔ اس کے آفس۔" اس نے بتایا پھر مسکرا کر سارہ کو دیکھا وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"تم رازی بھائی کے پاس گئی تھیں بائیک لے کر؟"

"ہاں' یہ بتانے کہ مجھے اس کی ناراضی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔" اس نے سارہ کی پریشانی قصداً" نظرانداز کر دی اور بے نیازی سے کہتے ہوئے اندر کی طرف چل پڑی تھی۔

"رازی بھائی نے کچھ نہیں کہا؟" سارہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"تم اتنا ڈرتی کیوں ہو۔ اول تو رازی کو ہمارے کسی معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر بھی اگر کچھ کہے تم پرواہ مت کرو۔ بلکہ صاف کہہ دینا کہ اپنے کام سے کام رکھے۔" اس نے سارہ کی بات کا جواب ہی نہیں دیا۔ الٹا اسے سمجھا کر تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آگئی۔ اب بھوک بھی لگ رہی تھی۔ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر ڈائننگ روم میں آگئی اور سب کو دیکھ کر حیرت سے بولی۔

"ارے آپ لوگوں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔"

"اس سے یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔" سارہ نے فوراً" کہا اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ جلدی جلدی سب کی پلیٹوں میں سالن نکالا پھر اپنی پلیٹ میں نکالتے ہی کھانا شروع ہو گئی۔

"آج تمہیں دیر کیوں ہو گئی؟" یاسمین نے سرسری انداز میں اس سے پوچھا۔

"میں بائیک لینے چلی گئی تھی مما! مل گئی۔" اس نے بتایا تو حماد خوش ہو کر پوچھنے لگا۔

"میرے لیے آپی؟"

"شٹ اپ! اور خبردار جو تم نے بائیک کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو۔ ابھی تمہاری عمر بائیک چلانے کی نہیں ہے۔" اس نے فوراً" حماد کو تنبیہہ کر دی۔

"لیکن آپی! کالج میں لڑکے بائیک پر آتے ہیں۔" حماد نے بڑی آس سے اسے دیکھا تھا۔

"دوسرے لڑکے کیا کرتے ہیں کیا نہیں' ہمیں اس سے کیا غرض' تمہیں بہرحال بائیک نہیں چلانا' سمجھے تم؟" وہ اس کے معاملے میں بہت سخت تھی۔

"نہیں چلائے گا بیٹا! نہیں چلائے گا۔ تم غصہ مت کرو۔" یاسمین نے نرمی سے اسے ٹوکا۔

”میں غصہ نہیں کر رہی مما! سمجھا رہی ہوں اسے۔“ اس نے آخری نوالہ لے کر پانی کا گلاس اٹھا لیا اور ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر کے اٹھتے ہوئے بولی۔

”میں سونے جا رہی ہوں اور خود ہی اٹھوں گی۔ تم سن لو سارہ! کمرے میں آکر کوئی شور شرابا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”فکر مت کرو، میں آؤں گی ہی نہیں۔“ سارہ جل کر بولی تھی اور اس کے جاتے ہی حماد کو دیکھنے لگی جو منہ پھلائے بیٹھا تھا۔

”کوئی فائدہ نہیں منہ پھلانے کا، کچھ بھی کر لو اریبہ بائیک نہیں دے گی۔ چلو کھانا کھاؤ۔“ اس نے حماد کو نرمی سے ٹوکتے ہوئے کہا۔

”آپی ابھی تک مجھے بچہ سمجھتی ہیں، میں بچہ نہیں ہوں۔ کالج میں پہنچ گیا ہوں، وہاں سب لڑکے بائیک پر آتے ہیں۔“ حماد روٹھے لہجے میں بولا تھا۔

”مجھے پتا ہے۔ تم ڈیڈی سے کہنا، وہ تمہیں بائیک دلا دیں گے۔“ اس نے کہا تو یاسمین نخوت سے بولی تھی۔

”ہونہہ ڈیڈی دلا دیں گے۔ اریبہ کو تو جیسے انہوں نے دلا دی ہے۔“

”اریبہ لڑکی ہے مما! اس کے بائیک چلانے کو کوئی بھی پسند نہیں کر رہا۔“ اس نے زور دے کر کہا۔ یاسمین نے صرف سر جھٹکا، بولی کچھ نہیں۔ اس کا ذہن اس وقت کسی اور ہی بات میں الجھا تھا۔

”تم ڈیڈی سے میری سفارش کرو گی؟“ حماد نے اس سے پوچھا۔

”بالکل کروں گی۔ پرزور سفارش کروں گی، اب کھانا کھاؤ۔“ اس نے پھر حماد کی توجہ کھانے کی طرف دلائی اور خود بھی کھانے لگی۔

✲ ✲ ✲

شام میں رازی گھر لوٹا تو بہت چپ چپ سا تھا۔ ساجدہ بیگم کے پاس کچھ دیر بیٹھا پھر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور ثنا تو اسی ٹوہ میں رہتی تھی کہ کوئی بات ہو اور وہ بڑھا چڑھا کر ساجدہ بیگم کے سامنے بیان کر کے انہیں سوچنے پر مجبور کرے۔ کیونکہ اس کے دل میں بھی گرہ پڑ چکی تھی۔ جس طرح اریبہ توصیف احمد کی دوسری شادی کا الزام ساجدہ بیگم پر رکھ کر انہیں معاف کرنے پر تیار نہیں تھی اسی طرح ثنا اریبہ کے انگوٹھی واپس کرنے اور ساجدہ بیگم کے ساتھ بدتمیزی کی حد تک تلخ کلامی کرنے کی وجہ سے اس سے صرف متنفر ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف دل میں حد درجہ بغض رکھتی تھی اور وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ رازی کی شادی اریبہ سے ہو۔ لیکن ساجدہ بیگم کے سامنے اس کی ایک نہیں چلتی تھی۔ کتنی بار وہ ان سے ڈانٹ سن چکی تھی پھر بھی باز نہیں آتی تھی۔ اس وقت بھی اسے موقع ہاتھ آ گیا تھا۔

”کیوں آپ بھائی کی دشمن بنی ہوئی ہیں۔ دیکھ نہیں رہیں، کتنے مرجھا کر رہ گئے ہیں۔ ضرور اریبہ نے کچھ کہا ہو گا، جب ہی ان کا چہرہ اترا ہوا ہے۔“

”وہ اریبہ کی باتوں کا برا نہیں مانتا۔“ ساجدہ بیگم گو کہ خود متوحش بیٹھی تھیں لیکن ثنا کو سکون سے جواب دیا تھا۔

”برا نہ مانتے تو اس طرح منہ لٹکائے ہوئے آتے؟“ ثنا مزید سلگ کر بولی تھی۔

”آفس کا کوئی مسئلہ ہو گا۔ تم نے اپنے آپ کیسے سمجھ لیا کہ اریبہ نے ہی کچھ کہا ہو گا۔ ابھی اس نے تو اریبہ کا نام بھی نہیں لیا۔“ ساجدہ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”وہ نام لیں گے تب ہی آپ سمجھیں گی۔ ایسا نہیں ہے امی! آپ سب سمجھتی ہیں اور جان بوجھ کر بھائی کو وہاں نا رہی ہیں۔“ ثنا نے اب روٹھا لہجہ اختیار کیا پھر اسی انداز میں بڑبڑانے لگی۔ ”بے چارے رازی بھائی۔ اتنے برس پردیس میں اکیلے رہے اور یہاں آکر بھی اکیلے ہی ہیں۔“

”اکیلا کیوں ہے، ماشاء اللہ سب ہیں۔“ ساجدہ بیگم نے اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے ٹوکا۔

”سب میں وہ کہاں مل بیٹھتے ہیں۔ ابھی بھی دیکھیں اپنے کمرے میں بند پڑے ہیں۔“ ثنا ڈر ڈر کر ہی سہی بات بڑھائے چلی جا رہی تھی۔

”آخر ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے۔“ ساجدہ بیگم زچ ہو گئیں۔

”میں اپنے بھائی کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ میرے دل میں ان کے لیے کتنے ارمان ہیں۔ ان کی شادی کا ارمان۔ ان کے بچے کھلانے کا شوق اور میں بھابھی کے ناز نخرے بھی اٹھانا چاہتی ہوں اور یہ کوئی انوکھے ارمان نہیں ہیں ساری بہنوں کو یہی شوق ہوتا ہے۔“ وہ پھر روٹھے انداز میں بولتی چلی گئی۔

”تو پریشان کیوں ہوتی ہو اللہ تمہارے سارے شوق پورے کرے گا۔“ ساجدہ بیگم نرم پڑ گئیں۔

”پتا نہیں کب پورے کرے گا۔“ وہ سر جھٹک کر اٹھنے لگی تھی کہ بلال آ گیا اور ساجدہ بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

”امی میں امینہ پھوپھو کی طرف چلا گیا تھا۔ بہت سلام کہہ رہی تھیں آپ کو۔“

”وعلیکم سلام، کیسی ہے امینہ اور بچے۔“ ساجدہ بیگم پوری طرح بلال کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

”ٹھیک ہیں۔ رازی بھائی کی شادی کا پوچھ رہی تھیں کہ کب تک کرنے کا ارادہ ہے۔ بلال نے کہا تو ثنا کو پھر موقع مل گیا۔

”ایک امینہ پھوپھو کیا سب پوچھتے ہیں۔“

”سب کو یہ بھی پتا ہے کہ اریبہ ڈاکٹری پڑھ رہی ہے۔ جب پڑھ لے گی تو شادی بھی ہو جائے گی۔“ ساجدہ بیگم آرام سے بولی تھیں۔

”اور سب کو یہ بھی پتا ہے امی کہ اریبہ منگنی توڑ چکی ہے۔ اسی لیے تو سب پوچھتے ہیں۔“ ثنا کے اشارے پر بلال نے کہا تھا۔

”اریبہ نادان ہے۔ بڑوں میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہو گی۔ ان شاء اللہ اریبہ ہی اس گھر میں دلہن بن کر آئے گی۔ سب دیکھیں گے توصیف تو ابھی شادی کرنے کو کہہ رہے تھے میں نے ہی روک دیا کہ پہلے اریبہ پڑھ لے۔“ ساجدہ بیگم بہت ضبط سے بول رہی تھیں پھر بھی ان کی آواز سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔

”لیجیے خوامخواہ آپ نے بات آگے بڑھا دی اگر توصیف چچا شادی کا کہہ رہے تھے تو آپ کو فوراً ”ہاں“ بھر لینا چاہیے تھی قصہ ہی ختم ہو جاتا۔ سب کو جواب تو ہمیں ہی دینا پڑتا ہے ناں آپ سے تو کوئی کچھ نہیں کہتا۔“ بلال بھی موقع کھونے پر جھنجلا گیا تھا۔

”تم سے کیا کہا جاتا ہے بس شادی ہی کا پوچھتے ہیں ناں کہہ دیا کرو جب اللہ کو منظور ہو گا۔“ ساجدہ بیگم نے کہا پھر موضوع ختم کرنے کی غرض سے ثنا سے بولیں۔

”جاؤ رازی کو دیکھو۔ بلکہ کھانے کا پوچھو اس سے۔“

”پوچھنا کیا ہے لگا دیتی ہوں۔ بلال تم بلاؤ بھائی کو۔“ ثناء کہتے ہوئے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

نیند میں بے چین اور شاید پریشان بھی ہو رہا تھا۔ پھر اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تو اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا

محسوس ہوا۔ سانس بھی سینے میں اٹک رہی تھی۔ کتنی دیر وہ ساکت لیٹا نیم اندھیرے میں چھت کو گھورتا رہا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا بلکہ سمجھ کر ہی خائف تھا۔ بہت واضح خواب تھا۔ اس کی اماں زار و قطار رو رہی تھیں اور اس کا دامن پکڑ کر تاجور، تاجور کہے جا رہی تھیں۔ گویا منوں مٹی تلے سوئی اماں بھی تاجور کے لیے پریشان تھیں اور گو کہ وہ اس خواب کو بھی نہیں جھٹلا سکتا تھا لیکن اس سے آگے حقیقت سوچ کر ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ کہیں روز محشر اماں نے اس کا دامن پکڑ لیا تو۔

"میرے خدا!" اس کا پورا وجود پسینے میں بھیگ رہا تھا جبکہ زبان خشک اور حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ انتہائی بے بسی سے اس نے ادھر ادھر نظریں گھمائیں پھر بمشکل اٹھ کر کچن تک گیا۔ نل سے گلاس بھر کر پانی پیا پھر بالکونی میں نکل آیا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ پوری کائنات خاموشی کی دبیز چادر اوڑھے سو رہی تھی۔ اس کے چہرے کو چھو کر گزرتی ٹھنڈی ہوا بھی جیسے احتیاط کا دامن تھامے ہوئی تھی۔ لیکن اس کا ذہن کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھا بس ایک تاجور کا خیال کہ وہ اسے کیسے یہاں لے آئے اور لے بھی آئے تو کس کے پاس چھوڑے۔

اس سلسلے میں اس نے آفس میں ایک دو لوگوں سے ذکر کیا تھا کہ اسے کل وقتی بوڑھی ملازمہ کی ضرورت ہے اور جب بہن کا بھی بتایا تو سب نے الٹا اسے ہی سمجھایا تھا کہ کسی پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ پھر ایسے ایسے واقعات سنائے تھے کہ وہ خائف ہو گیا تھا۔ ملازمہ کا خیال تو چھوڑ دیا لیکن تاجور کے لیے اس کی فکریں کم نہیں ہوئی تھیں اور اب تو اماں نے بھی جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اسی وقت اُڑ کر بہن کے پاس پہنچ جائے جو جانے کس حال میں تھی کہ اماں کی روح بھی تڑپ گئی تھی۔

"کیا کروں؟" سوچ سوچ کر اس کا ذہن چٹخنے لگا تھا اور ادھر فجر کی اذانیں بھی شروع ہو گئیں۔ گیٹ پر اونگھتا چوکیدار اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا اٹھا تب وہ بھی اندر آگیا۔ پہلے دھیمی آنچ پر چائے کا پانی رکھا پھر وضو کر کے لاؤنج میں ہی جاء نماز بچھالی۔ نماز سے دل کو سکون ملا تھا پھر اس نے سورہ یاسین تلاوت کر کے اماں کی روح کو ثواب پہنچایا اس کے بعد چائے لے کر کمرے میں آیا تو خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ گو کہ ذہن پر ابھی بھی تاجور سوار تھی لیکن اب وہ سکون سے سوچ رہا تھا تب ہی اچانک ایک راستہ نظر آیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی چائے ختم کی پھر موبائل اٹھا کر ابا کو فون کر ڈالا۔

"السلام علیکم ابا!" ابا کی ہیلو کے جواب میں اس نے سلام کیا تو وہ جواب کے ساتھ پوچھنے لگے۔

"آج سویرے سویرے میں کیسے یاد آ گیا؟"

"ایک بات کہنا ہے ابا!" وہ ان کی بات ان سنی کر گیا۔

"ہاں بول۔" ابا کے نزدیک اس کی اور تاجور کی شاید کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

"وہ..... میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے فوراً کہہ دیا۔ ادھر ابا اچھل پڑے۔

"ہائیں شادی؟ کوئی لڑکی پھنسالی ہے کیا۔ پھر مجھ سے کیوں کہہ رہا ہے۔ جا کر لے۔"

"ایسے کیسے کر لوں۔" وہ جھنجلا گیا "اور یہاں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ شادی وہیں گاؤں میں کروں گا۔ آپ جا کر بات کریں۔"

"کس سے؟" ابا اب ڈھیلے پڑے تھے۔

"تاباں سے۔ میرا مطلب ہے تاباں کے ابا سے بات کریں اور ان سے یہ بھی کہہ دیجیے گا کہ مجھے جلدی شادی کرنا ہے۔" اس نے وضاحت کر کے جلدی پر زور دیا تھا۔

"پہلے بہن کا تو خیال کر، وہ بھی جوان ہو گئی ہے۔" ابا نے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"اس کا خیال ہے ابا! لیکن آپ نہیں سمجھیں گے۔ بس آپ سے جو کہا ہے وہ کریں، ٹھیک ہے ناں۔" اس نے ابا پھر باقی سب کی خیریت پوچھ کر فون بند کر دیا تھا۔

* * *

اجلال رازی کو اریبہ پر بہت غصہ آیا تھا۔ اس کا دل تو یہ چاہا تھا کہ اسی وقت اس کے پیچھے گھر تک جائے اور اس ے منہ پر اتنے طمانچے مارے کہ اس کا دماغ ٹھکانے آجائے لیکن بہت مشکل سے اس نے خود پر ضبط کیا تھا کیونکہ ادھر کچھ دنوں سے وہ مسلسل اس کے بارے میں سوچ رہا تھا بلکہ اس کا نفسیاتی تجزیہ بھی کر رہا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسے ہر ایک سے ضد ہو گئی ہے، خود تلملائی ہوئی ہے اور سب کو طیش دلانے کی خاطر الٹے سیدھے کام کر رہی ہے۔

ایسا کر کے نہ جانے خود اسے تسکین ملتی تھی یا وہ خود بھی بے چین رہتی تھی۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ اسے یاسمین کی حمایت حاصل ہے اور ظاہر ہے یاسمین اس کی ماں تھی۔ وہ یا کوئی بھی اس کے سامنے یاسمین کی کسی بات یا حمایت کو غلط قرار نہیں دے سکتا تھا اس لیے اس نے اریبہ کو طریقے سے اور محبت سے راضی کرنے کا سوچا اور بجائے اسے روکنے ٹوکنے کے پہلے اس کا ساتھ دے گا۔ یاسمین کی طرح ہی اس کی حمایت رے گا پھر جب وہ اس پر بھروسا کرنے لگے گی تب اسے سمجھانے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ ابھی تو وہ بات رنے کی روادار بھی نہیں تھی۔ سمجھنے سمجھانے کا مرحلہ تو بعد کا تھا۔ جو بہرحال اسے طے کرنا تھا۔ کیونکہ اس کا دل کسی طرح بھی اس کی محبت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ اریبہ لاکھ متنفر سہی اس کا دل ابھی بھی اس کے لیے دھڑکتا ہے۔ مزید جس بات کو وہ اپنے حق میں سمجھ رہا تھا، وہ اریبہ کی تعلیم تھی۔ نی یہ پہلے سے طے تھا کہ اریبہ کے میڈیکل کرنے کے بعد ہی اس کی شادی ہو گی۔ یوں بھی امریکہ سے لوٹتے وئے وہ یہ تصور لے کر نہیں آیا تھا کہ جاتے ہی اریبہ اس کی ہو جائے گی۔ اسے پتا تھا کہ ابھی اسے دو سال مزید

انتظار کرنا ہے۔ البتہ یہ اس نے نہیں سوچا تھا کہ آگے اسے کن امتحانوں سے گزرنا ہے۔ بہرحال اب وہ ہر امتحان کے لیے تیار تھا۔

اریبہ کے بائیک پر آنے پر اس کے اندر ابال اٹھنا فطری تھا۔ پھر دقتوں سے ہی سہی اس نے خود پر قابو پالیا تھا اور اس وقت اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”مجھے نہیں پتا تھا کہ تم بائیک چلانے میں ایکسپرٹ ہو۔“

”اب تو پتا چل گیا ناں۔“ وہ گردن اکڑا کر بولی تھی۔

”ہاں لیکن تم نے یہ ہنڈا کیوں لی؟“ وہ اس کے شوق میں دلچسپی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ فوراً بول پڑی۔

”مجھے یہی پسند ہے۔“

”اچھی ہے اور کتنا اچھا ہو جو ہمارے ملک میں بھی لڑکیوں کا بائیک چلانا عام ہو جائے۔“ اس نے کہا تو وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”کیا ہوا، کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟“ وہ اندر سے ٹھٹکا تھا۔

”نہیں لیکن دل سے نہیں کہا۔“ وہ سر جھٹک کر بولی تھی۔

”تمہارا دل رکھنے کی خاطر تو کہہ دیا ناں۔“ وہ قصداً ہنس کر بولا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے رازی! تم میری دل شکنی کرتے تب بھی مجھے فرق پڑنے والا نہیں تھا۔“ اس کی کدورتیں اتنی آسانی سے دھلنے والی نہیں تھیں۔ جانے دل میں کتنا میل لیے کھڑی تھی۔ وہ اگر خود پر پہرے نہ بٹھا چکا ہوتا تو فوراً کوئی سخت بات کہہ جاتا مگر اب بات بدل گیا۔

”سارہ نظر نہیں آ رہی؟“

”اندر ہے، وہیں چلے جاؤ۔“ وہ لاپروائی سے کہہ کر بائیک پر بیٹھ گئی۔

”تم بھی آؤ ناں، ساتھ چائے پئیں گے۔“ اس نے فوراً پیشکش کی کہ کہیں وہ بائیک اسٹارٹ نہ کر دے۔

”سوری! میں باہر جا رہی ہوں۔“ وہ بائیک اسٹارٹ کر کے گیٹ سے نکال لے گئی۔ رازی کو گو کہ اس کی طرف سے اسی رویے کی توقع تھی پھر بھی اسے مایوسی ہوئی تھی۔ کچھ دیر وہیں رک کر خود کو تسلی دیتا رہا کہ ابھی تو ابتدا ہے آگے جانے کیا کچھ ہونا، پھر اندر آیا تو سارہ لاؤنج میں بیٹھی نظر آئی۔

”ہیلو!“ اس کے متوجہ کرنے پر سارہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی، کچھ پریشان بھی ہو گئی تھی۔

”رازی بھائی آپ، آپ کب آئے؟“

”کیا بات ہے تم مجھے دیکھ کر پریشان کیوں ہو گئیں۔“ وہ اس کا سوال نظر انداز کر گیا۔

”نہیں تو، آپ بیٹھیں، چائے لاؤں آپ کے لیے۔“ سارہ کی بوکھلاہٹ اور پریشانی اس وجہ سے تھی کہ وہ اریبہ کی بائیک پر ناراض ہوگا اور وہ سمجھ ہی نہیں پایا۔

”چائے بھی پی لوں گا، جلدی کیا ہے، بیٹھو ابھی۔“ وہ کہتے ہوئے بیٹھ گیا پھر سارہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی بٹھا دیا اور ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”یاسمین آنٹی گھر پر نہیں ہیں کیا؟“

”ہیں، فون پر بات کر رہی ہیں۔ بلاؤں مما کو؟“ سارہ غالباً بھاگنا چاہ رہی تھی۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ تم کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہو۔“ رازی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

”آپ کو پتا تو ہے اور پلیز آپ مجھ سے کچھ مت کہیے گا۔ جو کہنا سننا ہو ڈائریکٹ اریبہ سے کہیں۔“ وہ جلدی ے کہہ گئی۔ رازی نے پہلے ذرا سے ہونٹ سکیڑے یوں جیسے اس کی پریشانی سمجھ گیا ہو پھر مسکرا کر بولا تھا۔

”اسی سے کہوں گا بلکہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کیا مطلب۔ یعنی آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ رہے ہیں۔“ سارہ نے مایوسی سے کہا۔

”شاید۔“ وہ چند لمحے کے لیے کھو سا گیا تھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”اصل میں ہمارے بندھن کی ڈور میں بہت تناؤ آگیا ہے۔ کسی ایک طرف سے بھی گرفت ڈھیلی نہ ہوئی تو ٹوٹنے کا اندیشہ ہے اور چونکہ میں نہیں توڑنا چاہتا۔ اس لیے ڈھیل مجھے ہی دینا ہوگی۔“

”رازی بھائی آپ بہت اچھے ہیں۔“ سارہ جذباتی ہو گئی تھی۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی بھی تیرنے لگی تھی۔ وہ افسردگی سے مسکرایا پھر اس کا ہاتھ تھپک کر بولا۔

”جاؤ، چائے لے آؤ۔“

* * *

جب سے ساجدہ بیگم نے توصیف احمد سے یہ کہا تھا کہ انہیں زیادہ وقت اریبہ اور سارہ کو دینا چاہیے اور ان کی خاطر اس گھر میں قیام بھی ضرور کرنا چاہیے تب سے وہ خود بھی سنجیدگی سے سوچنے لگے تھے اور ایک دو بار وہاں قیام کے ارادے سے گئے بھی تھے لیکن وہاں یاسمین نے گھنٹہ بھر انہیں برداشت نہیں کیا تھا۔ بنا کسی بات کے ایسا ہنگامہ کھڑا کیا کہ وہ رک ہی نہیں سکے اور اس وقت انہوں نے سوچا تھا کہ وہ آئندہ اتنی دیر کے لیے بھی نہیں آئیں گے لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ جب تک وہ اریبہ اور سارہ کے فرض سے سبکدوش نہ ہو جاتے انہیں اس گھر کی فکر کرنا تھی اور یاسمین کو بھی برداشت کرنا تھا۔

گو کہ یاسمین کو تین لفظ طلاق کے کہہ کر گھر سے نکال باہر کرنا ان کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا لیکن جس طرح اریبہ کو اس نے مٹھی میں کیا ہوا تھا اس سے وہ خائف تھے کہ طلاق کے بعد تو وہ مکمل طور پر اریبہ کو اپنے رنگ میں رنگ لے گی۔ اس لیے وہ کوئی انتہائی قدم اٹھانے کا صرف سوچ کر رہ جاتے تھے۔

بہرحال اس وقت وہ بہت سوچ کر آئے تھے اور یہ غنیمت تھا کہ یاسمین موجود نہیں تھی، کسی تقریب میں گئی ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے سارہ ہی بھاگ کر ان کے پاس آئی تھی اور بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا۔

”ڈیڈی! آپ بہت اچھے وقت پر آئے ہیں۔ میں نے ابھی کیک بنایا ہے۔ چاکلیٹ۔ آپ کو بہت پسند آئے گا۔“

”یقیناً۔ میری بیٹی اپنے ہاتھوں سے بنائے اور مجھے پسند نہ آئے، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔“ انہوں نے بہت پیار سے سارہ کا گال تھپک کر کہا۔

”بس بوا چائے بنا لیں پھر میں لے کر آتی ہوں۔“ سارہ ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

”اریبہ اور حماد کہاں ہیں؟“ انہوں نے پوچھا۔

”حماد اکیڈمی گیا ہے اور اریبہ، میں بلاتی ہوں اسے۔“ وہ فوراً کھڑی ہو گئی پھر جاتے جاتے پلٹ آئی اور دھیرے سے پوچھنے لگی۔ ”ڈیڈی! آپ ناراض تو نہیں ہیں؟“

”کیوں بیٹا آپ کو یہ خیال کیوں آیا۔“ انہوں نے قدرے حیرت سے دیکھا۔ سارہ کچھ ہچکچائی پھر ان کے قریب آ کر کہنے لگی۔

”وہ ڈیڈی! اریبہ نے بائیک لے لی ہے ناں۔ آپ پلیز ڈانٹیے گا نہیں۔ رازی بھائی نے بھی کچھ نہیں کہا۔“

”کہا اس سے جاتا ہے بیٹا جو سننے والا، سمجھنے والا ہو۔“ وہ افسوس سے بولے پھر سوچ میں پڑ گئے۔ ان کے چہرے

پر بے بسی نظر آنے لگی تھی۔ سارہ کا دل ڈوبنے لگا۔ اسے اپنے باپ پر بہت رحم آتا تھا۔ بھی یوں لگتا جیسے توصیف احمد اس کے باپ نہیں' وہ ان کی ماں ہو۔ اس کے اندر سے شفقتیں پھوٹنے لگتی تھیں۔

"ڈیڈی! آپ ڈس ہارٹ نہ ہوں بس چند دن کا شوق ہے۔" اس نے تسلی دی تب ہی اریبہ آگئی اور توصیف احمد کو دیکھ کر اسے پہلا خیال یہی آیا کہ وہ اسے بائیک لینے پر سخت سست کہنے آئے ہیں۔ اس لیے پہلے ہی نروٹھی بن گئی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" توصیف احمد نے پہلے جواب دیا پھر چونک کر اریبہ کو دیکھنے لگے۔ وہ فوراً" سارہ سے مخاطب ہو گئی۔

"سارہ' تم نے شاید کیک بنایا تھا۔"

"ہاں میں ابھی ڈیڈی کو یہی بتا رہی تھی۔"

"بتا چکی ہو تو لے آؤ تاکہ ڈیڈی بھی ٹیسٹ کرلیں۔" اریبہ نے خود کو صوفے پر گراتے ہوئے کہا پھر توصیف احمد کو دیکھ کر بولی۔ "آپ کو جانے کی جلدی ہوتی ہے نا ڈیڈی!"

"نہیں بیٹا مجھے جلدی نہیں ہوتی آپ کی مما کو میرا آنا اچھا نہیں لگتا۔" وہ بلا ارادہ کہہ گئے پھر پچھتائے بھی کیونکہ انہوں نے کبھی بچوں سے ان کی ماں کی شکایت نہیں کی تھی۔

"میں کیک لاتی ہوں۔" سارہ نے فوراً" کہا کہ کہیں اریبہ یاسمین کی طرف داری کرتے ہوئے کچھ کہہ نہ دے۔

"بیٹا! پہلے میں شاور لوں گا۔ اس کے بعد چائے وغیرہ۔" توصیف احمد اٹھ کھڑے ہوئے۔ اریبہ نے حیران ہو کر سارہ کو دیکھا' وہ خوش ہو گئی تھی۔

"ڈیڈی! میں آپ کا سوٹ نکال دیتی ہوں۔" سارہ بھاگی گئی۔ توصیف احمد اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔ کچھ دیر بعد سارہ واپس آکر شوق سے اریبہ کو بتانے لگی۔

"اریبہ! ڈیڈی آج یہیں رہیں گے بلکہ اب ہر ویک اینڈ پر وہ ہمارے پاس رہا کریں گے۔"

"واقعی...." اریبہ کو یقین نہیں آیا۔

"ہاں' ہم بھی خود انہوں نے کہا ہے۔ دیکھو تم کوئی ایسی بات مت کرنا جس سے وہ پریشان ہوں اور یہاں رہنے کا پروگرام کینسل کردیں۔" سارہ اس کے پاس بیٹھ کر منت سے بولی۔

"مثلاً"...." وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مثلاً" ـ مثلاً" مجھے نہیں پتا۔" سارہ جھنجلا گئی۔

"مجھے پتا ہے۔" وہ چڑانے والے انداز میں مسکرائی تو سارہ منہ پھلائے اٹھ کر چلی گئی۔

تقریباً" پندرہ منٹ بعد توصیف احمد فریش ہو کر آگئے اور خوشگوار ماحول میں بچوں کے ساتھ کیک کے ساتھ چائے پی۔ اس دوران حماد بھی اکیڈمی سے آگیا تھا۔ توصیف احمد خاصے دوستانہ انداز میں تینوں سے تعلیم کے ساتھ دوسری مصروفیات کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ پھر رات کا کھانا بھی کھا لیا گیا۔ اس کے بعد یاسمین آئی تھی اور توصیف احمد کو بالکل گھریلو انداز میں تینوں بچوں کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکی ضرور لیکن فوراً" ناگواری کا اظہار نہیں کرسکی اور پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"آپ کیسے آگئے!"

"او کے بیٹا! اس سے پہلے کہ آپ کی مما مجھے صبح کا بھولا کہنے لگیں گڈ نائٹ۔" توصیف احمد نے قصداً" یاسمین کی بات نظرانداز کردی اور ایسے ہی خوشگوار موڈ میں تینوں کو مخاطب کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"گڈ نائٹ ڈیڈی!" حماد پہلے چلا گیا۔ اریبہ نے چند لمحے رک کر یاسمین کو دیکھا کہ کہیں وہ توصیف احمد کی وجہ سے پریشان تو نہیں ہو رہی اور یاسمین پریشان تھی بھی تو شاید خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ اسے کیا کہنا چاہیے البتہ یہ اندازہ اسے ضرور ہو گیا تھا کہ اس وقت کوئی ردِ عمل ظاہر کرنے سے خود اس کی پوزیشن کمزور ہو جائے گی اس لیے اریبہ کے دیکھنے پر زبردستی مسکرائی تھی۔

"گڈ نائٹ مما۔" اریبہ نے جواباً" مسکرا کر کہا پھر سارہ کو چلنے کا اشارہ کرکے اس کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ توصیف احمد پہلے ہی کھڑے ہو چکے تھے۔ یاسمین کو بیٹھتے دیکھ کر بھی نہیں رکے اور بیڈ روم میں آگئے۔ اس وقت گھڑی کی سوئیاں گیارہ بجا رہی تھیں۔ توصیف احمد عموماً" اسی وقت سوتے تھے۔ ابھی بھی نیند آرہی تھی لیکن انہوں نے سگار سلگا لیا اور بیڈ کی پشت کے ساتھ تکیہ سیدھا کرکے آرام سے بیٹھ گئے گو کہ وہ یاسمین سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن یہ بھی جانتے تھے کہ یاسمین آرام سے آکر سو نہیں جائے گی۔ شور شرابانہ بھی کرے بھلی کٹی سنائے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ اس لیے وہ اس کے انتظار میں بیٹھ گئے تھے۔

یاسمین خاصی تاخیر سے کمرے میں آئی اور ان کی موجودگی کا یقین ہونے کے باوجود تعجب سے پوچھنے لگی۔

"آپ کا یہیں سونے کا ارادہ ہے کیا۔"

"ہوں....!" ان کا انداز بے حد سرسری تھا' جیسے یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ یاسمین نے مزید کچھ نہیں کہا غالباً" کچھ سوچ کر آئی تھی۔ خاموشی سے ڈریسنگ روم میں چلی گئی اور پانچ منٹ میں چینج کرکے واپس آگئی۔ توصیف احمد اس کی طرف دیکھ نہیں رہے تھے' پھر بھی اس کی ایک ایک حرکت محسوس ہو رہی تھی۔ یاسمین نے الماری کھولی بند کی' واش روم گئی' واپس آئی پھر اپنا تکیہ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔ توصیف احمد اس خیال سے پریشان ہو گئے کہ صبح بچے کیا سوچیں گے کہ انہوں نے یاسمین کو کمرے میں نہیں آنے دیا' بے دخل کردیا ہے۔

"یہ عورت کبھی مجھے اولاد کے سامنے سرخرو نہیں ہونے دے گی۔"

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں، سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی، خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ یاسمین اس پر اپنے جیٹھ، جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہوئی ہے، جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلا تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوگئی اور اس نے اجلال سے منگنی توڑ دی۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آیا تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلا۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اجلال رازی اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے' مگر وہ خاصی رکھائی سے پیش آتی ہے' تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خود سر ہوتی جا رہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ توصیف احمد کو اریبہ کے منگنی توڑ دینے کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ وہ ساجدہ بیگم سے بات کرتے ہیں تو وہ انہیں کچھ دن یاسمین کے گھر میں رہنے کا مشورہ دیتی ہیں۔ سارہ کا کزن عمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

۴

چوتھی قسط

توصیف احمد صبح معمول کے مطابق اٹھ گئے تھے۔ انہیں بیڈ ٹی کی عادت تھی اور خالدہ تو یہ فریضہ خوش اسلوبی سے انجام دیتی تھیں لیکن یاسمین سے یہ توقع رکھی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ وہ تو پہلے جب وہ یہاں رہتے تھے تب بھی اکثر ان کے آفس جانے کے بعد ہی اٹھتی تھی۔ اس لیے وہ پہلے کی طرح اٹھ کر سیدھے کچن میں آ گئے۔

وہاں بوا حسب سابق نماز کے بعد تسبیح میں مصروف تھیں انہیں دیکھتے ہی اٹھنے لگیں تو وہ ہاتھ سے بیٹھے رہنے کا اشارا کرتے ہوئے پلٹ آئے اور پہلے حماد کے کمرے میں جھانک کر دیکھا پھر ڈرائنگ روم کا پردہ ہٹایا تو یاسمین صوفے پر سوئی نظر آئی۔ انہوں نے سوچا بچوں کے اٹھنے سے پہلے اسے اٹھا دیں لیکن پھر وہ سر جھٹک کر لان میں نکل آئے۔

ان کی طبیعت مکدر ہو رہی تھی۔ صبح کی دلکشی نے بھی ان کے ذہن اور احساسات پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈالا۔ وہ عجیب سا محسوس کر رہے تھے اور اجنبی بھی' حالانکہ اس گھر سے گئے ہوئے انہیں کوئی بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا بس ایک سال۔ اس سے پہلے تو وہ بزنس ٹور کے بہانے ہی خالدہ کے پاس رکتے تھے۔ مستقل قیام تو یہیں تھا اور اس وقت بھی ان کی یہی روٹین تھی۔ بیڈ ٹی کے بعد لان میں نکل آتے تھے۔ لیکن یوں خود کو اکیلا محسوس نہیں کرتے تھے' جیسے اب کر رہے تھے۔

ان کا دل چاہا اسی وقت اپنے گھر کی راہ لیں اور دوبارہ کبھی یہاں قیام کا سوچیں بھی نہ' لیکن پھر اریبہ اور سارہ کا خیال کر کے انہیں خود کو پابند کرنا پڑا۔

بوا ان کے لیے چائے لے کر آئیں تو ناشتے کا بھی پوچھنے لگیں۔

"ناشتا بچوں کے ساتھ کروں گا۔" انہوں نے کہہ کر اخبار اٹھا لیا۔ بوا واپس چلی گئیں۔

وہ چائے پینے کے ساتھ شہہ سرخیوں پر بھی نظریں دوڑانے لگے اور ابھی ان کی چائے ختم نہیں ہوئی تھی کہ یاسمین دندناتی ہوئی ان کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔

"میں پوچھتی ہوں توصیف احمد آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"تم سے؟ تمہارا مطلب ہے تم سے کیا چاہتا ہوں؟" انہوں نے پیشانی پر بل ڈال کر یاسمین کے تلملائے ہوئے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے وضاحت چاہی۔

"مجھ سے تو خیر تمہیں کچھ ملنے والا نہیں۔ میں تمہارے یہاں قیام کا مقصد پوچھ رہی ہوں۔" یاسمین مزید چیخ کر بولی تھی۔

"میری اولاد۔ میں اپنے بچوں کے لیے یہاں رہنے پر مجبور ہوں بلکہ یہ کہوں گا کہ تمہیں یہاں برداشت کرنے پر مجبور ہوں اور تم الٹا مجھ سے یہاں آنے اور قیام کرنے کا مقصد پوچھتی ہو۔ آخر تم کس خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ کس زعم میں ہو؟"

وہ بہت ضبط سے بول رہے تھے پھر بھی ان کی آواز سے غصہ جھلک رہا تھا۔

"میرا زعم میرے بچے ہیں توصیف احمد! جنہیں تم کبھی میرے خلاف نہیں ورغلا سکتے۔" یاسمین نے گردن اکڑا کر کہا تھا۔

"او۔۔۔" توصیف احمد کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ مچلی تھی۔ "تو تمہیں یہ خوف ہے کہ میں بچوں کو تمہارے خلاف ورغلا دوں گا۔"

"کوشش کر دیکھو' اپنا یہ شوق بھی پورا کر لو لیکن تمہیں کبھی کامیابی نہیں ہوگی' کبھی نہیں۔"

یاسمین اندر سے خائف ہو گئی تھی اور خفت چھپانے کو ہی جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی۔

توصیف احمد اس کی اندرونی کیفیت بہت اچھی طرح سمجھ رہے تھے لیکن جتانے کے بجائے تحمل سے بولے۔

"بیٹھ جاؤ یاسمین! آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو۔"

یاسمین بظاہر جارحانہ انداز میں کرسی کھینچ کر بیٹھی تھی ورنہ درحقیقت یہ اس کی مجبوری تھی۔

"کیا سنانا چاہتے ہو تم مجھے؟"

"دیکھو' تم نہ تو میری کمزوری ہو نہ مجبوری' مجھے صرف اپنے بچوں کا خیال ہے خصوصاً" اریبہ اور سارہ جن سے میں غفلت نہیں برت سکتا۔ اگر تم اچھی ماں ہوتیں تب تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں تمہاری خواہش کے مطابق ہیشہ کے لیے تم سے دور ہو جاتا لیکن تمہارا رنگ ڈھنگ تمہارا چلن ابھی بھی وہی ہے۔ تم بچوں کی خاطر بھی خود کو بدلنے پر تیار نہیں ہو' تمہاری ہر شام گھر سے باہر گزرتی ہے۔ تمہارے پیچھے یہاں کیا ہوتا ہے کیا نہیں' کبھی سوچا؟"

توصیف احمد ذرا دیر کو سانس لینے رکے تھے کہ یاسمین لہجے میں حد درجہ تاسف سمو کر بولی۔

"تم اپنی بیٹیوں سے بھی بدگمان ہو رہے ہو' بھروسا نہیں ہے تمہیں ان پر' مائی گاڈ اریبہ اور سارہ کو پتا چلے تو۔"

توصیف احمد بری طرح چکرا گئے۔ انہیں ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ وہ بات کا رخ یوں موڑ دے گی اور ابھی سنبھلے نہیں تھے کہ وہ کہنے لگی۔

"اریبہ اور سارہ دونوں ماشاء اللہ بہت سمجھ دار ہیں۔ زمانے کی اونچ نیچ سمجھتی ہیں۔ کیا اچھا ہے کیا برا اس کا ادراک ہے انہیں۔ مجھے ان کی رکھوالی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے ان پر پورا بھروسا ہے۔"

"تمہارا بھروسا غلط نہیں ہے۔" توصیف احمد دبے لہجے میں چیخے تھے۔

"پھر۔۔۔؟" یاسمین نے سلگتے لہجے میں ٹوکا۔

"پھر یہ کہ تم اپنی فکر کرو۔ اگر اولاد کا تم پر سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر تم کہیں کی نہیں رہو گی۔" توصیف احمد سخت لہجے میں کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی تلملا کر اٹھی تھی۔

"اولاد کا اعتماد تم کھو چکے ہو۔۔۔ تم۔۔۔ اور تمہارے اندر اسی بات کا غصہ ہے کہ میرا مقام کیوں برقرار ہے۔ بچے تم سے زیادہ مجھے کیوں اہمیت دیتے ہیں۔ اور اپنی اہمیت تم نے خود کھوئی ہے۔ اس کا بدلہ مجھ سے مت لو۔ چھوڑ دو مجھے اور میرے بچوں کو ہمارے حال پر۔"

"تمہیں چھوڑ سکتا ہوں بچوں کو نہیں۔" انہوں نے پھر سخت انداز میں باور کرایا اور اندر کی طرف بڑھ گئے۔ کمرے میں آ کر انہوں نے پہلے سگار سلگایا پھر سیل فون اٹھا کر گھر کا نمبر ملایا۔

* * *

”امی! میں سوچ رہا ہوں بلال کو ایم بی اے کے لیے باہر بھیج دوں۔“

رازی ناشتے کے بعد ساجدہ بیگم کے ساتھ ان کے کمرے میں آیا تھا اور ادھر کچھ دنوں سے وہ بلال کے لیے جو سوچ رہا تھا وہ ساجدہ بیگم کے سامنے بیان کیا تو وہ فوراً“ کچھ نہیں بولیں۔ خاموشی سے اسے دیکھے گئیں۔

”دو سال کی بات ہے کیریئر بن جائے گا اس کا میرا خیال ہے اسے شوق بھی ہے۔ آپ کیا کہتی ہیں؟“ آخر میں وہ سوالیہ نشان بن گیا۔

”میں تو یہ سوچ رہی تھی بیٹا! کہ اسے اب تمہارے ساتھ کام میں لگنا چاہیے۔ دو سال باہر رہ کر آئے گا تب بھی تو تمہارے ساتھ لگے گا۔“ ساجدہ بیگم نے اپنی سمجھ کے مطابق کہا تھا۔

”بے شک میرے ساتھ لگے گا لیکن امی! اس کے اندر اپنی ذاتی حیثیت بنانے کی خواہش بھی تو ہو گی۔ ہمیشہ میرے اشاروں پر تو نہیں چلنا چاہے گا اور اس کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے۔ پھر ابھی وقت بھی ہے۔ میرا مطلب ہے ابھی تو آپ اس کی شادی کا نہیں سوچ رہیں ناں؟“

”لو پہلے تمہاری تو ہو۔“ ساجدہ بیگم فوراً“ بولی تھیں۔

”یہی میں کہنا چاہ رہا ہوں کہ ابھی تو میری شادی میں بھی کافی وقت ہے۔ پھر کیوں نہ اس وقت میں ہم بلال کو اسٹیبلش کریں۔“ اس کی بات معقول تھی۔ ساجدہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔ تب ہی ثنا اندر آتے ہوئے بولی۔

”دیکھیں امی! کون آیا ہے۔“ ساجدہ بیگم کے ساتھ رازی بھی متوجہ ہوا تھا۔ ثنا کے پیچھے خالدہ دونوں بچوں کے ساتھ آرہی تھیں۔

”آہا‘ خالدہ آنٹی۔ السلام علیکم!“ رازی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”وعلیکم السلام!“ خالدہ نے اسے جواب دیا پھر ساجدہ بیگم کے گلے لگ گئیں۔

”کیسی ہو؟ توصیف بھی آئے ہیں؟“ ساجدہ بیگم بہن کے آنے پر خوش ہو گئی تھیں۔

”نہیں‘ شام میں آئیں گے۔“ انہوں نے رسان سے کہا۔

خالدہ کے جواب پر وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

”کیا... توصیف چچا آج چھٹی کے دن بھی آفس گئے ہیں؟“

”نہیں‘ وہ اصل میں کل سے وہاں گئے ہوئے ہیں‘ اپنے گھر۔“ خالدہ نے سیدھے سادے انداز میں بتایا پھر بھی ساجدہ بیگم نظریں چرا گئیں کیونکہ توصیف احمد کو یہ مشورہ انہوں نے ہی دیا تھا۔ گوکہ یہ مشورہ انہوں نے غیر جانبداری سے سوچ کر نیک نیتی سے دیا تھا پھر بھی خالدہ کے سامنے انجان بننا پڑا۔

”آپ نے جانے دیا خالدہ آنٹی؟“ ثنا کو یہ بات ہضم نہیں ہوئی تھی۔

”ثنا... ساجدہ بیگم نے جہاں فوراً“ ٹوکا وہاں رازی نے بھی ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

”میں نے تو یونہی پوچھ لیا۔“ ثنا بد تمیزی سے کہتے ہوئے چلی گئی... رازی نے ٹھٹک کر اسے دیکھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ اس طرح تو بات نہیں کرتی تھی۔ پھر بمشکل اس نے ثنا کی طرف سے دھیان ہٹایا اور خالدہ سے کہنے لگا۔

”خالدہ آنٹی! میں آج آپ کی طرف آنے کا سوچ ہی رہا تھا۔“

”ہاں بس سوچتے ہی رہا کرو۔ حالانکہ ابھی آرام سے آسکتے ہو۔ شادی کے بعد تو پتا نہیں اریبہ آنے دے گی کہ نہیں۔“ خالدہ شاکی ہو کر بولیں۔

”وہ کیوں منع کرے گی۔ اس کے تو ڈیڈی کا گھر ہے۔“ وہ بے اختیار کہہ گیا پھر فوراً“ سنبھل کر وضاحت بھی

کرنے لگا۔ ”میرا مطلب ہے آپ کا گھر بھی تو اس کا میکہ ہو گا ناں اور میکے تو لڑکیاں شوق سے جاتی ہیں۔“

”ہاں‘ لیکن اریبہ کے شوق کچھ الگ ہی ہیں۔“ خالدہ نے جتایا نہیں تھا نہ ہی ان کے اندر اریبہ کے لیے کوئی ناراضگی یا شکایت تھی بس جو انہوں نے دیکھا‘ محسوس کیا‘ کہہ دیا۔

”اس عمر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ نئے نئے شوق چراتے ہیں۔ پھر وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ طبیعت میں ٹھہراؤ آجاتا ہے۔“ ساجدہ بیگم نے ایک طرح سے اریبہ کا دفاع کیا تھا۔

”جی آپا بیگم!“ خالدہ نے تائید میں اسی قدر کہا پھر اپنے میکے کا ذکر چھیڑ دیا تو ساجدہ بیگم بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئیں۔

رازی کے لیے خالص گھریلو باتوں میں کوئی کشش نہیں تھی اس لیے وہاں سے اٹھ آیا اور اپنے کمرے میں جانے لگا تھا کہ لاؤنج میں ثنا کو بیٹھے دیکھ کر اس کے پاس آگیا۔

”آج دوپہر کے کھانے کا کیا پروگرام ہے؟ میرا مطلب ہے کوئی اچھی سی ڈش بنا دو۔“ اس نے محض ثنا کا موڈ جانچنے کی غرض سے بات کی تھی۔

”خالدہ آنٹی کی وجہ سے کہہ رہے ہیں یا خاص آپ کے لیے۔“ ثنا نے روٹھے انداز میں پوچھا۔ کوئی مشکل سوال نہیں تھا پھر بھی وہ سمجھ نہیں پایا کیا کہے‘ پھر اس کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

”ایک بات بتاؤ! تمہارا موڈ کیوں آف ہے؟“

”چھوڑیں بھائی! آپ کو کیا پروا۔ میرا موڈ کیسا بھی ہو۔ اور صرف موڈ ہی نہیں۔ میں بھی جیوں مروں کسی کو کیا۔“ ثنا کے اندر حد درجہ ناراضی بھری ہوئی تھی۔ وہ حیران رہ گیا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو ایسا کیسے سوچ لیا تم نے۔ کیسے پروا نہیں ہے تمہاری۔“

ہاں! نہیں ہے‘ سب کو صرف توصیف چچا اور ان کے گھر والوں کی پروا ہے۔ امی ہیں تو ہر وقت ان کی فکر میں رہتی ہیں اور آپ... آپ کو بھی سوائے ان کے اور کوئی نہیں سوجھتا...“ ثنا جیسے پھٹ پڑی تھی۔

”میں کچھ کہہ دوں تو فوراً“ ڈانٹ پڑ جاتی ہے۔ ابھی بتایئے میں نے ایسا کیا کہہ دیا تھا جو امی اور آپ بھی مجھے گھورنے لگے۔“

”اب میں کیا کہوں۔“ وہ پریشان ہو گیا تھا۔

”کچھ نہ کہیں۔“ ثنا ایک دم اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اس کے پیچھے دیکھتا رہ گیا تھا۔

* * *

”تاج‘ روٹی لے آ۔“ ابا نے گھر میں داخل ہوتے ہی تاجور کو پکارا اور نل پر ہاتھ منہ دھو کر برآمدے میں بچھی چارپائی پر آبیٹھے تھے۔ تاجور نے فوراً“ روٹی سالن لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

”تیری خالہ کہاں ہے؟“ ابا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”پڑوس میں گئی ہے تاباں کے گھر۔“ تاجور بتاتے ہوئے قدرے مشتاق ہو گئی تھی۔

”اچھا... اچھا۔“ ابا نے کھانا شروع کر دیا‘ پھر بھی تاجور ذرا ہمت کر کے پوچھنے لگی۔

”ابا... بھائی کی شادی ہو رہی ہے؟“

”مت ماری گئی ہے اس کی بیٹھے بٹھائے شادی کا شوشہ چھوڑ دیا‘ حیا نہیں ہے بے حیا کو گھر میں جوان بہن بیٹھی ہے‘ اسے اپنی شادی کی پڑی ہے۔“

ابا نوالہ چباتے ہوئے بولے چلے جا رہے تھے۔ تاجور کی ساری خوشی کافور ہو گئی۔ یعنی ان کو بیٹے کی شادی کی

خوشی نہیں ہے۔ وہ اگر لاڈلی بیٹی ہوتی تو ابا کو ٹوکتی‘ لیکن اب پریشان کھڑی تھی۔

”باقی سارے سوتیلے ہیں‘ پر تو تو سگی ہے اس کی۔ ایسے تو بڑا بولتا ہے‘ تاج کمزور ہو گئی ہے‘ اس کا خیال کرو۔ سارا کچھ میں کروں‘ اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ کمانے والا ہو گیا ہے۔ حرام ہے جو ایک پیسہ میرے ہاتھ پہ رکھا ہو۔ شکر ہے میں محتاج نہیں ہوں اس کا‘ پر اس کا تو فرض بنتا ہے۔“

ابا نوالوں کے ساتھ جیسے انگارے چبا رہے تھے۔ تاجور چور سی بنی کھڑی تھی جیسے سارا قصور اس کا ہو۔ تب ہی اماں آ گئیں اور ابا کے سامنے بیٹھتے ہی پہلے اس سے بولیں۔

”تو یہاں کھڑی کیا کر رہی ہے‘ جا رات کی ہانڈی روٹی دیکھ‘ اور پہلے کپڑے لپیٹ کے رکھ۔“

”یہ برتن بھی لے جا۔“ ابا اپنے کندھے سے رومال کھینچ کر ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولے۔ تاجور ان کے سامنے سے برتن اٹھا کر چلی گئی تو وہ فوراً بیوی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”ہاں! کیا کہتا ہے تاباں کا باپ؟“

”کیا کہتا۔ خوش ہو گیا تھا۔“ اماں نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ ابا فخریہ بول پڑے۔

”خوش کیوں نہیں ہو گا۔ شمشیر جتنا پڑھا لکھا سارے پنڈ میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے‘ پر وہ اپنی لڑکی نہیں دے رہا‘ کہتا ہے بدلے میں شادی کروں گا۔“ انہوں نے بتایا تو وہ فوری طور پر سمجھے نہیں۔ حیرت سے پوچھنے لگے۔

”بدلے میں اس کا کون سا لڑکا ہے‘ جس کے ساتھ ادلے بدلے میں لڑکی بیاہے گا؟“

”تم کورے کے کورے رہے شمشیر کے ابا‘ وہ لڑکے کی نہیں اپنی بات کر رہا تھا‘ کہہ رہا تھا تاباں کو بیاہ دوں گا تو پھر مجھے روٹی پانی کون پوچھے گا‘ اس کی برادری والوں کا بھی یہی مشورہ ہے کہ وہ پہلے گھر میں بیوی لے آئے پھر تاباں کو رخصت کرے۔“

اماں تفصیل سے بتا کر منہ ہی منہ میں جانے کیا بڑبڑانے لگیں۔ ابا یہی سمجھے تاباں کے باپ کو ملامت کر رہی ہیں۔ جب ہی خاموش بیٹھے رہے۔

”سنو! اپنی تاجور بھی تو بڑی ہو گئی ہے۔“ کچھ رک کر اماں نے آواز دبا کر کہا تو ابا یکدم ہتھے سے اکھڑ گئے۔

”مت ماری گئی ہے تیری‘ تاجور اس کی بیٹی سے بھی چھوٹی ہے۔ بڈھے سے بیاہ دوں اسے۔“

”خیر اتنا بڈھا بھی نہیں ہے‘ کام کاج والا آدمی ہے‘ پھر گھر میں دوسرے بکھیڑے بھی نہیں ہیں۔ ایک تاباں‘ اسے بھی بیاہ دے گا تو پھر راج کرے گی تاجور۔“ اماں طریقے سے روشن پہلو سمجھانے لگیں تو ابا ڈھیلے پڑ گئے۔

”بات تو تیری ٹھیک ہے پر۔“

”پر کیا؟“

”دیکھو شمشیر کیا کہتا ہے‘ اس سے مشورہ کروں گا پھر فیصلہ ہو گا۔“ ابا کا پر سوچ انداز اماں کو کھل رہا تھا۔

”تو کہیں ہاں تو نہیں کر آئی؟“ ابا اچانک ٹھٹکے تھے۔

”لو میری کیا مجال ہے‘ جو میں اپنی مرضی سے ہاں کر آتی۔ تم جانو تمہاری اولاد۔ اب جو کہنا سننا ہو خود چلے جانا‘ مجھے اور برا نہیں بننا‘ ویسے ہی سوتیلی ہوں۔“ اماں غصے سے بولتے ہوئے اٹھ کر چلی گئیں۔

* * *

شام اتر رہی تھی۔ اس نے پردے سمیٹ کر کھڑکیاں کھول دیں‘ پھر کچھ سوچ کر وارڈ روب کی طرف بڑھی تھی کہ یاسمین کے آنے پر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”آیئے مما!“

”سارہ چلی گئی؟“ یاسمین نے انجان بن کر پوچھا ورنہ توصیف احمد کے ساتھ جاتے ہوئے سارہ باقاعدہ اس سے کہہ کر گئی تھی۔

”جی‘ ڈیڈی مجھ سے بھی بہت اصرار کر رہے تھے۔ لیکن آپ نے منع کر دیا تو۔“ اریبہ بات ادھوری چھوڑ کر یوں مسکرائی جیسے وہ یاسمین کی بات ٹال ہی نہیں سکتی۔

”ہاں بیٹا! میں اصل میں تمہارے ڈیڈی کا ارادہ بھانپ گئی تھی اس لیے میں نے ان کے ساتھ جانے سے منع کیا۔“ یاسمین کہتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”ڈیڈی کا ارادہ؟“ اس نے نا سمجھی کے عالم میں یاسمین کو دیکھا پھر اس کے سامنے آ بیٹھی۔ ”کیا ارادہ تھا ڈیڈی کا؟“

”بیٹا! صاف لفظوں میں تو انہوں نے نہیں بتایا تھا‘ پھر بھی میں سمجھ گئی کہ آؤٹنگ کے بہانے وہ تمہیں ساجدہ بیگم کے پاس لے جاتے پھر تمہیں ان سے معافی مانگنے کو کہتے اور منگنی قائم رکھنے کی بات کرتے۔“ یاسمین قصداً سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

”اوہ تو ڈیڈی اس لیے یہاں آئے ہیں۔“ ماں کی بات سمجھ کر اس کی ساری محبت جھاگ کی طرح بیٹھ گئی‘ پھر تاسف سے کہنے لگی۔ ”میں سمجھی شاید احساس جاگا ہے‘ منصف بن گئے ہیں۔ دونوں گھروں میں برابر وقت دے کر سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو‘ میں سمجھنے میں غلطی کر رہی ہوں۔“ یاسمین نے کن اکھیوں سے اسے دیکھ کر کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

”ویسے بیٹا! مجھے بہت افسوس ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے جب میں رازی کو دیکھتی ہوں۔ ماشاء اللہ اچھا لڑکا ہے۔ پڑھا لکھا‘ سلجھا ہوا‘ اگر مجھے یہ یقین مل جائے کہ ساجدہ بیگم تمہارے ساتھ وہ کچھ نہیں کریں گی جو میرے ساتھ کیا تو میں خود جا کر ان سے معافی مانگ لوں۔“

”کس بات کی معافی‘ آپ نے کیا کیا ہے؟“ وہ یکدم تیز ہو کر بولی تھی۔

”کچھ نہیں کیا پھر بھی تمہاری خاطر‘ تمہاری خاطر تو میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔“ یاسمین یونہی کمال ہوشیاری سے اس پر گرفت کرتی تھی۔

”نہیں‘ آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ سختی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ یاسمین کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر وہ پوچھنے لگی۔

”تمہاری کلاسز کب شروع ہو رہی ہیں؟“

”ہونے والی ہیں۔“ اس کا ذہن اس سے پہلے والی باتوں میں الجھا ہوا تھا اس لیے بے دھیانی میں جواب دیا پھر خود کلامی کرنے لگی۔

”مجھے ڈیڈی پر حیرت ہو رہی ہے۔ ابھی تک تائی امی کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ کم از کم اپنی اولاد کے معاملے میں تو انہیں تائی امی پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔“

”قصور تمہارے ڈیڈی کا نہیں ہے بیٹا! وہ عورت بہت چالاک ہے۔“ یاسمین نے فوراً اسے ساجدہ بیگم کے خلاف اکسایا۔

”مجھے ایک بار ان کے پاس جانا پڑے گا‘ اور اب اچھی طرح سمجھا آؤں گی کہ آئندہ اگر اپنے بیٹے کے ساتھ میرا

نام لیا تو۔۔۔" وہ انتہائی غصے میں بول رہی تھی۔ یاسمین ایک دم کھڑی ہوگئی۔

"بس بیٹا! تم خود کو ہلکان نہ کرو۔ چلو آؤ کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"میرا موڈ نہیں ہے آپ چلی جائیں۔" اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"ارے نہیں میں تو تمہاری وجہ سے کہہ رہی تھی۔ دھیان بٹاؤ' فریش ہوجاؤ۔ اچھا یہ بتاؤ رات کے کھانے میں کیا کھاؤ گی؟ میں خود تمہارے لیے اچھی سی ڈش بناتی ہوں؟" یاسمین اسے بہلانے لگی۔ وہ ہنس پڑی پھر قریب آکر یاسمین کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"آپ بہت سویٹ ہیں مما! آئی لو یو۔" یاسمین نے مسکرا کر اس کا گال تھپکا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

اور وہ ادھر ادھر نظریں دوڑا کر سوچنے لگی کہ وہ کیا کام کرنے جارہی تھی' یاد نہیں آیا تو سر جھٹک کر اپنی کتابوں کا ریک سیٹ کرنے لگی۔ اس کام میں کافی حد تک اس کا دھیان بٹ گیا تھا' یوں بھی پڑھائی کے معاملے میں وہ بہت سنجیدہ تھی۔ جو ٹائم ٹیبل بنالیتی اس پر سختی سے عمل کرتی تھی۔ ابھی بھی نئی کلاسز کا آغاز ہونے والا تھا اس لیے اس نے اپنی اسٹڈی کے اوقات مقرر کیے پھر نئی کتابوں کا جائزہ لیتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

دس بج گئے تھے جب سارہ کمرے میں آئی تھی۔ اپنی دھن میں مگن اس کے سامنے بیڈ پر دھم سے بیٹھی تو وہ کتاب سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی' لیکن اس کا ذہن سارہ کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"کیا ہوا؟" سارہ نے اس کی غائب دماغی محسوس کرکے ٹوکا تب وہ چونکی اور کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

"گھوم آئیں؟"

"ہاں سچ بہت مزا آیا' تم بھی چلتیں نا' ڈیڈی بھی بہت مس کررہے تھے تمہیں' اور پتا ہے جہاں بھی گئے سب نے تمہارا پوچھا۔" سارہ پوری روداد سنانے کو بے چین ہوگئی۔

"کہاں کہاں گئے؟" اس کی تمام حسیات آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں۔

"سب سے پہلے پھپھو کے گھر گئے۔ وہاں گھنٹہ بھر بیٹھے۔ بہت خوش ہوئیں امینہ پھوپھو اور آنے ہی نہیں دے رہی تھیں۔" سارہ تفصیل سے بتانا شروع ہوئی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔

"اگر تم مختصراً" بتادو تو مہربانی ہوگی۔"

"بہت بور ہو تم۔" سارہ نے برا سا منہ بنایا' پھر روانی سے بولنے لگی۔ "امینہ پھوپھو کے بعد تائی امی کے پاس گئے' وہاں خالدہ آنٹی موجود تھیں۔ ہما اور فہد بھی تھے۔ انہیں ساتھ لے کر ڈیڈی ہمیں پی ایف میوزیم لے گئے۔ پھر ابھی مجھے یہاں چھوڑ کر ڈیڈی لوگ چلے گئے۔"

"ہاہا۔۔۔" اس نے تاسف بھری لمبی آہ کھینچ کر بیڈ کراؤن پر سر رکھ لیا یعنی یاسمین کی بات سچ تھی۔

"اس کا کیا مطلب ہے؟" سارہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"اچھا ہوا نا میں نہیں گئی۔"

"کیوں؟"

"خوامخواہ بدمزگی ہوتی۔" وہ بات کو طول نہیں دینا چاہتی تھی' جب ہی سر جھٹکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی پھر بالوں کو سمیٹ کر ہیر بینڈ میں قید کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کھانا کھایا تم نے؟"

"کھانا تو نہیں دوسری بہت چیزیں کھالیں۔ اب کھانے کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔" سارہ نے پیروں سے

ینڈل اتارتے ہوئے بتایا' پھر کھڑی ہوئی تو مسکرا کر بولی۔

"رازی بھائی تمہارا پوچھ رہے تھے۔ سلام بھی کہا ہے انہوں نے۔"

"کھانا کھانا ہو تو آجاؤ۔" وہ سارہ کی بات یکسر نظرانداز کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھی۔

* * *

اماں تھوڑی دیر کا کہہ کر گئی تھیں اور گھنٹہ بھر سے اوپر ہوگیا تھا۔ ابھی تک نہیں لوٹی تھیں۔ ان کے پیچھے سال بھر کی گڈی رو' رو کر ہلکان ہورہی تھی۔ تاجور نے اسے چپ کرانے کے کتنے جتن کرڈالے' پھر اسے کندھے سے اکا کر ٹہلتے ٹہلتے اس کی ٹانگیں شل ہوگئی تھیں۔ تب کہیں جاکر گڈی سوئی تھی۔ مسلسل رونے کے باعث نیند یں بھی معصوم بچی ہچکیاں لے رہی تھی۔ تاجور کو اس پر ترس آرہا تھا اور اماں پر افسوس جو اتنی سی بچی کو چھوڑ کر جانے کس کے گھر جابیٹھی تھیں۔

تاجور کا گڈی کے پاس سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا' لیکن تاباں کے آنے پر وہ جلدی سے برآمدے میں آگئی' کیونکہ تاباں پکارتی ہوئی آرہی تھی اور اس ڈر سے کہ کہیں گڈی اٹھ نہ جائے۔ اس نے تاباں کو برآمدے ی میں روک لیا۔

"چاچی نہیں ہے؟" تاباں آرام سے چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"نہیں۔۔۔ پتا نہیں کہاں گئی ہیں۔ شاید کمّو خالہ کے گھر۔" تاجور نے بتایا تو تاباں اس کا ہاتھ کھینچ کر بولی۔

"اچھا تو تو بیٹھ۔" تاجور بیٹھ گئی۔

"تجھے پتا ہے چاچی میرا رشتہ لے کر آئی تھی؟" تاباں نے پوچھا۔

"سب پتا ہے مجھے' تو میرے بھائی کی دلہن بنے گی۔" تاجور خوش ہو کر بولی تو تاباں بے تابی سے پوچھنے لگی۔

"تو تو راضی ہے؟"

"لے' میں راضی کیوں نہیں ہوں گی۔ میرے بھائی کی خوشی ہے۔ مجھے پتا ہے بھائی تجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔" تاجور خوش خوش کہہ رہی تھی۔

"وہ تو کرتا ہے اور تو۔۔۔" تاباں جانے کیا جاننا چاہ رہی تھی۔

"میں بھی۔۔۔ مجھے بھی تو بہت اچھی لگتی ہے' میری بھابھی بن جائے گی تو اور زیادہ اچھی لگے گی۔" تاجور کی خوشی یں شوخی بھی شامل ہوگئی تھی۔ تاباں جھنجلا گئی۔

"میں اپنی بات نہیں کررہی' تیری مرضی پوچھ رہی ہوں' تجھے پتا نہیں میرے ابا نے بدلے کی شرط رکھی ہے' تو کرلے گی میرے ابا سے شادی؟"

"ابا سے۔" تاجور کی ساری خوشی کافور ہوگئی۔ چہرہ بالکل سفید پڑگیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے تاباں کو دیکھے گئی۔

"چاچی آئی تھی میرے پاس۔" قدرے رک کر تاباں بتانے لگی۔ "بہت پریشان تھی چاچی' کہہ رہی تھی شمشیر کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا اگر مجھے تاباں نہ ملی تو میں مرجاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے۔" تاجور دہل گئی۔

"اب بتا میں کیا کروں' ابا تو ایسے مانتا ہی نہیں' بس یہ ہی ضد ہے۔ جہاں سے لاؤں گا وہیں لڑکی دوں گا۔ یہ سارا رادری والوں کا کیا دھرا ہے۔ انہوں نے ہی ابا کو ورغلایا ہے۔" تاباں بولے جارہی تھی۔ تاجور کی سماعتوں میں

صرف اس کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ کیا کہہ رہی ہے، کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے تاج! شمشیر تو کبھی نہیں مانے گا اور کیوں مانے، میرے ابا کے ساتھ تیرا جوڑ تھوڑی ہے۔ مت ماری گئی ہے ابا کی۔ میرے ساتھ کہیں اور زبردستی کی تو میں کنویں میں چھلانگ ماردوں گی۔ ہاں نہیں تو۔" تاباں یہ دھمکی اسے نہیں دے رہی تھی، پھر بھی وہ یک دم جیسے ہوش میں آئی تھی۔

"یہ تو کیا کہہ رہی ہے تاباں! کنویں میں چھال (چھلانگ) مارے گی؟"

"ہاں، دیکھنا یہ ہی کروں گی، اور میرے بعد شمشیر بھی زندہ نہیں رہے گا۔ دو جنازے اٹھیں گے یہاں سے۔" تاباں بہت جذباتی ہو رہی تھی۔

"اللہ نہ کرے۔" تاجور سہم کر رونے لگی۔

"لے تو ابھی سے رونے لگی پاگل نہ ہو تو، بچا کے رکھ آنسو جب۔۔۔"

"بس کر اللہ کے واسطے، چپ کر جا تاباں! اللہ میرے بھائی کو سلامت رکھے۔" تاجور آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں اپنے بھائی پر ہزار بار قربان جاؤں۔ اس کی شادی تیرے ساتھ ہی ہوگی۔ تو کہہ دینا میری اماں سے بے شک میری شادی تیرے ابا سے کروے۔"

"ہیں۔۔۔ پاگل تو نہیں ہوگئی۔" تاباں اچھلی تھی۔

"نہیں۔۔۔" تاجور پھر رونے لگی تھی۔

* * *

سارہ بہت خاموشی سے اریبہ کو بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جب اریبہ نے جاتے ہوئے اسے پکار کر ہاتھ ہلایا، تب اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہوگئی۔ پھر جواباً ہاتھ ہلانا چاہا، لیکن اریبہ گیٹ سے نکل چکی تھی۔ اس نے چوکیدار۔۔۔ کو گیٹ بند کرتے ہوئے دیکھا، پھر گود میں رکھی کتاب اٹھالی۔ لیکن پھر جلد ہی اکتا کر کتاب سامنے ٹیبل پر ڈال دی۔

آج سارا دن اس پر عجیب سی قنوطیت سوار رہی تھی۔ کسی کام میں دل لگا نہ کسی بات میں۔ خود اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو نہیں ہونی چاہیے تھی اور اس نے کتنی بار سوچنے کی کوشش کی، لیکن سمجھ نہیں پائی۔ اب پھر سوچنے بیٹھ گئی۔

"ایسا کیا ہوا ہے۔ آج، کل، پرسوں یا اس سے پہلے۔ ہاں ڈیڈی آئے تھے۔ لیکن انہوں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جو دل پر بوجھ بن جائے۔ پھر؟" وہ اپنے ذہن کو کھنگالنے میں پورا زور لگا رہی تھی کہ سمیر نے ہاؤ کی آواز نکال کر اسے ڈرا دیا۔ وہ اچھل پڑی، پھر خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"سوری۔۔۔" سمیر نے اس کے گھورنے پر کان پکڑے، پھر اس کے سامنے چیئر کھینچ کر پوچھنے لگا۔

"کیا سوچ رہی تھیں؟"

"تمہیں بہرحال نہیں سوچ رہی تھی۔" وہ خفگی سے بولی۔

"پتا ہے۔ مجھے سوچ رہی ہوتیں تو تمہاری شکل پر بارہ نہ بجے ہوتے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا، پھر فوراً سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگا۔ "کوئی مسئلہ ہے؟"

"نہیں، کوئی مسئلہ نہیں، تم بتاؤ اس وقت کیسے آئے؟" اس نے کسی تکرار سے بچنے کی خاطر اپنا موڈ ٹھیک کرتے پوچھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔
✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
✧ مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
We Are Anti Waiting WebSite
واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے
⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں
اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں
Online Library For Pakistan
Like us on Facebook fb.com/paksociety twitter.com/paksociety1

"ارے۔ تم تو بالکل یاسمین آنٹی کی طرح پوچھ رہی ہو' کیسے آئے۔" سمیر نے ہنس کر کہا۔ وہ سٹپٹا گئی۔

"میرا مطلب ہے۔"

"بس بس مطلب سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے اور ہاں میں خاص طور پر تم سے ملنے آیا ہوں۔ تمہیں اس پر کوئی اعتراض ہو تو بتادو۔ ویسے میں تمہارا اعتراض قبول نہیں کروں گا' کیونکہ اپنے دل سے تمہیں جو قبول کرچکا ہوں۔" وہ خود ہی بولتا چلا گیا۔

"یا اللہ۔" اس نے سر پیٹ لیا۔ "اتنی فضول بکواس کیوں کرتے ہو۔"

"ایں۔۔۔ یعنی۔۔۔" اس نے ساکت ہونے کی ایکٹنگ کی تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"بس خدا کے لیے سمیر! مذاق چھوڑو' مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔" سمیر نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ جس پر بیزاری کے ساتھ الجھن بھی تھی اور کیونکہ وہ کہہ چکی تھی کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے' اس لیے وہ ٹوکنے سے باز رہا اور اپنے طور پر اس کی الجھن قیاس کرکے کہنے لگا۔

"ابھی آتے ہوئے میں نے اریبہ کو دیکھا۔ بائیک پر جارہی تھی' کہاں گئی ہے؟"

"میں نے پوچھا نہیں' ویسے اس وقت اکثر اکیڈمی جاتی ہے' اس نے بھی تمہیں دیکھا تھا؟" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔ سمیر نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر قدرے رک کر کہنے لگا۔

"تم ایسی کیوں ہو رہی ہو' بے زار' پریشان' مانا کہ میں کسی قابل نہیں ہوں' لیکن سن سکتا ہوں' محسوس کرسکتا ہوں اور۔۔۔"

"تسلی بھی دے سکتے ہو۔" وہ اس کی بات پوری کرکے مسکرائی' تو وہ روٹھ گیا۔

"مذاق اڑا رہی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر جلدی بتاؤ کیا بات ہے۔" وہ یوں اٹینشن ہوگیا جیسے وہ فوراً" شروع ہوجائے گی۔

"کیا بتاؤں جب مجھے خود ہی پتا نہیں ہے کہ میں کس بات سے پریشان ہوں۔ بس دل پر بوجھ سا محسوس ہو رہا ہے اور یہ بھی لگ رہا ہے جیسے کوئی بات ہوئی ضرور ہے۔" وہ بولتے ہوئے اچانک چونکی۔ جیسے الجھی ڈور کا کوئی سرا ہاتھ آیا ہو اور اس سرے کو تھام کر وہ بے دھیانی میں سمیر کو دیکھے گئی۔

"کیا ہوا؟" وہ اس کی خاموشی سے جز بز ہوا۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" وہ بے دھیانی میں ہی بولی تھی۔

"اوہو۔۔۔ اب پہیلیاں تو مت بجھواؤ۔ صاف بتاؤ کیا بات ہے۔" سمیر نے بمشکل اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پا کر کہا۔ اس نے سر جھٹک کر پہلے خود کو بے دھیانی والی کیفیت سے نکالا' پھر کہنے لگی۔

"بات وہ ہی رازی بھائی اور اریبہ کی ہے' میرا مطلب ہے اریبہ نے گو کہ انگوٹھی واپس کرکے منگنی ختم کرنے کا اعلان کردیا' لیکن کوئی بھی اس بات کو تسلیم نہیں کررہا' یعنی ڈیڈی' تائی امی اور خود رازی بھائی' سب کا یہ ہی کہنا ہے کہ اریبہ میڈیکل کرے' پھر شادی ہوگی' لیکن اس روز جب میں ڈیڈی کے ساتھ تمہارے ہاں آئی تھی تو پھر ہم تائی امی کے گھر گئے تھے۔" وہ بولتے ہوئے سوچ میں پڑ گئی۔

"پھر؟" وہ پوری توجہ سے اسے سن رہا تھا۔ جب ہی اس کی خاموشی گراں گزری تو فوراً" ٹوک دیا۔

"پھر بس وہیں کچھ ایسی باتیں ہوئیں جن کی سنگینی کا ادراک مجھے اب ہو رہا ہے۔" اس کے لہجے میں تشویش سمٹ آئی تھی۔ سمیر کو غصہ آنے لگا کہ وہ اتنی لمبی بات کیوں کر رہی ہے۔ فوراً" اصل بات کیوں نہیں کہہ دیتی۔ لیکن اسے ضبط کرنا پڑا۔ کیونکہ اب وہ اصل بات جاننا چاہتا تھا۔ اس لیے نرمی سے پوچھا۔

"مثلاً"... کیا باتیں ہوئیں۔ ممانی جان نے کچھ کہا؟"

"نہیں' ثنا نے۔ وہ مسلسل میرے سامنے اپنی کزن سنبل کی تعریف کرتی رہی اور ایک دو بار یہ بھی کہا کہ وہ رازی بھائی کے لیے سنبل جیسی لڑکی چاہتی ہے۔ پھر اس نے ان ڈائریکٹ اریبہ پر تنقید بھی کی تھی۔ اب بتاؤ ان باتوں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" وہ آخر میں سوالیہ نظروں سے سمیر کو دیکھنے لگی تو وہ جو کتنی دیر سے خود پر ضبط کر رہا تھا ایک دم پھٹ پڑا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ ایک ایسی بات کو خود پر طاری کر رکھا ہے جس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ یہ بتاؤ اریبہ اور رازی کی شادی ہوگئی تو تمہیں کتنا فائدہ ہوگا اور نہیں ہوگی تو کتنا نقصان ہوگا۔ کوئی نفع نقصان پہنچنے والا نہیں ہے تمہیں' پھر تم کیوں فکر کرتی ہو۔"

"کیسے نہ کروں' اریبہ میری بہن ہے اور رازی بھائی بے چارے۔"

"ہاں رازی بھائی بے چارے' سارے زمانے میں ایک وہ ہی تو بے چارے ہیں۔ بس کرو سارہ! یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔ وہ دونوں خود سمجھ دار ہیں۔ تم ان کے لیے کچھ نہیں کرسکتیں۔" وہ تپے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"کیوں نہیں کرسکتی۔" وہ منمنائی تھی۔

"کیا کرسکتی ہو' بتاؤ؟" اس کے جارحانہ انداز پر وہ منہ پھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ سمیر نے ہونٹ بھینچ کر پھر خود پر ضبط کرنے کی کوشش کی' لیکن کامیابی نہیں ہوئی تو پیر پٹختا چلا گیا تھا۔

* * *

اریبہ کی کلاسز شروع ہوگئیں تو وہ پھر پہلے والی روٹین پر آگئی' بلکہ اب اسے زیادہ محنت کی ضرورت تھی۔ مزید یہ کہ پریکٹیکلز کی وجہ سے بھی اس کا زیادہ وقت کالج میں گزرتا تھا۔ گھر آتے آتے تین' کبھی چار بج جاتے۔ پھر دو گھنٹے آرام کرکے وہ اکیڈمی چلی جاتی۔ گو کہ گھر میں بھی جب وہ کہہ دیتی تو کوئی اسے ڈسٹرب نہیں کرتا تھا۔ وہ آرام سے اسٹڈی کرسکتی تھی' لیکن اکیڈمی جانے کو وہ یوں ترجیح دیتی تھی کہ وہاں لائبریری میں اسٹڈی کا ماحول مل جاتا تھا' جس سے اگر پڑھنے کا موڈ نہ بھی ہوتا تو خود بخود بن جاتا۔ بہرحال اس وقت وہ اکیڈمی سے لوٹی تو نو بجے رہے تھے۔

اسی وقت سارہ رات کا کھانا لگاتی تھی۔ اس کی پکار سے پہلے ہی وہ منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکل آئی اور ڈائننگ روم کی طرف جاتے ہوئے معاً" اس کی سماعتوں سے مردانہ قہقہے کی آواز ٹکرائی تو وہ ایک دم رک گئی اور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پلٹ کر دیکھا کہ یاسمین کے ساتھ وہ جو کوئی بھی تھا' اس کے لیے قطعی اجنبی تھا' جو ڈرائنگ روم سے نکل رہا تھا۔

"اریبہ! تم آگئی بیٹا۔" یاسمین نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ وہ ذرا سا مسکرائی' پھر اس اجنبی کو دیکھنے لگی تو یاسمین نے تعارف کرایا۔

"بیٹا! یہ شہباز ربانی ہیں' میرے فرسٹ کزن' آج ہی امریکہ سے آئے ہیں۔"

"او شہباز انکل۔" اس نے خوشی کا اظہار کیا۔ "مما اکثر آپ کا ذکر کرتی ہیں۔"

"اچھا۔۔۔ لیکن آپ کی مما نے آپ کا تعارف تو کرایا نہیں۔" شہباز ربانی نے اس سے کہہ کر یاسمین کو دیکھا تو وہ حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

"کیا ابھی بھی تعارف کی ضرورت باقی ہے؟ اس وقت سے میں اس کی باتیں تو کر رہی ہوں۔ خیر یہ میری بیٹی

اریبہ ہے۔"

"ماشاءاللہ۔۔۔" شہباز ربانی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"کھانا لگ گیا ہے، چلو باقی باتیں ٹیبل پر۔" یاسمین ان دونوں کو چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

سارہ ٹیبل پر آخری نظر ڈال رہی تھی، جبکہ حماد کھانے کو بے قرار بیٹھا تھا۔

"واہ۔۔۔ مدتوں بعد اپنے کھانوں کی خوشبو ملی ہے۔ ترس گیا تھا میں۔" شہباز ربانی نے انتہائی اشتیاق سے ٹیبل پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا، پھر سارہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔ "یہ سارا اہتمام تم نے کیا ہے؟"

"نہیں انکل! کھانا بوا پکاتی ہیں، ویسے مجھے بھی آتا ہے، کبھی جب بوا بیمار ہوتی ہیں تو میں پکا لیتی ہوں۔ آپ کو کیا چیز پسند ہے؟ میں خاص طور پر بنا کر آپ کو کھلاؤں گی۔" سارہ جس بے تکلفی سے بول رہی تھی اس سے وہ سمجھ گئی کہ انکل کے ساتھ اس کی نشست ہو چکی ہے۔

"گڈ اور بیٹا آپ؟ آپ کو بھی کوکنگ آتی ہے؟" شہباز ربانی نے اس سے پوچھا۔

"بس اتنی کہ اگر سب پکانے کی اسٹرائک کر دیں تو میں اپنے لیے کچھ بنا سکتی ہوں۔ ویسے مجھے کوکنگ کا شوق نہیں ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا تو یاسمین مسکرا کر بولی۔

"اس کے پاس وقت بھی تو نہیں ہے۔"

"جب وقت ہو گا میں تب بھی نہیں پکاؤں گی۔" اس نے اپنی پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے کہا۔ پھر حماد کو کہنی مار کر کھانے کا اشارہ کر کے خود بھی کھانے میں مصروف ہو گئی۔

یاسمین اور شہباز ربانی کے درمیان پرانی باتیں چھڑ گئیں، جن میں ان کے عزیز رشتہ داروں کا ذکر تھا۔ دونوں کبھی خوش ہوتے، کبھی اداس۔۔۔ وہ بار بار یاسمین کا چہرہ دیکھتی جسے برسوں بعد کوئی اپنا ملا تھا جو اس کے ساتھ اس کے میکے کی یادیں شیئر کر رہا تھا۔ اس کے دل میں اپنی ماں کے لیے ہمدردی مزید سوا ہو گئی کہ وہ کتنی تنہا تھی، پھر کھانے کے بعد شہباز ربانی نے جانے کی بات کی تو وہ پوچھنے لگی۔

"آپ کا گھر کہاں ہے انکل؟"

"گھر تو ابھی نہیں ہے بیٹا! ہوٹل میں ٹھہرا ہوں۔" شہباز ربانی نے بتایا تو وہ یاسمین کو دیکھنے لگی کہ وہ انہیں روکے گی، لیکن یاسمین اس سے کہلوانا چاہتی تھی جب ہی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی بلکہ وہ شہباز ربانی سے بولی۔

"جب تک یہاں ہو شہباز! آتے رہنا۔"

"آتے رہنا سے کیا مطلب مما! آپ انہیں جانے کیوں دے رہی ہیں۔" وہ فوراً" مداخلت کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"شہباز انکل! گھر کے ہوتے ہوئے آپ ہوٹل میں کیوں ٹھہرے ہیں؟ چلیں ابھی آپ کا سامان لے کر آتے ہیں سارہ تم انکل کے لیے کمرہ سیٹ کر دو۔"

"لیکن بیٹا!" شہباز ربانی نے کچھ کہنا چاہا، لیکن وہ سننے پر تیار ہی نہیں ہوئی اور اسی وقت ان کے ساتھ سامان لینے چل پڑی۔

تقریباً" ایک گھنٹے بعد وہ شہباز ربانی کے ساتھ واپس آئی تو سارہ گیسٹ روم میں ان کی ضرورت کی ہر شے رکھ چکی تھی۔ وہ سیدھا انہیں اسی کمرے میں لے آئی۔ ان کا سوٹ کیس اور بیگ وغیرہ الماری میں رکھے، پھر کمرے پر نظر ڈال کر کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے انکل! آپ یہاں کمفرٹیبل فیل کریں گے۔ پھر بھی اگر کوئی پرابلم ہو تو فوراً" کہہ دیجیے گا، ہوٹل جانے کا مت سوچیے گا۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں سوچوں گا۔" شہباز ربانی محظوظ انداز میں ہنسے تھے۔

"اچھا ابھی آپ کیا پئیں گے، چائے یا کافی؟" وہ اپنی عادت کے برعکس شہباز ربانی کو بہت اہمیت دے رہی تھی، صرف یاسمین کی وجہ سے۔

"کافی۔۔۔" شہباز ربانی نے اب تکلف کو خیرباد کہہ دیا۔

"بس جب تک آپ چینج کریں میں کافی بھجواتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ کوریڈور میں سارہ اور حماد کھڑے جانے کیا باتیں کر رہے تھے۔ اس نے توجہ نہیں دی اور سارہ سے کافی کا کہہ کر یاسمین کے کمرے میں آ گئی۔

"مما! شہباز انکل آ گئے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔" یاسمن نے بوجھل انداز میں اچھا کہا۔ وہ چونکی پھر قریب چلی آئی۔

"کیا بات ہے مما! کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"میں سوچ رہی ہوں بیٹا! شاید تمہارے ڈیڈی کو اچھا نہ لگے، وہ شہباز کے یہاں رہنے پر اعتراض کریں گے۔" یاسمین نے خود کو انتہائی خوفزدہ ظاہر کیا۔

"کیوں اعتراض کریں گے؟ خود تو وہ اپنے سارے رشتہ داروں سے ملتے ہیں، آپ کو کیوں نہیں ملنے دیتے۔" وہ یک دم تیز ہو کر کہنے لگی۔

"آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے مما! ڈیڈی اگر اعتراض کریں تو کہہ دیجیے گا میں لے کر آئی ہوں انہیں، کیونکہ میں اپنے ننھیال سے تعلق جوڑنا چاہتی ہوں۔"

"بیٹا! تمہارے ننھیال میں ہے ہی کون۔" یاسمین آزردگی سے بولی تھی۔

"یہ ہی تو میں کہہ رہی ہوں، کوئی اتنا لمبا چوڑا ننھیال نہیں ہے، پھر بھولے بھٹکے تو کوئی آتا ہے، اس پر بھی اگر ڈیڈی اعتراض کریں تو۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سر جھٹکا، پھر یاسمین کے گلے میں باہیں ڈال کر کہنے لگی۔

"آپ ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہیں مما! اور ایسی پریشان صورت لے کر شہباز انکل کے سامنے جائیں گی تو وہ کیا سمجھیں گے۔"

"کہاں ہے شہباز؟" یاسمین کو جیسے اب شہباز ربانی کا خیال آیا ہو۔ اس انداز میں پوچھا۔

"گیسٹ روم میں، چلیں آپ اپنا موڈ ٹھیک کریں اور جا کر ان کے ساتھ کافی پئیں۔" اس نے کہہ کر یاسمین کا گال چوما، پھر اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکلی تھی۔

* * *

وہ بہت دیر سے کیلنڈر پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ دو دن بعد اریبہ کی برتھ ڈے تھی اور اس کی نظریں اسی تاریخ پر تھیں، جبکہ ذہن مسلسل یہ سوچنے میں مصروف تھا کہ وہ اسے کیسے وش کرے۔ اس سے پہلے تو وہ امریکہ میں تھا اور اتنی دور سے بھی اس کی برتھ ڈے کو یادگار بنایا کرتا تھا۔ اسے گفٹ بھیجتا، پھر اس رات اسے طویل کال کرتا تھا۔ ڈھیروں باتیں ہوتیں، مستقبل کے خوب صورت پلان بنتے اور اس دوران دونوں میں کہیں کہیں اختلاف بھی ہو جاتا تو پہلے دونوں اپنے اپنے موقف پر ڈٹے رہتے، پھر ایک دم کوئی ہتھیار ڈال دیتا۔ یہ نہیں تھا کہ ہمیشہ اسی نے ہتھیار ڈالے ہوں، اریبہ بھی زیادہ نہیں اڑتی تھی۔ اور اب جانے وقت نے کیسی کروٹ بدلی تھی کہ وہ لڑکی کچھ

سننے ماننے پر تیار ہی نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ اس کی برتھ ڈے سلیبریٹ کرنا چاہتا تھا اور اس وقت اسی فکر میں تھا کہ ایسا کیا کرے جو اریبہ وہ ہی پہلے والی اریبہ بن جائے۔ گزشتہ سال جب وہ امریکہ سے فون پر اسے وش کر رہا تھا تو اس نے کہا تھا۔

"پتا ہے رازی! آج سارا دن میں کیا سوچتی رہی؟"

"کیا؟"

"کہ کتنا مزا آئے جو آج تم اچانک آجاؤ اور میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ہیپی برتھ ڈے کہو اور یہ صرف سوچ ہی نہیں تھی، مجھے ایسا لگ بھی رہا تھا کہ تم ضرور آؤ گے، پھر پتا ہے میرا سارا دن انتظار میں گزرا۔ جتنی بار ڈور بیل بجی میں بھاگ کر گئی۔" اس کے لہجے میں فاصلوں کی چبھن اور قربتوں کی تمنائیں۔

"اچھا... فرض کرو میں آجاتا تو۔" وہ اس کے جذبات محسوس کرتے ہوئے خود بھی کھو سا گیا تھا۔

"تو آج میری زندگی کا سب سے حسین دن ہوتا۔ ہم سر شام سے ہی باہر نکل جاتے، رات میں کینڈل لائٹ ڈنر کرتے اور اس وقت تو رازی ہم لانگ ڈرائیو پر ہوتے، ہے نا۔"

"ہوں..." اس کا بس نہیں چل رہا تھا، اسی وقت اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائے۔

"کتنی پاگل ہوں میں۔ پتا نہیں کیا کیا سوچتی رہی ہوں۔" وہ یکدم چونکتے ہوئے بولی تھی۔

"تمہارے پاگل پن نے میرا قرار لوٹ لیا ہے ربا! میں آجاؤں گا، جلدی آجاؤں گا اور جیسا تم نے سوچا ہے سب ویسا ہی ہوگا۔"

"بہلا رہے ہو۔" اس کی آواز میں ہلکا سا شکوہ تھا۔

"نہیں... تم دیکھنا۔" اس نے کہا تھا اور اب وہ اس کی سوچ سے زیادہ اس دن کو خوب صورت بنانا چاہتا تھا، لیکن اسے کیسے منائے۔ پتا نہیں وہ اس کے ساتھ پر آمادہ ہوگی بھی کہ نہیں۔ اسی فکر میں وہ مقررہ دن اس کے گھر پہنچ گیا۔

اریبہ اس وقت اکیڈمی جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ اس کی طرف متوجہ ہوتی وہ اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے بولا۔

"ہیپی برتھ ڈے۔" ایک پل کو تو وہ اپنی جگہ ساکت ہوگئی تھی، پھر ایک دم اس کے ہاتھ جھٹک کر ترشی سے بولی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟"

"کیوں؟ کیا میں تمہیں وش نہیں کر سکتا، کزن ہوں تمہارا۔" اس نے کچھ جتانے کی کوشش نہیں کی اور سیدھے سادے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن یہ طریقہ غلط ہے، بہرحال تھینک یو۔" وہ نروٹھے پن سے کہہ کر اپنا بیگ چیک کرنے لگی۔

"کہیں جا رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہوں..." اریبہ نے بیگ کی زپ کھینچی، پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔ "میری برتھ ڈے یاد رکھنے کا شکریہ۔ سارہ کیک بنا رہی ہے، کھا کر جانا، میں تو خیر دیر سے آؤں گی۔"

"کیا مطلب، اپنی برتھ ڈے کا کیک تم نہیں کاٹو گی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔" اریبہ نے شاید اس کی بات کا جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ وہ جز بز ضرور ہوا، پھر بھی فوراً اس کے پیچھے بھاگا آیا تھا۔

"سنو، تم اس وقت میرے ساتھ چل رہی ہو۔"

"کہاں؟" اریبہ کے تیور کڑے تھے۔

"بس جہاں میں لے چلوں۔" اس نے کہنے کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اریبہ نے زبانی احتجاج کے ساتھ پورا زور لگا لیا، لیکن اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکی اور اس نے نتیجے کی پروا کیے بغیر زبردستی اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر گاڑی دوڑا دی۔

"بہت ہیرو بننے کا شوق ہے تمہیں۔ کچھ بھی کر لو میری نظروں میں تم زیرو ہو، زیرو ہی رہو گے۔"

وہ دانت پیس رہی تھی، رازی نے ریو مرر میں اسے دیکھا، پھر اس کا ہاتھ چھوڑ کر کہنے لگا۔

"مجھے یقین ہے تم چلتی گاڑی سے چھلانگ لگانے کی بات نہیں کرو گی، کیونکہ تم بہت کم ہمت لڑکی ہو۔"

"کیا..." وہ مزید چیخی تھی۔

"فرار اختیار کرنے والے کم ہمت ہی کہلاتے ہیں۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہے تو اس کا جواب دو۔ تعلق توڑ لینا تو..." رازی نے قصداً بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھا۔

"میرے نزدیک یہ ہی بہتر جواب ہے۔" وہ زہرخند لہجے میں بولی تھی۔ رازی اندر سے مضطرب ہو گیا تھا، جب ہی خاموشی اختیار کر لی تو قدرے رک کر وہ طنز سے پوچھنے لگی۔

"کیوں تمہیں میرا جواب پسند نہیں آیا؟"

"بس چھوڑو اس بات کو، تم نے جو کرنا تھا کر لیا، اب مجھے بھی کچھ اپنے دل کی کرنے دو۔" اس نے ضبط کی اذیت سہہ کر خود کو مصالحت پر آمادہ کیا تھا۔

"ضرور کرو، جو تمہارا دل چاہے کرو، لیکن اپنے دل کی خواہشات میں مجھے شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر تم یہ بات سمجھ کیوں نہیں لیتے۔"

وہ جیسے زچ ہو کر بولی۔

"کیا کروں، دل سمجھنا ہی نہیں چاہتا اور کیسے سمجھے، ایک دو دن کی بات تو نہیں ہے۔ برسوں محبت کے نشے میں مدہوش رہا اور اپنے آپ نہیں، ادھر سے جام لٹائے گئے۔" ونڈ اسکرین پر جمی اس کی آنکھوں میں گئے دنوں کا عکس جھلملانے لگا تھا۔

اریبہ کے اندر اتھل پتھل ہونے لگی، اور یہ ہی سچ تھا کہ وہ لاکھ خود کو اس سے متنفر ظاہر کرتی اس کا دل محبت کی لے پر مچلتا ضرور تھا، پھر اسے سمجھانے سنبھالنے میں بھی کچھ وقت ضرور لگتا تھا۔

"اگر محبت کا جام نہیں پلا سکتیں تو زہر کا پیالہ دے دو مجھے۔ قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔"

رازی نے کنکھیوں سے اس کا چہرہ دیکھا، جس پر کوئی الگ ہی رنگ اتر رہا تھا، نہ سمجھ میں آنے والا اور اس نے پلکوں کو بھی دو، تین باریوں جھپکا جیسے کسی منظر کو جھٹلانا چاہتی ہو، پھر جب بولی تو لہجے میں وہ طنطنہ بھی نہیں تھا۔

"قصہ ختم ہو چکا رازی! اگر تم اس حقیقت کو تسلیم کر لو تو پھر تمہیں جام کی ضرورت محسوس ہوگی نہ زہر پیالے کی۔"

"تم بہت سنگدل ہو۔" رازی کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی، پھر کچھ سوچ کر اس نے راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی واپسی کے راستے پر ڈال دی تھی۔

* * *

"السلام علیکم!" سمیر نے لاؤنج میں داخل ہو کر سلام کیا، لیکن پھر شنا کے ساتھ سنبل کو بیٹھے دیکھ کر کچھ ہچکچا کر وہیں رک گیا تھا۔

”آجاؤ‘ کوئی پردہ نہیں ہے‘ یہ میری سنبل آپی ہیں۔ میرا خیال ہے پہلے تمہاری ان سے ملاقات ہو چکی ہے۔ سنبل آپی! آپ جانتی ہیں اسے امینہ پھوپھو کا بیٹا ہے سمیر۔“ ثناء نے اس کے رکنے پر تفصیلاً ”بتایا۔

”وہ بلال ہے؟“ اس نے سنبل کو تصدیق یا تردید کی زحمت سے بچالیا۔

”بلال تو نہیں ہے اور رازی بھائی بھی ابھی آفس سے نہیں آئے‘ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کھڑے کھڑے واپس چلے جاؤ۔ بیٹھو‘ امی نماز پڑھ رہی ہیں‘ فارغ ہو جائیں تو ان سے مل لینا۔“

ثنا کو بے مروتی دکھاتے ہوئے جانے کیا خیال آیا جو رواداری نبھانے لگی۔

”شکریہ۔۔۔“ اسے سنبل کی وجہ سے اخلاقاً ”کہنا پڑا۔ ورنہ اس گھر میں اس کا کوئی ایسا تکلف نہیں تھا۔

”ارے! تم تو خاصے مہذب ہو گئے ہو۔“ ثنا ہنسنے لگی‘ اس نے گھور کر اسے دیکھا‘ پھر سنبل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”آپ کیسی ہیں؟“

”اچھی ہوں‘ تمہاری امی اور بہن ٹھیک ہیں؟“ سنبل نے مسکرا کر پوچھا۔

”جی! آپ بھی ہمارے ہاں آیئے نا۔“ اس نے پھر اخلاق کا مظاہرہ کیا‘ اصل میں تو وہ یہ دیکھنے آیا تھا کہ سارہ نے جو محسوس کیا اس میں کتنی سچائی ہے۔

”ہاں صبح رازی بھائی بھی کہہ رہے تھے تمہاری طرف جانے کو‘ آئیں گے ہم لوگ‘ سنبل آپی چلیں گے۔“

ثنا کو جیسے موقع مل گیا تھا‘ رازی کے ساتھ سنبل کو ملانے کا۔

”ہاں رازی بھائی سے بھی بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی‘ کیا بہت دیر میں آتے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”اکثر دیر سے ہی آتے ہیں‘ لیکن آج تو جلدی آجائیں گے۔“ ثنا نے کہتے ہوئے شرارت سے سنبل کو دیکھا۔ سنبل کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ سج گئی اور ثنا کو کہنی مار کر گھورنے لگی — وہ نہ صرف حیران ہوا بلکہ وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا تو اٹھ کھڑا ہوا۔

”میرا خیال ہے ممانی جان نے نماز پڑھ لی ہو گی۔ میں ان سے مل لوں۔“

”چلو میں جب تک چائے بناتی ہوں‘ پیو گے نا؟“ ثنا نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر ساجدہ بیگم کے کمرے میں آگیا۔

”السلام علیکم ممانی جان!“

”خوش رہو! بڑے دنوں بعد آئے‘ گھر میں سب خیریت ہے؟“ ساجدہ بیگم نے دعا کے ساتھ پوچھا۔

”جی! آپ تو آتی ہی نہیں ہیں۔“ وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

”کیا کروں بیٹا! گھٹنوں کی تکلیف نے کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رکھا‘ بالکل گھر کی ہو کر رہ گئی ہوں۔ تم ابھی آرہے ہو؟“ ساجدہ بیگم نے اپنی معذوری ظاہر کرتے پوچھا۔

”کچھ دیر ہوئی ممانی جان! آپ نماز پڑھ رہی تھیں اس لیے میں وہاں لاؤنج میں بیٹھ گیا۔“

”چائے پی۔۔۔“ ساجدہ بیگم کے لہجے میں اچانک جو مٹھاس گھلتی تھی‘ وہ مغلوب کر دیتی تھی۔

”ثنا بنا رہی ہے۔“

”اچھا۔۔۔ اچھا‘ تم آرام سے بیٹھو‘ طیبہ کیسی ہے‘ اسے بھی لے آتے۔“ ساجدہ بیگم نے کھسک کر اس کے لیے مزید جگہ بناتے ہوئے کہا۔

”میں ابھی گھر سے نہیں آرہا‘ ویسے کسی دن لے آؤں گا طیبہ اور امی کو۔“ اس نے کہا تب ہی ثنا چائے لے کر آگئی اور ٹرے اس کے اور ساجدہ بیگم کے درمیان رکھ دی۔

”شکریہ۔۔۔“ وہ چائے کا کپ اٹھاتے ہی ثنا کو دیکھ کر اب شرارتاً ”مسکرایا تھا۔

”بس رہنے دو‘ پتا ہے کتنے تمیزدار ہو‘ ابھی سارے پول کھول دوں گی۔“ ثنا نے فوراً ”ٹوک کر معنی خیز انداز میں کہا‘ تو وہ سٹپٹا گیا۔

”کیا مطلب؟“

”پول کا مطلب نہیں پتا تمہیں؟“ ثنا اس کے سٹپٹانے سے مزید شیر ہو گئی۔

”نہیں‘ میرا مطلب ہے کون سے پول؟ کیا‘ کیا ہے میں نے؟“ وہ جی کڑا کر کے بھی ہکلایا تھا۔ صرف ساجدہ بیگم کی وجہ سے ورنہ ثنا سے خائف ہونے والا نہیں تھا۔

”بتا دوں؟“ ثنا نے دھمکایا تب ہی۔ ساجدہ بیگم نے ثنا کو ٹوک دیا۔

”کیوں اس کے پیچھے پڑی ہو‘ جاؤ اپنا کام کرو‘ بیٹا تم چائے پیو۔“

”جی۔۔۔“ وہ چائے کا بڑا سا گھونٹ لے کر کنکھیوں سے ثنا کو جاتے ہوئے دیکھنے لگا‘ پھر دوسرے گھونٹ میں کپ خالی کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا ممانی جان! میں چلتا ہوں۔“

”کیوں بیٹا! آئے ہو تو بیٹھو‘ آرام سے جانا۔“ ساجدہ بیگم نے محبت سے کہا۔

”پھر آؤں گا ممانی جان! ابھی ایک کام سے جانا ہے۔“ اس نے بہانہ کیا اور انہیں خدا حافظ کہہ کر کمرے سے نکل آیا۔

ثنا پھر وہیں سنبل کے ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ وہ خاموشی سے نکل جانا چاہتا تھا‘ لیکن ثنا کی ہنسی نے اس کے قدم روک لیے‘ کیونکہ صاف محسوس ہوا تھا کہ وہ اسی پر ہنسی تھی۔

”ہاں اب بولو‘ کیا کہہ رہی تھیں؟“ وہ سنبل کی موجودگی یکسر نظرانداز کر کے براہ راست ثنا کو دیکھنے لگا۔

”ارے واہ‘ امی کے سامنے تو بھیگی بلی بنے ہوئے تھے۔“ ثنا نے پھر مذاق اڑایا۔

”اسے ادب کہتے ہیں‘ تم بھی سیکھ لو‘ بہت ضروری ہے‘ چلتا ہوں۔“ اس نے حتی الامکان لہجے کو نارمل رکھ کر کہا اور جانے کے لیے قدم بڑھایا ہی تھا کہ ثنا بول پڑی۔

”رازی بھائی سے نہیں ملو گے‘ بس آنے والے ہیں۔“

”آجائیں تو انہیں میرا سلام کہہ دینا۔ میں پھر چھٹی کے دن آؤں گا۔“ وہ قصداً ”مسکرایا‘ پھر جاتے جاتے پلٹ کر بولا۔

”ویسے رازی بھائی ابھی نہیں آئیں گے‘ دیر ہو جائے گی انہیں۔“

”یہ تم کیسے کہہ رہے ہو؟“ ثنا اپنے اندر اس کے لیے جانے کیا بغض لیے بیٹھی تھی جو مسلسل اسے زچ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”یہاں آتے ہوئے وہ مجھے اریبہ کے ساتھ نظر آئے تھے۔ آج اریبہ کی برتھ ڈے ہے نا۔“

اس نے بڑے آرام سے ثنا کے اندر آگ لگا دی اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

۵
پانچویں قسط

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں، سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بد مزاجی اور بد زبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی، خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ یاسمین اس پر اپنے جیٹھ، جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہو چکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلا تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بد ظن ہو گئی اور اس نے اجلال سے منگنی توڑ دی۔ اجلال تعلیم مکمل کر کے واپس آیا تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلا۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اجلال رازی اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے، مگر وہ خاصی دکھائی سے پیش آتی ہے، تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خود سر ہوتی جا رہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ توصیف احمد کو اریبہ کے منگنی توڑ دینے کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ وہ ساجدہ بیگم سے بات کرتے ہیں تو وہ انہیں کچھ دن یاسمین کے گھر میں رہنے کا مشورہ دیتی ہیں۔ سارہ کا کزن عمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

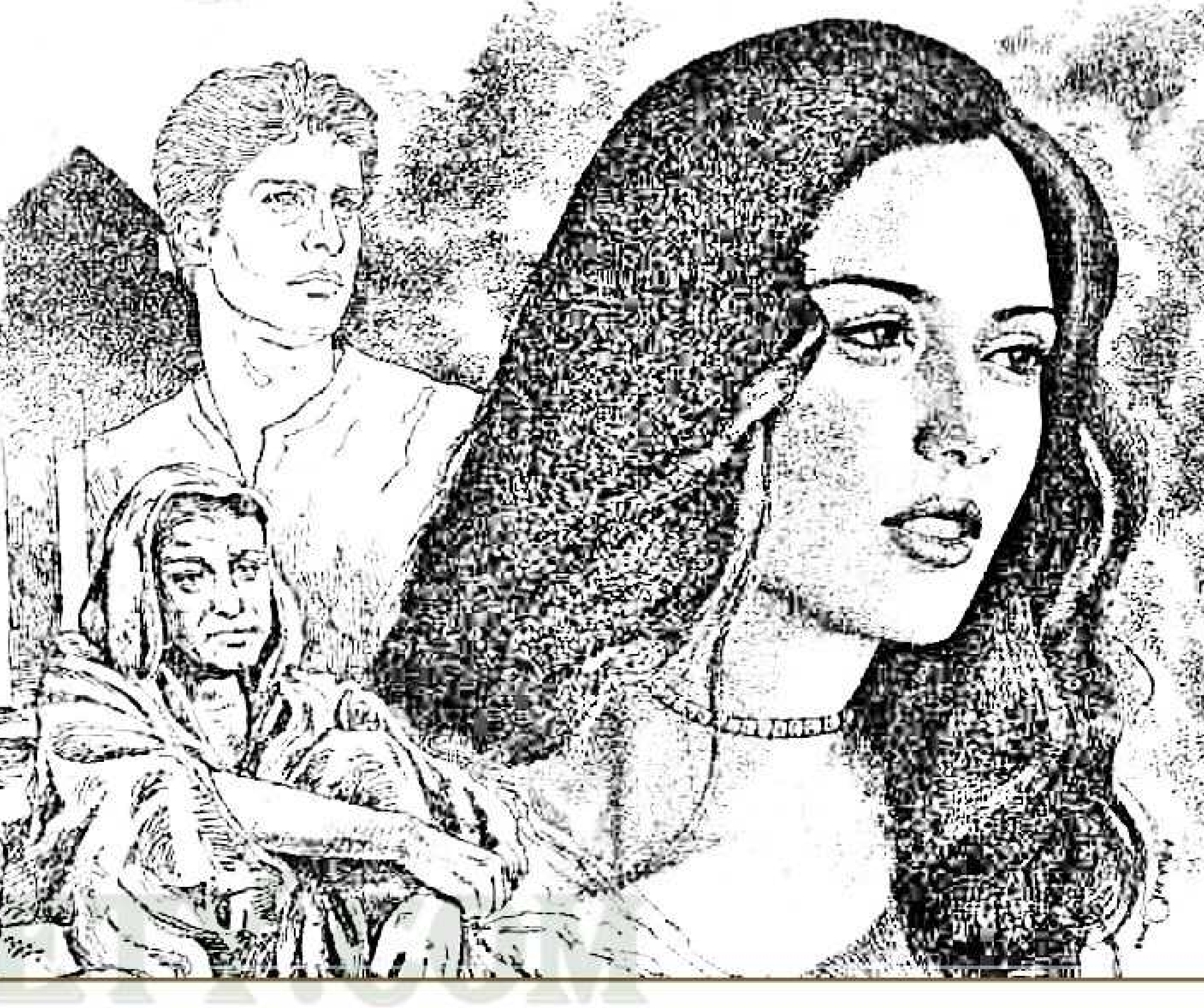

"توصیف احمد نے دوسری شادی کیوں کی؟"

شہباز ربانی کو گو کہ یہ بات اول روز سے کھٹک رہی تھی لیکن پوچھنے سے یوں گریز کر رہے تھے کہ کہیں یاسمین کے زخم نہ کھل جائیں۔ ابھی بھی بہت احتیاط سے پوچھا تھا۔

یاسمین کے ہونٹوں پہ ذرا سی ہنسی ابھر کر دم توڑ گئی۔ پھر صاف گوئی سے بولی تھی۔

"ظاہر ہے جب میری طرف سے اسے کوئی خوشی نہیں ملی تو اسے یہی کرنا تھا۔"

"کم آن یاسمین! تمہیں تو پالینا ہی اس کی خوش قسمتی تھی۔"

"اس کی ناں! میری تو نہیں۔۔۔ اور جہاں میں اپنی بدقسمتی کا ماتم کر رہی ہوں‘ وہاں وہ اپنی خوش قسمتی پر ناز کیسے کرسکتا تھا۔" یاسمین نے آخر میں قریب بیٹھے شہباز ربانی کو ذرا سی گردن موڑ کر ترچھی نظروں سے دیکھا تھا۔

"او نو تو تم نے جان بوجھ کر۔ کیوں؟" شہباز ربانی کو جھٹکا لگا تھا۔

"یہ تم پوچھ رہے ہو شہباز تم!" یاسمین پوری ان کی طرف گھوم گئی۔ اس کے چہرے پر کرب پھیل گیا تھا۔ شہباز ربانی نے پہلے ہونٹ بھینچے۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگے۔

"جب قسمت ساتھ نہ دے تو حالات سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے یاسمین!"

"میں نہیں کرسکی‘ بلکہ میں نے سمجھوتا کرنا ہی نہیں چاہا‘ کیوں کرتی؟ میری اپنی کوئی زندگی نہیں تھی کیا؟ مجھے اپنی زندگی جینے کا حق تھا۔ جیسے میرے ماں باپ نے تسلیم نہیں کیا تو پھر میں کیوں کسی کا حق تسلیم کرتی؟ نہیں کروں گی۔" وہ چیخ چیخ کر بول رہی تھی۔

"ریلیکس یاسمین ریلیکس!" شہباز ربانی نے اس کا ہاتھ تھپکا لیکن اس کے اندر جانے کب سے دبے غبار کو راستہ مل گیا تھا۔

"کیا تھا اس وقت‘ اگر تم اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ کتنا عرصہ لگتا تمہیں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں؟ سال دو سال‘ اور یہ کوئی اتنا لمبا عرصہ تو نہیں تھا جو میرے ماں باپ مجھے دو وقت روٹی نہ کھلا سکتے‘ میں کتنا روئی، گڑگڑائی لیکن ان پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا‘ الٹا مجھے احمق قرار دیتے کہ ایک قلاش آدمی مجھے کچھ نہیں دے سکتا‘ توصیف احمد کے گھر میں راج کروں گی۔ وہ مجھے رانی بنا کر رکھے گا‘ تو ٹھیک ہے میں بن گئی رانی‘ جوتے کی نوک پہ رکھ لیا سب کو‘ ہونہہ۔"

آخر میں اس نے انتہائی نفرت سے سر جھٹکا تھا۔ شہباز ربانی چند لمحے اسے دیکھتے رہے پھر دھیرے سے پوچھا۔

"اس سے کیا حاصل ہوا تمہیں؟"

"میری تمنا صرف تم تھے‘ تم نہیں ملے تو پھر کوئی تمنا نہیں جاگی۔ اور جب تمنا ہی نہیں تو پھر کیا حاصل وصول۔" یاسمین آزردہ نظر آنے لگی تھی۔

"تم بہت بے وقوف ہو۔" شہباز ربانی نے گہری سانس کھینچی پھر کہنے لگے۔ "مجھے اگر پتا ہوتا کہ تم اپنے ساتھ یہ سلوک کرو گی تو اسی وقت تمہیں بھگا کر لے جاتا۔"

"میں اب بھی بھاگ سکتی ہوں۔" یاسمین بے اختیار کہہ کر خود ہی محظوظ ہونے لگی۔

"رئیلی! چلو ابھی بھاگ چلیں۔" شہباز ربانی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔

پھر دونوں ہنسنے لگے۔ عجیب ہنسی تھی‘ جس میں پچھتاوا بھی تھا اور پچھتاوے کا مداوا بھی۔ اگر پہلے کچھ ناممکن تھا تو اب ممکن ہو سکتا تھا‘ لیکن درمیانی ماہ و سال نہیں سمیٹے جاسکتے تھے۔

تب ہی اریبہ تیز قدموں سے اندر آئی۔ پھر ایک دم رک گئی۔

یاسمین ہنستے ہوئے یوں دوہری ہو گئی تھی کہ اس کی پیشانی شہباز ربانی کے گھٹنے سے جا لگی تھی اور شہباز ربانی

ے کی بیک پر سر رکھے ہنسی کے اختتام پر "ہاہا" کی آوازیں نکال رہے تھے۔

اریبہ فوری طور پر کچھ سمجھ نہیں سکی۔ یہ بھی نہیں کہ آگے بڑھے یا واپس پلٹ جائے۔ حیران سی کھڑی تھی۔ ب یاسمین نے سر اونچا کیا اور بے تحاشا ہنسی کے باعث آنکھوں سے بہتے پانی کو صاف کرتے ہوئے نظر اریبہ پر ڑی تو یک لخت اس نے اس ماحول کو یوں بدلا کہ اریبہ پریشان ہو کر بھاگی آئی۔

"کیا ہوا مما‘ آپ رو کیوں رہی ہیں؟" شہباز ربانی بوکھلا کر سیدھے ہو بیٹھے اور یاسمین کو دیکھنے لگے۔ جواب باقاعدہ سسکیاں لے رہی تھی۔

"انکل! آپ بتائیں کیا ہوا ہے مما کو؟ کیوں رو رہی ہیں؟"

"بیٹا!" شہباز ربانی اس قدر کہہ کر رہ گئے‘ تب یاسمین سسکیوں کے درمیان گویا ہوئی۔

"اپنی قسمت کو رو رہی ہوں۔ کس مقام پر تمہارے باپ نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ ایسے وقت میں جب ہمیں ل بیٹھ کر بچوں کے بہتر مستقبل کے بارے میں سوچنا اور فیصلہ کرنا تھا۔ میں اکیلی کمزور عورت کیا کرسکوں گی۔"

"او ہو یاسمین! یہی تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ تم اکیلی نہیں ہو۔ تمہارے بچے تمہارے ساتھ ہیں۔" شہباز ربانی کو بات کا سرا مل گیا تھا۔ "پھر ماشاءاللہ سب بچے سمجھ دار ہیں۔ تمہیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چلو! رونا بند کرو دیکھو بچی کیسے پریشان ہو رہی ہے۔"

"مما پلیز!" اریبہ نے اس کی کلائیاں تھام کر منّت کی۔

"سوری بیٹا! بس ابھی شہباز نے حال احوال پوچھا تو دل بھر آیا۔ میں ٹھیک ہوں۔ ڈونٹ وری۔" یاسمین نے اریبہ کا گال تھپکا‘ پھر اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

شہباز ربانی اریبہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ آیا وہ مشکوک ہے یا مطمئن‘ لیکن انہیں کچھ اندازہ نہیں ہوا کیونکہ اس کے چہرے پر اس وقت یاسمین کے لیے صرف پریشانی چھلک رہی تھی۔

"مما! آپ کو اتنا حساس نہیں ہونا چاہیے۔ چلیں اٹھیں! منہ ہاتھ دھوئیں‘ پھر چائے پیتے ہیں۔"

اریبہ نے یاسمین کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا اور جب وہ کمرے سے نکل گئی‘ تب اس کی جگہ پر بیٹھ کر شہباز ربانی سے کہنے لگی۔

"اصل میں انکل مما بہت لونلی فیل کرتی ہیں اور ہم سے تو وہ اپنے دل کی بات کہتی بھی نہیں ہیں۔ بس یہی ظاہر کرتی ہیں جیسے انہیں کوئی ٹینشن نہیں‘ لیکن میں بچی نہیں ہوں۔ سب سمجھتی ہوں‘ ڈیڈی کی سیکنڈ میرج کا انہوں نے بہت اثر لیا ہے۔ اور اب تو اس خوف میں بھی مبتلا ہو گئی ہیں کہ کہیں ڈیڈی ہم سب کو ان سے چھین نہ لیں۔"

"ہاں۔ ہاں! میں نے بھی ابھی یہی محسوس کیا ہے۔" شہباز ربانی نے فوراً تصدیق کر کے گویا اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ایسا نہیں ہوسکتا انکل! آپ بتائیں کیا یہ ممکن ہے کہ میں‘ سارہ اور حماد مما کو اکیلا چھوڑ کر ڈیڈی کے ساتھ چلے جائیں؟" اس کے لہجے میں عجیب سی بے چارگی در آئی تھی۔

"نہیں بیٹا! یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ میں تمہاری ماں کو سمجھاؤں گا تم فکر مت کرو۔" شہباز ربانی نے اسے تسلی دی۔

"تھینک یو انکل! تھینک یو۔" وہ ممنونیت سے بولی تھی۔

✻ ✻ ✻

اسے تاجور کو اپنے ساتھ لانے کا یہی طریقہ سمجھ میں آیا تھا کہ وہ فوری شادی کر لے‘ یوں تاباں اور تاجور آرام

سے رہ سکتی تھیں۔ اور بظاہر تو اسے اپنی شادی میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی تھی۔ پھر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ابا کیوں ٹال مٹول کر رہے تھے۔ وہ روزانہ ہی ابا کو فون کر رہا تھا یہ جاننے کے لیے کہ تاباں کے ابا شادی کا کیا کہتے ہیں۔ اور روز ہی ابا کوئی نئی بات کرتے تھے۔ اس وقت وہ بری طرح جھنجلا گیا تھا۔

"ابا! آپ صاف صاف بتائیں کیا مسئلہ ہے۔ آپ میری شادی نہیں کرنا چاہتے یا۔۔۔؟"

"لے میں کیوں نہ چاہوں گا۔" ابا اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑے تھے۔ "مجھے تیری ذات سے کتنے فائدے پہنچ رہے ہیں۔ بڑا کما کے دے رہا ہے نا مجھے جو میں تیری شادی نہیں کروں گا۔"

"کیوں ناشکری کرتے ہیں ابا! جتنا میں کر سکتا ہوں، کر رہا ہوں۔ ہر مہینے منی آرڈر ملتا ہے آپ کو کہ نہیں؟" وہ زچ ہوا تھا۔

"بس رہنے دے۔ احسان نہ جتا۔"

"میں کوئی احسان نہیں جتا رہا۔ زیادہ کماؤں گا تو زیادہ بھیجوں گا۔ ابھی آپ مجھے میری بات کا جواب دیں، کیا کہتے ہیں تاباں کے ابا؟" وہ فوراً اصل بات کی طرف آگیا۔

"پہلے تو بتا تجھے ضرور تاباں سے شادی کرنی ہے۔" ابا نے پوچھا تو وہ فوری قیاس کر کے بولا تھا۔

"اس کا مطلب ہے آپ میری شادی تاباں سے نہیں کرنا چاہتے۔"

"مجھے بیچ میں نہ لا تو اپنی بات کر۔" ابا کو غصہ پتا نہیں کس بات کا تھا۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا پھر آرام سے بولا تھا۔

"ہاں ابا! میں تاباں ہی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ کو اعتراض۔۔۔"

"نہ نہ پتر! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ابا فوراً بولے تھے۔ "اور اعتراض تو تاباں کے باپ کو بھی نہیں ہے۔ پر وہ بدلے میں تاجور مانگتا ہے۔"

"ک۔۔۔ کیا مطلب؟" وہ جیسے سمجھ کر بھی نہیں سمجھا تھا۔

"وٹہ سٹہ۔۔۔!" ابا زور دے کر کہنے لگے۔ "تاباں کی شادی وہ وٹے سٹے پر ہی کرے گا۔ اب بتا تاجور کو بیاہ دوں اس سے؟"

"ابا۔۔۔!" اس کا ذہن یک لخت ماؤف ہو گیا تھا۔ "یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ابا!"

"میں نہیں کہہ رہا، تاباں کے باپ کی یہی شرط ہے۔ میں نے ابھی اسے جواب نہیں دیا۔ تو سوچ لے۔ اگر تجھے ٹھیک لگتا ہے تو میں ہامی بھر لیتا ہوں۔"

"نن۔۔۔ نہیں ابا! ابھی آپ کچھ نہ کہیں۔ میں۔۔۔ میں خود آؤں گا، خود بات کروں گا۔ آپ۔۔۔ آپ بس۔۔۔" وہ بالکل نہیں سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" ابا نے لائن کاٹ دی تھی، لیکن اس کی سماعتوں میں ابھی بھی ان کی آواز گونج رہی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کے دماغ کی نسیں پھٹنے کو ہیں۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے وہ بے یار و مددگار بیٹھا تھا۔ کوئی بھی تو نہیں تھا جو اسے دو گھونٹ پانی ہی پلا دیتا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ انتہائی بے چارگی سے وہ اپنے اطراف ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

جب سے اس نے ابا سے اپنی شادی کی بات کی تھی، اسے اپنے اپارٹمنٹ میں رونقیں اترتی محسوس ہونے لگی تھیں۔ چشم تصور میں وہ تاباں کو یہاں وہاں، ہر جگہ چلتے پھرتے دیکھ رہا تھا، کبھی لگتا وہ کچن سے اسے پکارتی ہوئی نکل رہی ہے۔ کبھی بالکونی میں تاجور کے ساتھ کھڑی ہر آئے گئے پر تبصرے کرتی، پھر اس کی کھلکھلاہٹیں۔

پچھلے چند دنوں سے وہ یہی سب سوچتا اور اپنے آپ مسکراتا رہا تھا۔ اپنی راہ میں کسی رکاوٹ تو کیا آزمائش کا بھی اس نے گمان نہیں کیا تھا اور اس وقت تو وہ کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھا۔ ذہن پر ابا کی آواز ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

"وٹہ سٹہ۔۔۔ وہ بدلے میں تاجور مانگتا ہے۔"

"نہیں۔۔۔!" وہ پورا پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ گھبرا کر بالکونی میں نکل آیا۔ اس تمام عرصے میں آج پہلی بار وہ اجالے میں بالکونی میں کھڑا تھا۔

وسط دسمبر کی ہلکی دھوپ ابھی باقی تھی۔ گو کہ سردی نے ابھی اپنا رنگ نہیں جمایا تھا لیکن خوش گوار ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اگر اپنے حواس میں ہوتا تو ضرور سوچتا کہ وہ کتنی سہانی شاموں سے محروم رہا تھا۔ پھر اسے ملال بھی ہوتا، جبکہ اب کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ نیچے کمپاؤنڈ میں کھیلتے بچوں نے اودھم مچا رکھا تھا، لیکن اس کے کان اس شور سے بھی آشنا نہیں ہو رہے تھے۔ کتنی دیر وہ ماؤف ذہن کے ساتھ بچوں کی ہلڑبازی دیکھتا رہا پھر اس کی نظریں بھٹکی تھیں۔ سامنے کے اپارٹمنٹس سے دو لڑکیاں سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ عجیب بے خودی تھی۔ وہ خود کو بھی فراموش کیے کھڑا تھا کہ اچانک اس کے ذہن کو جھٹکا لگا تھا اور یونہی نہیں۔ نظروں کے سامنے جو دو لڑکیاں تھیں، ان میں سے ایک مہارت سے بائیک اسٹارٹ کر کے بیٹھی اور زن سے بھگا لے گئی تھی۔

اور اسے لگا جیسے اس نے ابھی ابھی جنم لیا ہے۔ اس سے پہلے وہ کہیں نہیں تھا۔ اس کے احساسات کو پھر سے زندگی ملی تھی۔ وہ اب دیکھ رہا تھا، سن رہا تھا اور سوچنے بھی لگا تھا۔

* * *

"رازی بھائی پلیز! چلیں ناں، سنبل آپی نے اتنے اصرار سے بلایا ہے۔" ثنا صبح سے رازی کی خوشامد کر رہی تھی۔ اور اب تو رو دینے کو ہو گئی تھی۔

"تم بلال کے ساتھ کیوں نہیں چلی جاتیں؟" رازی اس کی رونی صورت دیکھ کر صاف انکار بھی نہیں کر سکا۔

"نہیں بھائی! بلال تمام راستہ ڈانٹتے ہوئے جاتا ہے۔ میں نہیں جاؤں گی اس کے ساتھ۔" ثنا نے مزید منہ پھلا کر کہا۔

"میں سمجھا دیتا ہوں اسے۔ نہیں ڈانٹے گا۔"

"رہنے دیں میں نہیں جا رہی۔" ثنا ناراض ہو کر جانے لگی تب مجبوراً رازی کو اٹھنا پڑا۔

"اچھا چلو، اور دیکھو زیادہ دیر وہاں مت رکنا۔"

"نہیں بس تھوڑی دیر بیٹھیں گے۔" ثنا خوش ہو گئی۔

"امی کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں۔ کچھ آؤٹنگ ہو جائے گی ان کی۔" رازی نے اس کے ساتھ کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"سوچ لیں! امی ساتھ جائیں گی تو پھر جلدی واپسی نہیں ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے ماموں جی رات میں روک لیں۔" ثنا نے اسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گئی۔

"اچھا جاؤ، امی سے کہہ آؤ۔ ہم ابھی آتے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

ثنا نے کھڑے کھڑے ساجدہ بیگم کو رازی کے ساتھ جانے کا بتایا، پھر بھاگتی ہوئی آ کر گاڑی میں بیٹھی تھی۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ کہیں رازی کا ارادہ بدل نہ جائے۔ رازی نے اس کے بیٹھتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی پھر پوچھنے لگا۔

"سنبل نے کس سلسلے میں بلایا ہے؟"

"یہ تو ماموں نے ہی بتایا۔"

"تم نے پوچھا بھی نہیں۔"

"اوہو بھائی! ہو گی کوئی بات۔ ہو سکتا ہے سرپرائز ہو یا پھر صرف محبت میں بلایا ہو۔ میں بھی تو انہیں بلاتی ہوں۔" ثنا اس کے سوالوں سے تنگ پڑ کر بولی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن سنبل کے ساتھ تمہاری دوستی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میرا مطلب ہے اس کی اور تمہاری عمر میں کافی فرق ہے۔" رازی کے اندر کوئی کھوج نہیں تھی۔ سیدھے سادے انداز میں بات کر رہا تھا۔

"تو کیا ہوا! سنبل آپی کوئی غیر تو نہیں ہیں۔ ہماری ماموں زاد ہیں اور رشتہ داری میں عمروں کا فرق آڑے نہیں آتا۔ محبت اور خلوص دیکھا جاتا ہے۔ جہاں سے زیادہ خلوص ملتا ہے، بندہ وہیں بھاگتا ہے۔"

ثنا اندر ہی اندر جز بز ضرور ہوئی لیکن کمال ہوشیاری سے بات سنبھال رہی تھی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" رازی نے تائید کی تو ثنا کو موقع مل گیا۔

"سچ بھائی! مجھے شروع سے سنبل آپی بہت اچھی لگتی ہیں۔ اتنی محبت کرنے والی، میرا دل چاہتا ہے انہیں اپنے گھر لے آؤں۔"

"ابھی تو اس کا گھر آگیا۔" رازی نے گاڑی روک کر ثنا کو دیکھا۔

"اتنی جلدی!" ثنا کو افسوس ہوا کہ ابھی تو اس نے اصل بات شروع کی تھی۔

"اب تم بھی واپسی کی جلدی کرنا۔" رازی نے پھر اسے تنبیہہ کی اور گاڑی لاک کر کے اس کے ساتھ اندر آیا تو پہلے مقام پر ماموں جی اور مامی جی سے ملاقات ہو گئی۔ دونوں نے اس کی آمد پر جہاں خوشی کا اظہار کیا، وہاں شکوہ بھی کہ وہ ادھر کا راستہ ہی بھول گیا تھا۔

رازی نادم سا ہو کر وضاحتیں دینے لگا تو ثنا جلدی سے سنبل کے کمرے میں آ گئی۔

"ارے تم کیسے آئیں؟" سنبل اچانک ثنا کو دیکھ کر حیران ہوئی۔

"رازی بھائی کے ساتھ۔" ثنا نے اترا کر شوخی سے بتایا تو سنبل جھینپ کر بولی۔

"تو فرصت مل گئی انہیں۔"

"ارے! آپ کے لیے تو فرصت ہی فرصت ہے۔ پتا ہے صبح سے یہاں آنے کو بے قرار تھے۔ میں ہی کاموں میں الجھی ہوئی تھی۔ خیر اب آپ دیر نہ کریں، جلدی سے انہیں اپنا دیدار کرا دیں۔" ثنا بہت چہکنے لگی تھی۔

"ہشت، ایسی باتیں نہیں کرتے۔" سنبل نے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

"اچھا آپ چلیں تو۔" ثنا نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو وہ جلدی سے اپنا دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی، پھر ثنا کو چلنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ لاؤنج میں آ گئی۔

رازی ماموں جی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ مامی جی جیسے سنبل کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی محض رازی کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی خاطر اونچی آواز میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

"بیٹا! چائے لے آؤ جلدی۔"

"جی!" سنبل نے پلٹنے سے پہلے رازی کو دیکھا اور اسے متوجہ نہ پا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ثنا پریشان ہو کر اس کے پیچھے بھاگی آئی کہ کہیں جھوٹ کا پول نہ کھل جائے۔ الزام مامی جی کے سر رکھ دیا۔

"مامی جی بھی بس، کیا ضرورت تھی فوراً چائے کا کہنے کی۔ ہیلو ہائے تو ہونے دیتیں۔ بے چارے رازی بھائی۔"

سنبل کچھ نہیں بولی، نہ ہی اس کی طرف دیکھا۔ خاموشی سے ایک چولہے پر چائے کا پانی رکھا، دوسرے پر کباب

نے میں مصروف ہو گئی۔

"اوہو سنبل آپی! اب آپ تو نہ اپنا موڈ خراب کریں۔" ثنا کو کھسیاہٹ میں اب کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

"میرا موڈ ٹھیک ہے، تم چلو، میں یہ لے کر آتی ہوں۔" سنبل نے کباب پلیٹ میں نکالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ارے واہ، میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں جو جا کر آرام سے بیٹھ جاؤں اور یہ آپ اتنا تکلف کیوں کر رہی ہیں؟ بس چائے ٹھیک ہے، ویسے بھی رازی بھائی اس وقت کچھ نہیں کھاتے۔"

"میں صرف رازی کے لیے تو نہیں بنا رہی۔ چلو! یہ ٹرے لے جاؤ۔" سنبل نے کہتے ہوئے ٹرے اٹھا کر ثنا کے ہاتھوں میں تھما دی۔

"اور آپ؟" ثنا اندر سے کچھ خائف ہو گئی تھی۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔"

"جلدی آیئے گا۔" ثنا کو فی الوقت بھاگنے میں عافیت نظر آئی۔ لیکن وہ ہار ماننے والی نہیں تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اریبہ کا پتا صاف کر کے رہے گی اور سنبل کو ہی اپنی بھابھی بنائے گی۔

✲ ✲ ✲

خاصا خوش گوار ماحول تھا۔ یاسمین اور شہباز ربانی، اریبہ اور سارہ کو اپنے بچپن کے قصے سنا رہے تھے اور وہ دونوں بڑی محظوظ ہو رہی تھیں کہ اچانک یاد آنے پر سارہ بولی تھی۔

"ارے آج تو ویک اینڈ ہے، ڈیڈی آئیں گے۔"

یاسمین نے ایک دم شہباز ربانی کو دیکھا۔ وہ بھی اس خبر سے کچھ بے چین ہو گئے تھے۔

"ہاں۔۔۔ کہا تو ڈیڈی نے یہ ہی تھا کہ اب ہر ویک اینڈ پر آیا کریں گے، دیکھو۔"

اریبہ کے انداز میں بے اعتباری تھی، پھر شہباز ربانی سے پوچھنے لگی۔ "انکل آپ ڈیڈی سے ملے ہیں؟"

"ہوں۔۔۔!" شہباز ربانی چائے کا سپ لے رہے تھے۔ کپ نیچے کر کے "ہوں" کی آواز سے زیادہ گردن اثبات میں ہلائی، پھر کہنے لگے۔ "شادی میں ملاقات ہوئی تھی، اس کے بعد دو ایک بار سامنا ہوا، پھر میں باہر چلا گیا۔ اب تو شاید وہ مجھے پہچانیں گے بھی نہیں۔"

"آپ انہیں پہچان لیں گے؟" سارہ نے فوراً پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ اگر ان میں زیادہ تبدیلی نہیں آئی ہو گی تو ضرور پہچان لوں گا۔" شہباز ربانی نے قصداً محظوظ انداز اختیار کیا، پھر یاسمین کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ وہ کسی سوچ میں بیٹھی تھی۔

"چلیں دیکھتے ہیں ڈیڈی آپ کو پہچانتے ہیں کہ نہیں۔" سارہ نے مشتاق انداز میں کہا تب ہی گاڑی کے ہارن کی آواز آئی تو اریبہ بے ساختہ حیرت سے بولی تھی۔

"واقعی ڈیڈی آ گئے۔"

یاسمین نے چونک کر اریبہ کو دیکھا، پھر ایک دم اٹھ کر اندر چلی گئی۔ چونکہ اریبہ کے سامنے وہ اپنا خدشہ بیان کر چکی تھی کہ توصیف احمد، شہباز ربانی کے آنے پر اعتراض کریں گے، اس لیے اسے یاسمین کے جانے پر تعجب نہیں ہوا، البتہ سارہ ضرور حیران تھی۔

شہباز ربانی کو اپنی پوزیشن عجیب ڈلگ رہی تھی، خود کو سنبھالنے میں لگے ہوئے تھے۔ توصیف احمد بیٹیوں کو دیکھ کر اسی طرف آ گئے تو وہ دونوں اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

"السلام علیکم ڈیڈی!"

"وعلیکم السلام!" توصیف احمد بہت اچھے موڈ میں تھے، خوش ہو کر جواب دیا، پھر شہباز ربانی پر نظر پڑی تو نہ صرف ٹھٹکے بلکہ پیشانی پر شکنیں بھی نمودار ہو گئی تھیں۔

"ڈیڈی! یہ شہباز انکل ہیں، مما کے بھائی۔ آپ تو جانتے ہوں گے انہیں۔" اریبہ نے ان کی پیشانی سکڑتے دیکھ کر فوراً" تعارف کرایا۔

"جانتا تو نہیں ہوں، بس ایک دو بار ملاقات ہوئی تھی۔ ہیلو!" توصیف احمد نے اریبہ کو جواب دے کر شہباز ربانی کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"ہیلو..." شہباز ربانی نے اٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ "کیسے ہیں آپ؟"

"فرسٹ کلاس، آپ کب آئے؟" توصیف احمد کا انداز بے حد سرسری تھا۔

"کچھ دن ہوئے۔" شہباز ربانی نے بتایا اور اس سے پہلے کہ توصیف احمد کوئی اور سوال کرتے اریبہ بول پڑی۔

"ڈیڈی! آپ بیٹھیں نا۔ سارہ! ڈیڈی کے لیے چائے لاؤ۔"

"میرا خیال ہے ڈیڈی پہلے چینج کریں گے۔ کیوں ڈیڈی!" سارہ نے کہہ کر توصیف احمد سے تصدیق چاہی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا کر پوچھا۔

"آپ کی مما کہاں ہیں؟"

"اندر ہیں۔ چلیں میں آپ کے کپڑے نکال دوں۔ میں نے صبح ہی پریس کر دیے تھے۔" سارہ اپنے انداز میں بولتی ہوئی توصیف احمد کے ساتھ اندر چلی گئی تب اریبہ نے شہباز ربانی کی طرف دیکھا تھا۔ شہباز ربانی بہت اداس لگ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

یاسمین جانتی تھی کہ توصیف احمد اس سے شہباز ربانی کے بارے میں سوال جواب ضرور کریں گے اور اس کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ خصوصاً" توصیف احمد کے ساتھ آرام سے بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔ بہت جلدی آپے سے باہر ہو کر چیخنے چلانے لگتی تھی، لیکن ابھی وہ ایسا نہیں چاہتی تھی، کیونکہ گھر میں شہباز ربانی موجود تھے، اس لیے وہ خود کو بہت سمجھا کر کمرے میں آئی تھی۔

توصیف احمد صوفے پر بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ فوری طور پر انہوں نے یاسمین کے آنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ آرام سے کافی پینے میں مصروف رہے۔ یاسمین گزشتہ کی طرح پہلے واش روم میں گئی۔ اس کے بعد الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔ توصیف احمد سائیڈ میں بیٹھے تھے۔ الماری کا پٹ کھلا ہونے کے باعث انہیں صرف یاسمین کی پشت نظر آ رہی تھی۔

"شہباز یہیں رہ رہے ہیں؟" توصیف احمد نے کافی کا آخری گھونٹ لے کر یاسمین کو مخاطب کیے بغیر پوچھا تھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" یاسمین گو کہ خود کو بہت سمجھا کر آئی تھی، پھر بھی سیدھا جواب نہیں دے سکی۔

"بالکل!" توصیف احمد خالی مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "اور یہ محض اعتراض نہیں ہے تمہیں خود سمجھنا چاہیے، گھر میں جوان بیٹیاں موجود ہیں۔"

"تو..." یاسمین نے زور سے الماری کا پٹ بند کر کے انہیں خونخوار نظروں سے دیکھا تھا۔

"کنٹرول یور سیلف یاسمین! چیخ چلا کر اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش مت کیا کرو۔" انہوں نے انتہائی سخت لہجے میں ٹوکا۔

"کیا غلطی کی ہے میں نے؟ برسوں بعد میرا کوئی عزیز باہر سے آیا ہے، اگر میں نے اسے یہاں ٹھہرا لیا ہے تو کون سی قیامت آ گئی ہے۔" یاسمین نے آواز دبالی تھی، لیکن لہجہ ہنوز تیکھا سلگتا ہوا تھا۔

"شٹ اپ، مجھے تمہارا کوئی عذر نہیں سننا۔ اپنے عزیز سے کہو اپنا ٹھکانا کہیں اور کر لے، میرے گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔" انہوں نے غصے سے کہا۔

"ٹھیک ہے تو پھر ہم اس گھر میں نہیں رہیں گے۔" یاسمین نے دھمکی دی۔

"ہم سے مطلب؟" توصیف احمد کی آواز جانے غصے کی انتہا پر جا کر دم توڑ گئی تھی یا یاسمین کی دھمکی کام کر گئی تھی۔

"میں اور میرے بچے۔" یاسمین گردن اکڑا کر بولی تھی۔

"بچے؟ بچوں کا نام مت لینا، اگر تم نے کبھی ایسا سوچا بھی تو میں انجام کی پروا کیے بغیر تمہیں شوٹ کر دوں گا۔" ان کے لہجے کی سنگینی سے یاسمین مرعوب نہیں ہوئی، الٹا ہاتھ اٹھا کر کہنے لگی۔

"بس توصیف! اپنی انرجی ویسٹ مت کرو۔ بچوں کی نظروں میں اب تمہارا وہ مقام نہیں رہا، تم نے خود اپنے آپ کو ان سے دور کیا ہے۔ اس کے بعد تم یہ توقع کیسے کر رہے ہو کہ بچے مجھے اکیلا کہیں جانے دیں گے؟ جہاں میں جاؤں گی، وہ میرے ساتھ جائیں گے۔"

"لگتا ہے شہباز ربانی نے بڑا آسرا دے دیا ہے تمہیں۔" توصیف احمد نے چبھتا ہوا طنز کیا، یاسمین تلملا گئی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو، مجھے تمہیں آئینہ دکھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" توصیف احمد کہہ کر کارنر کی طرف بڑھ گئے۔ گاڑی کی چابی اٹھائی، پھر اسے دیکھ کر بولے تھے۔

"میں جا رہا ہوں۔ دوبارہ آؤں تو شہباز ربانی یہاں نہیں ہونا چاہیے۔"

"وہ اپنی مرضی سے یہاں نہیں رہ رہا۔" یاسمین بتانا چاہتی تھی کہ اریبہ زبردستی اسے لے کر آئی ہے، لیکن توصیف احمد اس کی بات پوری ہونے تک رکے ہی نہیں، یوں اس کے قریب سے نکل کر گئے جیسے کچھ سننا ہی نہیں چاہتے۔

یاسمین کھولتی رہ گئی، اپنی بے بسی پر، کیونکہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ خواہ کتنی من مانی کر لے، اس گھر میں وہی ہو گا جو توصیف احمد چاہیں گے۔ وہ کسی طرح بھی انہیں یہاں سے مکمل طور پر بے دخل نہیں کر سکتی۔ گھر ان کا، اولاد ان کی اور وہ گھر اور اولاد کی تمام ذمہ داریاں نبھا بھی رہے تھے۔ اگر ان کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوتی تب تو وہ ان کے خلاف باقاعدہ محاذ بنا سکتی تھی مگر ایسا نہیں تھا، جب ہی اس نے اریبہ پر گرفت رکھی تھی اور اسے اپنے لیے ڈھال کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ ابھی بھی اس سے صبر نہیں ہوا، اسی وقت اریبہ کے کمرے میں آ گئی۔

اریبہ اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی اسٹڈی میں مصروف تھی اور سارہ بیڈ پر نیم دراز کسی میگزین میں محو۔ دروازہ کھلنے پر دونوں ہی ادھر متوجہ ہوئی تھیں۔

"تم دونوں ابھی سوئی نہیں؟" یاسمین دونوں کے دیکھنے پر فوراً" یہی کہہ سکی۔

"ابھی تو صرف گیارہ بجے ہیں مما!" اریبہ نے وال کلاک پر نگاہ ڈال کر کہا۔

"ڈیڈی سو گئے؟" سارہ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، وہ چلے گئے۔" یاسمین نے یوں نگاہیں چرائیں جیسے پشیمان ہو رہی ہو۔

"کیوں؟" سارہ کے لہجے میں حیرت کے ساتھ احتجاج بھی تھا۔

اریبہ نے ایک نظر سارہ کو دیکھا، پھر اٹھ کر یاسمین کے قریب چلی آئی۔

"کیا ہوا مما، کیوں چلے گئے ڈیڈی؟"

"بیٹا وہ شہباز، میرا مطلب ہے ان ہی کی وجہ سے، اب بتاؤ میں شہباز سے کیسے کہوں کہ وہ یہاں سے چلے جائیں۔" یاسمین بے بسی کی تصویر بن گئی۔

"اوہو مما! آپ اتنا ڈرتی کیوں ہیں، آیئے! یہاں بیٹھیں۔" اریبہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بیڈ پر بٹھایا، پھر پاس بیٹھ کر پوچھنے لگی۔

"آپ بتائیں کیا کہا ہے ڈیڈی نے؟"

"ناراض ہو رہے تھے کہ شہباز یہاں کیوں آئے ہیں اور یہ کہ میں انہیں فوراً" جانے کا کہہ دوں۔ میرے لیے تو یہ بہت مشکل ہے بیٹا! تم کسی طرح۔۔۔" یاسمین نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ توصیف احمد کو ناراض نہیں کر سکتی۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں مما! گھر آئے مہمان سے ہم کہیں کہ اپنا بوریا بستر سمیٹو، اپنا اسبل، ایسی غیر اخلاقی حرکت میں کروں گی نہ آپ۔" اریبہ ہتھے سے اکھڑنے لگی تھی۔

"تو پھر کیا کریں بیٹا! تمہارے ڈیڈی بھی تو۔۔۔" یاسمین الجھنے لگی۔

"ڈیڈی کچھ بھی کہیں۔ آپ شہباز انکل سے جانے کو نہیں کہیں گی۔ آخر، آخر رواداری بھی کوئی چیز ہے۔ ناپسندیدہ مہمانوں سے بھی بندہ ایسا سلوک نہیں کرتا، حیرت ہو رہی ہے مجھے ڈیڈی پر۔" اریبہ برہمی سے کہتے ہوئے آخر میں سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ویسے کچھ دنوں کی بات ہے۔ شہباز گھر دیکھ رہے ہیں۔" یاسمین سوچنے کے انداز میں بولی تھی۔

"چلیں، آپ پریشان نہ ہوں۔ ڈیڈی کو ہم منا لیں گے۔" اس نے کہہ کر سارہ کو دیکھا۔ وہ ہتھیلی پر ٹھوڑی رکھے کچھ پریشان بیٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ رات بہت دیر سے یہاں پہنچا تھا۔ شہر کی نسبت یہاں سردی زوروں پر تھی۔ وہ بس کھڑے کھڑے ہی ابا سے ملا، پھر جو موٹے لحاف میں گھس کر سویا تو اگلے دن دوپہر میں اٹھا تھا۔ خلاف توقع کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس نے گردن اونچی کر کے ادھر ادھر دروازے سے باہر تک نظر دوڑائی، پھر بہن کو پکارنے لگا۔

"تاج۔۔۔ تاجور!"

"جی بھائی!" تاجور بھاگی آئی تھی۔ "آپ اٹھ گئے؟"

"اٹھ ہی گیا ہوں۔" وہ اپنے پیچھے تکیہ اونچا کر کے بیٹھا، پھر پوچھنے لگا۔ "باقی سب کہاں ہیں؟"

"ابا تو شام میں ہی آتے ہیں۔ خالہ روٹی پکا رہی ہیں، آپ تو پہلے چائے پیو گے؟" تاجور نے جواب کے ساتھ کہا۔

"ہاں، لیکن ابھی تم یہاں میرے پاس بیٹھو۔" اس نے کہنے کے ساتھ کھسک کر تاجور کے لیے جگہ بنائی تو وہ آ کر بیٹھ گئی۔

"اب پہلے اپنا حال چال سناؤ، اچھی تو ہو نا؟" اس نے تاجور کے روکھے سنہرے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"جی بھائی، میں ٹھیک ہوں، پر وہ تاباں ہے نا، وہ بہت رو رہی تھی۔" اس معصوم لڑکی کو اپنا غم نہیں تھا بھائی اور تاباں کے لیے پریشان تھی۔

"کیوں۔۔۔ کیوں رو رہی تھی؟" اس نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

"وہ، پتا نہیں۔" تاجور کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

"پاگل ہے۔" اس نے سر جھٹکا، لیکن تاباں کا خیال نہیں جھٹک سکا تھا۔ جب ہی ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔

"بھائی! چائے لاؤں؟" قدرے رک کر تاجور نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"چائے۔۔۔" تاجور جانے کیوں خائف ہو گئی تھی۔

"ہاں! بنا دو۔" اس نے کہا پھر ایک دم تاجور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "ایک منٹ! یہ تمہاری گردن پر نشان کیسا ہے؟"

"کہاں؟" تاجور مزید سہم گئی۔

"یہ۔۔۔" اس نے انگلی کی پور سے نشان کو چھوا تو تاجور کے ہونٹوں سے بے ساختہ سسکی نکل گئی۔

"درد ہو رہا ہے۔" وہ فوراً" انگلی کھینچ کر تاجور کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"وہ۔۔۔ بھائی دوپٹہ پھنس گیا تھا۔" تاجور کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ صاف لگ رہا تھا، جھوٹ بول رہی ہے۔

"دوپٹہ پھنس گیا تھا، کیسے؟" وہ اچانک بہت پریشان اور مشکوک ہو گیا تھا۔

"نہیں۔ وہ میرے گلے میں دوپٹہ تھا۔ کاکے نے کھینچا تو یہاں سے چھل گیا تھا۔ اب تو ٹھیک ہو گیا ہے۔ درد بھی نہیں ہے۔" تاجور اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"ہاں، سچی بھائی! میں چائے لاتی ہوں۔" تاجور اٹھ کر تیزی سے بھاگی تھی۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں تو چھم سے اماں کا چہرہ سامنے آ گیا۔

"میں کیا کروں اماں! تاجور کے لیے ہی سوچا تھا کہ شادی کر لوں، پھر بیوی کے ساتھ اسے بھی اپنے ساتھ شہر لے جاؤں گا، پر یہاں تو اور مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔" وہ دل ہی دل میں اپنی اماں سے باتیں کر رہا تھا کہ دوسری اماں کی آواز پر چونک کر آنکھیں کھول دیں، وہ کہہ رہی تھیں۔

"تو، بیٹھے بیٹھے سو گیا۔"

"نہیں بس۔۔۔" اس نے ان کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے لیا۔

"روٹی پک گئی ہے، پہلے کھا لیتے، پھر چائے پیتے۔" اماں کہتے ہوئے بیٹھ گئیں۔ وہ کچھ نہیں بولا، چائے کا مگ ہونٹوں سے لگا لیا تو قدرے رک کر اماں پوچھنے لگیں۔

"پھر تم نے کیا سوچا؟"

"کس بارے میں؟" وہ قصداً" انجان بن گیا، ورنہ ان کے بیٹھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ کس مقصد سے بیٹھی ہیں۔

"وہی اپنی اور تاجور کی شادی کا۔" اماں نے جتنے آرام سے کہا اس کے اندر اسی قدر تلخی بھر گئی تھی۔ لیکن وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب ہی ضبط سے گویا ہوا۔

"میری شادی تک تو ٹھیک ہے، پر تاجور کی ابھی نہیں۔"

"پھر کب؟" اماں نے بے صبری سے پوچھا۔

"اس بارے میں ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس کی ساری توانائیاں اپنے اندر اٹھتے ابال کو دبانے میں صرف ہو رہی تھیں۔

"لو! پھر تمہاری شادی ابھی کیسے ہو گی۔ وہ تو کہتا ہے پہلے گھر میں بیوی لاؤں گا، پھر تاباں کو رخصت کروں گا۔"

"ٹھیک ہے لے آئے بیوی، میں انتظار کروں گا۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا، کیونکہ اب جو اماں کہتیں، وہ سننا نہیں

چاہتا تھا' اس لیے تیزی سے باہر نکلا تھا۔

* * *

سانوں اک پل چین نہ آئے
سجنا تیرے بنا

گوکہ دھیمی آواز میں ٹیپ بج رہا تھا۔ پھر بھی آواز باہر تک آرہی تھی۔ سارہ نے قدرے توقف کیا' پھر ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا۔

سمیر ایک بازو آنکھوں پر رکھے سیدھا لیٹا' جانے سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا۔ سارہ کو اندازہ نہیں ہوا۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بیڈ کے قریب رک کر چند لمحے اسے دیکھتی رہی' پھر بڑھ کر ٹیپ ریکارڈ بند کر دیا۔

سمیر نے فوراً" آنکھوں سے بازو ہٹایا اور اسے دیکھ کر ناگواری سے بولا تھا۔

"کیوں آئی ہو؟"

"میری پھوپھو کا گھر ہے' جب دل چاہے گا' آؤں گی۔" سارہ نے قصداً" بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔

"پھوپھو کا گھر ہے۔" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ "تو جاؤ پھوپھو کے پاس۔ میرے کمرے میں کیا لینے آئی ہو؟"

"تمہارے کمرے میں ہے ہی کیا۔" وہ چڑا کر بولی۔

"دیکھو....!" وہ غصے سے انگلی اٹھا کر کوئی سخت بات کہنا چاہتا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں' ذرا' ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے ہو۔"

"تمہیں میری ناراضی کی پروا ہے؟" سمیر کا لہجہ ہنوز غصے بھرا تھا۔

"نہ ہوتی تو آتی کیوں؟" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"بڑی جلدی آگئیں۔" سمیر نے طنز کیا' جس پر وہ سلگ گئی۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو میرا گھر سے نکلنا کم ہی ہوتا ہے' ابھی بھی کالج سے آرہی ہوں اور اگر اب تم نے کوئی فضول بات کی تو میں اسی وقت چلی جاؤں گی۔"

"ہاں تو جاؤ۔ کس نے منع کیا ہے۔" وہ کہنے کے ساتھ اٹھا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

سارہ نے خفگی سے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے' ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری' آ نہیں سکتی تھیں' فون تو کر سکتی تھیں۔" وہ حد درجہ شاکی تھا۔

"ایک بار نہیں' کتنی بار کیا اور پرسوں تو رات گیارہ بجے کیا تھا' تب بھی تم گھر پر نہیں تھے۔ آخر کہاں رہتے ہو؟" وہ باقاعدہ لڑنے پر تیار ہو گئی۔

"کہیں بھی رہتا ہوں۔ تم میرے سیل پر فون کر سکتی تھیں۔"

"جی نہیں' میں نہ سیل رکھتی ہوں' نہ کسی کے سیل پر فون کرتی ہوں۔"

"میں "کسی" نہیں ہوں۔" وہ زور دے کر بولا' پھر ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ "پاگل ہوں میں اپنے آپ جانے کیا کچھ فرض کر لیتا ہوں۔"

"میں تم سے بڑی پاگل ہوں جو یہ سمجھ بیٹھی کہ تم کبھی مجھ سے ناراض نہیں ہو سکتے۔" سارہ نے سر جھٹک کر خود پر تاسف کا اظہار کیا۔

"ہاں تو میں کب ناراض ہوا' بس غصہ آتا ہے تمہاری باتوں پر اور جو خوامخواہ کی فکریں تم نے پال رکھی ہیں

ہمارے رازی بھائی اور اریبہ کی۔" وہ نرم ضرور پڑ گیا تھا' لیکن شکوہ کرنے سے پھر بھی باز نہیں آیا۔

"تم اسے خوامخواہ کی فکریں سمجھتے ہو۔" وہ انتہائی تاسف سے بولی۔ سمیر سٹپٹا گیا۔

"نہیں۔ میرا مطلب ہے تم کچھ زیادہ ہی....."

"ہاں' میں کچھ زیادہ ہی محسوس کرتی ہوں۔" وہ آزردگی میں گھر گئی۔

"اور یہ ہی میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اپنی عمر دیکھو' اس عمر میں لڑکیاں ہنستی گنگناتی اور وب صورت خواب سجا کر ان میں کھوئی رہتی ہیں اور تم۔" سمیر نے نرمی سے سمجھانے کے ساتھ اسے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"تمہیں لڑکیوں کے بارے میں کیسے پتا؟" وہ الٹا مشکوک ہو گئی۔ سمیر پھر جھنجلا گیا تھا۔

"میں نے پڑھا ہے' فلموں میں بھی دیکھا ہے اور صرف لڑکیاں ہی نہیں لڑکے بھی اس عمر میں ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں۔" اس نے پھر بے نیازی دکھائی۔ ایسے وقت وہ یہ ہی کرتی تھی۔ جانے کیوں وہ اسے جھنجلاتا ہوا اچھا لگتا تھا۔ اسے چھیڑ کر وہ محظوظ ہوتی تھی۔

"تم!" سمیر اس کے قریب آکر بولا تھا۔ "تم میرے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں۔ میں جو تم سے اپنی محبت کا اعتراف کر چکا ہوں۔ کیا میرے اعتراف نے بھی تمہاری سوچوں کے در وا نہیں کیے' بولو۔"

"پہلے تم دور ہٹو۔" وہ نروس ہو گئی تھی۔

"اوں ہوں۔ پہلے میری بات کا جواب دو۔" سمیر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مجھے نہیں پتا' بس تم دور ہٹو! ورنہ پھر میں کبھی نہیں آؤں گی۔" وہ اسے دھکیلتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے مت بتاؤ' میں خود جان لوں گا۔" وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا جان لوگے؟"

"یہ ہی کہ تمہارے دل میں کیا ہے۔ ویسے یہ تو میں جان گیا ہوں کہ تم میرے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اب خدا کے لیے یہ مت کہہ دینا کہ تم اریبہ' حماد اور رازی کے بغیر بھی نہیں رہ سکتیں۔" سمیر نے دوسری بات ہاتھ جوڑ کر کہی تو وہ بمشکل ہنسی ضبط کر کے بولی تھی۔

"ہاں تو نہیں رہ سکتی ان کے بغیر بھی۔"

"لیکن وہ سب تمہارے بغیر رہ سکتے ہیں۔" سمیر نے زور دے کر کہا۔

"اور تم....." اس نے انتہائی معصومیت کا مظاہرہ کیا۔

"میں کیونکہ پاگل' احمق ہوں' اس لیے شاید نہ رہ سکوں' لیکن میں کوشش ضرور کروں گا' بلکہ مجھے ابھی سے پریکٹس شروع کر دینی چاہیے' کیونکہ تمہارا کوئی بھروسا نہیں' دوسروں کی فکروں میں دبلی تو ہو ہی گئی ہو' کسی بھی وقت اس جہان فانی سے کوچ کر سکتی ہو۔" وہ تپ کر بول رہا تھا اور اب وہ کسی طرح اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی۔

* * *

نہر والے باغ کا وہ مخصوص گوشہ آج بڑے دنوں بعد ان دو محبت کرنے والوں کی آماجگاہ تھا۔ اس گوشے میں لف اقسام کے پھولوں کی بہتات تھی۔ رنگ برنگے پھول جنہیں دیکھ کر چھو کر وہ باتیں کرتے تو ان کے لہجوں یں بھی پھولوں جیسی۔ نرمی اور خوشبو سما جاتی تھی اور انہیں پتا ہی نہیں تھا کہ ان کی باتوں سے پھولوں میں کیسی ابل بچتی تھی۔ بے شک وہ انسان نہیں' جان دار تو تھے۔ خود پر نرم انگلیوں کا لمس محسوس کرتے تھے اور ان کے

جانے کے بعد آپس میں ان کی باتیں کرتے اور پھر ان کا انتظار۔۔۔ اور اس بار طویل انتظار کے بعد وہ دونوں آئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی پھولوں میں پہلے معنی خیز مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ پھر وہ خوشبو لہجے سننے کو بے قرار تھے، لیکن یہ کیا۔۔۔

تاباں رو رہی تھی۔ آنسو ایک تواتر سے اس کی پلکوں سے جدا ہو کر نرم مٹی میں جذب ہو رہے تھے اور شمشیر علی جو ہمیشہ اس کی ذرا سی خفگی پر بے قرار ہو جاتا تھا، وہ خود کو ضبط کے کڑے پہروں میں مقید کیے بیٹھا تھا۔ آنسو پونچھنا تو کجا، اسے ٹوکا تک نہیں اور کتنی دیر بعد گویا ہوا تھا۔

"شاید اسی کو قسمت کہتے ہیں۔ جس کے سامنے ہمارے مضبوط عزائم، ارادے اور محبت تک بے بس ہو جاتی ہے، لیکن میں نے تو کبھی خدا کی خدائی کو چیلنج نہیں کیا تھا۔ ہر موڑ پر اس کا شکر گزار رہا کہ اس نے مجھے ہمت دی، ثابت قدم رکھا، پھر۔۔۔" وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

تاباں اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ کر اسے دیکھنے لگی، پھر ایک دم اس کا بازو تھام کر بولی تھی۔

"میں مر جاؤں گی شمشیر! تمہارے بغیر مر جاؤں گی، کچھ کرو۔"

"کیا کروں؟ سیدھے طریقے سے رشتہ بھیجا تو۔" وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں۔۔۔ پر ابا اپنی بات سے نہیں ہٹے گا۔"

"اور میں اپنی معصوم بہن پر ظلم نہیں کر سکتا۔"

"تو ابھی اس پر ظلم نہیں ہو رہا کیا؟ تم تو شہر میں آرام سے رہتے ہو اور اسے یہاں پیٹ بھر روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ میرا ابا کم از کم اسے روٹی کو تو نہیں ترسائے گا۔" تاباں نے کہا تو وہ بہت ضبط سے گویا ہوا۔

"خود غرضی مت دکھاؤ تاباں! نہ مجھے اس پر اکساؤ۔ میں اپنے دل کی خوشی کے لیے بہن کو قربان نہیں کر سکتا اور وہ صرف میری بہن نہیں بیٹی بھی سمجھو۔ بچپن میں اسے میں نے لوریاں سنائی ہیں، بانہوں میں جھلایا ہے، ماں کی گود تو اسے میسر ہی نہیں آئی۔ اس کے لیے سب کچھ میں تھا اور ہوں اور یہ دوری بھی میں صرف اس لیے برداشت کر رہا ہوں کہ اسے اچھی زندگی دے سکوں اور اگر ابھی میں نے فوری شادی کا سوچا تو وہ بھی اس کی خاطر، کیونکہ میں اسے وہاں اکیلا نہیں رکھ سکتا۔"

"تو تم تاجور کے لیے؟" تاباں اچانک جیسے پاتال میں اتر گئی تھی۔

"ہاں، لیکن اسے تم میری محبت کے ترازو میں مت رکھو۔ تم میری محبت ہو، تاجور میرا فرض اور میں تمہیں صاف بتا دوں اگر محبت اور فرض میں کسی ایک کے انتخاب کا مرحلہ آ گیا تو میرے لیے فرض زیادہ اہم ہے۔"

تاباں گنگ ہو گئی تھی، شاید شاکڈ تھی۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر خاموش ہو گیا، لیکن پھر رہا نہیں گیا۔ اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہنے لگا۔

"دیکھو، اس سے یہ مت سمجھ لو کہ مجھے تم سے محبت نہیں۔ میری محبت صرف تم ہو اور تمہارے حصول کے لیے جو جائز اقدام تھا، وہ میں نے کیا۔ اس سے ہٹ کر اگر تم کچھ چاہو گی تو وہ میں نہیں کر سکتا، کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ میں نے صاف ستھری زندگی گزاری ہے، دوسرے میں بہت پریکٹیکل آدمی ہوں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنے ابا کو راضی کر لو کہ وہ وٹے سٹے کی ضد چھوڑ دیں۔"

"ابا نہیں مانے گا۔" تاباں کے حلق سے رندھی آواز نکلی تھی۔

"تم نے کوشش کی؟"

تاباں نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تو کرو کوشش، یہ تمہارا حق ہے۔ میں انتظار کر سکتا ہوں، جتنا تم کہو گی، سال دو سال، دس سال، سمجھ رہی ہو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔

✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
✧ مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جا سکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

نا۔"

تاباں نے سمجھنے نہ سمجھنے کا کوئی اشارہ نہیں دیا۔ سر جھکا کر نرم مٹی پر ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔

* * *

وہ تاباں کو بھیج کر خود دوسرے راستے سے گھر آیا تھا اور ابھی دروازے پر تھا کہ اندر سے آتی اماں کی تیز آواز پر اس نے قدم روک لیے تھے، وہ کہہ رہی تھیں۔

منحوس، کہاں جلی! کہہ نہیں سکتی بھائی سے کہ تو اس رشتے پر راضی ہے۔"

"آپ کہہ دو خالہ!" تاجور کی رندھی آواز منت بھری تھی۔

"کیوں، تیری زبان گھستی ہے، ایسے تو بڑی میرے خلاف ورغلاتی ہے۔ سب پتا ہے مجھے، جتنی چغلیاں تو اس سے کرتی ہے۔"

"نہیں خالہ۔"

"خالہ کی بچی! جانے دے، ذرا شمشیر کو، پھر دیکھ تیری کیسی گت بناتی ہوں۔"

اس کا دل چاہا ایک دم دروازہ دھکیل کر اندر جائے اور اس عورت کو شوٹ کردے، لیکن وہ غصے میں کبھی کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ یہ اس کی ہمیشہ سے عادت رہی تھی۔ پہلے خود پر کنٹرول کرتا، پھر سوچ سمجھ کر مقابل کے سامنے جاتا تھا۔ جیسے ابھی تاباں کو اس نے کوئی جھوٹی آس نہیں دلائی تھی۔ سوچ سمجھ کر اور اپنے طور پر فیصلہ کرکے اس سے ملا تھا اور صاف بات کی تھی۔ ابھی بھی وہ اندر جانے کے بجائے گھر کی بیرونی دیوار کے ساتھ بنے چبوترے پر بیٹھ گیا تھا۔ گو کہ اس کا روم روم سلگ رہا تھا۔ تاجور کے لیے تڑپ الگ تھی کہ اسے سینے میں بھینچ کر اپنا مان دے، لیکن ہمیشہ کی طرح اس نے پہلے اپنے غصے پر قابو پانا ضروری سمجھا اور اس سعی میں وہ نڈھال ہو رہا تھا کہ کندھے پر ہاتھ لگنے سے چونک کر دیکھا، ابا سر پر کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے، ادھر کیوں بیٹھا ہے؟" اس نے بلا ارادہ نفی میں سر ہلا دیا۔

"اندر چل، رضائی شضرائی میں بیٹھ، نہیں تو ٹھنڈ لگ جائے گی۔"

"ٹھنڈ، یہاں تو الاؤ دہک رہا ہے۔" اس نے سوچا، پھر ابا کا بازو تھام کر اٹھ کھڑا ہوا، حقیقتاً" اسے اس وقت سہارے کی ضرورت تھی۔

ابا کے ساتھ اندر آیا تو اس کی نظروں نے پہلے تاجور کو تلاش کیا۔ وہ نل پر جھوٹے برتنوں کے ڈھیر میں بیٹھی تھی، جبکہ سردی بڑھ رہی تھی اور وہ جو پہلے غصے کو دباتا، پھر بات کرتا تھا، اچانک چیخ پڑا۔

"ابا! کچھ احساس ہے آپ کو کہ نہیں؟ تاجور کی جان دیکھیں اور کام دیکھیں۔ کیوں اسے مارنے پہ تُلے ہیں آپ؟"

"ہیں۔" ابا نے تاجور کو دیکھا، پھر اسے دیکھ کر بولے۔ "برتن دھو رہی ہے، کوئی پہاڑ نہیں کھود رہی، اور تو فکر نہ کر! یہ مرنے والی نہیں ہے، بڑی سخت جان ہے۔"

"ابا!" اس نے انتہائی تاسف سے ابا کو دیکھا، ان سے مزید کچھ کہنا بے کار تھا۔

"چل تو اندر چل، وہ برتن دھو کر آجائے گی۔" ابا کہتے ہوئے اندر چلے گئے تو وہ تیزی سے تاجور کے پاس آیا تھا۔

"اتنی سردی میں پانی میں بیٹھی ہو، چلو اٹھو۔"

"بس بھائی! یہ برتن۔"

"بھاڑ میں گئے برتن۔" وہ دھاڑا تھا۔ تاجور سہم کر رونے لگی، لیکن اس نے پروا نہیں کی۔ اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کمرے میں لے آیا اور لحاف میں بٹھا کر کہنے لگا۔

"تم خود اپنی جان کی دشمن ہو۔ کیا ضرورت تھی برتنوں کا ڈھیر لے کر بیٹھنے کی۔ یہ کام دن میں بھی ہوسکتا ہے۔ ہاتھ دیکھو کیسے ٹھنڈے برف ہو رہے ہیں۔" تاجور کچھ نہیں بول پائی۔ پلکیں جھپک جھپک کر اسے دیکھتی رہی۔

"اب خبردار جو یہاں سے اٹھیں تو، میں چائے لاتا ہوں۔" وہ اسے متنبہ کرکے کمرے سے نکل کر کچن میں آگیا، یوں بھی کچن کے کام وہ کرلیا کرتا تھا، اس لیے اسے کوئی مشکل نہیں ہوئی۔ بہت جلدی چائے لے کر واپس اندر آیا تو تاجور لحاف میں منہ گھسیڑے بری طرح کھانس رہی تھی۔

"یا اللہ!" وہ پریشان ہوگیا، چائے کے مگ ایک طرف رکھ کر وہ لحاف کے اوپر سے تاجور کی پیٹھ سہلانے لگا، لیکن اس کی کھانسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ تب وہ اس کے منہ سے لحاف ہٹا کر کہنا چاہتا تھا کہ "اٹھو چائے پی لو" لیکن اسے دیکھتے ہی اس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔ کھانسی کے ساتھ تاجور کے منہ سے خون کے چھینٹے اڑ رہے تھے۔

"تاج!" اس نے کندھوں سے تھام کر تاجور کو اٹھا دیا۔ "یہ۔۔۔ یہ کیا ہے، یہ خون؟"

تاجور کچھ بول ہی نہیں سکی۔

"کب سے ہے تمہاری یہ حالت؟ مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ اسے جھنجوڑنے لگا، پھر پوری قوت سے چیخا تھا۔

"ابا!" اس کی پکار دور تک سُنی گئی تھی اور ابا تو برابر والے کمرے میں تھے، پھر بھی نہیں آئے، تب وہ ایک دم فیصلہ کرکے بولا تھا۔

"چلو تاج! چلو بیٹا، اب میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا۔"

پھر اس نے خود ہی اپنے بیگ میں تاجور کے دو سوٹ ڈالے اور اسے گرم شال اوڑھا کر اسی وقت ابا کو کھڑے کھڑے بتا کر اس گھر سے نکل گیا تھا۔

تاجور اس کے ساتھ تھی۔

* * *

اکیڈمی کی لائبریری میں داخل ہو کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اریبہ گلاس ونڈو کے قریب والی ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بھی تھا، اس لیے وہ کشمکش میں پڑ گیا کہ آیا اسے اریبہ کے پاس جانا چاہیے یا نہیں۔ لیکن پھر وہ رہ نہیں سکا اور دیوار کے ساتھ والی رو سے نکل کر اریبہ کی ٹیبل پر آگیا۔

"ہیلو۔۔۔!"

اریبہ کے ساتھ عروسہ، مہک اور جمال بھی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"سوری۔ میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔" اس کی نظریں صرف اریبہ پر تھیں۔

"ایسی کیا ایمرجنسی تھی جو تم یہاں چلے آئے؟" اریبہ نے آواز دبا کر کہا، پھر آس پاس دیکھنے لگی۔ وہ بھی سمجھتا تھا کہ یہاں بات نہیں ہوسکتی، جب ہی جھک کر مزید دھیمی آواز میں بولا۔

"باہر چلو، بتاتا ہوں۔" اریبہ تلملائی ضرور، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" وہ قریب بیٹھی عروسہ سے کہہ کر اٹھی تو رازی نے فوراً" قدم آگے بڑھا دیے، پھر لابی کے آخری سرے پر پہنچ کر رک گیا اور اسے یوں دیکھنے لگا جیسے وہ اس کے یہاں آنے پر غصے کا اظہار کرے گی، لیکن اس کے برعکس وہ سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"ہاں، کیا بات ہے؟"

"تمہاری خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اریبہ نے بہت ضبط سے جواب دیا تھا۔

"پھر آج کالج کیوں نہیں گئیں۔" اس نے پوچھا۔ اریبہ چہرہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی، کیونکہ اب وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ بولتی تو غصہ ظاہر ہو جاتا، جبکہ وہ اسے سرسری لینا چاہ رہی تھی، جب ہی خاموش رہی۔

"دیکھو، یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری جاسوسی کرتا پھر رہا ہوں، اصل میں تم روزانہ میرے آفس کے سامنے سے گزرتی ہو۔ آج دوپہر میں تمہاری بائیک نہیں دیکھی تو مجھے کچھ تشویش ہوئی۔"

"کہ میری بائیک کو کسی ٹرک نے ٹکر مار کر مجھے اوپر تو نہیں پہنچا دیا؟" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"نہیں، مجھے ایسا خیال نہیں آسکتا۔" وہ کہہ کر کچھ سوچتے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"خیر! تم میری خیریت معلوم کرنے آئے تھے، اب جا سکتے ہو۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"بڑی بے مروت ہو، اگر یہاں بیٹھنے کو نہیں کہہ سکتیں تو ساتھ چلنے کا کہہ دو۔" رازی نے شکوہ کیا۔

"تمہیں شاید بے وقعت ہونے کا شوق ہے، جب ہی ایسی باتیں کرتے ہو۔" وہ چیخ کر بولی تھی۔ رازی نظریں جھکا کر ذرا سا مسکرایا، پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"اصل بات یہ ہے کہ میں تمہیں بے وقعت ہونے سے بچانا چاہتا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ کسی دن تم اپنے رویے پر نادم ہو کر میرے پاس آؤ اور کہو، رازی مجھے معاف کر دو۔"

"اوہو تو یہ خوش فہمی بھی ہے تمہیں۔" اریبہ کے لہجے میں طنز اور استہزا تھا۔

"خوش فہمی نہیں، مجھے یقین ہے۔" وہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"چلو میں دعا کروں گی، تمہارا یقین سلامت رہے۔"

وہ سابقہ انداز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ رازی نے تاسف سے اس کے پیچھے دیکھا، پھر باہر نکل آیا۔ اس کے اندر مایوسی گھر کرنے لگی تھی، جس سے وہ پریشان ہو گیا، کیونکہ ابھی اس سے تو وہ یقین سے کہہ آیا تھا کہ وہ نادم ہو کر اس کے پاس آئے گی اور یہ محض اس کا خیال نہیں تھا۔ اسے یہی لگتا تھا، پھر اپنے جذبوں پر بھی بھروسا تھا، اس لیے مایوس نہیں ہونا چاہتا تھا۔

* * *

اریبہ کے سمسٹر ہونے والے تھے۔ اس لیے وہ غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرنے لگی تھی۔ رازی کے اکیڈمی آنے کو بھی اس نے غیر ضروری کھاتے میں ڈال دیا تھا، جب ہی سارہ سے ذکر نہیں کیا، ورنہ وہ رازی کا غصہ اسی پر اتارتی تھی۔ اس کے خیال میں اس طرح نہ چاہتے ہوئے بھی رازی ان کے درمیان موضوع بن جاتا تھا اور وہ اب اس موضوع کو بھی ختم کر دینا چاہتی تھی، اس لیے اس نے خود بھی زیادہ نہیں سوچا اور اپنی اسٹڈی میں مصروف ہو گئی تھی۔ یوں بھی پڑھائی کے معاملے میں وہ بہت سنجیدہ تھی۔ جو ٹائم ٹیبل بنا لیتی، اس پر سختی سے عمل کرتی تھی۔

اس وقت وہ اکیڈمی جانے کے لیے نکل رہی تھی کہ سارہ کو سمیر کے ساتھ آتے دیکھ کر رک گئی اور کیونکہ سارہ ہمیشہ کی طرح صبح کالج جاتے ہوئے بتا کر گئی تھی کہ وہ امینہ پھوپھو کی طرف جائے گی، اس لیے اس کے قریب آنے پر اریبہ نے کوئی بازپرس نہیں کی، بس اتنا کہا۔

"بہت دیر کر دی۔"

"پھوپھو نے روک لیا تھا۔ کہہ رہی تھیں شام میں جانا۔" سارہ نے سہولت سے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے، اندر جاؤ، اور سنو! مما گھر پر نہیں ہیں۔ میں بھی جا رہی ہوں، گیٹ اچھی طرح بند کر لو۔" اس نے ان ڈائریکٹ سمیر پر جتایا تھا کہ اس وقت اسے یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

"اوکے، میں چلتا ہوں۔" سمیر سمجھ کر فوراً وہیں سے واپس پلٹ گیا۔ سارہ نے اس کے پیچھے دیکھا، پھر اس سے پوچھنے لگی۔

"مما کب گئی ہیں؟"

"پتا نہیں، میں سو رہی تھی۔ بوا سے پوچھو، شاید انہیں پتا ہو۔ اچھا میں چلتی ہوں۔"

اس نے ہیلمٹ سر پر جمایا، پھر بائیک کو زوردار کک مار کر زن سے بھگا دی۔ اسے عروسہ کو بھی پک کرنا تھا۔ صبح کالج میں اس نے کہا تھا کہ اس کی گاڑی خراب ہے۔ لہٰذا اکیڈمی جاتے ہوئے اسے بھی ساتھ لے لے۔

عروسہ کی رہائش طارق روڈ پر تھی۔ مین روڈ پر ٹریفک کی زیادتی کا سوچ کر اس نے بہادر آباد کے رہائشی علاقے سے بائیک نکال لی اور آرام سے عروسہ کے گھر پہنچ کر اس کے سیل پر مس بیل دی تو چند لمحوں میں ہی عروسہ آکر اس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہیلمٹ تو اتار دو، تاکہ دیکھنے والوں کو پتا چلے کہ میں لڑکی کے ساتھ بیٹھی ہوں۔"

"تمہیں پتا ہے نا! بس کافی ہے۔" اس نے کہہ کر بائیک بھگا دی۔

"کافی نہیں ہے یار! اگر کسی جاننے والے نے دیکھ لیا تو سو افسانے بنیں گے۔" عروسہ اپنی محتاط طبیعت سے مجبور ہو کر بولی تھی۔

"بننے دو۔ اپنا ضمیر مطمئن ہو تو کسی کی پروا مت کیا کرو، سمجھیں۔" اس نے ذرا سی گردن موڑ کر عروسہ کو دیکھنے کی کوشش کی، لیکن نظریں قریب سے گزرتی گاڑی میں بیٹھے شہباز ربانی سے ہو کر یاسمین پر ٹھہرتے ہی اس کے اندر کی دنیا تہہ و بالا کر گئیں۔

یاسمین، شہباز ربانی کے کندھے پر سر رکھے، آنکھیں بند کیے دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

۶
چھٹی قسط

نِگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں، سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی، خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ یاسمین اس پر اپنے جیٹھ، جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہوچکی ہے، جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلا تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوگئی اور اس نے اجلال سے منگنی توڑ دی۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آیا تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلا۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اجلال رازی اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے، مگر وہ خاصی رکھائی سے پیش آتی ہے، تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خود سر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ توصیف احمد کو اریبہ کے منگنی توڑ دینے کا بھی علم ہوجاتا ہے۔ وہ ساجدہ بیگم سے بات کرتے ہیں تو وہ انہیں کچھ دن یاسمین کے گھر میں رہنے کا مشورہ دیتی ہیں۔ سارہ کا کزن عمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

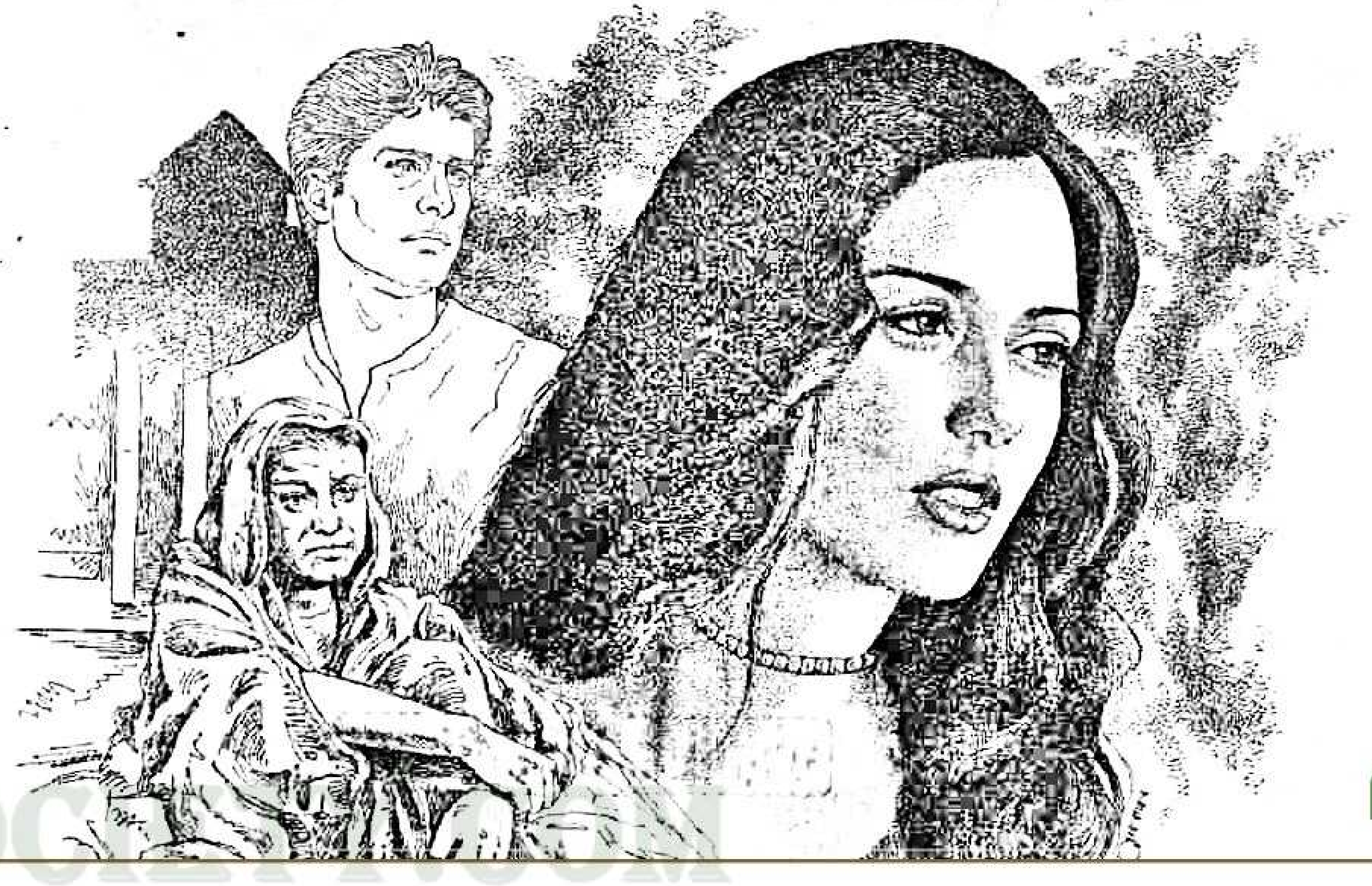

"کیا کر رہی ہو؟ سامنے دیکھو۔"

بائیک لہرانے پر عروسہ نے ڈر کر اس کا کندھا جھنجھوڑا تو چونک کر اس نے گردن سیدھی کی لیکن دھیان ابھی بھی گاڑی کی طرف تھا جو اس سے آگے نکل گئی تھی۔ اگر عروسہ ساتھ نہ ہوتی تو وہ ضرور گاڑی کا تعاقب کرتی۔ اب بس اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

اس نے آتے ہی آفس سے چند دن کی مزید چھٹیاں لے لیں تاکہ تاجور کا مکمل چیک اپ اور پھر علاج شروع کروا سکے گو کہ اس کا ذہن کسی سنجیدہ بات کو سوچ تو رہا تھا پھر بھی وہ خود سے کوئی قیاس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے پہلی فرصت میں ہی اس نے تاجور کو ڈاکٹر کو دکھایا اور اس کی ہدایات پر مختلف ٹیسٹ کروائے اور جب رپورٹس دیکھ کر ڈاکٹر نے تاجور کو ٹی بی کی نشان دہی کی تو ایک لمحے کو اس کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی۔ اس کے بعد بھی وہ کچھ نہیں بولا۔ وحشت بھری نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھے گیا' جو کہہ رہا تھا۔

"میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ آپ نے آنے میں دیر کردی پھر بھی آپ کو پہلے آنا چاہیے تھا' ابتدائی اسٹیج میں فوری علاج ہو جاتا ہے۔"

"اور اب۔۔۔؟" وہ سناٹے میں بولا تھا۔

"اب بھی ہو جائے گا' لیکن وقت لگے گا۔ اگر آپ پیشنٹ کی پراپر ٹرٹمنٹ چاہتے ہیں تو اسے ابھی ایڈمٹ کرائیں۔"

اس کے پاس ہامی بھرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا' کیونکہ آج نہیں تو ایک ہفتے یا مہینے بعد بھی یہی ہونا تھا' اس لیے اس نے اسی وقت فارم بھر دیا۔ اس کے بعد دوسرے معاملات نبٹا کر اور تاجور کی طرف سے پوری تسلی کر کے وہ گھر آیا تو ایک دم اسے گھر خالی لگنے لگا حالانکہ پچھلے دو سالوں سے وہ اس اپارٹمنٹ میں اکیلا ہی رہ رہا تھا۔ تاجور صرف دو دن رہی تھی اور یہ دو دن' دو سالوں پر بھاری ہو گئے تھے۔ بہرحال وہ حیران تھا کہ کبھی مسئلے یوں بھی حل ہوتے ہیں کہ وہ جو اس بات سے پریشان تھا کہ تاجور اکیلی کیسے رہے گی تو اس کے لیے قدرت نے یہ انتظام کر دیا تھا۔ وہ بہت عملی تھا' اس لیے اس نے ابھی تک تاجور سے سوال جواب نہیں کیے تھے۔ اس کے لیے پہلے تاجور کی زندگی اور صحت اہم تھی' جب ہی کسی اور سوچ یا خیال کو اس نے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا تھا' لیکن کب تک؟ جب اسے تاجور کی طرف سے تھوڑا اطمینان ہو گیا کہ مستقل علاج سے وہ ٹھیک ہو جائے گی تو اور بہت ساری باتیں اسے پریشان کرنے لگی تھیں۔

* * *

اس کے لیے اکیڈمی میں وقت گزارنا مشکل ہو گیا تھا' کیونکہ ذہن بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔ سامنے کھلی فائل پر نظریں جمائے وہ ساکت بیٹھی تھی۔ عروسہ ڈاکٹر ہمدانی کا لیکچر دہراتے ہوئے کتنے سوال اٹھا رہی تھی' لیکن اس کی سماعتیں کچھ بھی سننے سے قاصر تھیں۔ سارے احساسات سن ہو گئے تھے۔

"کہاں گم ہو؟" آخر عروسہ نے جھنجلا کر اس کی فائل پر ہاتھ مارا تو وہ نظریں اٹھا کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے خود نہ سمجھ پا رہی ہو کہ وہ کہاں ہے۔

"کیا بات ہے' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" عروسہ اس کے گم صم انداز پر قدرے متوحش ہو گئی۔

"ہاں' نہیں' میرا سر چکرا رہا ہے۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر جھٹکا۔

"چلو کیفے چلتے ہیں۔ ایک کپ چائے پی لو۔" عروسہ نے کہا اور اپنے ساتھ اس کی فائل بھی اٹھالی۔

"نہیں۔ گھر چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یوں چکراتے سر کے ساتھ بائیک چلاؤ گی' نہ بابا' مجھے ابھی نہیں مرنا۔" عروسہ نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔

"سنو۔! موت اپنے وقت پر ہی آئے گی۔ اگر تمہارا مرنا اسی طرح بائیک ایکسیڈنٹ میں لکھا ہے تو تم کسی طرح اس سے نہیں بچ سکتیں۔ چلو اٹھو۔" وہ عروسہ کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسے کھینچتے ہوئے باہر آئی تھی۔

اور جب عروسہ کو ڈراپ کر کے وہ گھر آئی تو اس کا ذہن بری طرح چیخ رہا تھا۔ اس وقت وہ کسی کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتی تھی' لیکن جیسے ہی کوریڈور میں قدم رکھا' کچن سے آتی سارہ اسے دیکھتے ہی بھاگی آئی۔

"کیوں کیا ہوا ہے؟" اس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آگئی تھیں۔

"مما کی طبیعت بہت خراب ہے۔ پتا نہیں کیا ہوا ہے انہیں۔ کسی کو پہچان ہی نہیں رہیں۔" سارہ پرتشویش لہجے میں بتاتے ہوئے روہانسی بھی ہو گئی تھی۔

"روتی کیوں ہو' ٹھیک ہو جائیں گی۔" وہ شاید کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی' آہستہ سے سارہ کا کندھا تھپک کر بولی۔

"تم انہیں دیکھو تو۔"

"دیکھ چکی ہوں۔" اس کی نظروں میں کچھ وقت پہلے کا منظر ٹھہر گیا۔

"کیسے دیکھ چکی ہو؟ ابھی تو تم آئی ہو۔ آؤ! میرے ساتھ۔" سارہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا' تب جیسے وہ ہوش میں آگئی۔

"کیا کہا تم نے؟ کیا ہوا ہے مما کو؟"

"یہ تو تم ہی دیکھ کر بتا سکتی ہو۔" سارہ نے یوں کہا جیسے وہ کوالیفائیڈ ڈاکٹر ہو۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا' پھر چلنے کا اشارہ کر کے سارہ کے ساتھ یاسمین کے کمرے میں آگئی۔

یاسمین بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی۔ ایک طرف شہباز ربانی بہت فکر مند بیٹھے تھے۔ اریبہ کو دیکھتے ہی انہوں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا' پھر اٹھ کر ان دونوں کو ساتھ لیے ہوئے کمرے سے باہر آگئے۔

"کیا ہوا ہے مما کو؟" اس نے بہت سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ شہباز ربانی کو دیکھتے ہوئے اس کی پیشانی پر آپ ہی آپ ناگواری کی لکیریں بھی ابھر آئی تھیں۔

"پتا نہیں بیٹا! شام میں میں اس طرف آیا تو تمہاری مما اکیلی بیٹھی ہنس رہی تھیں۔ میں نے ٹوکا تو رونے لگیں' پھر کبھی ہنستیں' کبھی روتیں اور مجھے پہچان بھی نہیں رہی تھیں۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ تم بھی سو رہی تھیں۔ میں تمہیں اٹھانا چاہتا تھا' لیکن اچانک تمہاری مما زوردار چیخ کے ساتھ بے ہوش ہو گئیں' تب میں فوراً انہیں گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے گیا۔"

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" اریبہ نے الجھ کر پوچھا۔ وہ یقین اور غیر یقینی کی کیفیت میں تھی۔

"ڈیپریشن بتایا ہے اور یہ کہ زیادہ سوچنے کے باعث ہر وقت ٹینس رہتی ہیں' جس سے دماغ پر اثر ہوا ہے۔" شہباز ربانی نے بتایا' پھر اسے تسلی دینے لگے۔

"آپ پریشان نہ ہوں بیٹا! ابھی دوا کے زیر اثر سوئی ہیں۔ اٹھیں گی تو ان شاء اللہ کافی بہتر ہوں گی۔"

"تھینک یو انکل! آپ نے بروقت۔۔۔" اسے کہنا پڑا۔

"میں نے اپنا فرض نبھایا ہے بیٹا! اور اب تم دونوں سے ایک ہی ریکویسٹ کروں گا کہ اپنی ماں کا خیال رکھو۔" شہباز ربانی نے اریبہ کا سر تھپک کر کہا۔

"جی!" وہ اسی قدر کہہ سکی۔ پھر پلٹ کر یاسمین کے کمرے میں آگئی۔

یاسمین اسی طرح بے سدھ لیٹی تھی۔ اس نے قریب بیٹھ کر یاسمین کی نبض چیک کی' آنکھیں کھول کر

دیکھیں، پھر اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر پکارنے لگی۔

"مما۔۔۔ مما!" یاسمین نے آنکھیں کھول دیں اور خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے مما آپ کو، کیوں اپنا خیال نہیں رکھتیں؟ آپ کو کچھ ہو گیا تو ہمارا کیا ہو گا۔ میں، سارہ، حماد، ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔"

وہ عاجزی سے بول رہی تھی۔ یاسمین کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو کر کناروں سے بہنے لگے۔

"آخر کیا پریشانی ہے آپ کو؟ کس بات کو خود پر طاری کر لیا ہے آپ نے؟ مجھے کیوں نہیں بتاتیں؟ کیا مجھ پر بھروسا نہیں رہا آپ کو؟" وہ یاسمین کے آنسوؤں سے بے چین ہو کر اسے جھنجھوڑنے لگی۔

"یہ بات نہیں ہے بیٹا! تم ہی نے تو مجھے سنبھالا ہے، ورنہ میں کب کی مر گئی ہوتی۔" یاسمین رک رک کر بولی۔

"ایسی باتیں مت کریں اور اب آپ کو کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے یاسمین کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"سارہ اور حماد کہاں ہیں؟" یاسمین نے پوچھا۔ لہجے میں تشویش تھی۔

"کہاں جائیں گے وہ دونوں، یہیں ہیں۔ بس اب آپ آرام کریں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کارنر ٹیبل سے دوا اٹھا کر دیکھتے ہوئے یوں ہی پوچھ لیا۔

"کون سے ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟"

یاسمین نے اَن سنی کر کے آنکھیں بند کر لیں۔

✲ ✲ ✲

وہ آفس میں ضروری کام چھوڑ کر گھر آیا تھا، کیونکہ سارہ کے فون سے پریشان ہو گیا تھا۔ وہ یاسمین کی طبیعت خرابی کا بتاتے ہوئے روہانسی ہو رہی تھی۔ وہ اسے صرف تسلی دے کے نہیں رہ گیا، بلکہ آنے کا بھی کہا اور پھر اکیلے جانے کی بجائے اس نے سوچا ساجدہ بیگم کو ساتھ لے کر جائے گا، جب ہی ضروری کام چھوڑ کر آیا تھا اور جب ساجدہ بیگم کو صورت حال بتا کر چلنے کو کہا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئیں۔

"امی! آپ اس بات کا خیال نہ کریں کہ یاسمین آنٹی کو آپ کا جانا اچھا لگا یا نہیں۔ آپ چچا جان کو دیکھیں، وہ آپ کا کتنا احترام کرتے ہیں اور یاسمین آنٹی بہرحال ان کی بیوی ہیں۔" رازی یہ ہی سمجھا تھا کہ وہ یاسمین کے برے رویے کی وجہ سے نہیں جانا چاہتیں۔

"بیٹا! مجھے یاسمین کے رویے سے کوئی شکایت نہیں۔ بس میں کسی اور وجہ سے ابھی نہیں جانا چاہتی۔" ساجدہ بیگم نے دھیرج سے کہا۔

"اور کیا وجہ؟ اریبہ؟" اس نے کچھ ٹھٹک کر پوچھا تو ساجدہ بیگم فوراً بولیں۔

"نہیں نہیں بیٹا! میں نے کہا نا مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں۔ اصل میں ابھی وہاں یاسمین کا کوئی مہمان آیا ہوا ہے، اس لیے میں نہیں جانا چاہتی۔"

"یاسمین آنٹی کا مہمان؟ کون ہے؟" وہ الجھا تھا۔

"شاید چچازاد یا ماموں زاد، مجھے ٹھیک سے نہیں معلوم۔" ساجدہ بیگم کا انداز بے حد سرسری تھا۔

"تو آپ کو ان کی، میرا مطلب ہے اس مہمان کی آمد کا کیسے معلوم ہوا؟" اس نے خلاف عادت جرح کی۔

"توصیف نے بتایا ہے، بلکہ اس کی آمد پر ناراض بھی ہے۔" ساجدہ بیگم بتا کر پھر خود ہی بولنے لگی تھیں۔

"ٹھیک ناراض ہو رہا ہے توصیف۔ گھر میں بیٹیاں موجود ہیں۔ یاسمین کو خود خیال کرنا چاہیے۔"

"یہ کہیں وہ والا مہمان تو نہیں جو یاسمین آنٹی۔۔۔" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ ساجدہ بیگم کے دیکھنے پر ایک دم خاموش ہو گیا۔

"یہ ثنا کیا کر رہی ہے؟ رات کے کھانے کی کچھ فکر ہے اسے کہ نہیں۔" ساجدہ بیگم بات بدلتے ہوئے اٹھنے لگی تھیں کہ اس نے ایک دم ان کے کندھے تھام کر دوبارہ بٹھا دیا، پھر ان کے پاس بیٹھ کر کہنے لگا۔

"امی! میں اب نادان، ناسمجھ نہیں ہوں، جو آپ اور چچا جان مجھے بے خبر رکھنے کی کوشش کریں گے، ویسے بے خبر میں پہلے بھی نہیں تھا، البتہ سمجھ نہیں پاتا تھا اور سمجھ تو وقت کے ساتھ ہی آتی ہے نا۔" اس نے کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا، پھر بھی ساجدہ بیگم کو یوں دیکھنے لگا جیسے وہ کچھ کہیں گی۔

ساجدہ بیگم کچھ نہیں بولیں اور اس پر سے نظریں بھی ہٹا لیں۔

"امی! یہ بہت نازک معاملہ ہے۔" وہ زور دے کر کہنے لگا۔ "میری بات چھوڑیں، چچا جان سے کہیں اریبہ اور سارہ کو اعتماد میں لیں اور انہیں خبردار کریں۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ساجدہ بیگم خائف نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ایسی باتیں یا کوئی بھی بات، ہمیشہ پوشیدہ نہیں رہتی۔ اس سے پہلے کہ اریبہ یا سارہ کبھی اچانک یاسمین آنٹی کی سرگرمیوں سے آگاہ ہو کر شاکڈ ہوں، ٹوٹ جائیں، انہیں طریقے سے آگاہ کر دینا چاہیے۔" اس نے کہا تو ساجدہ بیگم کمزور آواز میں بولیں۔

"کوشش کی تھی توصیف نے۔"

"پھر۔۔۔؟" وہ پوری جان سے متوجہ ہوا۔

"پھر کیا، بیٹیاں الٹا اس سے ناراض ہو گئیں۔ تب توصیف نے کہا تھا کہ وہ آئندہ یاسمین سے متعلق کوئی بات نہیں کرے گا اور یہ ہی ٹھیک ہے، کیونکہ اولاد پر یاسمین کی گرفت مضبوط ہے۔"

"ہاں! اریبہ تو کچھ سننا ہی نہیں چاہتی۔" وہ گزری کوئی بات سوچتے ہوئے بولا۔

"اور سارہ؟" ساجدہ بیگم نے جانے کس خیال سے پوچھا تھا۔

"سارہ!" وہ چونک گیا، پھر گہری سانس کے ساتھ بولا۔ "پتا نہیں، سارہ سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔"

"خیر! تم اریبہ سے بھی کچھ مت کہنا۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"لیکن میں جاؤں گا ضرور۔"

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ساجدہ بیگم ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگیں۔

✲ ✲ ✲

آج اس کی یونیورسٹی آف تھی اس لیے وہ آفس سے سیدھا تاجور کے پاس آ گیا تھا۔ تاجور میں ابھی تک کوئی بہتری نظر نہیں آ رہی تھی، بلکہ وہ پہلے سے زیادہ کمزور لگنے لگی تھی اور یہ شاید ماحول کا اثر تھا کہ وہ ایک بیڈ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر بات چیت کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ سارا دن ہونٹ سیے دوسرے مریضوں کو یا پھر وقفے وقفے سے آنے والی نرس کو دیکھا کرتی۔ شمشیر علی کی آمد رات گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔ وہ بس تھوڑی دیر ہی اس کے پاس بیٹھ سکتا تھا۔ آج وہ جلدی آ گیا تو تاجور خوش ہو گئی۔

"بھائی! آپ کی پڑھائی ختم ہو گئی؟" تاجور اس کی جلدی آمد سے یہ ہی سمجھی تھی۔

"نہیں، ابھی ایک ڈیڑھ سال باقی ہے۔ کیوں تمہیں بھی پڑھنا ہے؟" اس نے پوچھا تو تاجور اداسی سے بولی۔

"میں کیسے پڑھ سکتی ہوں۔ مجھے تو الف ب بھی نہیں آتی۔"

"سب آجائے گی۔ تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، پھر دیکھنا میں تمہیں کیسے پڑھاتا ہوں۔"

"میں پہلے قرآن شریف پڑھوں گی۔ مجھے بہت شوق ہے۔" تاجور نے خوش ہو کر کہا تو وہ حیران ہوا۔

"کیا مطلب؟ تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا؟ کیوں، گاؤں میں ہے تو قرآن پاک پڑھانے والی۔ سب لڑکیاں اس سے پڑھنے جاتی ہیں۔"

"ہاں! پہلے میں بھی جاتی تھی، مگر پھر خالہ نے منع کر دیا۔" تاجور نے افسوس سے بتایا تو اس کے اندر ابال اٹھنے لگا۔ بمشکل خود پر قابو پا کر کہنے لگا۔

"تم نے کبھی مجھے کچھ نہیں بتایا تاج! میرے پوچھنے پر بھی یہ کہتی رہیں کہ تم ٹھیک ہو، خوش ہو۔ خالہ کی زیادتیاں چپ چاپ کیوں سہتی رہیں؟ بتاؤ! کیا کہتی تھیں خالہ۔۔۔؟"

"وہ مجھے بہت مارتی تھیں۔ کہتی تھیں بھائی کو بتایا تو جان سے مار دوں گی۔" تاجور بتاتے ہوئے سہم گئی تھی۔

"پاگل ہو تم جو اس کی دھمکیوں میں آگئیں اور اپنا یہ حال کر دیا۔ خیر تم تو ان شاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گی، لیکن وہ عورت اب میرے ہاتھ سے نہیں بچے گی۔" اس کے اندر انتقامی آگ دہک اٹھی۔

"نہیں بھائی! آپ وہاں نہیں جانا۔ میں نہیں جانے دوں گی آپ کو۔" تاجور کی پریشانی دیکھ کر وہ ایک دم جیسے ہوش میں آیا تھا کہ وہ لڑکی جو پہلے ہی سہمی ہوئی ہے اس کے سامنے وہ کیسی باتیں کر رہا ہے۔

"پگلی ہے تو بالکل۔ میں مذاق کر رہا تھا۔" اس نے تاجور کا ہاتھ ہاتھوں میں لے لیا، پھر کہنے لگا۔ "جو ہو گیا سو ہو گیا۔ تم بھی سب بھول جاؤ۔ یہاں سے تمہاری نئی زندگی شروع ہو گی، بالکل ویسی جیسی ہماری اماں چاہتی تھیں اور جیسا میں نے سوچا ہے۔"

"آپ کو اماں یاد ہیں بھائی۔۔۔؟" تاجور کے لہجے میں بلا کی حسرت تھی۔

"صرف اماں۔۔۔ ان کی ہر بات یاد ہے۔ پتا ہے تم بالکل اماں کی طرح ہو۔ سنہری آنکھیں، سنہرے بال، ان کی ہر بات یاد ہے۔ میں اماں سے کہتا تھا کہ میں ان کی طرح سنہری کیوں نہیں ہوں تو وہ ہنستی تھیں۔ پھر جب تم پیدا ہوئیں میری سمجھ میں آگیا کہ لڑکیاں ماں کی طرح ہوتی ہیں۔"

اس کی ذہنی رو بہت پیچھے بھٹکنے لگی تھی کہ نرس کی آواز اسے واپس کھینچ لائی تھی۔

"آج آپ جلدی آگئے؟" نرس تاجور کی طرف بڑھتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں بس۔۔۔" اس نے توجیہہ بیان کرنی ضروری نہیں سمجھی۔ نرس بھی اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ تاجور کو چیک کیا۔ دوا دی۔ پھر اسے دیکھ کر بولی۔

"آپ کی بہن کچھ بولتی ہی نہیں۔ سارا دن چپ چاپ پڑی رہتی ہے۔"

"بولنے کے لیے بھی کوئی ہونا چاہیے۔ میں تو اس وقت بلکہ زیادہ تر تو رات میں ہی آتا ہوں۔" وہ اب کچھ سوچ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تو اور کوئی۔۔۔ میرا مطلب ہے ماں باپ، بہن بھائی ان میں سے کوئی دن میں اس کے پاس آجایا کرے۔" نرس کو باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"اور کوئی یہاں نہیں ہے۔ سب دوسرے شہر میں رہتے ہیں۔"

"اوہ تو آپ اسے علاج کے لیے یہاں لائے ہیں۔"

"جی! ویسے میں پہلے سے یہیں رہتا ہوں۔ میری جاب ہے اس لیے میں دن میں نہیں آسکتا۔"

"اچھا! اچھا ویسے فکر کی کوئی بات نہیں۔ یہ یہاں آرام سے ہے اور اب آپ نے اپنی مجبوری بتا دی ہے تو میں خیال رکھوں گی۔"

"بہت شکریہ! میں یہی کہنے والا تھا۔ آپ جب فارغ ہوا کریں تو اس کے پاس بیٹھ جایا کریں۔"

اس نے فوراً "لیکن سلیقے سے دل کی بات کہہ دی تو اس پر نرس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا، پھر پوچھنے لگی۔

"ویسے اسے یہ روگ لگا کیسے؟"

"چپ رہنے سے۔۔۔ میرا مطلب ہے اپنی تکلیفیں بتاتی نہیں ہے۔ بتا دیتی تو شاید یہاں تک نہ پہنچتی۔" وہ آزردگی میں گھر گیا۔

"اس کا مطلب ہے بڑی صابر بچی ہے۔" نرس نے کہا لیکن وہ کہیں اور کھویا ہوا تھا۔

✡ ✡ ✡

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی اور وہ ابھی تک اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے فائل کھلی پڑی تھی۔ انگلیوں میں قلم بھی دبا تھا لیکن پچھلے تین گھنٹوں سے وہ نہ کچھ پڑھ پائی تھی نہ لکھنے کی نوبت آئی تھی کیونکہ ذہن مسلسل یاسمین میں الجھ رہا تھا۔ گو کہ اس نے ہمیشہ یاسمین کی بات کا یقین کیا تھا اور ابھی بھی وہ اسے جھٹلا نہیں رہی تھی لیکن جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ بھی جھٹلانے والا نہیں تھا۔

شہباز ربانی کے کندھے پر سر رکھے یاسمین کا چہرہ بار بار اس کی نظروں میں گھوم رہا تھا۔ تفکرات سے عاری چہرہ جس پر چمکتی ہوئی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"مما اس وقت بے ہوش تھیں۔" وہ بار بار خود کو باور کرانے کی کوشش کرتی۔ آخر میں خود کو سرزنش اور ملامت بھی کرنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے مجھے؟ مما پر شک کر رہی ہوں۔ اف! اتنی گھٹیا سوچ ہو گئی ہے میری۔ چہ چہ۔" وہ کرسی دھکیل کر اٹھی تو سارہ کا خالی بیڈ دیکھ کر پہلے ٹھٹکی پھر ایک دم خیال آیا کہ اس نے خود ہی اسے یاسمین کے کمرے میں سونے کو کہا تھا۔ اس وقت گھڑی کی سوئیاں دو بجا رہی تھیں۔ آج اس کا بہت وقت ضائع ہوا تھا، جس پر افسوس کرتے ہوئے اس نے لائٹ آف کر دی۔

پھر صبح بہت دیر سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس کے بعد بھی کتنی دیر وہ سستی سے بستر پر پڑی رہی، پھر جب یہ خیال آیا کہ آج کالج سے بھی گئی تو وہ جھنجلا کر اٹھی۔ جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا۔ کمرے سے نکل کر سارہ کو پکارتے ہوئے وہ سٹنگ روم میں آئی تو صوفہ کم بیڈ پر یاسمین کو لیٹے دیکھ کر تیزی سے اس کے قریب آگئی۔

"کیسی طبیعت ہے مما؟"

"اب کچھ بہتر محسوس کر رہی ہوں بیٹا!" یاسمین نے کمزور آواز میں کہا۔

"ناشتا کیا اور دوا لی؟"

"ہاں! بیٹا ناشتا کیا ہے اور دوا بھی لی ہے۔ ابھی کمرے میں دل گھبرانے لگا تو یہاں آگئی۔ تم بہت دیر تک سوئیں؟" یاسمین نے اسے مطمئن کر کے پوچھا۔

"بس مما! آنکھ نہیں کھلی۔ تم نے بھی نہیں اٹھایا مجھے؟" اس نے سارہ کو دیکھ کر کہا تو وہ تپ کر بولی۔

"اٹھایا نہیں، جھنجوڑا تھا۔ آخر کیا کھا کر سوئی تھیں؟"

"یہ بعد میں بتاؤں گی پہلے بوا سے کہو، چائے، ناشتا بنا دیں۔" اس نے سارہ کو مزید چڑاتے ہوئے کہا۔

"خود نہیں کہہ سکتیں۔" سارہ نے کہا اور بوا سے کہنے چلی بھی گئی تو وہ یاسمین کو دیکھ کر ہنسنے لگی۔ یاسمین کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"یو آر سو سوئٹ مما!" اس نے جھک کر یاسمین کے گال پر پیار کرتے ہوئے گویا اپنے اندر کے کسی ملال کو کم

کرنے کی کوشش کی، پھر پوچھنے لگی۔

”شہباز انکل کہاں ہیں؟“

”اس نے کہیں گھر کی بات کی تھی، وہی دیکھنے گیا ہے، بلکہ فائنل کرنے گیا ہے۔“ یاسمین بتاتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

”اچھا! پھر انکل کی فیملی بھی یہیں آجائے گی؟“ اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

”وہ تو یہی چاہتا ہے۔ اب پتا نہیں اس کی بیوی اور بچوں کی کیا مرضی ہے۔ اصل میں بیٹا! جنہیں باہر کی آب و ہوا راس آجائے، وہ پھر یہاں آنے پر مشکل ہی سے آمادہ ہوتے ہیں۔“

”یہ تو ہے۔“ وہ سر ہلاتے ہوئے کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

یاسمین نے چند لمحے اسے دیکھا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

”بیٹا! میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔“

”جی۔ جی مما! آپ آرام کریں۔“ وہ چونک کر بولی اور یاسمین کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی، پھر سارہ کے آنے پر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”اور کوئی حکم؟“ سارہ نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھ کر پوچھا۔

”نہیں بس!“ وہ مسکرائی پھر ٹرے پر نظر ڈالی۔ ناشتے کے لوازمات کے ساتھ اس کا سیل فون بھی رکھا تھا۔

”واؤ۔ آج تو ناشتا سیل فون کے ساتھ ہوگا۔“ وہ سیل اٹھا کر بولی۔

”بج رہا تھا اس لیے اٹھا لائی، اور سنو! صبح ڈیڈی کا فون آیا تھا۔“ سارہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”اچھا! ٹھیک ہیں ڈیڈی؟ کیا کہہ رہے تھے؟“ اس نے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے سرسری انداز اختیار کیا۔

”پوچھ رہے تھے شہباز انکل چلے گئے؟“ سارہ بتاتے ہوئے کچھ خائف ہو گئی تھی۔

”تم نے کیا کہا؟“ وہ سابقہ انداز برقرار نہیں رکھ سکی۔

”میں نے اپنی طرف سے کہہ دیا کہ ایک دو دن میں چلے جائیں گے... اور کیا کہتی۔“

”ہوں!“ وہ سلائس دانتوں سے کاٹ چکی تھی۔ منہ چلاتے ہوئے ”ہوں“ کی آواز نکالی، پھر چائے کی چسکی لے کر کہنے لگی۔ ”شہباز انکل چلے ہی جائیں تو اچھا ہے۔ مما بھی ریلیکس ہو جائیں گی۔“

”میں بھی یہی چاہتی ہوں۔“ سارہ نے فوراً“ اس کی تائید کی۔

”تم تو خیر اس لیے چاہتی ہو گی تاکہ ڈیڈی آنا شروع کر دیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے سارہ کو دیکھا تو اس نے ایمان داری سے اعتراف کر لیا۔

”بالکل...“

”اچھا! ایک بات بتاؤ۔“ اس نے کہہ کر چائے کا آخری گھونٹ پیا، پھر پوری طرح سارہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگی۔ ”تمہارے خیال میں ڈیڈی نے دوسری شادی کیوں کی؟ کس بات نے انہیں مجبور کیا تھا؟“

”پتا نہیں۔“ سارہ نے دامن بچایا تھا۔

”نہیں، آخر تم سوچتی تو ہو گی۔“ وہ سمجھ گئی تھی، سارہ جواب نہیں دینا چاہتی، پھر بھی پیچھے پڑ گئی۔

”تمہاری طرح بہرحال نہیں سوچتی۔ میرا مطلب ہے جیسے تم سارا الزام تائی امی کے سر رکھتی ہو تو مجھے نہیں لگتا کہ محض ان کے کہنے پر ڈیڈی نے دوسری شادی کر لی ہو گی۔“ سارہ نے سلیقے سے بات سنبھالتے ہوئے کہا کہ کہیں وہ ہتھے سے نہ اکھڑ جائے۔

”پھر...؟“ وہ ہر صورت اپنی بات کا جواب چاہتی تھی۔

”پھر یہ کہ مجھے لگتا ہے، مما اور ڈیڈی میں انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہو پائی اور شاید ڈیڈی ایسا لائف پارٹنر چاہتے تھے، جو ان کا خیال رکھے، انہیں سمجھے۔“ سارہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔ اس نے چڑ کر ٹوک دیا۔

”غلط سمجھتی ہو تم۔“

”ہاں تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ یہی سچ ہے۔ میں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے، جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال سچ وہی ہے جو میں سمجھتی ہوں۔“ وہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

* * *

اس نے سنا تھا کہ جب عورت ڈھٹائی اور بے شرمی پر اتر آئے تو پھر اس کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا خصوصاً“ عزت دار آدمی تو کبھی بھی نہیں۔ وہ اندھا، بہرا، گونگا بن جاتا ہے جیسے ساجدہ بیگم اور توصیف احمد بن گئے تھے۔ جس پر وہ تلملایا ہوا تھا کیونکہ یہ صرف توصیف احمد کے گھر کا معاملہ نہیں تھا۔ اس گھر میں اس کی ہونے والی بیوی رہتی تھی، جس کی عزت و ناموس پر وہ کوئی حرف برداشت نہیں کر سکتا تھا، اس لیے ساجدہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود وہ اریبہ کے پاس چلا آیا تھا۔ اس کے خیال میں وہ اس وقت اکیڈمی جانے کے لیے تیار ہو گی، لیکن وہ سہ پہر کی ہلکی سنہری دھوپ میں گھٹنوں پر ڈائری رکھے کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔

”ہیلو!“ اس نے قریب پہنچ کر اسے متوجہ کیا تو وہ قلم روک کر اسے دیکھنے لگی۔ بولی کچھ نہیں۔

”اچھا ہوا! تم گھر پر مل گئیں۔“ وہ اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگا۔ ”باقی سب کہاں ہیں؟“

”تم کیسے آئے؟“ وہ اس کا سوال یکسر نظر انداز کر گئی۔

”میرے آنے کی دو وجوہ ہیں۔ ایک تو یاسمین آنٹی کی عیادت، دوسرے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔“ وہ بتا کر فوراً“ پوچھنے لگا۔ ”اب کیسی طبیعت ہے یاسمین آنٹی کی؟“

”تمہیں کس نے بتایا؟ آئی مین مما کے بارے میں۔“ وہ اس کی بات کا جواب ہی نہیں دے رہی تھی۔

”کل سارہ کا فون آیا تھا۔ بہت پریشان ہو رہی تھی۔ میں اسی وقت آرہا تھا، لیکن راستے میں گاڑی خراب ہو گئی۔ ویسے کل دن میں تو میں نے یاسمین آنٹی کو دیکھا تھا۔“ اس نے غلط بیانی پر غلط بیانی کی۔

”کہاں دیکھا تھا؟“ اریبہ کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا تھا۔

”کوئی آیا ہوا ہے تمہارے ہاں؟“ وہ بھی اسی کی طرح اس کا سوال نظر انداز کر گیا۔

”ہاں! شہباز انکل ہیں۔ مما کے کزن۔“ وہ بے نیازی دکھانے کی کوشش میں ڈائری کے صفحے الٹنے لگی۔

”شہباز انکل۔“ اس نے فوراً“ سوچنے کا انداز اختیار کیا، پھر کندھے اچکا کر بولا۔ ”شاید میں نہیں جانتا۔“

”جاننا چاہتے ہو تو اندر چلے جاؤ۔ سارہ تمہیں ان کا پورا بائیو ڈیٹا بتا دے گی۔“ اریبہ کا مقصد یقیناً“ اسے وہاں سے اٹھانا تھا۔ وہ سمجھ کر فوراً“ بولا۔

”سارہ کیوں؟ تم بتا دو۔“

”میں فالتو باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتی۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کر جانے لگی تھی کہ رازی نے ایکدم اس کی کلائی گرفت میں لے لی۔

”گویا تم اعتراف کر رہی ہو کہ یہاں کوئی فالتو مہمان آیا ہوا ہے؟“

”رازی!“ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر چیخی۔ ”میری نظر میں سب سے فالتو تم ہو جو اپنا گھر چھوڑ کر دوسروں کے گھریلو معاملات میں انٹرفیئر کرنا اپنا حق سمجھتا ہے۔“

"حق رکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں۔ تمہارے تسلیم نہ کرنے سے میری حیثیت کم نہیں ہو جائے گی اور تم کیا سمجھتی ہو' آؤٹ آف کنٹرول ہو کر دوسرے کو زچ کر دو گی؟ چیختے چلاتے وہی ہیں جن میں کچھ سننے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ ویسے تو بڑی طرم خاں بنتی ہو۔" غصے میں اس کی آواز بھی اونچی ہو گئی تھی جس پر اریبہ نے گھبرا کر اندر کی طرف دیکھا' پھر اسے دیکھتے ہوئے دانت پیس کر بولی تھی۔

"دیکھو! ابھی گھر میں مہمان موجود ہے۔ تم چلے جاؤ۔"

"کیوں چلا جاؤں؟ مہمان سے ملنے ہی تو آیا ہوں۔ چلو! مجھے ملواؤ اس سے۔" وہ اس کی کمزوری بھانپ کر مزید اکڑ گیا تھا۔

"اس سے؟ تمہارے برابر کے نہیں ہیں وہ جو اس طرح بات کر رہے ہو۔ پہلے تمیز سیکھ کر آؤ' پھر ان سے ملنے کی بات کرنا۔" وہ اپنی بات کہہ کر رکی نہیں۔ تیز قدموں سے اندر چلی گئی تھی۔

اجلال رازی فوراً" اس کے پیچھے نہیں لپکا۔ کچھ دیر وہیں رک کر سوچا' پھر یاسمین کے کمرے میں جانا چاہتا تھا کہ لیونگ روم سے باتوں کی آواز سن کر اس طرف آ گیا۔ شہباز ربانی کے ساتھ سارہ اور حماد بیٹھے تھے۔

"السلام علیکم!" اس نے توجہ حاصل کرنے کے لیے سلام کیا تو سارہ اور حماد بے اختیار اسے دیکھ کر بولے۔

"رازی بھائی!"

"آیئے رازی بھائی!" سارہ اٹھ کھڑی ہوئی' پھر شہباز ربانی سے بولی۔ "انکل! یہ ہمارے رازی بھائی ہیں۔ تایا ابو کے بیٹے۔"

"آہا رازی! بھئی بہت ذکر سنا ہے تمہارا۔ کیسے ہو؟" شہباز ربانی نے انتہائی خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ذرا سا اونچا ہو کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے اس نے بس چھونے پر اکتفا کیا اور پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ذکر تو میں نے بھی آپ کا بہت سنا ہے۔"

"اچھا۔۔۔" شہباز ربانی اپنا سابقہ انداز برقرار نہیں رکھ سکے۔ سمجھ گئے ان کے سامنے اریبہ نہیں ہے جو آسانی سے بے وقوف بن جاتی ہے۔

"آپ نے کس سے سنا ہے رازی بھائی؟" سارہ اپنے انداز میں پوچھ رہی تھی' وہ قصداً" ان سنی کر کے کہنے لگا۔

"میں آنٹی کے لیے آیا تھا' اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟"

"جی! ممّا کچھ بہتر ہیں۔"

"چلو! پہلے میں ان سے مل لوں۔"

"لیکن وہ تو سو رہی ہیں' کہیں تو اٹھا دوں؟" سارہ نے بتانے کے ساتھ پوچھا تھا۔ وہ جو قدم بڑھا چکا تھا' رک گیا۔

"نہیں نہیں' اٹھاؤ مت۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ ان کے اٹھنے تک بیٹھ سکتا ہوں۔ بیٹھنے کا مطلب پتا ہے نا؟"

"جی! اچھی سی چائے۔" سارہ فوراً" سمجھ کر بولی تھی۔

"گڈ۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے حماد کے ساتھ بیٹھا تو شہباز ربانی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا بچو! آپ لوگ انجوائے کرو۔ مجھے ایک کام سے جانا ہے۔" اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ حماد سے اس کا حال احوال پوچھنے لگا۔

پھر وہ یاسمین سے ملنے کے بعد ہی گھر آیا تھا۔

* * *

یاسمین ست قدموں سے چلتے ہوئے لاؤنج میں آئی تو سارہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ممّا! کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیتیں۔"

"ہاں یاسمین! تمہیں آرام کرنا چاہیے۔" شہباز ربانی نے اسے تنبیہہ کی۔

"آرام ہی تو کر رہی ہوں۔" یاسمین قریبی صوفے پر بیٹھ گئی' پھر سارہ سے بولی۔ "بیٹا مجھے جوس بنا دو' ایپل جوس۔"

"جی ممّا! ابھی بنا دیتی ہوں۔" سارہ فوراً" چلی گئی تو یاسمین نے صوفے کی پشت پر سر رکھتے ہوئے شہباز ربانی کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

"تم نے تو کمال کر دیا یاسمین! ورنہ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔"

"ڈر تو خیر میں بھی اس وقت گئی تھی' جب تم نے بتایا کہ اریبہ ہمیں دیکھ رہی ہے اور اگر وہ اسی وقت ہمیں مخاطب کر لیتی تو شاید میں اس سچویشن کو سنبھال نہ پاتی۔ وہ تو اچھا ہوا' ہماری گاڑی آگے نکل گئی اور گھر آنے تک مجھے سوچنے کا موقع مل گیا۔"

"ورنہ تو ہم پھنس گئے تھے۔ جوانی میں تو پکڑے نہیں گئے۔ اب اس عمر میں کیا تماشا بنتا۔" شہباز ربانی اپنی بات پر محظوظ ہو کر ہنسے' پھر کہنے لگے۔ "ویسے یاسمین تمہاری بیٹی واقعی بہت بے وقوف ہے۔ فوراً" تمہارا اعتبار کر لیا۔"

"ہوں۔۔۔" یاسمین کسی خیال میں کھو گئی۔

"اچھا سنو! کب تک یہ ناٹک کرنے کا ارادہ ہے؟" شہباز ربانی نے اسے متوجہ کر کے پوچھا تو یاسمین نے گہری سانس کھینچ کر دروازے کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگی۔

"میں خود اکتا گئی ہوں خود کو بیمار پوز کر کے' لیکن احتیاط تو کرنی پڑے گی۔ میرا خیال ہے' جب تک تم یہاں ہو' مجھے اسی طرح رہنا چاہیے۔"

"میں ایک' دو دن میں اپنے گھر شفٹ ہو جاؤں گا۔ اور یہ خبر تم اپنے میاں تک پہنچا دینا' تاکہ وہ مطمئن ہو جائے۔" شہباز ربانی پھر ہنسے۔

یاسمین نے کچھ کہنا چاہا' لیکن سارہ کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ شہباز ربانی نے بھی ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ سارہ نے ٹرے ٹیبل پر رکھ کر ایک گلاس یاسمین کو تھمایا' دوسرا شہباز ربانی کی طرف بڑھایا تو وہ کہنے لگے۔ "بیٹا! اس کی ضرورت تمہاری ماں کو ہے' میں تو پہلے ہی ہٹا کٹا ہوں۔"

"ایک گلاس سے کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا انکل!" سارہ نے کہتے ہوئے گلاس ان کے سامنے رکھ دیا' پھر یاسمین سے پوچھنے لگی۔

"ممّا! دوپہر کے کھانے میں آپ کیا لیں گی؟"

"کچھ ہلکا پھلکا۔" یاسمین نے اسی قدر کہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے سارہ کو اشارہ کیا تو وہ تیز قدموں سے لابی میں چلی گئی۔

"لو نا شہباز!" یاسمین نے شہباز ربانی کے سامنے رکھے گلاس کی طرف اشارہ کیا' پھر خود بھی گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ کچھ دیر بعد سارہ واپس آ کر بولی۔

"ڈیڈی کا فون تھا۔"

"آ رہے ہیں کیا؟" یاسمین نے بے اختیار پوچھا۔

"نہیں' کہہ رہے تھے نیکسٹ ویک اینڈ پر آئیں گے۔ آج انہوں نے ہمیں بلایا ہے' مجھے اور اریبہ کو۔" سارہ بتا کر پھر خود ہی کہنے لگی۔

لیکن مما! ہم دونوں کیسے جا سکتی ہیں؟ آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"میری فکر مت کرو بیٹا! تم دونوں بہنیں چلی جانا' ورنہ تمہارے ڈیڈی مجھے الزام دیں گے کہ میں منع کرتی ہوں۔" یاسمین نے شہباز ربانی کا خیال نہیں کیا' جس پر سارہ جز بز ہوتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"تمہاری یہ بیٹی' لگتا ہے باپ سے زیادہ مانوس ہے۔" شہباز ربانی نے کہا تو یاسمین اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں! بہت برا لگتا ہے اسے اگر اس کے باپ کو کچھ کہا جائے تو۔"

"تمہارے خیال میں کیوں بلایا ہوگا توصیف نے بیٹیوں کو؟"

شہباز ربانی نے اچانک پوچھا تو یاسمین سوچ میں پڑ گئی' جبکہ دل میں اندیشے گھر کرنے لگے تھے۔

* * *

اس کے پاس تاباں کا روتا ہوا فون آیا تھا۔ اسے آنے پر بہت واسطے دیے تھے۔ اپنی اس کی محبت کے اور آخر میں جان سے گزر جانے کی دھمکی بھی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ بے حس ہو گیا تھا۔ خود اس کے لیے تاباں سے جدائی کا خیال ہی سوہان روح تھا' لیکن وہی بات کہ وہ ہمیشہ سے ایمان دار اور پریکٹیکل تھا۔ محنت اور کوشش پر یقین رکھتا تھا اور فیصلہ اللہ پر چھوڑتا تھا۔ صرف چھوڑتا ہی نہیں تعظیم بھی کرتا تھا۔ کبھی کسی بات کو اس نے زبردستی اپنے حق میں کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جہاں بات تقدیر کی آتی وہ سرنگوں ہو جاتا۔ یقیناً" کم عمری کی ٹھوکروں نے ہی اسے یہ سبق پڑھایا تھا۔ بہرحال تاباں سے محبت کے باوجود جب اس نے دیکھا کہ اس کے اور تاباں کے درمیان تقدیر حائل ہو گئی ہے تو اس نے تاباں کے حصول کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ جبکہ دل میں وہ براجمان تھی' اسے دل سے نکال نہ سکا۔ اس کی محبت سے دستبردار ہونے پر اسے اختیار نہیں تھا' جب ہی اس کے رونے پر وہ تڑپا۔ وہ جان دینے کی دھمکی سے بھی بہت پریشان تھا۔ اور اسی روز اس نے تاجور سے مصلحتاً" غلط بیانی کی کہ وہ آفیشل کام سے شہر سے باہر جا رہا ہے اور گاؤں چلا آیا۔

"تاج کدھر ہے؟" ابا نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"وہ اسپتال میں داخل ہے۔" اس نے سیدھے سادے انداز میں جواب دیا تھا۔

"اکیلی۔۔۔ تو اسے وہاں اکیلا چھوڑ آیا ہے؟" ابا بھڑک اٹھے تو اسے بھی غصہ آ گیا۔

"تو یہاں کون دیکھ بھال کرنے والا ہے اس کا؟ اکیلا تو آپ نے اسے یہاں بھی چھوڑ رکھا تھا۔ خوامخواہ کی بات کرتے ہیں۔"

"میں خوامخواہ کی بات کرتا ہوں' تجھے احساس ہے' جوان لڑکی ہے۔"

"بس کریں ابا! مجھے اس کے لیے جو ٹھیک لگے گا' وہی کروں گا۔ آپ اگر اس کی خیر' خیریت نہیں پوچھ سکتے تو الٹی سیدھی باتیں بھی مت کریں۔" اس نے کہا تو ابا کو جیسے کچھ احساس ہوا تھا۔ پوچھنے لگے۔

"کیا تکلیف ہے اسے۔ جو اسپتال پڑی ہے؟ یہاں تو بھلی چنگی تھی۔" ان کی دوسری بات پر وہ پھر سلگ گیا۔

"سارے روگ یہیں سے لگے ہیں اسے۔ ٹی بی ہو گئی ہے' خون تھوکتی ہے۔"

"خون تھوکتی ہے۔" ابا اپنے آپ بول کر خاموش ہو گئے' پھر کتنی دیر بعد پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہو جائے گی؟"

"ان شاءاللہ۔"

"تو ادھر کسی کام سے آیا ہے؟" ابا کا دھیان اب غالباً" تاجور کی طرف تھا۔

"ہوں۔۔۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سوچ میں پڑ گیا کہ ابا سے کہے یا نہ کہے۔

"کیا بات ہے' بتاتا کیوں نہیں۔" ابا نے ٹوکا تب وہ اپنے آپ میں الجھ کر بولا۔

"ابا! وہ تاباں۔۔۔ تاباں کے ابا کو سمجھائیں ناں۔"

"لے' وہ کوئی چھوٹا کاکا ہے' جو میں اسے سمجھاؤں؟ تو اپنے آپ کو سمجھا۔ وہ نہیں ماننے کا' میں نے سنا ہے' اپنی ہی برادری میں رشتہ مل رہا ہے اسے' ادلے' بدلے میں۔ ادھر وہ بھی رنڈوا ہے۔" ابا نے بتایا تو وہ نا سمجھی سے بولا۔

"کون' کون رنڈوا ہے؟"

"جس سے وہ تاباں کو بیاہے گا۔"

"میرے خدا۔۔۔" اس کے بوجھل دل پر مزید بوجھ آن پڑا۔

"تو چھوڑ دے تاباں کا خیال' ادھر شہر میں ہی کوئی لڑکی دیکھ' پر ابھی تجھے شادی کی کیا جلدی ہے۔ پہلے بہن کا علاج تو کرا لے۔" ابا جانے کیا کیا بولے جا رہے تھے' وہ کچھ نہیں سن رہا تھا۔ پھر انہیں یونہی بولتا چھوڑ کر گھر سے نکل آیا۔

اس کا رخ نہر والے باغ کی طرف تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے قدم رک رک کر اٹھ رہے تھے۔ شاید زندگی ہارنے کا خوف تھا۔ دل چاہ رہا تھا یہ راستہ کبھی ختم نہ ہو' وہ یونہی چلتا چلا جائے یا پھر راستے میں ہی کہیں کھو جائے۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا اور وہ سامنے آ گئی۔ ہمیشہ کی شوخ چنچل کسی اجاڑ ویران کھڑی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ جاؤں گی شمشیر! بس میں نے سوچ لیا ہے۔" تاباں بے اختیار اس کے سینے سے لگ کر رونے لگی تھی۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" اس نے یکدم اپنی بے اختیاریوں کو لگام ڈالی تھی۔ "میں اس لیے نہیں آیا۔ میں تمہیں سمجھانے آیا ہوں۔"

"مت سمجھاؤ مجھے میں کچھ نہیں سمجھوں گی۔ مجھے بس تمہارا ساتھ چاہیے۔ ابا نہیں مانتا' نہ مانے۔ تم تو مان جاؤ۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ میں تمہاری بہت خدمت کروں گی۔" وہ بری طرح بکھر رہی تھی۔

"تاباں! خدا کے لیے مجھے کمزور مت کرو۔ میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو بعد میں میرے لیے پچھتاوا بن جائے۔"

"پچھتاوا۔۔۔ مجھ سے شادی کر کے تم پچھتاؤ گے؟" تاباں جھٹکے سے اس سے الگ ہوئی۔

"پاگل ہو تم' میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" وہ جھنجلایا۔

"پھر کیا مطلب ہے۔ بتاؤ۔"

"دیکھو' جو کام جائز طریقے سے نہ ہو' اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ لے جانے کو میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں لیکن اس سے بڑی جگ ہنسائی ہوگی۔ ہم تو آرام سے رہ لیں گے لیکن ہمارے گھر والے۔۔۔ میرا باپ' تمہارا باپ' کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ذرا سوچو! تمہارا ابا جس راستے سے گزرے گا لوگ اس پر انگلیاں اٹھائیں گے۔ آوازے کسیں گے۔ کیا تمہیں یہ منظور ہے۔" تاباں خائف نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں تمہیں حقیقت بتا رہا ہوں تاباں! اس سے یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے دامن چھڑا رہا ہوں۔ تم سے زیادہ خود مجھے اپنے آپ کو سمجھانا بہت مشکل ہو رہا ہے' لیکن میں کیا کروں۔ میں تقدیر سے نہیں لڑ سکتا۔ تم بھی مت

لڑو کیونکہ تقدیر لکھنے والا بڑا زور آور ہے۔ ہم اگر ابھی اس کے فیصلے پر سر جھکا دیں گے تو وہ ہمارے لیے امان لکھ دے گا‘ نہیں تو خواری ہی خواری ہو گی۔“ وہ ٹوٹے لہجے میں بولتا چلا گیا۔

”مجھے تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آ رہیں۔“ تاباں الجھی ہوئی تھی۔

”وقت‘ وقت سمجھائے گا تمہیں۔ ابھی تم مجھ سے ایک وعدہ کرو‘ خود کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔“ اسے اصل میں یہی خدشہ تھا‘ جو وہ بھاگا چلا آیا تھا۔

”اور جو تم نقصان پہنچا رہے ہو۔“ تاباں کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی۔ ”پتا ہے‘ میں بچپن سے ایک ہی خواب دیکھتی آ رہی ہوں کہ میں تمہاری دلہن بنوں گی۔ باقی سارے خواب اس کے ساتھ جڑے ہیں۔ کون قبولے گا مجھے ان خوابوں کے ساتھ بتاؤ۔ یہ سب تو تمہاری امانت ہیں۔“

”تو لوٹا دو مجھے‘ نہیں سنبھال سکتیں تو‘ میرے حوالے سے جتنے خواب سجائے سب لوٹا دو مجھے۔“ وہ کٹھور بن گیا تھا۔

”بہت ظالم ہو شمشیر علی! بہت ظالم ہو۔ مرد ہو ناں جینے کا آخری سہارا بھی چھین لینا چاہتے ہو۔ نہیں‘ میں نہیں دوں گی۔ میں اپنے خواب نہیں دوں گی۔ جاؤ چلے جاؤ‘ تاباں تمہارے لیے مر گئی۔“ وہ اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتی بھاگتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ شمشیر علی کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

* * *

ڈاکٹر غضنفر نے اسے ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کو کہا تھا اور ایسے مریض کی تلاش میں وہ ایک ایک کمرا جا کر دیکھ آئی تھی۔ آخر میں جنرل وارڈ کا رخ کیا تو پہلی نظر میں اسے مایوسی ہوئی۔ زیادہ مریض فریکچر والے تھے۔ وہ ہر بیڈ کے قریب چند لمحے رکی‘ پھر آگے بڑھ گئی۔ آخری بیڈ تک آتے آتے اس کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تب ہی بیڈ پر لیٹی لڑکی پر نظر پڑی تو وہ بلا ارادہ اسے دیکھے گئی۔ سولہ سترہ سال کی خوب صورت لڑکی تھی لیکن بیماری کے باعث اس کا چہرہ مرجھایا ہوا اور بڑی بڑی آنکھیں بے رونق تھیں۔ وہ بالکل لاشعوری طور پر اس کا جائزہ لے رہی تھی کیونکہ اصل میں تو وہ ستانے بیٹھی تھی۔ پھر جب اٹھی تو اس کا ذہن جیسے یکلخت بیدار ہوا تھا۔ چند لمحے رک کر پورے دھیان سے اس لڑکی کو دیکھا‘ پھر بیڈ کے قریب آ کر اسے متوجہ کیا۔

”ہیلو۔۔۔“ لڑکی چھت سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگی تو اس نے مسکرا کر پوچھا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“

”تاج۔۔۔“ لڑکی کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ وہ سن ہی نہیں سکی اور غیر ارادی طور پر جھک کر بولی۔

”کیا۔۔۔؟“

”تاجور۔۔۔“ اب لڑکی نے پورا نام بتایا۔

”اچھا تاجور‘ تم یہاں کب سے ایڈمٹ ہو؟“

”دو مہینے سے۔“

”دو مہینے سے‘ کیا تکلیف ہے تمہیں؟“ اس نے پوچھنے کے ساتھ اسٹیتھسکوپ لگا کر اسے چیک کرنا شروع کیا تو اچانک تاجور کو کھانسی کا ایسا دورہ پڑا کہ وہ بے حال ہو گئی۔ اریبہ کبھی اس کا سینہ سہلاتی‘ کبھی پیٹھ‘ پھر جلدی سے گلاس میں پانی ڈال کر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ایک گھونٹ لے کر ہی تاجور نے اپنا سر تکیے پر رکھ دیا۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ اریبہ نے اس کے پرسکون ہونے کا انتظار کیا‘ پھر پہلے اس کی چارٹ شیٹ اٹھا کر دیکھی‘ جس سے اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ اس کی مطلوبہ مریضہ ہے لیکن یہ کوئی خوشی کی بات نہیں تھی۔ وہ حیرت اور دکھ سے اس کم عمر لڑکی کو دیکھے گئی‘ جس کی ویران آنکھیں چھت پر جمی تھیں۔ وہ احتیاط سے اس کے قریب بیٹھی اور اس کا ہاتھ چھو کر پوچھنے لگی۔

”سنو! یہاں تمہارے ساتھ کون ہے؟“ تاجور نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا غالباً“ اس ڈر سے کہ کہیں پھر نہ کھانسی شروع ہو جائے اور اس نے سمجھ کر خود کو مزید سوالات سے روک لیا اور دوبارہ آنے کا سوچ کر وہاں سے چلی آئی۔ کوریڈور میں عروسہ‘ مہک اور جمال اسی کے انتظار میں کھڑے تھے۔ وہ قریب پہنچی تو عروسہ پوچھنے لگی۔

”ہو گیا تمہارا کام؟“

”نہیں‘ آدھا ہوا ہے۔ میرا مطلب ہے مریضہ تو مل گئی ہے‘ باقی کیس ہسٹری اس کی زبانی کچھ سننے کے بعد ہی تیار کروں گی۔“

”ابھی اس نے کچھ نہیں بتایا؟“ جمال نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں‘ ابھی وہ بولنے کے قابل نہیں تھی۔ اس لیے میں نے کچھ نہیں پوچھا۔ خیر‘ یہ کام تو ہو ہی جائے گا لیکن مجھے اس لڑکی پر افسوس ہو رہا ہے بلکہ دیکھ۔ کم عمر لڑکی ہے۔ پتا نہیں کیسے۔۔۔“

”اوکے یار‘ میں تو چلا۔۔۔“ جمال اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔ تو وہ تینوں اکیڈمی میں ملنے کا کہہ کر اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ گئیں۔

آج موسم خاصا سرد تھا۔ سورج نے صبح بس تھوڑی دیر کو ہی اپنی جھلک دکھائی تھی‘ اس کے بعد جانے کہاں غائب ہو گیا تھا کہ دوپہر میں شام کا گمان ہو رہا تھا‘ لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یعنی موسم کے تیور اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ اپنی پڑھائی کے معاملے میں بہت سنجیدہ اور ذمہ دار تھی۔ بہرحال جب وہ گھر آئی تو یاسمین لاؤنج میں اکیلی بیٹھی تھی۔

”السلام علیکم مما! سارہ اور حماد کہاں ہیں؟“ اس نے کھڑے کھڑے پوچھا۔

”سارہ کمرے میں ہے اور حماد کا فون آیا تھا کالج سے‘ اپنے ڈیڈی کے پاس چلا گیا ہے اور ہاں! شہباز بھی اپنے گھر شفٹ ہو گئے ہیں۔“ یاسمین نے بتایا تو وہ بے ساختہ بولی تھی۔

”کب؟“

”آج صبح ہی۔ اچھا ہے بیٹا! میں بھی ریلیکس ہو گئی ہوں۔ تمہارے ڈیڈی کو پسند نہیں تھا ناں ان کا یہاں رہنا۔“ یاسمین نے جتاتے ہوئے کہا۔

”چلیں‘ آپ کو ٹھیک لگ رہا ہے تو ٹھیک ہی ہے۔“ وہ بات ختم کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ یاسمین نے پوچھا۔

”کھانا لگاؤں بیٹا!“

”نہیں مما! مجھے بھوک نہیں ہے۔“

”کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو۔ سارہ بھی یہی کہہ رہی ہے۔“

”شاید موسم کا اثر ہے۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ سارہ لحاف میں گھسی کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

”باہر سردی زیادہ ہے کیا؟“

”پتا نہیں‘ میں نے غور نہیں کیا۔“ وہ اپنی دھن میں بولی۔ سارہ چڑ گئی۔

”یہ غور کرنے کی نہیں‘ محسوس کرنے کی بات ہے۔“

"اچھا پھر سمجھو میں بے حس ہو گئی ہوں۔" اس نے بظاہر سنجیدگی سے کہا اور اس کی توقع کے مطابق جواب آیا تھا۔

"وہ تو خیر تم شروع سے ہو۔"

"اچھا اب مہربانی کرو مجھے سونے دو اور پانچ ساڑھے پانچ بجے اٹھا بھی دینا۔" اس نے کہتے ہی سر تک کمبل اوڑھ لیا تھا۔

* * *

جب موسم اپنے اندر ڈھیر ساری رعنائیاں سمیٹ لاتا تھا' تب اس روٹھی لڑکی کا خیال اسے کچھ اور کرنے ہی نہیں دیتا تھا۔ وہ اس سے ملنے کو بے چین ہو جاتا۔ ابھی بھی وہ سب کام چھوڑ کر اس کے پاس جانا چاہتا تھا۔ حالانکہ یہ امید بھی نہیں تھی کہ وہ اسے خوش آمدید کہے گی' پھر بھی وہ کتنے ضروری کام اگلے دن پر ڈال کر آفس سے نکل آیا تھا۔ فضا میں رچی خنکی نے ماحول پر عجیب فسوں طاری کر دیا تھا۔ اسے یاد آیا ایسے موسم میں وہ چلغوزوں کی فرمائش کرتی تھی۔ گئے دنوں کی کوئی خوب صورت بات یاد آنے پر اس کے ہونٹ مسکرانے لگے اور دل میں امنگیں سی جاگ اٹھیں۔ پھر پہلے اس نے چلغوزے خریدے' پھر توصیف ولا میں قدم رکھا تو اس کا استقبال سناٹوں نے کیا۔ اسے پہلا خیال یہی آیا کہ سردی کے باعث سب اپنے کمروں میں لحافوں میں دبکے ہوں گے' لیکن پھر پورچ کی طرف نظر اٹھی تو نہ گاڑی تھی نہ اس کی بائیک۔ وہ خاصا بددل ہو کر وہیں لان میں بیٹھ گیا اور شاید وہیں سے واپس لوٹ جاتا کہ بوا نے پکار لیا۔

"ارے میاں! وہاں کیوں بیٹھے ہو۔ اندر آؤ۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی اندر آ گیا۔

"سب لوگ کہاں ہیں؟" اس نے چلغوزوں کا لفافہ بوا کو تھماتے ہوئے پوچھا۔

"سب لوگ تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے بڑا لمبا چوڑا کنبہ ہو۔ میاں! گنتی کے چار افراد ہیں۔ مجھے ملا لو تو پانچ۔" بوا غالباً" باتیں کرنے کے موڈ میں تھیں لیکن اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"چلیں تو آپ چار افراد کے بارے میں بتا دیں۔"

"ہاں' اریبہ تو اس وقت اکیڈمی جاتی ہے' وہیں گئی ہو گی۔ حماد کو کرکٹ کا شوق ہے اور یاسمین کو سیر سپاٹوں کا۔ رہ گئی سارہ تو وہ اپنے کمرے میں ہو گی۔ تم وہیں چلے جاؤ میں چائے بناتی ہوں۔ ساتھ میں کچھ کھاؤ گے؟"

بوا سب کا بتا کر پوچھ رہی تھیں لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا جب ہی جواب نہیں دے سکا۔

"ٹھیک ہے' کباب تل دیتی ہوں۔ لیکن تھوڑا وقت لگے گا۔ قیمہ پیسنا ہے۔ خیر تم کوئی مہمان تھوڑی ہو۔ آرام سے بیٹھو۔" بوا کہہ کر کچن کی طرف بڑھیں' تب وہ چونک کر بولا۔

"بوا! رہنے دیں میں چلتا ہوں۔"

"ہائیں' ایسے کیسے چلتا ہوں۔ سردی میں آ رہے ہو۔ چائے پی کر جانا۔ ابھی سارہ بھی چائے چائے کرتی آ جائے گی جاؤ' دیکھو کیا کر رہی ہے وہ۔"

بوا اس کا کوئی عذر سننے کے لیے رکی نہیں چلی گئیں تو وہ ناچار سارہ اور اریبہ کے مشترکہ کمرے میں آ گیا۔ جانے کس سوچ میں تھا کہ دستک دینا ہی بھول گیا۔ واپس پلٹنا چاہتا تھا کہ سارہ کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ بہت مگن کھڑی تھی۔ اسے اچانک شرارت سوجھی عقب سے دبے پاؤں قریب جا کر پکار لیا۔

"سارہ!"

سارہ یوں اچھلی کہ توازن قائم نہ رکھ سکی۔ گرنے کو تھی کہ اس نے فوراً" اسے بازوؤں میں تھام لیا۔

"رازی بھائی...!" سارہ سہمی ہوئی رو دینے کو ہو گئی۔

"اتنا سا دل ہے تمہارا..." اجلال رازی کو اپنی آواز کہیں دور سے آتی لگی تھی۔

* * *

ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی تھی۔ عروسہ جو اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ جمال کے ساتھ سر کھپاتی اریبہ کو جھنجوڑ ڈالا۔

"بس کرو اریبہ! بارش ہو گئی تو گھر جانا مشکل ہو جائے گا۔"

"تمہیں کیا مشکل ہو گی۔ تمہارے پاس تو گاڑی ہے۔" اس نے اطمینان سے کہا تو عروسہ دانت پیس کر بولی۔

"میں تمہارے لیے کہہ رہی ہوں۔ بارش میں بائیک چلانا انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ کیوں جمال؟"

"بالکل۔" جمال فوراً" تاکید کر کے اریبہ کو سمجھانے لگا۔ "ابھی بھی بہت احتیاط سے چلانا۔ گیلی روڈ پر بائیک سلپ ہو جاتی ہے۔"

"ہائے نہیں۔ اریبہ! تم میرے ساتھ گاڑی میں چلو۔" عروسہ نے کسی خوفناک تصور سے سہم کر اسے آفر کی تو وہ جھنجھلا گئی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ پڑھنے کا موڈ نہیں ہے تو صاف کہو' خوامخواہ الٹی سیدھی باتیں سوچ کر دماغ خراب کر رہی ہو۔"

"ہاں نہیں ہے موڈ۔ بس چلو۔" عروسہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ مہک اور جمال کو دیکھنے لگی۔

"چلتے ہیں یار...!" مہک نے کہا تو اس کا موڈ آف ہو گیا۔ اپنی چیزیں اٹھا کر ان تینوں سے پہلے باہر نکل آئی اور بائیک اسٹارٹ کر رہی تھی کہ جمال سر پر پہنچ گیا۔

"دیکھو' احتیاط سے بارش..."

"کھا نہیں جائے گی بارش۔" اس نے کہہ کر بائیک بھگا دی۔ لیکن ابھی اسے مرنے کا شوق نہیں تھا جب ہی موڑ مڑتے ہی احتیاط کا دامن تھام لیا۔ ہلکی رفتار کے ساتھ اب وہ موسم انجوائے کرنا چاہتی تھی لیکن بارش تیز ہو گئی۔ سردی کی بارش تھی۔ وہ اب پریشان ہو کر جائے پناہ ڈھونڈنے لگی کہ قریب سے گزرتی گاڑی میں نوجوانوں کی ٹولی نے اسے دیکھ کر سیٹیاں بجانا شروع کر دیں۔ ایک شیشے سے سر نکال کر بولا۔

"ہائے بے بی! یہاں آجاؤ ہمارے پاس۔"

"نان سینس!" اس نے دانت پیسے اور بائیک رہائشی علاقے کی طرف موڑ دی تب اچانک خیال آیا کہ شہباز ربانی کا بنگلہ اسی طرف ہے۔ ابھی دو دن پہلے شہباز ربانی نے خود اسے ایڈریس سمجھایا تھا۔ تب اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ یہاں آئے گی۔ بہرحال وہ آرام سے پہنچ گئی تھی۔ گیٹ کھلا تھا اور سامنے ڈرائیو وے پر یاسمین کی گاڑی دیکھ کر اس وقت وہ یہی سوچ سکی تھی۔

"چلو اچھا ہے مما بھی یہاں موجود ہیں۔"

وہ بائیک باہر ہی چھوڑ کر اندر آگئی تو اچانک بدن کپکپانے لگا۔ باہر تھی تو صرف جائے پناہ تک پہنچنے کا خیال باقی تمام احساسات پر حاوی تھا اور اب سرد موسم کی شدت اپنا آپ منوا رہی تھی۔ وہ دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے یاسمین کو پکارنا چاہتی تھی کہ ہونٹوں سے قبل اس کی سماعتوں کے در کھل گئے تھے۔ لابی میں جہاں وہ کھڑی تھی اس کے دائیں جانب دروازہ بند تھا اور اس بند دروازے کے اندر سے ہی آوازیں آرہی تھیں۔

"تمہارا نشہ ہر شے سے زیادہ دلکش ہے یاسمین! مت پوچھو میں کتنا ترسا ہوں۔"

"او شبی! بس کرو۔"

"ماما۔!" اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ کپکپاتے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے ذرا سی گردن موڑی۔ دروازہ بند تھا لیکن اس کی سماعتوں نے بخوبی اپنی ماں کی آواز پہچانی تھی۔ اس کی ماں جس پر وہ اندھا اعتماد کرتی تھی اس کی آواز کی لڑکھڑاہٹ، لہجے میں لٹنے کا سرور۔ یکلخت ایسے ہی توصیف احمد کو آسمانوں سے پاتال میں لے آیا تھا۔ دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتے ہوئے وہ اچانک پلٹ کر بھاگی تھی اور پھر اس نے زن سے بائیک بھگا دی۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اسے سامنے کچھ نظر بھی نہیں آرہا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں جارہی ہے۔ اسے کہاں جانا ہے۔ شاید اب امان کہیں نہیں تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اسے مرنے کا کوئی شوق نہیں تھا اور اب اسے زندگی کی طلب نہیں تھی۔ بائیک ہوا سے باتیں کر رہی تھی جیسے ساری مسافتیں ازل تا ابد ابھی طے کرنی ہیں۔ راستے میں کتنے لوگوں نے اشارے سے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر ایک چوراہا موڑتے ہوئے اس کی بائیک یوں بے قابو ہو کر پھسلی کہ وہ بائیک کے ساتھ دور تک قلابازیاں کھاتی چلی گئی۔ دھند تو پہلے ہی تھی اب تو اندھیرا بھی چھا رہا تھا۔ اس کی بند ہوتی آنکھوں نے دیکھا ایک شخص اس کی طرف دوڑا چلا آرہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔

✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رزیوم ایبل لنک
✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے
⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں
اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

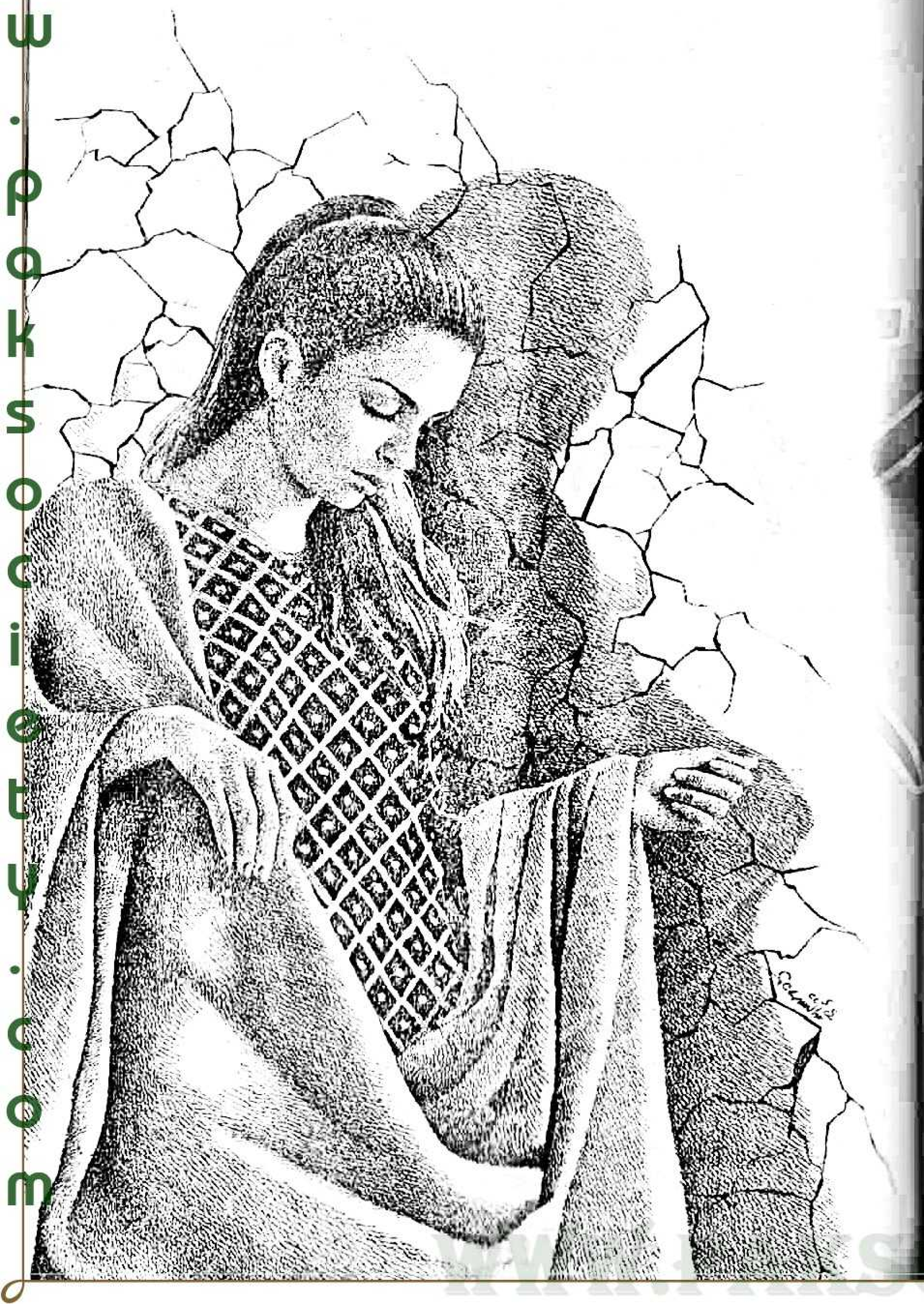

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں، سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقبل بدمزاجی اور بدزبانی تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی، خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ یاسمین اس پر اپنے جیٹھ، جٹھانی سے ا شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلا رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلا بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلا تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوگئی اور اس نے اجلا سے منگنی توڑدی۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آیا تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلا۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ ر ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اجلال رازی اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے، مگر وہ خاصی رُکھائی سے پیش آتی ہے، تاہم وہ تحمل سے کام ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خودسر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر ب مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ توصیف احمد کو اریبہ کے منگنی توڑدینے کا بھی علم ہوجاتا ہے۔ وہ ساجدہ سے بات کرتے ہیں تو وہ انہیں کچھ دن یاسمین کے گھر میں رہنے کا مشورہ دیتی ہیں۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں ظلم وستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصہ میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کر لیتا ہے۔ شمشیر تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے ہسپتال داخل کروا دیتا ہے۔

اریبہ یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کر دیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

اکیڈمی سے واپسی پر بارش ہو جاتی ہے۔ اریبہ پناہ لینے کے خیال سے شہباز درانی کے گھر چلی جاتی ہے۔ جو کچھ دن پہلے انہوں نے لیا ہوتا ہے۔ پورچ میں بائیک کھڑی کر کے وہ لابی میں جاتی ہے تو ایک بند کمرے سے اسے یاسمین اور شہباز درانی کی مدہوش سی سرگوشیاں سنائی دیتی ہیں۔ وہ غصے میں دوبارہ بارش میں بائیک لے کر نکل پڑتی ہے۔ راستے میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ ایک شخص اسے بچانے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔

ساتویں قسط

ہسپتال کے ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد شمشیر علی کو خیال آیا کہ اس کے گھر والوں کو کیسے مطلع کرے۔ وہ تو ایمرجنسی میں تھی۔ زندگی اور موت کے درمیان اور جانے کسے جیتنا' کسے ہارنا تھا۔ اس کے لیے بہرحال اس کے گھر والوں کو مطلع کرنا ضروری تھا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے' کس سے معلوم کرے۔ تب اچانک اس کے بیگ پر نظر پڑی جسے اس نے بینچ پر ڈال دیا تھا۔ اس نے فوراً" بیگ اٹھا کر چیک کیا اس کا سیل فون ہاتھ آ گیا جس پر پہلا نمبر توصیف احمد کا تھا۔

"توصیف احمد!" وہ نام سے چونکا اور نمبر دیکھ کر تو پریشان ہو گیا۔ یہ اس کے باس کا نمبر تھا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد آخر اس نے نمبر پش کر دیا تھا۔

"یس اریبہ! ہاؤ آر یو بیٹا؟" ادھر توصیف احمد نے فوراً" کال ریسیو کرتے ہی کہا کیونکہ نمبر اریبہ کا تھا۔ جبکہ شمشیر علی گڑبڑا گیا۔

"سر! میں شمشیر علی۔"

"شمشیر علی!" توصیف احمد غالباً" سوچ میں پڑ گئے تھے۔

"جی سر! یہ سیل فون اگر آپ کی بیٹی کا ہے تو میں افسوس سے کہوں گا کہ وہ اس وقت ہسپتال میں ہیں۔" شمشیر علی نے سنبھل کر کہا تو ادھر توصیف احمد پریشان ہو گئے۔

"ہسپتال! کیا ہوا ہے؟"

"ایکسیڈنٹ سر!"

"اوہ! تم ہسپتال بتاؤ میں آ رہا ہوں۔" توصیف احمد نے تفصیل جاننے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ ہسپتال کا نام پوچھ کر فون بند کر دیا تھا۔ جس کا مطلب تھا۔ وہ فوراً" پہنچ جائیں گے اور اگر کسی انجان شخص کا معاملہ ہوتا تو شمشیر علی کا کام یہاں ختم ہو گیا تھا لیکن توصیف احمد اس کے باس تھے اور وہ اپنی پہچان کرا چکا تھا جب ہی ان کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

تقریباً" بیس منٹ بعد توصیف احمد آئے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں ہے اریبہ؟ کیسی ہے؟" بہت ضبط کے باوجود توصیف احمد کی پریشانی چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"جی' وہ ایمرجنسی میں ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر؟"

"ابھی تک تو کچھ نہیں کہا۔ آپ پلیز بیٹھیں سر!" اس نے بے اختیار توصیف احمد کا بازو تھام کر انہیں بٹھایا پھر ل دینے لگا۔ "آپ پریشان نہ ہوں سر! وہ ان شاءاللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"کیسے' کہاں ہوا ایکسیڈنٹ اور تم ہم تو غالباً" شہر سے باہر تھے؟" توصیف احمد بے ربط ہو رہے تھے۔

"جی سر! میں آج ہی واپس آیا ہوں۔ اور ابھی ہسپتال آ رہا تھا کہ راستے میں بائیک سلپ ہوتے دیکھی پھر میں یں اٹھا کر یہاں لے آیا۔ فوری طور پر میں یہی کر سکتا تھا۔ پھر ان کے سیل فون پر آپ کا نمبر دیکھ کر میں نے آپ طلع کیا۔" اس نے روانی سے بتا دیا۔

"زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں؟" توصیف احمد نے پوچھا تو وہ جواب نہیں دے سکا جس کا مطلب ظاہر تھا۔ یف احمد نے سر جھکا لیا۔ چند لمحے اسی حالت میں بیٹھے رہے پھر جیب سے سیل فون نکالا اور نمبر پش کر کے کان اگالیا۔

"ہاں' یاسمین کہاں ہے؟"

"اور سارہ۔"

"نہیں رہنے دو۔" انہوں نے سیل آف کیا پھر شمشیر علی کو دیکھ کر بولے۔

"اوکے جنٹل مین۔ تھینک یو ویری مچ۔ تم نے بڑا احسان کیا۔"

"نو سر۔"

"تم نہ سمجھو لیکن میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" انہوں نے اسے بولنے ہی نہیں دیا۔ تب وہ ان سے اجازت لے کر ں سے چلا آیا تھا۔

* * *

ساجدہ بیگم کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ رازی گھر پر تھا نہ بلال۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو ثنا کو پکارنے

"ثنا! ثنا!" ان کی آواز سے پریشانی ظاہر تھی۔ جب ہی ثنا بھاگی چلی آئی۔

"جی امی!"

"رازی کہاں ہے' اور بلال؟ فون کرو انہیں اور جلدی بلاؤ۔" وہ کہتے ہوئے اپنے پیچھے صوفے پر ڈھے سی گئی

"کیا ہوا ہے امی' سب ٹھیک تو ہے ناں؟" ثنا نے ٹھٹک کر پوچھا' ساتھ ہی ٹیلی فون کا ریسیور بھی اٹھا لیا۔

"تم پہلے بھائی کو فون کرو۔ رازی سے کہو' جلدی آئے۔" انہوں نے کہا تو ثنا جلدی جلدی نمبر ڈائل کرنے پھر ادھر بیل جاتی رہی۔ اس کے بعد ناٹ رسپونڈنگ کا ٹیپ بجنے لگا۔ ثنا نے دوبارہ ڈائل کیا تب بھی یہی ہوا تو ور رکھ کر ساجدہ بیگم کے پاس آ بیٹھی۔

"بھائی فون نہیں اٹھا رہے۔ آپ بتائیں تو کیا ہوا ہے۔ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں؟"

"پریشانی کی بات ہی ہے۔ اریبہ کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ ہسپتال میں ہے۔" ساجدہ بیگم نے بتایا تو ثنا سنبھل کر

پوچھنے لگی۔

"آپ کو کس نے بتایا؟"

"ابھی تمہارے چچا جان کا فون آیا تھا۔ وہی ہیں اریبہ کے پاس۔ مجھے بھی بلا رہے ہیں۔ کہاں رہ گیا رازی؟ اس کا فون نہیں مل رہا تو بلال کو ملاؤ۔ کوئی تو آئے۔"

وہ جواب کے ساتھ بولی تھیں۔ ثنا اب بادل نخواستہ اٹھی تھی۔ بلال کو فون کر کے پھر ان کے پاس آ بیٹھی۔

"بلال آ رہا ہے۔ لیکن امی! اتنی سردی اور بارش بھی ہو رہی ہے۔ آپ کیسے جائیں گی' میرا مطلب ہے آپ کی اپنی طبیعت۔ کہیں گھٹنوں کی تکلیف بڑھ نہ جائے۔" ثنا نے اس وقت طریقے سے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ ورنہ عام حالات میں کہہ دیتی کہ مرتی ہے تو مرے ہمیں کیا۔

"اب جو بھی ہو' جانا تو ہے۔ توصیف بہت پریشان تھا اور پتا نہیں بچی کس حال میں ہے۔ تم جاؤ' جلدی سے میری گرم شال لے آؤ۔" وہ ثنا کو جواب ضرور دے رہی تھیں لیکن ان کا سارا دھیان توصیف احمد اور اریبہ کی طرف تھا' بس نہیں چل رہا تھا فوراً" وہاں پہنچ جائیں۔

"بلال کو تو آنے دیں۔"

ثنا کہتے ہوئے اٹھ کر چلی بھی گئی اور جب شال لے کر واپس آئی تب بلال بھی آ گیا تھا۔ ساجدہ بیگم نے اسے بیٹھنے بھی نہیں دیا بس ایکسیڈنٹ کا بتا کر ہسپتال چلنے کو کہا اور فوراً" اس کے ساتھ نکل آئی تھیں۔

سڑکوں پر پانی جمع ہونے کے باعث بمشکل پندرہ منٹ کا فاصلہ آدھے گھنٹے میں طے ہوا تھا۔ وہ جب پہنچیں اس وقت اریبہ کو کمرے میں منتقل کیا جا رہا تھا اور توصیف احمد کمرے سے باہر گم صم کھڑے تھے۔ بلال نے سلام کیا تب انہوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر بے اختیار ساجدہ بیگم کے کندھے پر سر رکھ دیا تھا۔

"بھابھی جان! اریبہ!"

"حوصلہ رکھو۔ کچھ نہیں ہو گا اریبہ کو۔" انہوں نے توصیف احمد کا سر تھپکا پھر بلال کو اشارا کیا تو وہ انہیں تھام کر کمرے میں لے آیا۔ اریبہ کو دیکھ کر ساجدہ بیگم کو بھی چکر آ گیا تھا۔ وہ مکمل پٹیوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چہرے صرف آنکھوں کی جگہ خالی تھی۔

"امی! چچا جان پلیز' آپ دونوں بیٹھ جائیں۔" بلال کو اریبہ سے زیادہ ماں اور چچا کی حالت پریشان کر گئی۔ دونوں ہی یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی ڈھے جائیں گے۔

"کیسے ہوا یہ؟ تم ساتھ تھے؟" ساجدہ بیگم نے توصیف احمد کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں' مجھے کچھ پتا نہیں' ہمیں ہسپتال سے فون آیا تھا تو میں بھاگا چلا آیا۔"

"گھر میں خبر ہے یاسمین کو؟" ساجدہ بیگم نے کچھ رک کر پوچھا تھا۔

"نہیں' میں نے فون کیا تھا۔ یاسمین گھر پر نہیں تھی اور سارہ کو میں نے خود نہیں بتایا۔" توصیف احمد کے لہ میں عجیب سی بے بسی تھی۔

"اچھا کیا۔ سارہ پریشان ہی ہوتی۔"

"جی' مجھے یہی خیال تھا اور میں آپ کو بھی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا لیکن۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔" ساجدہ بیگم فوراً" ٹوک کر کہنے لگیں۔ "اریبہ میری اپنی بچی ہے۔ میں دیکھ بھال کروں گی اس کی۔ تم اس طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔"

ں آپ کی محبت کی دل سے قدر کرتا ہوں بھابھی جان! ورنہ اس کی ماں۔"

ں خاموش ہو جاؤ اور جاؤ بلال کے ساتھ ڈاکٹر سے معلوم کرو' بچی کو کب ہوش آئے گا اور کھانے پینے کو کیا "ساجدہ بیگم نے ان کے ساتھ بلال کو بھی اٹھا دیا تھا۔ پھر اریبہ کو دیکھتے ہوئے اپنے پرس میں سے تسبیح ال لی۔

* * *

ات تقریباً" دس بجے جب آسمان نیر بہا کر شانت ہو چکا تھا تب یاسمین گھر آئی تھی۔ وہ اتنی مطمئن اور رنگین ید تھی اپنے کمرے میں چلی آئی اور کیونکہ سیر ہو کر آئی تھی۔ اس لیے اب اسے کسی چیز کی طلب نہیں تھی کپڑے تبدیل کر کے سو جانا چاہتی تھی۔ اسی ارادے سے وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی کہ دروازے پر ن کر رک گئی۔ پھر دوسری دستک کے بعد بی بی اندر آئی تھیں۔

یا بات ہے؟" یاسمین نے بی بی کو دیکھتے ہی بلا ارادہ پوچھا تھا۔

بیٹا! اریبہ ابھی تک نہیں آئی۔" بی بی کے لہجے میں حد درجہ تشویش تھی۔ یاسمین کا سارا نشہ ہرن ہو گیا

ا! اریبہ کہاں گئی ہے؟ آپ کا مطلب ہے اکیڈمی سے نہیں آئی۔"

ں۔ جب سے گئی ہوئی ہے۔ کوئی فون بھی نہیں آیا۔" بی بی نے بتایا تو یاسمین جھنجلا گئی۔

پ نے۔ میرا مطلب ہے' سارہ نے فون کیا اسے؟"

سارہ تو آپ روتی رہی ہے۔ پتا نہیں کیا ہوا ہے اسے۔"

"ہ نہیں ہوتا اسے۔" یاسمین چیخ کر بولی تھی۔ "پاگل ہے وہ۔ آپ کو پتا تو ہے بارش میں روتی ہے۔ پتا نہیں ی دنیا میں رہتی ہے۔ نان سینس۔"

"اور اریبہ!"

"ں میں فون کرتی ہوں اسے۔ بارش کی وجہ سے کہیں رک گئی ہو گی۔" یاسمین کہتے ہوئے پرس میں سے ون نکالنے لگی۔

"یف میاں کا فون آیا تھا۔" بی بی نے بتایا تو سیل فون تلاش کرتا یاسمین کا ہاتھ رک گیا۔

"یا کہہ رہے تھے؟"

"ہ نہیں۔ بس آپ کا پوچھا پھر سارہ کا۔ میں نے کہا سارہ کو اٹھا دیتی ہوں تو "نہیں رہنے دو" کہہ کر فون بند کر یا۔" بی بی ایک ایک بات اس کے گوش گزار کر رہی تھیں۔

"ار نماد کہاں ہے؟" یاسمین اب کچھ خفیف تھی۔

"اپنے کمرے میں ہے۔"

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔ آپ چائے بناؤ' میں دیکھتی ہوں سب کو۔" یاسمین بی بی کو بھیج کر متحرک ہو گئی۔ پہلے اریبہ یا۔ اس کے سیل پر بیل جاتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں ہوئی۔ وہ دوبارہ ٹرائی کرتے ہوئے اٹھ کر سارہ کے یں آ گئی۔

ارہ کمبل میں منہ چھپائے پڑی تھی۔

"ارہ!" یاسمین نے پکارنے کے ساتھ کمبل کھینچا تھا اور ٹھٹک گئی۔ ہچکیوں کے باعث سارہ کا وجود جھٹکے کھا رہا

تھا۔

"سارہ!" یاسمین نے قریب بیٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم اٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔

"مما' مما! آپ کہاں چلی گئی تھیں۔ میں نے آپ کو بہت پکارا۔ آپ کہاں تھیں اتنا مینہ برسا' سب کچھ لے گیا۔ مما! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" سارہ روتے ہوئے جانے کیا کیا بولے جا رہی تھی۔ یاسمین کو اس سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"بیٹا! بیٹا! میری بات سنو۔ میں کہیں نہیں گئی۔ یہیں تمہارے پاس ہوں۔ تم رونا بند کرو اور مجھے بتاؤ۔ ار کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" سارہ کے آنسو تھم رہے تھے نہ ہچکیاں۔

"تو بتاؤ۔ کہاں پتا کروں۔ فون بھی نہیں اٹھا رہی۔" یاسمین نے ایک دم اسے جھنجوڑ ڈالا تو وہ خائف ہوگئی۔

"ک' کیا ہوا ہے مما؟"

"میں اریبہ کا پوچھ رہی ہوں۔ اکیڈمی گئی تھی۔ واپس نہیں آئی اور اب فون بھی نہیں اٹھا رہی۔ کچھ بتا کر تھی؟" یاسمین نے بہت ضبط کرتے ہوئے اسے صورت حال بتا کر پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں۔ مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"انتہائی احمق لڑکی ہے۔ اگر بارش میں کہیں پھنس گئی ہے تو فون تو کر لے۔"

یاسمین اب واقعی پریشان ہوگئی تھی۔ "تم ایسا کرو' اس کی فرینڈز کو فون کرو... معلوم کرو کہاں ہے۔"

"لیکن مما! میرے پاس تو کسی کا نمبر نہیں ہے۔" سارہ کہنے کے ساتھ اٹھ کر اریبہ کی رائٹنگ ٹیبل پر آگئی اس کی کتابیں اور ڈائریاں کھنگالنے لگی' اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ پھر مایوس ہو کر یاسمین کو د لگی۔

"شٹ!" یاسمین اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اب اس وقت میں کہاں جاؤں۔"

"مما! ڈیڈی کو فون کریں۔" سارہ نے کہا تو یاسمین اچھل پڑی۔

"نہیں' ہمیں تو پتا بھی نہیں چلنا چاہیے۔ خیر تم آرام کرو۔ میں دیکھتی ہوں۔"

"آپ کہاں دیکھیں گی؟"

"کہیں نہیں۔ میں کہیں جا نہیں رہی۔ آرام سے سوچنا چاہتی ہوں۔" یاسمین پہلے جھنجلائی تھی پھر ایک نرم پڑ گئی۔ "بیٹا! پریشانی میں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ویسے میرا خیال ہے' اریبہ کسی سہیلی کے ہاں رک گئی گی۔"

"تو مما! اسے فون تو کرنا چاہیے۔" سارہ پھر رو دینے کو ہوگئی تھی۔

"ہو سکتا ہے سو گئی ہو۔ ایسا ہی ہوگا۔ اٹھے گی تو ضرور فون کرے گی۔ تم پریشان مت ہو۔" یاسمین پیار سے کہتے ہوئے اس کا گال تھپکا تو ٹھٹک گئی۔ "مائی گاڈ! تمہیں تو اتنا تیز بخار ہو رہا ہے۔ کیا بارش میں بھیگی تھیں؟" سارہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کی آنکھیں گرم پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"اچھا چلو تم کمبل میں لیٹو۔ میں چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لاتی ہوں۔" یاسمین کہہ کر کمرے سے نکل گئی تو

* * *

ے اب تک وہ کتنی چائے پی چکا تھا بلکہ صرف چائے ہی پیتا رہا تھا۔ پھر بھی اب چائے کی طلب تھی۔ نہیں کہ وہ سرد موسم میں بارش میں بھیگتا رہا تھا گو کہ اس کا بدن کپکپا رہا تھا لیکن اسے سردی کا احساس ھا اور صرف یہی نہیں سارے احساسات منجمد ہوگئے تھے صرف ذہن چیخ رہا تھا۔ کنپٹیوں میں درد کی ٹیسیں تھیں۔ بمشکل تمام اس نے گیلے کپڑوں سے نجات حاصل کی پھر کمرے سے نکل آیا اور پہلے احتیاط سے یگم کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو صرف ثنا سوئی ہوئی نظر آئی۔ ساجدہ بیگم کا بستر خالی اور بے ھا۔ فوری طور پر وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔ اسی احتیاط سے دروازہ بند کر کے واپس پلٹا' تب اچانک ٹھٹکا تھا۔

"امی کہاں گئیں؟" سوچتے ہوئے دوبارہ کمرے میں جانا چاہتا تھا کہ بلال کو آتے دیکھ کر رک گیا۔

"آپ کہاں تھے بھائی؟ فون بھی نہیں اٹھا رہے تھے۔" بلال نے کہا تو وہ اپنے آپ میں الجھ گیا۔

"میں... وہ امی... ہاں امی کہاں ہیں؟"

"امی ہسپتال۔" بلال نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ پریشان ہوگیا۔

"یوں کیا ہوا ہے انہیں؟"

"نہیں کچھ نہیں ہوا۔ وہ اصل میں... آپ آئیں' یہاں بیٹھیں۔" بلال بتاتے ہوئے رک گیا اور اسے بازو ھام کر لاؤنج میں لے آیا تو وہ چیخ گیا۔

"ھے بتاؤ۔ کیا ہوا ہے۔ کون ہے ہسپتال میں؟"

"ریبہ۔" بلال ایک دم بتا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"اریبہ۔" اس کا دل کسی اتھاہ میں اتر رہا تھا۔

"ی اس کی بائیک سلپ ہوئی تھی۔ بھلا کیا ضرورت تھی بارش میں بائیک پر نکلنے کی۔ یقیناً" بہت دور تک ن گئی ہے۔ بہت زخمی ہے۔ وہ تو شکر ہے ہیلمٹ کی وجہ سے سر کی بچت ہوگئی ورنہ اس کا بچنا مشکل تھا۔ میں ت سے آپ کو فون کر رہا ہوں۔ آپ کہاں تھے؟" بلال روانی سے بتا کر پوچھ رہا تھا۔

"میں!" اس کا ذہن مفلوج ہو رہا تھا "پتا نہیں۔ ہاں میں اریبہ سے ملنے گیا تھا۔ وہ نہیں تھی پھر مینہ برسے برستا چلا گیا اور میں مینہ کے ساتھ۔"

"بھائی!" بلال کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔ گھبرا کر اسے تھام لیا۔

"بھائی! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آیئے اپنے کمرے میں چلیں۔ آرام کریں۔"

"نہیں۔" اس نے ایک دم بلال کو پرے دھکیل دیا۔ "میں آرام کیسے کر سکتا ہوں۔ "میرا مقدر مجھ سے رو گیا ہے۔ میں کیسے آرام سے ہو سکتا ہوں۔"

"کچھ نہیں ہوا بھائی۔ اسے کچھ نہیں ہو گا۔ چند دنوں میں دیکھیے گا پھر پہلے جیسی ہو جائے گی۔ آپ پلیز خو سنبھالیں۔" بلال کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی تھی۔ جس سے اسے دھچکا لگا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بلال! تم جاؤ سوؤ۔"

"میں تو سو جاؤں گا آپ چلیں اپنے کمرے میں اور کچھ چاہیے تو مجھے بتائیں۔ میرا مطلب ہے۔ کھانا' چا

"نہیں کچھ نہیں۔" وہ اب چائے بھی بھول گیا تھا۔ "میرا خیال ہے سونا چاہیے۔ صبح چلیں گے ہسپتال۔"

"جی.....!" اس کے انداز سے بلال کی پریشانی کچھ کم ہوئی تھی۔

"اریبہ کے پاس صرف امی ہیں یا کوئی اور بھی ہے؟" اس نے جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

"جب میں آرہا تھا' اس وقت چچا جان تھے۔ اب پتا نہیں۔" بلال نے بتایا تو وہ سوچتے ہوئے بولا۔

"اور یاسمین آنٹی؟"

"ان کا مجھے پتا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے' اب آگئی ہوں۔" بلال کے پاس کوئی واضح جواب نہیں تھا۔ تب وہ شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

سرد رات اپنے اوراق پر جانے کتنے فسانے رقم کرتی گزر رہی تھی۔

* * *

اس کی زندگی میں کبھی ایسی سیاہ ترین رات آئے گی۔ یہ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ ایک پل لیے نہیں سوئی تھی۔ نصف شب تک یاسمین اس کے ساتھ تھی۔ پھر اسے سونے کی تاکید کر کے وہ اپنے کر میں چلی گئی تھی اور اس کی آنکھیں تو جیسے ساکت ہو گئی تھیں۔ پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔ کارڈلیس ا میں لیے مسلسل اریبہ کا نمبر ملاتی رہی تھی۔ اس کا دل بری طرح سہما ہوا تھا۔ اس کے باوجود جہاں کھٹکا محسوس وہ اٹھ کر گیٹ تک بھاگی تھی۔ پھر صبح سورج کی پہلی کرن اترتے ہی وہ برآمدے کی سیڑھیوں پہ آبیٹھی تھی۔ ا اپنا ہوش نہیں تھا یا اس نے اپنا آپ بھلا دیا تھا۔ بس صرف اریبہ یاد تھی۔ کہیں سے وہ آجائے بائیک لہراتی ہو پھر اسے اکیلے بیٹھے دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں ٹوکے۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو اکیلی؟"

"بی بی اپنے کاموں میں مصروف رہتی ہیں۔ انہیں کیا پتا' یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"اریبہ!" وہ گھٹنوں پر پیشانی رکھ کر سسکنے لگی۔ آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے اور اپنی سسکیوں میں ا کچھ سنائی ہی نہیں دیا۔ نہ گاڑی کا ہارن نہ چوکیدار کے بھاگتے قدموں کی آواز اور نہ گیٹ کھلنے کی۔ البتہ جب ہاتھ ٹھہرا تو وہ تڑپ کر اٹھی تھی۔

"ڈیڈی!" توصیف احمد کے سینے میں منہ چھپا کر وہ مچل گئی۔ "ڈیڈی! میں مر جاؤں گی۔ مجھ سے اب بردا نہیں ہو رہا۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔"

"اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کرتی ہو بیٹا۔" توصیف احمد نے اسے بازوؤں میں بھینچ کر ٹو کا پھر پوچھنے لگے۔ "کیا ہوا ہے۔ کیا برداشت نہیں ہو رہا آپ سے؟"

"وہ۔" وہ رکی' سنبھلی پھر رو پڑی۔ "اریبہ پتا نہیں کہاں ہے۔ میں ساری رات اسے فون کرتی رہی ہوں مگر۔"

"او گاڈ!" توصیف احمد جانے کیا سوچ کر آئے تھے "آپ روؤ نہیں بیٹا! میں پتا کرتا ہوں اور آپ نے مجھے رات ہی کیوں نہیں بتایا۔ آپ مجھے کال کرتیں۔"

"جی میں۔" سارہ گڑبڑا گئی۔ ان سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اسے یاسمین نے روکا تھا۔ "مجھے' مجھے خیال آیا تھا پھر آپ کی پریشانی کا سوچ کر۔"

"اور جو آپ پریشان ہو ئیں۔" توصیف احمد نے اس کا چہرہ دیکھا۔ شدت گریہ سے اس کی آنکھیں سرخ اور پوٹے بھاری ہو گئے تھے۔ ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"میرے بچے! ابھی میں زندہ ہوں آپ کو رونے کی' پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے اسے گلے لگا کر پیار کیا' تسلی دی۔ پھر اپنے ساتھ لگائے ہوئے اندر لے کر آئے تو پوچھنے لگے۔

"آپ کی مما کہاں ہیں؟"

"مما! بہت پریشان تھیں ڈیڈی۔ میں نے انہیں زبردستی سلایا تھا۔" سارہ ہمیشہ کی مصلحت پسند تھی۔

"اوکے۔ آپ اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں۔" توصیف احمد نے اس کا گال تھپک کر کہا تو وہ سست روی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

توصیف احمد کچھ دیر وہیں کھڑے رہے پھر بیڈ روم میں آئے تو ان کی توقع کے عین مطابق یاسمین بے خبر سو رہی تھی۔ انہوں نے خاصے جارحانہ انداز میں اس پر سے کمبل کھینچ لیا۔

"کون؟" یاسمین ہڑبڑا کر اٹھی اور انہیں دیکھ کر تیوری چڑھا کر بولی۔ "یہ کیا حرکت ہے؟"

"اریبہ کہاں ہے؟" ان کا لہجہ سفاک ہو گیا تھا۔

"اریبہ!" یاسمین ایک دم بیڈ سے اتر گئی۔ "اریبہ کا تو مجھے نہیں معلوم' اس نے کچھ بتایا ہی نہیں۔ پتا نہیں کہاں رہ گئی۔"

"کہاں رہ گئی۔ ایسی غیر ذمہ دار تو نہیں ہے وہ اور تمہیں تو اسپشلی اس پر بہت بھروسا ہے۔ پھر تمہیں بتائے بغیر وہ کہاں چلی گئی۔" توصیف احمد کی چبھتی نظریں یاسمین کو اپنے آر پار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں پھر بھی جی کڑا کر کے بولی تھی۔

"کہیں نہیں گئی وہ۔ بارش کی وجہ سے اپنی کسی دوست کے ہاں رک گئی ہے۔"

"بکواس کر رہی ہو تم۔" وہ یکدم پھٹ پڑے تھے۔ "تمہیں اپنی آوارگیوں سے ہی فرصت نہیں' گھر پر ہوتیں تو پتا چلتا۔ وہ کہاں کس حال میں ہے۔"

"کیا مطلب' کہاں ہے اریبہ؟" یاسمین تیزی سے ان کے قریب آئی تھی کہ انہوں نے زوردار طمانچہ اس کے منہ پر دے مارا جس سے وہ اسی رفتار سے پیچھے گری تھی۔

"اریبہ تو جہاں بھی ہے۔ تم کہاں تھیں۔ رات جب میں نے فون کیا تم۔"

"ہاں۔ میں گھر پر نہیں تھی۔" یاسمین عادت کے مطابق اب چیخنے لگی تھی۔

"میں ایک پارٹی میں گئی تھی اور تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔ تم نے اپنی دنیا بسالی پھر مجھ پر کیوں حق جتاتے ہو۔"

"نہیں جتاؤں گا۔ چھوڑ دو میرا گھر۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ میں اب مزید تمہیں برداشت نہیں کر سکتا۔" توصیف احمد نے صرف کہا ہی نہیں اسے کلائی سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے تھے۔

یاسمین نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔

"سارہ! حماد! چھوڑو مجھے۔ میں نہیں جاؤں گی' میرے بچے۔ میں یہاں۔ سارہ۔"

"بچے اب تمہاری ڈھال نہیں بنیں گے۔" توصیف احمد نے ٹھوکر مار کر اسے لاؤنج سے باہر دھکیلا تھا۔ تب ہی سارہ اور حماد بھاگے آئے تھے۔ لیکن کچھ سمجھ نہیں پائے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"سارہ! دیکھو اپنے باپ کو۔ مجھے گھر سے نکل رہا ہے۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی بیٹا!" یاسمین فوراً" پینترا بدل کر بچوں کے سامنے گڑگڑانے لگی تھی۔

"ڈیڈی پلیز..... سارہ بھاگ کر توصیف احمد سے لپٹ گئی۔ "مما کو کچھ نہ کہیں۔"

"بیٹا! آپ ہٹ جاؤ۔" توصیف احمد آپے میں نہیں تھے۔ انہوں نے سارہ کو پرے ہٹانا چاہا لیکن وہ ان کے گرد اپنے بازوؤں کی مضبوط گرفت بنا کر مچل گئی تھی۔

اور حماد نے بڑھ کر یاسمین کو تھام لیا تھا۔

* * *

وہ ڈاکٹر سے ملنے کے بعد تاجور کے پاس آیا تھا۔ وہ اس کی راہ دیکھ رہی تھی اور پریشان بھی تھی۔ کیونکہ وہ دو دن کا کہہ کر گیا تھا اور چوتھے دن آ رہا تھا۔

"بھائی! اتنے دن لگا دیے۔" تاجور شکوے کے ساتھ رونے لگی تھی۔

"ارے رو کیوں رہی ہو؟" وہ پریشان ہو گیا۔ "میں کل ہی آ گیا تھا اور اسی وقت تمہارے پاس آ رہا تھا لیکن بارش میں پھنس گیا تھا۔ پھر بڑی مشکل سے گھر پہنچا۔"

"مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ میں اس شہر میں اکیلی تھی ناں۔" تاجور نے اپنے ڈر کی وجہ بھی بتا ڈالی۔

"بے وقوف ہو تم۔ یہاں تمہارے آس پاس کتنے لوگ ہیں۔ خیر' اب میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ سارے کام ختم ہو گئے۔ شاید زندگی بھی۔" وہ اچانک کھو گیا تھا۔ تاجور سہم گئی۔

"بھائی!"

"ہاں۔" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آپ پریشان ہو؟" تاجور نے پوچھا تو نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی پھر اس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھنے لگا۔

"تم بتاؤ۔ تمہیں وقت پر کھانا مل جاتا ہے کہ نہیں؟"

"مل جاتا ہے۔"

"اور کچھ کھانے کو دل چاہ رہا ہو تو لا دوں۔"

"نہیں۔ ابھی کچھ نہیں۔" تاجور نے جس انداز سے منع کیا اس سے وہ سمجھ گیا کہ وہ نہیں چاہتی کہ وہ اس کے پاس سے اٹھ کر جائے۔ تب اس نے جیب سے کچھ نوٹ نکالے اور اسے دے کر بولا۔

"اچھا یہ پیسے رکھ لو۔ میں چوکیدار سے کہہ دوں گا۔ دن میں ایک دو بار آ کر تم سے پوچھ لے گا۔ جو دل چاہے اس سے منگوا لیا کرنا۔"

"آپ نہیں آئیں گے۔؟" تاجور کے اندر عجیب خوف تھا۔

"بیٹا! میں تو زیادہ تر رات میں ہی آتا ہوں ناں۔ اس وقت کچھ ملے نہ ملے۔ اس لیے میں نے چوکیدار کا کہا ہے۔" وہ زچ انداز میں بولا تھا۔ تاجور خاموش ہو گئی۔ پھر اچانک خیال آنے پر پوچھنے لگی۔

"بھائی۔ ابا کا فون آیا تھا۔؟"

"ہیں۔!" وہ چونکا پھر سنبھل کر بولا تھا۔ "ہاں آیا تھا ان کا فون۔"

"کیا کہہ رہے تھے۔ میرا پوچھا تھا۔؟" تاجور بڑی آس سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس کا دل بھر آیا لیکن اس صوم لڑکی کا دل نہیں توڑ سکا۔

"ہاں۔ تمہارا ہی پوچھتے رہے تھے۔ پریشان ہو رہے تھے پھر میں نے انہیں تسلی دی کہ یہاں تمہارا اچھا علاج ورہا ہے۔"

"میں ٹھیک ہو جاؤں گی تو جاؤں گی ابا کے پاس۔ مجھے ابا بہت یاد آتے ہیں۔" تاجور آزردگی سے کہہ رہی تھی۔

"کیوں۔ وہ تمہیں کیوں یاد آتے ہیں۔ کبھی انہوں نے تمہارا خیال تو رکھا نہیں۔" وہ ٹوکنے سے باز نہیں رہ کا۔

"میں تو ان کا خیال رکھتی تھی۔ خالہ تو ہر وقت لڑتی رہتی تھیں۔ مجھے ابا پر بہت ترس آتا تھا۔ بے چارے اتنے تھکے ہوئے آتے تھے۔" تاجور ابا کی محبت میں بول رہی تھی وہ پھر ٹوکنا چاہتا تھا کہ نرس کے آنے پر اس کی طرف توجہ ہو گیا۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی

"بڑے دنوں بعد آئے۔"

"ہاں بس۔ ایک کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔" اس نے جواب دیتے ہوئے اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم بھی دیکھا کیونکہ وہ آفس سے لنچ ٹائم پر آیا تھا۔

"ہاں بتایا تھا تاجور نے۔ پریشان بھی ہو رہی تھی۔" نرس کہہ کر تاجور کو دوا دینے لگی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا تاج! میں چلتا ہوں۔ اب کل آؤں گا۔ کیونکہ شام میں میری کلاس ہے پھر رات میں کچھ پتا نہیں بارش وجائے۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔"

"اللہ حافظ.....!" وہ تاجور کا سر تھپک کر وارڈ سے نکل آیا۔ اب اسے آفس پہنچنے کی جلدی تھی جب ہی کوریڈور ے نکلتے ہی وہ تقریباً" بھاگنے لگا تھا کہ اپنے نام کی پکار پر یک دم رک گیا۔

"شمشیر علی۔!" دوسری پکار پر وہ فوراً" پلٹا تھا۔

"جی سر۔!"

"تم آج آفس نہیں گئے۔؟" توصیف احمد کو جانے اس کی یہاں موجودگی کھٹکی تھی یا آفس سے غیر حاضری۔ ان کے لہجے میں بہرحال واضح شبہ تھا۔

"آفس میں ہی ہوں سر۔ آئی مین لنچ ٹائم پر یہاں آیا تھا۔ یہاں میری سسٹر ایڈمٹ ہے۔" اس نے سہولت ے جواب دیا تھا۔

"اوہ۔!" توصیف احمد گویا مطمئن ہوئے پھر پوچھنے لگے۔ "ابھی کہاں جا رہے ہو۔؟"

"آفس۔!"

"ہوں۔!" توصیف احمد جانے کیا سوچنے لگے' اس نے کچھ انتظار کے بعد پوچھا۔

"میں جاؤں سر۔!"

"ہاں۔ ایک کام ہے۔" توصیف احمد نے کہتے ہوئے کوٹ کی اندرونی جیب سے چابی نکالی اور اس کی طرف بڑھا

کر کہنے لگے۔ ”میرے سیف میں ایک بلو کلر کی فائل ہوگی' وہ نکال کر جیلانی صاحب کو دے دینا۔“

”جی۔۔۔“

”ٹھیک ہے تم جاؤ۔ میں جیلانی صاحب کو فون کر دوں گا۔“ توصیف احمد نے کہا تو اس کا دل چاہا ان کی بیٹی کی خیریت پوچھے لیکن پھر مناسب خیال نہ کرتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

* * *

یاسمین' سارہ اور حماد کے ساتھ اریبہ کے پاس آئی تھی۔ روم میں داخل ہوتے ہی اسے ساجدہ بیگم بیٹھی نظر آئیں تو اس کی تیوری چڑھ گئی لیکن یہ وقت کسی پر کچھ جتانے کا نہیں تھا۔ اسے صرف اریبہ کی فکر تھی اور یہ خیال کہ اسے ہر پل اریبہ کے ساتھ ہونا چاہیے کیونکہ اس کے اندر یہ خدشہ تھا کہ کہیں توصیف احمد یا ان کے خاندان کا کوئی فرد اریبہ کو اس کے خلاف بہکانہ دے۔ وہ اپنی اس ڈھال کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ جب ہی ساجدہ بیگم کو نظر انداز کر کے فوراً" اریبہ پر جھک گئی۔

”اریبہ! میری جان۔ یہ تمہاری کیا حالت ہوگئی ہے۔“ اریبہ کی بند پلکوں میں ذرا سی جنبش ہوئی تھی لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ اس عورت کو جو اس کی ماں تھی' دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

”مما! ابھی آپی کو ڈسٹرب نہ کریں۔“ حماد نے آہستہ سے یاسمین کا بازو چھو کر کہا تو ساجدہ بیگم اس کی تائید کرتے ہوئے بولیں۔

”ہاں یاسمین! بچی کو سونے دو۔ تم یہاں آکے بیٹھو۔“ یاسمین بل کھا کر اٹھی تھی۔

”کیا بیٹھوں' میری بچی کل سے اس حال میں پڑی ہے' کسی کو توفیق ہی نہیں ہوئی مجھے اطلاع دینے کی۔ پوری رات تڑپ تڑپ کر کیسے گزاری ہے' یہ آپ نہیں سمجھ سکتیں۔ مزید صبح توصیف الٹا مجھ پر چیختے چنگھاڑتے آگئے۔ مارا بھی مجھے۔ میں جانتی ہوں' یہ سب کی ملی بھگت ہے۔ مجھ سے میرے بچوں کو دور کرنا چاہتے ہیں آپ سب۔“

ساجدہ بیگم کی پیشانی پر بے شمار شکنیں نمودار ہوگئیں' لیکن قصداً" کچھ کہنے سے گریز کیا تھا۔

”آخر آپ کو بھی الہام تو نہیں ہوا ہوگا' خود سے تو نہیں آگئیں یہاں' باقاعدہ اطلاع دی گئی ہوگی پھر مجھے۔۔۔“

”بس کرو یاسمین! یہ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔“ ساجدہ بیگم نے نہ چاہتے ہوئے بھی ٹوک دیا۔

”ہاں تو میں کیا بھول جاؤں گی۔ ایک ایک کی خبر لوں گی۔ اور ذرا اریبہ کو ٹھیک ہونے دیں۔ باپ سے تو یہ پوچھے گی۔“

”مما پلیز چپ ہو جائیں۔“ سارہ نے عاجزی سے ٹوکا۔ وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔

”یہ اس کی حالت دیکھ رہی ہیں آپ؟ ایک پل کو جو اس کے آنسو رکے ہوں' بخار میں الگ تپ رہی ہے۔“

”پھر بھی تمہیں احساس نہیں ہے۔“ ساجدہ بیگم نے تاسف سے کہہ کر سارہ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ ”بیٹا! رو نہیں' دعا کرو۔“ ”اللہ اریبہ کو شفا دے' صحت دے۔“

”اسے میری عمر لگ جائے۔“ سارہ نے سسکتے ہوئے ان کی دعا میں اضافہ کیا تھا۔

”بہشت پگلی!“ ساجدہ بیگم نے پیار سے ٹوکا تو یاسمین سے یہ لاڈ برداشت نہیں ہوا۔ تلملا کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ توصیف احمد کو آتے دیکھ کر ہونٹ بھینچ گئی۔

”آپ سب باہر جائیں۔ ڈاکٹر صاحب آرہے ہیں۔“ توصیف احمد نے اندر آتے ہی کہا تو سارہ اور حماد کے ساتھ ساجدہ بیگم بھی اٹھنے لگیں جبکہ یاسمین نے کوئی حرکت نہیں کی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔

✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

”آپ بیٹھیں بھابھی جان! باقی آپ سب باہر بیٹھیں۔“ توصیف احمد کا واضح اشارہ یاسمین کی طرف تھا، جس سے وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی کوئی اور جگہ ہوتی تو وہ ساجدہ بیگم کو خود پر فوقیت حاصل ہونے پر ضرور واویلا مچاتی لیکن یہاں اپنی پوزیشن مزید خراب ہونے کا اندیشہ تھا، جب ہی فوراً ”سارہ اور حماد کے ساتھ روم سے ہی نہیں ہسپتال سے بھی نکل آئی تھی۔ سارہ نے بہت روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے ایک نہیں سنی، اُلٹا تمام راستہ اسے سناتی آئی تھی۔

”دیکھ لیا تم نے اپنے باپ کو۔ بہت فیور کرتی ہو ناں تم ان کی۔ کیسے اپنوں کے سامنے مجھے ذلیل کرتے ہیں۔ میں ماں ہوں اریبہ کی، ماں مجھ سے زیادہ کوئی اس کی کیئر نہیں کر سکتا۔ یہ بات تمہارے ڈیڈی بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ بوڑھی عورت خود اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتی، میری بچی کو کیا دیکھے گی۔“

”مما! آپ بوڑھی عورت کسے کہہ رہی ہیں؟“ حماد جانے سمجھا نہیں تھا یا اس کا دھیان کہیں اور تھا۔

”تمہاری تائی اماں کو اور کس کو؟“ یاسمین دھاڑی پھر کہنے لگی۔ ”اریبہ ہوش میں آجائے، پھر دیکھوں گی کیسے رکتی ہے، وہ تو ان کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔“

”مما... اریبہ ٹھیک ہو جائے گی ناں۔“ سارہ سہمی ہوئی اور فکر مند تھی۔

”مجھے لگتا ہے آپی کو سزا ملی ہے ڈیڈی کی بات نہیں مانی تھی ناں۔“ حماد نے کہا تو یاسمین بگڑ گئی۔

”فضول باتیں مت کرو۔ یہ کیوں نہیں کہتے اس کا بائیک چلانا سب کو کھل رہا تھا۔ جانے کس کی نظر لگ گئی اور سارہ! تم اب رونا دھونا بند کرو۔ میں ایک وقت میں اتنی ٹینشنز برداشت نہیں کر سکتی۔“ اس نے حماد کے ساتھ سارہ کو بھی تنبیہہ کی، پھر گھر آتے ہی شہباز ربانی کو فون کیا تو وہ اس کی آواز سنتے ہی بولے تھے۔

”میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“

”نہیں شبی! میں ابھی نہیں آسکتی اور ابھی کچھ دن تم مجھے کال مت کرنا۔ اصل میں...“ پھر وہ اریبہ کے ایکسیڈنٹ کا بتانے لگی۔

☆ ☆ ☆

خنک شام ڈوب رہی تھی۔ اس نے احتیاط سے دروازہ کھولا تو سامنے ساجدہ بیگم مغرب کی نماز پڑھتی نظر آئیں۔ وہ شش و پنج میں پڑ گیا اندر جائے یا باہر انتظار کرے۔ ابھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ ساجدہ بیگم نے سلام پھیرتے ہوئے اسے دیکھا اور اشارے سے اندر بلالیا۔ اس نے جس احتیاط سے دروازہ کھولا تھا، اسی احتیاط سے قدم اٹھاتا اریبہ کے بیڈ کے قریب رک گیا اور بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

اریبہ ساکت سی تھی۔ اب اس کے چہرے پر بینڈیج نہیں تھی۔ جا بجا خراشوں پر ہلکی ٹیوب لگی تھی۔ کمبل میں چھپا جسم جانے کتنا گھائل تھا، اسے بالکل اندازہ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ سوچنے سے باز نہیں رہ سکا۔

”سب گھاؤ بھر جاتے ہیں۔ نہیں بھرتے تو روح کے گھاؤ۔“

”رازی...!“ ساجدہ بیگم کی پکار بہت دھیمی تھی۔ وہ نہ صرف چونکا بلکہ پلٹ کر ان کے پاس آگیا۔

”اب آرہے ہو۔ صبح سے کہاں تھے، بلکہ تمہیں تو رات ہی آجانا چاہیے تھا۔“ ساجدہ بیگم نے ٹوکنے کے ساتھ جتایا بھی تھا۔

”چچا جان چلے گئے...؟“ وہ ان کی بات کا جواب گول کر گیا۔

”ہاں۔ ابھی میں نے زبردستی اسے گھر بھیجا ہے۔ رات سے ایک پیر پر کھڑا تھا، ابھی بھی جانے کو تیار نہیں تھا۔ اس طرح تو بیمار پڑ جاتا۔“ ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ انہیں دیکھ کر بولا۔

”اور آپ۔ میرا مطلب ہے آپ اپنا بھی خیال کریں۔ آپ کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔“

”میں آرام سے ہوں۔ گھر میں بھی بیٹھی رہتی ہوں۔ یہاں بھی بیٹھی ہوں۔ پھر سونے کے لیے بیڈ بھی ہے۔“

”اور کھانا...؟“

”کھانے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ خالدہ بھیج دیتی ہے۔ تم بتاؤ۔ ثنا اکیلی پریشان تو نہیں ہے؟“ ساجدہ بیگم نے اپنی طرف سے اطمینان دلا کر پوچھا۔

”نہیں۔ صبح ہی اس نے سنبل کو بلالیا تھا۔“

”یہ اچھا کیا اس نے۔ اور سنبل کی مہربانی ہے جو بلانے پر آجاتی ہے۔“ ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ خاموش ہو کر اریبہ کو دیکھنے لگا، وہ ہنوز ساکت تھی۔

”ہوش بھی آیا اسے یا نہیں؟“ وہ اریبہ کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”آیا تھا۔ صبح ہوش آیا تھا۔ پھر ڈاکٹر نے نیند کا انجکشن دے کر سلا دیا۔“ ساجدہ بیگم نے جو دیکھا سنا تھا وہی دہرا دیا۔

”اور زخم کیسے ہیں۔ کہیں گہرا زخم تو نہیں لگا؟“ کسی گہرے زخم کے خیال سے اس کا اپنا دل ڈوبنے لگا تھا۔

”یہ تو میں نے نہیں دیکھا۔ توصیف نے بتایا بھی نہیں۔ تم ڈاکٹر سے معلوم کرلو۔“

”وہ تو میں جاتے ہوئے معلوم کرلوں گا۔ آپ بتائیں آپ کا کیا پروگرام ہے۔ گھر چلیں گی یا ابھی یہیں رکنا ہے؟“ اس نے پوچھا تو ساجدہ بیگم فوراً بولی تھیں۔

”میں اسے اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔“

”اکیلا کیوں۔ اس کے گھر سے کوئی نہیں آئے گا کیا؟“

”آئے تھے، دوپہر میں سب آئے تھے۔ لیکن توصیف نے واپس بھیج دیا اس کا مطلب ہے وہ نہیں چاہتا کہ سمین اس کے پاس رکے اور سارہ کی تو اپنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ بہت رو رہی تھی، مجھے اس کی فکر ہو رہی ہے۔“ ساجدہ بیگم تشویش سے بول رہی تھیں۔

”سارہ...!“ وہ پریشان ہو گیا اور خائف بھی۔

”ظاہر ہے۔ بہن ہے۔ پھر اسے اریبہ کا بڑا سہارا ہے۔ ماں تو خیال کرتی نہیں، لیکن شکر ہے اریبہ بہن بھائی کے معاملے میں ذمہ دار ہے۔ میں دعا کرتی ہوں اللہ توصیف کے بچوں پر رحم کرے۔“

”اپنے بچوں کے لیے بھی دعا کیا کریں۔ خصوصاً مجھے آپ کی دعاؤں کی زیادہ ضرورت ہے۔“ وہ اچانک دل گرفتہ نظر آنے لگا تھا۔

”یہ تم نے کیا بات کی۔ میری ہر سانس تمہارے لیے دعا گو ہے۔ اللہ تمہیں ہمیشہ اپنی امان میں رکھے۔ ہر برائی ے بچائے۔“

”بس امی!“ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیا ہوا؟“ ساجدہ بیگم حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

”کچھ نہیں۔ میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔“

”کہیں دور مت چلے جانا۔ توصیف آتا ہو گا اس ان سے مل کر جانا۔ کئی بار تمہارا پوچھ چکا ہے۔“ ساجدہ بیگم ے کہا۔۔۔ اثبات میں سرہلا کر باہر نکل آیا۔

کوریڈور کے سناٹے میں کسی کے موبائل کی بیپ گونج رہی تھی۔

”یہ زندگی کبھی کبھی اجنبی سی لگتی ہے۔“

"واقعی۔" اس کا دل چاہا وہ چیخ چیخ کر روئے پھر اتنی زور سے چیخے کہ اس کا دل پھٹ جائے۔ جو اسے اس مقام پر لے آیا تھا جہاں اسے اپنا آپ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کہیں دور نکل جائے یا بستر مرگ پر پڑی اریبہ کی منتیں کرے کہ وہ اسے ٹوٹنے سے بچا لے۔ اور فی الفور کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔ اس نے باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے کہ توصیف احمد سامنے آ گئے۔

"کہاں ہو میاں؟"

"جی۔۔۔!" اسے فوری جواب نہیں سوجھا۔

"ابھی کہاں جا رہے ہو؟"

"کہیں نہیں۔ کینٹین پتا نہیں کہاں ہے۔ امی کے لیے چائے۔۔۔" اس نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"چائے آ رہی ہے۔ میرا مطلب ہے ڈرائیور کھانا، چائے سب لا رہا ہے۔ آؤ اندر چلو۔" توصیف احمد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ ناچار ان کے ساتھ چل پڑا۔

ساجدہ بیگم لابی میں بنچ پر بیٹھی تھیں جس کا مطلب تھا اندر اریبہ کی بینڈیج چینج ہو رہی تھی۔

"اریبہ اٹھ گئی؟" توصیف احمد نے ساجدہ بیگم کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، لیکن ابھی غنودگی میں ہے۔ ذرا دیر کو آنکھیں کھولتی ہے، پھر سو جاتی ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہی تھی، کل صبح تک پوری طرح جاگ جائے گی۔"

ساجدہ بیگم نے بتایا تو توصیف احمد پر سوچ انداز میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔ یہ بالکل غیر ارادی عمل تھا، پھر بھی وہ پریشان ہو گیا۔ یوں جیسے اس سارے واقعے کا ذمہ دار وہ ہو۔

"چچا جان! آپ رکیں گے۔۔۔؟" وہ ان کے دیکھنے سے گھبرا کر پوچھ رہا تھا۔ مقصد ان کا دھیان ہٹانا تھا۔

"ہاں بیٹا! جب تک میری بیٹی صحت یاب نہیں ہو جاتی۔ میں اس کے پاس رہوں گا۔" توصیف احمد سہولت سے بولے۔

"لیکن چچا جان! رات میں آپ کو یہاں تکلیف ہو گی۔"

"جو تکلیف مجھے اریبہ کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں۔ تم میری فکر مت کرو۔" توصیف احمد کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ خاموش ہو رہا، پھر سوچنے کے بعد بولا تھا۔

"چچا جان! آفس کا کوئی کام وغیرہ ہو تو مجھے بتائیں۔"

"ابھی تو کوئی نہیں۔ ہاں کل ایک ارجنٹ کام تھا تو آفس کا ایک لڑکا یہاں نظر آ گیا۔ اس سے کہہ دیا تھا۔ پھر کوئی معاملہ ہوا تو تمہیں فون کر دوں گا یا ایسا کرو، کل دن میں کسی وقت میرے آفس کا چکر لگا لینا۔"

"جی بہتر۔ آپ کے جی ایم سے بھی مل لوں گا۔" وہ توصیف احمد کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور کسی حد تک اپنا بھی۔

✲ ✲ ✲

وہ طویل نیند سے بیدار ہوئی تھی اور جانے یہ گہری نیند لینے کا نتیجہ تھا یا دواؤں کا اثر کہ وہ ذہنی طور پر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اریبہ فوری طور پر سمجھ نہیں پائی کہ وہ کہاں ہے۔ نہ کوئی ایسی سوچ تھی۔ زیرو پاور کی مدھم نیلگوں روشنی میں اس کی نظریں دیواروں سے بھٹکتی ہوئی دوسرے بیڈ پر ٹھہر گئیں اور۔ ساجدہ بیگم کے چہرے پر نظر پڑی تو وہ نہ صرف چونکی بلکہ جھٹکے سے ان کی طرف کروٹ لینا چاہی تھی کہ اس کے وجود میں درد کی ایسی لہر اٹھی کہ یکلخت سارے درد جگا گئی تھی۔

وہ بارش میں بھیگ رہی تھی۔

پھر اسے پناہ گاہ کی تلاش تھی۔

اور پناہ گاہ میں اسے امان تو کیا ملتی، الٹا اس کی ہستی کا غرور چھن گیا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے جانے کب کب کے مناظر گھومنے لگے تھے، جو اس پر ایسے حقائق واضح کر رہے تھے جن سے صرف وہ بے خبر تھی۔ باقی سب جانتے تھے۔ سارا خاندان اور سب سے تکلیف وہ بات یہ تھی کہ باقی سب جانتے تھے اور وہ ایسی بے خبر کہ خاندانی تقریبات میں خصوصاً" اکڑی گردن کے ساتھ سر اٹھا کر چلتی تھی۔ اس عورت کی شہہ پر جو اس کی سامنے مظلومیت کا ڈھونگ رچا کر اسے اپنے لیے ڈھال بنا چکی تھی اور یہی نہیں اسے خاندان بھر سے متنفر بھی کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی محبت سے بھی۔۔۔

"رازی۔۔۔!" اس کا دل دھڑک کر ڈوبا تھا اور آنکھوں میں یوں طغیانی اتری کہ سارے بند توڑ ڈالے۔ کتنے جتن کیے تھے اجلال رازی نے اسے منانے کے لیکن وہ مسلسل اسے دھتکار رہی تھی اور اسے یہ بھی غرور تھا کہ وہ اپنی ماں پر سب کچھ قربان کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس کی نظر میں "ماں" کائنات کا حسن تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ بعض عورتیں بچے صرف اپنے مفاد کے لیے پیدا کرتی ہیں۔ وہ "ماں" نہیں بنتیں۔ ان میں ممتا نہیں ہوتی اور اس نے ایسی ہی عورت کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ اس میں اس کا قصور نہیں تھا شاید اسی لیے کسی نے اس کی اکڑی گردن اور اٹھے سر کو نشانہ نہیں بنایا تھا یا پھر توصیف احمد کا احترام ملحوظ خاطر تھا۔ کچھ بھی تھا وہ بہرحال دھڑلے سے ماں کو عظیم تر اور باپ کو بلکہ پورے خاندان کو کم تر ثابت کرنے کی سعی میں مصروف تھی اور جانے کب تک وہ اپنا یہ مشن جاری رکھتی کہ قدرت کو شاید اس پر رحم آ گیا تھا کہ اس کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھل گئی۔ ورنہ جو گڑھے وہ دوسروں کے لیے کھود رہی تھی، اسی میں اوندھے منہ جا گرتی۔ اور گری تو وہ اب بھی تھی اپنی ہی نظروں میں۔ حقیقتاً" وہ اب کسی کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔

رازی جانتا ہے کہ میری ماں ایک بدکردار عورت ہے۔

تائی امی کو بھی پتا ہے۔

پھوپھو کو بھی۔

اور ڈیڈی بھی۔

"کیا سارہ اور حماد بھی؟" اس کی سانسیں رک گئی تھیں۔ "نہیں سارہ اور حماد کو پتا نہیں چلنا چاہیے ورنہ وہ بھی ٹوٹ جائیں گے۔ میری طرح کرچی کرچی ہو جائیں گے۔

"یا اللہ! میں کیا کروں، کہاں جاؤں، مجھے اپنے وجود سے گھن آ رہی ہے۔ کس دھڑلے سے میں سب کو جھٹلاتی رہی۔ اس کے اندر احتساب کا عمل شروع ہوا تو رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا اسی طرح اس کے آنسو رواں تھے۔ صرف آنکھوں سے ہی نہیں حلق میں جمع ہو کر اندر بھی گر رہے تھے۔ اچانک دوسرے بیڈ پر حرکت محسوس کر کے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دور کہیں سے اذان کی آواز آ رہی تھی۔

ساجدہ بیگم کلمہ پڑھتے ہوئے اٹھ رہی تھیں، پھر وہ وضو کرنے چلی گئیں تو اس نے بمشکل کروٹ بدل کر کمبل سر تک کھینچ لیا۔ اپنے تئیں وہ چھپ گئی تھی لیکن کب تک۔ ساجدہ بیگم نے نماز کے بعد اس پر دم کرنے کے لیے آہستہ سے اس کے چہرے پر سے کمبل ہٹایا اور پہلے سر پر ہاتھ پھیرا پھر دم کر کے اس کی پیشانی چوم رہی تھیں کہ وہ بے اختیار سسک پڑی۔ ابھی تک تو اس نے اپنی ہر آہ کا گلا گھونٹا ہوا تھا لیکن اب شاید برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔

"ارے۔!" ساجدہ بیگم نے فوراً" اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا تو پریشان ہو گئیں۔ "رو کیوں رہی ہو بیٹا! کیا درد ہو رہا

ہے؟“

”درد!“ وہ کیا بتائے کہ درد کہاں ہے۔ بلکہ کہاں نہیں ہے۔

”روؤ مت۔ میں توصیف کو بلاتی ہوں۔“ ساجدہ بیگم نے اپنے دوپٹے کے پلّو سے اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا تو کوشش کے باوجود وہ کچھ بول نہیں پائی۔ حلق میں گولہ سا اٹکا ہوا تھا۔ تب اس نے ساجدہ بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔

”توصیف یہیں لابی میں ہے۔ گھر سے نہیں بلا رہی۔“ ساجدہ بیگم نے سمجھ کر اسے تسلی دی پھر دروازہ کھول کر توصیف احمد کو اندر آنے کو کہا تو وہ فوراً“ اٹھ کر آ گئے۔

”کچھ چاہیے بھابھی جان....؟“

”نہیں۔ یہ اریبہ کو دیکھو‘ رو رہی ہے۔“

”رو رہی ہے؟“ توصیف احمد تیزی سے اس کے قریب آئے تھے۔ ”کیا ہوا بیٹا! کہیں درد کوئی تکلیف۔ ڈاکٹر کو بلاؤں؟“

اس کا دل چاہا توصیف احمد کے سینے میں چھپ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دے ایسا نہیں کر سکی تو اس کے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے تھے۔

توصیف احمد اس کے باپ تھے۔ سمجھ گئے نادم ہو کر رو رہی ہے۔ قدرے مطمئن ہو کر انہوں نے اشارے سے ساجدہ بیگم کو اطمینان دلایا تھا۔

* * *

وہ دس دن ہسپتال رہی تھی۔ ظاہری زخم بھر گئے تھے۔ روح کے زخم بھرنے والے نہیں تھے لیکن اسے فی الحال ان زخموں سے سمجھوتا کرنا تھا اور اس دوران وہ خود کو یہی باور کراتی رہی تھی اور کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئی تھی۔ اسے سارہ اور حماد کا خیال تھا۔ ان دونوں کے لیے۔ بہت کچھ سوچ کر ہی اس نے خود کو سنبھالا تھا۔ اور ان ہی کی وجہ سے وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آئی تھی۔ ورنہ توصیف احمد کا اصرار اور خود اس کا دل بھی یہی چاہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ چلی جائے۔ بہرحال توصیف احمد اس کے ساتھ آئے تھے۔ بہت دیر بیٹھے رہے۔ ادھر ادھر کی باتوں کے دوران بار بار اسے اپنا خیال رکھنے کی عاجزانہ تاکید کرتے رہے۔ سارہ سے بھی اس کا خیال رکھنے کو کہا تب وہ تشویش سے بولی تھی۔

”یہ تو خود بیمار لگ رہی ہے ڈیڈی!“

”ہاں۔ میں بھی دیکھ رہا ہوں۔“ توصیف احمد نے اس کی تائید کرتے ہوئے سارہ کو دیکھا‘ پھر اسے پاس بٹھا کر نرمی سے پوچھنے لگے۔

”کیا بات ہے بیٹا! کوئی پرابلم ہے؟“

”نہیں ڈیڈی! بس اریبہ کی وجہ سے۔“ سارہ اسی قدر کہہ سکی تھی۔ ”میں اب ٹھیک ہوں۔“ اریبہ فوراً“ بولی تھی۔

”کہاں ٹھیک ہو۔ اتنی کمزور ہو گئی ہو۔ ڈیڈی اس سے کہیں۔ ابھی اسے آرام کرنا ہے۔ کالج نہیں جانا۔“

”ڈیڈی ایسا کچھ نہیں کہیں گے‘ انہیں پتا ہے میرا بہت امپورٹنٹ سال ہے۔“ اریبہ نے پھر فوراً“ مداخلت کی تھی۔

”ہاں لیکن پہلے صحت۔“ توصیف احمد نے اریبہ کو دیکھ کر کہا۔

”جی....!“ اریبہ نے سر جھکا لیا۔ توصیف احمد سارہ کو دیکھ کر مسکرائے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”او کے بیٹا! میں اب چلوں گا۔ آپ بھی آرام کرو۔“

”جی!“ سارہ ان کے ساتھ جانے لگی کہ وہ ایکدم پکار کر بولی۔

”ڈیڈی! آپ نے مجھے معاف کر دیا ناں؟“

”بیٹا! آپ کیوں بار بار ایسی بات کرتی ہو۔ بھول جاؤ سب اور ہاں مجھے خوشی ہے کہ آپ نے بھابھی جان سے ایکسکیوز کر لیا‘ اب آپ اپنے دل پر کوئی بوجھ نہ رکھو۔ او کے!“

توصیف احمد نے اسے ساتھ لگا کر اس کے سر پر بوسہ دیا پھر سارہ کو اس کے پاس رکنے کا کہہ کر چلے گئے۔

”چلو‘ اب تم آرام کرو۔“ سارہ نے اس کے پیچھے تکیہ سیدھا کرتے ہوئے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

”تم کہاں جا رہی ہو؟“

”میں کہاں جاؤں گی۔ مجھے تو....“ سارہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ یاسمین کے آنے پر اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

”اریبہ‘ میری بچی!“ یاسمین سیدھی اریبہ کی طرف بڑھی تھی اور بہت بے تاب انداز میں۔ یوں جیسے صیف احمد کی وجہ سے وہ اس کے پاس آنے سے قاصر تھی۔

”کتنا تڑپی ہوں میں تمہارے لیے لیکن کسی کو مجھ پر رحم نہیں آیا۔ چند گھڑی تمہارے پاس نہیں بیٹھنے دیا‘ اف کتنی کمزور ہو گئی ہو۔“

یاسمین کبھی اسے لپٹانے کی کوشش کرتی‘ کبھی اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتی بس نہیں چل رہا تھا کیسے اسے اپنے لیجے میں لے لے۔ مگر وہ اب بے خبری سے نکل آئی تھی جب ہی اسے الجھن ہونے لگی تھی۔

”میں تھک گئی ہوں۔ نیند بھی آ رہی ہے۔“ وہ یاسمین کو مخاطب کیے بغیر بولی تھی۔

”ہاں ہاں بیٹا!“ یاسمین بوکھلا گئی۔ ”مجھے اندازہ ہے‘ تم کتنی بے آرام رہی ہو‘ سو جاؤ۔ میں یہیں تمہارے پاس ہوں۔“

اس نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا پھر سارہ سے مخاطب ہو گئی۔

”سارہ! تائی امی کو فون کر لینا‘ وہ تمہاری بہت فکر کر رہی تھیں۔“

”میری کیوں؟“ سارہ جانے کیوں خائف ہو گئی تھی۔ شاید یاسمین کی وجہ سے۔

”تم اس روز بہت رو رہی تھیں ناں۔ مجھے بتایا تھا تائی امی نے اور تمہیں پتا ہے‘ جب تک وہ تمہیں ہنستے ہوئے نہیں دیکھ لیں گی‘ انہیں چین نہیں آئے گا۔“

وہ بہت محبت سے تائی امی کا ذکر کر رہی تھی۔ یاسمین کھول کر رہ گئی۔ فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اٹھ کر چلی گئی۔ اس نے نوٹس نہیں لیا جبکہ سارہ پریشان ہو گئی تھی۔

”عجیب ہو تم مما کے سامنے یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”کیوں کیا ہوا؟“ وہ انجان بن گئی۔

”یااللہ! لگتا ہے تمہارے دماغ پر بھی چوٹ لگی ہے۔ یادداشت جاتی رہی ہے۔ اور اسی بات کو مما پتا ہے کیا کہیں گی۔ تائی امی کے تعویذوں کا اثر ہے۔“

سارہ جھنجلا کر بول رہی تھی اور اس نے اس خیال سے کہ کہیں اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جس کی وضاحت میں اسے یاسمین کا پردہ چاک کرنا پڑے‘ تکیے پر سر رکھتے ہی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

* * *

وہ سارہ سے بہت ناراض تھا کہ وہ اریبہ اور رازی کی فکر میں باقی سب کو فراموش کر دیتی ہے اور اب تو اس نے حد کر دی تھی' جب سے اریبہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ اس کا فون تک اٹینڈ نہیں کر رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا وہ مستقل اریبہ کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ گو کہ ایسا نہیں تھا لیکن سمیر یہی سمجھ رہا تھا' حالانکہ وہ اپنی امی کے ساتھ اریبہ کو دیکھنے ہسپتال گیا تھا اور اس وقت سارہ وہاں موجود نہیں تھی' پھر بھی وہ اپنی بات پر قائم تھا کہ وہ لڑکی صرف اریبہ اور رازی کی فکر کرتی ہے۔ اس کی کوئی پروا نہیں' جو اس سے محبت کا اعتراف بھی کر چکا ہے۔ بہرحال ناراضی کے باوجود اس وقت وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر چلا آیا تھا۔ وہ جانتا تھا اریبہ آج ڈسچارج ہو کر گھر آئی ہے اور اس کے خیال میں سارہ اسے دیکھتے ہی خوشی سے یہ خبر سنائے گی لیکن اس کے برعکس اسے خود ہی کہنا پڑا تھا۔

"اریبہ آگئی۔"

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔" سارہ کا لیا دیا انداز اسے سلگا گیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیوں ایسے بی ہیو کر رہی ہو' بات نہیں کرنا چاہتیں مجھ سے تو صاف کہو۔ یہ دھوپ چھاؤں مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔"

"دھوپ چھاؤں!" سارہ کے چہرے پر بے بسی پھیل گئی تھی۔

"ہاں' کبھی اتنی مہربان کہ بھاگی چلی آتی ہو اور کبھی میرے آنے پر بھی۔۔۔"

"بس کرو سمیر! مت ایسی باتیں کرو۔ وہ ٹوک کر کہنے لگی' تمہیں خود احساس ہونا چاہیے۔ یہاں ہم کتنے کرائسز سے گزرے ہیں' قیامت ٹوٹی تھی مجھ پر لیکن تم کہاں سمجھو گے۔"

"کیوں نہیں سمجھوں گا' تم مجھ سے شیئر تو کرو۔ تم تو الٹا اجنبی بن گئیں۔ فون بھی ریسیو نہیں کیا اور میں دو تین بار آیا بھی لیکن تم کمرے سے نہیں نکلیں۔ کیوں؟"

"میں سو رہی تھی۔" وہ روٹھے انداز میں بولی تھی۔

"ٹھیک ہے' سو رہی تھیں' پھر اٹھی ہو گی تو پتا بھی تو چلا ہو گا کہ میں آیا تھا' پھر کیا مجھے فون نہیں کر سکتی تھیں۔" وہ حد درجہ خفا تھا۔

"نہیں' کیونکہ ڈیڈی بار بار فون کر رہے تھے۔ اس لیے میں فون بزی نہیں رکھ سکتی تھی۔" وہ اس کا کوئی شکوہ تسلیم ہی نہیں کر رہی تھی۔

"اچھا بابا! معاف کر دو' مجھے یہ ساری باتیں از خود سمجھ لینی چاہیے تھیں۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولا' پھر منہ پھلا کر بیٹھ گیا تھا۔

"چائے پیو گے؟" سارہ نے خاصی تاخیر سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"موڈ نہیں ہے۔"

"موڈ بنا لو میں چائے لاتی ہوں۔" سارہ کہہ کر جانے لگی کہ اس نے ایکدم اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایسا کوئی پہلی بار نہیں ہوا تھا مگر جانے کیوں وہ یکدم بھڑ گئی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ چھوڑو میرا ہاتھ اور آئندہ خبردار مجھے چھونے کی کوشش مت کرنا۔"

"سارہ۔۔۔!" وہ سناٹے میں آ گیا تھا۔

"جاؤ چلے جاؤ۔ مجھے بات نہیں کرنی' کسی سے بات نہیں کرنی۔ میں فالتو نہیں ہوں جو سب اپنے اپنے لاوے مجھ پر انڈیلنے چلے آتے ہیں۔" اسے خود پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی۔

سمیر کا دل چاہا' طمانچہ مار کر اس کا منہ بند کر دے۔ لیکن کس حق سے' وہ تو ہاتھ تھامنے سے ہی بھڑ گئی تھی۔ بمشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔ لیکن اس کا ناقابل فہم رویہ اسے الجھا رہا تھا۔ جیسے اس نے سارہ سے کہا تھا کہ میرا تم سے ناتا صرف تسلی دینے والا نہیں ہے۔ اس طرح اب وہ "مجھے کیا" سوچ کر سر نہیں جھٹک سکتا تھا۔ وہ لڑکی جو اریبہ کے غلط رویے پر نادم ہوتی اور تلافی کی کوشش کرتی تھی وہ خود ایسی کیسے ہو سکتی تھی۔ وہ سوچ سوچ کر الجھ رہا تھا۔

* * *

وہ لنچ ٹائم میں تاجور کے پاس آیا تو آج اسے ہسپتال کی پارکنگ میں توصیف احمد کی گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ ورنہ پچھلے دس دنوں سے وہ انہیں یہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ آفس بھی نہیں آ رہے تھے۔ جس کا مطلب تھا وہ مستقل اپنی بیٹی کے ساتھ ہیں۔

"خوش قسمت ہے وہ لڑکی جس کے باپ کو اس کی فکر ہے۔ سارے کام چھوڑ کر اس کی پٹی سے لگا بیٹھا ہے۔"

وہ یہی سوچ سکتا تھا اور آج جب توصیف احمد کی گاڑی نظر نہیں آئی تو وہ سمجھ گیا کہ ان کی بیٹی یہاں سے رخصت ہو گئی ہے۔ اور اب یقیناً "توصیف احمد آفس آئیں گے۔ ظاہر ہے ان کی غیر موجودگی کے باعث کتنے کام رکے ہوئے تھے۔ اور اب شامت تو ورکرز کی آئے گی' وہ یہ سوچ کر تاجور کے پاس تھوڑی دیر رکا تھا' پھر اسے شام میں آنے کا کہہ کر واپس آفس آیا تو واقعی توصیف احمد آ چکے تھے۔ اسٹاف میں ایک کھلبلی مچی ہوئی تھی' جانے کس کس کو کیا کیا آرڈر جاری ہوئے تھے کہ ہر ایک متحرک نظر آ رہا تھا' وہ تیزی سے اپنی ٹیبل کی طرف بڑھا تھا کہ ایک کولیگ اسے پکار کر بولا۔

"شمشیر! باس تمہیں یاد کر رہے ہیں۔"

"کب آئے باس؟" اس نے پوچھا ضرور لیکن جواب سننے کے لیے رکا نہیں' فوراً "توصیف احمد کے کمرے کا رخ کیا تھا۔

توصیف احمد سیف کھولے کھڑے تھے۔ اس کی آمد محسوس کر کے انہوں نے سیف یونہی کھلا چھوڑ دیا پھر اپنی کرسی پر بیٹھ کر اسے دیکھا تو وہ چوکنا ہو گیا۔

"جی سر!"

"میں نے تمہیں ایک کام کہا تھا کہ سیف میں سے بلو فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دے دینا۔" توصیف احمد نظریں اس پر جمائے ٹھہر ٹھہر کر بولے تھے۔

"جی سر! وہ تو میں نے اسی دن دے دی تھی۔ اور اگلے دن میں نے آپ کو بتایا بھی تھا' کیا جیلانی صاحب کچھ اور کہہ رہے ہیں۔" آخری بات اس نے الجھنے میں کہی تھی۔

"جیلانی صاحب تو نہیں' سیف بہت کچھ کہہ رہا ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ سمجھا نہیں۔

"جی۔۔۔!"

"مسٹر شمشیر علی!" توصیف احمد یکلخت سخت ہو گئے تھے۔ "میری سیف میں ستر لاکھ بھی تھے جو کہ اب نہیں ہیں۔"

"جی۔۔۔" ایک پل کو اسے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی تھی۔

"ستر لاکھ؟"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

اجلال رازی اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نامناسب گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچا لیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اسپتال میں اریبہ کے پاس ساجدہ بیگم ٹھہری ہوئی ہیں۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہے۔ شمشیر علی، توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد نے اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہا۔ بعد میں انہیں پتا چلا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

۸
آٹھویں قسط

"ستر لاکھ مسٹر شمشیر۔۔۔۔!" توصیف احمد نے دہرایا' پھر کہنے لگے۔ "تم جانتے ہو' جس روز میری بیٹی کا ایکسیڈنٹ ہوا اس کے بعد میں آج آفس آیا ہوں' اس دوران اگر کوئی میرے کمرے میں آیا بھی تو میری ٹیبل تک کو نہیں چھوا' ہر شے جوں کی توں موجود ہے۔ جبکہ سیف کی چابی میں نے خود تمہیں دی تھی' صرف ایک فائل کے لیے۔"

"جی اور میں نے صرف فائل ہی نکالی تھی۔" وہ تھوک نگل کر بولا تھا۔

"دیکھو شمشیر علی! یہ تو طے ہے کہ سیف تمہارے علاوہ کسی نے نہیں کھولا تو پھر رقم کوئی دوسرا کیسے لے سکتا ہے۔ تم آرام سے نہ صرف اعتراف کرو بلکہ میری رقم بھی مجھے لوٹا دو تو یہ معاملہ یہیں ختم ہو جائے گا۔"

توصیف احمد اتنے یقین سے بات کر رہے تھے کہ وہ چکرا گیا۔

"سر! میں کیسے اعتراف کر لوں۔ جب میں نے فائل کے علاوہ کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور رقم تو میں نے دیکھی بھی نہیں تھی۔" وہ اپنی ساری توانائیاں صرف کر کے بولا تھا۔

"تو پھر کہاں گئی رقم؟" توصیف احمد اچانک دھاڑے تھے۔ "ستر ہزار کی بات نہیں ہے جو میں نظر انداز کر دوں ستر لاکھ تھے۔"

"ستر کروڑ بھی ہوتے تو بھی میرے لیے حرام تھے۔" اس نے جی کڑا کیا۔

"شٹ اپ!" توصیف احمد اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ غالباً "غصے پر قابو پا رہے تھے' پھر بولے تو آواز نارمل تھی۔

"تم نے مجھ پر ایک احسان کیا ہے شمشیر علی! اس لیے میں تمہارے خلاف کارروائی نہیں کرنا چاہتا اور چاہتا ہوں یہ معاملہ یہیں دب جائے' اس کمرے سے باہر بھی نہ جائے۔ اس لیے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم سچ کہو۔"

"اس سے بڑی سچائی اور کیا ہو گی سر! کہ میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔" اس نے کہا تو توصیف احمد رک کر اسے دیکھنے لگے۔

"ستر لاکھ میرے لیے بہت بڑی رقم ہے اور میں بہت چھوٹا آدمی ہوں۔ اتنی بڑی رقم ہاتھ آنے پر یہی سوچتا کہ یہ میری پوری زندگی کے لیے کافی ہو گی اور کہیں روپوش ہو جاتا۔ آپ کے سامنے موجود نہ ہوتا۔"

اس کی بات میں وزن تھا۔ توصیف احمد کچھ نہیں بولے تو قدرے توقف سے وہ کہنے لگا۔

"یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ آپ کو فوراً "میرا خیال آیا۔ کیونکہ سیف میں نے ہی کھولا تھا لیکن آپ کے کہنے پر' آپ کو پہلے پوری انکوائری کرنی یا کروانی چاہیے۔"

"انکوائری میں بھی سب سے پہلے تمہارا نام آئے گا اور تفتیش میں بھی۔" توصیف احمد نے کہا تو اس نے ایک لحظہ کو ہونٹ بھینچے تھے' پھر اسی اعتماد سے بولا۔

"میں جانتا ہوں سر! اور مجھے اس کا کوئی خوف نہیں۔"

"ٹھیک ہے! تم جا سکتے ہو۔ آئی مین' اپنی سیٹ پر۔"

توصیف احمد نے کہا تو وہ ان کے کمرے سے نکل آیا۔ گو کہ اس کا ضمیر مطمئن تھا لیکن یہ اس کے خلاف سازش بھی ہو سکتی تھی' اس خیال نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی وہ سارا معاملہ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ آیا' اس کے خلاف سازش ہے یا واقعی کسی نے رقم چرائی ہے اور چور کون ہو سکتا ہے۔ آفس ہی کا کوئی آدمی یا باہر سے کوئی آیا تھا؟ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک ایک شخص کو بغور دیکھا۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ اچانک اس کا دل ڈوبنے لگا۔ شاید چھٹی حس نے کسی ناگہانی کا اشارہ دیا تھا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ اسے تاجور کا خیال آیا۔ خدانخواستہ وہ کسی مصیبت میں گھر گیا تو تاجور کا کیا ہو گا۔ اس کے بعد وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔

* * *

تیز تیز بولنے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے غور کیا تو یاسمین' ساجدہ بیگم کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔

"اس مکار عورت نے میری بیٹی کو میرے خلاف ورغلا دیا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں اریبہ کو میں بات کرتی ہوں تو ادھر ادھر دیکھنے لگتی ہے۔ جیسے میں اس سے نہیں' کسی اور سے مخاطب ہوں۔"

"مما پلیز' آپ ٹینشن نہ لیں۔" یہ سارہ کی آواز تھی۔

"کیسے ٹینشن نہ لوں۔ میری دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اب دیکھنا' وہ مجھے اس گھر سے نکال کر ہی دم لے گی۔"

"ایسا کچھ نہیں ہو گا اور اریبہ کوئی چھوٹی بچی نہیں ہے' جو کسی کے بہکاوے میں آ جائے گی۔ آپ چلیں اپنے کمرے میں۔"

سارہ زچ ہو رہی تھی اور شاید زبردستی یاسمین کو اس کے کمرے سے لے جا رہی تھی۔ اس کے بعد وہ جانتی تھی' سارہ یہیں آئے گی' اس لیے وہ اٹھ گئی۔ ہاتھ منہ دھویا اور بالوں میں برش کر کے خود کو فریش ظاہر کرنے لگی۔ یوں بھی اب وہ ہر طرف سے دھیان ہٹا کر اپنی پڑھائی پر توجہ دینا چاہتی تھی۔ پہلے ہی کافی نقصان ہو گیا تھا۔ اسے یاد آیا جس روز اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا' اس دن ڈاکٹر نے اسے ٹی بی پیشنٹ کی کیس ہسٹری تیار کرنے کو کہا تھا اور اسے ٹی بی پیشنٹ مل بھی گئی تھی۔

"کیا بھلا سا نام تھا اس کا؟" وہ سوچنے لگی تھی کہ سارہ کے آنے پر بلا ارادہ اس سے مخاطب ہو گئی۔

"کیا ہوا! مما کس پر ناراض ہو رہی تھیں؟"

"کسی پر نہیں۔" سارہ کا چڑا ہوا انداز بتا رہا تھا کہ اس سے ماحول میں کشیدگی برداشت نہیں ہو رہی۔ یا ہو سکتا ہے کوئی اور بات ہو' وہ بہرحال یہی سمجھی تھی' جب ہی خاموش ہو گئی۔

"ڈیڈی نے بھی حد کر دی۔" سارہ خود ہی کہنے لگی۔ "ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا انہیں۔ تائی امی کو اتنی اہمیت اور مما کو کچھ سمجھا ہی نہیں' مزید تم بھی۔۔۔ ویسے تمہیں کیا ہوا ہے' تم کیوں مما سے بات نہیں کر رہیں؟"

"تمہارا کیا خیال ہے مجھے تائی امی نے بہکایا ہے؟" اس کے انداز میں' لہجے میں یہ کیسا ٹھہراؤ آ گیا تھا' سارہ الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے کسی نے نہیں بہکایا۔ مما غلط سمجھ رہی ہیں اور تم بھی۔ ڈیڈی نے صرف اس لیے مما کو میرے پاس نہیں رکنے دیا تھا کہ یہاں تم اکیلی ہو جاتیں۔ تائی امی کو بھی تمہارا خیال تھا۔ مما ناحق ناراض ہو رہی ہیں۔ تم انہیں سمجھا دو۔"

"وہ نہیں سمجھیں گی۔ جب تک تم ان سے بات نہیں کرو گی۔ آخر تم ان کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو؟"

سارہ نے تنگ پڑ کر کہا تو وہ سوچ کر بولی تھی۔

"کیونکہ اس حادثے نے مجھے توڑ کر رکھ دیا ہے۔ میرا ذہن بہت ڈسٹرب ہے۔ اس لیے میں ابھی مما کی باتیں نہیں سن سکتی۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں سارہ! تم بہت اچھی ہو' تم نے مما کی باتیں صرف سنیں' کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ نہ ان کے کہنے پر کسی کے خلاف کچھ بولیں اور میں۔۔۔ میں نے تو باقاعدہ محاذ بنا لیا تھا۔ ہر ایک سے لڑ بیٹھی اپنے بچکانہ جذباتی پن کے باعث سب کو ناراض کر بیٹھی۔"

"تو تمہیں احساس ہو رہا ہے۔" سارہ آزردگی میں گھر گئی تو وہ ٹھٹک کر پوچھنے لگی۔

"تمہیں دکھ ہو رہا ہے؟"

"نہیں۔" سارہ چونک کر سٹپٹائی تھی۔ "دکھ کیوں ہوگا' یہ تو خوشی کی بات ہے۔" "ہاں! لیکن میں تلافی کیسے کروں گی۔ کیسے مناؤں گی سب کو' خصوصاً" رازی کو۔ اسے تو میں نے بہت ہرٹ کیا ہے۔ کیا وہ مجھے معاف کردے گا؟"

وہ کھو گئی تھی۔ غالباً" رازی کے ساتھ اپنا رویہ سوچنے لگی تھی۔ سارہ جز بز ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بس جانے دو۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ تم نے تائی امی سے معافی مانگ لی ناں! مزید کسی کے سامنے جھکنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جھک تو گئی ہوں۔" وہ ہنوز کھوئی ہوئی تھی' پھر ایک دم چونک کر پوچھنے لگی۔ "سنو! تم نے تائی امی کو فون کیا تھا؟"

"ہاں! تمہاری طبیعت بھی پوچھ رہی تھیں۔" سارہ نے کہا تو اس نے کسی خیال سے پوچھا۔

"رازی سے بات ہوئی؟"

"نہیں۔" سارہ مختصر تھی۔

"تم فون کرو نا رازی کو' دیکھو' میرے بارے میں کیا کہتا ہے ناراض ہے یا۔۔۔"

"سوری۔۔۔!" سارہ نے اس کی پوری بات سنی ہی نہیں۔ "مجھے تو تم معاف ہی رکھو۔ اب جس جس سے کہنا سننا ہو' خود کہو۔"

"وہ تو میں ہی کہوں گی۔ بس ذرا رازی کا موڈ معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔" اس نے کہا تو سارہ چڑ گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں انہیں اتنی اہمیت دینے کی۔"

"ہیں!" وہ حیران ہوئی۔ "یہ تم کہہ رہی ہو؟"

"ہاں! میں کہہ رہی ہوں۔ مجھے تمہارا یہ انداز بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ خود کو اتنا مت گراؤ کہ دوسرا ساتویں آسمان پہ جا پہنچے۔ جو کرنا ہے دھڑلے سے کرو' یہ تمہارا حق ہے کوئی تمہارے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔" سارہ چیخ کر بول رہی تھی وہ پریشان ہو گئی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ خوامخواہ خود کو ہلکان مت کرو۔ پہلے اپنی پڑھائی پر توجہ دو' یہ زیادہ ضروری ہے۔ باقی باتیں بعد میں سوچنا بلکہ سوچنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

سارہ کے لیکچر پر وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

* * *

تقریباً" نو بجے وہ گھر آیا تھا۔ ساجدہ بیگم اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں اور وہ جانتا تھا انہوں نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا اور صرف ان کی خاطر بھوک نہ ہونے کے باوجود وہ کھانا لگوانے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آگیا اور بہت عجلت میں کپڑے تبدیل کر کے ڈائننگ روم میں آیا تو ثنا کھانا رکھنے کے ساتھ بلال سے کسی بات پر الجھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر خاموش ہو گئی تو اس نے ٹوکا بھی نہیں۔ ساجدہ بیگم کے لیے کرسی کھینچی' پھر خود بھی بیٹھ گیا۔

"کہاں رہ گئے تھے؟" ساجدہ بیگم نے اس کی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"چچا جان کے ساتھ تھا۔" اس کا جواب واضح نہیں تھا۔

"کہاں توصیف ولا؟"

"نہیں' آفس میں۔ اصل میں ان کے آفس میں ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔" وہ تفصیل سے بتانے لگا۔ پہلے

کے ساتھ جا کر ایف آئی آر درج کرائی' پھر اسی وقت پولیس جائے وقوع کا معائنہ کرنے آگئی تو وہیں دیر ہو گئی۔

"اللہ رحم کرے۔ زیادہ نقصان تو نہیں ہوا۔" ساجدہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"نقصان تو بڑا ہے۔ ستر لاکھ گئے ہیں۔" اس نے کہا تو بلال آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"ستر لاکھ؟"

"بے چارے چچا جان کا دیوالیہ نکل گیا۔" بے چارے کہنے سے ثنا کی بچت ہو گئی تھی۔

"یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔" ساجدہ بیگم فکر مندی سے بولیں' پھر پوچھنے لگیں۔

"کب پڑا ڈاکا؟"

"وہ ڈاکا نہیں امی! یہ آفس ہی کے کسی بندے کا کام ہے۔ جب چچا جان اریبہ کے پاس ہاسپٹل میں تھے۔ تب کسی نے ان کے سیف کا صفایا کر دیا۔" اس نے بتایا تو بلال تعجب سے بولا۔

"اتنی بڑی رقم چچا جان نے سیف میں کیسے چھوڑ دی؟"

"بس اسی دن لوگوں نے پے منٹ کی تھی۔ ان کے ولاز والے پروجیکٹ کی تب بکنگ آف ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ اریبہ کی وجہ سے بھول گئے۔"

"اریبہ اب کیسی ہے؟" غالباً" اریبہ کے نام پر ہی بلال نے پوچھا تھا۔

"پتا نہیں' میرا جانا نہیں ہوا۔" وہ کہہ کر فوراً" ثنا سے مخاطب ہو گیا۔ "ثنا! چائے بنا دو اچھی سی۔"

"امی! آپ بھی پئیں گی؟" ثنا نے برتن سمیٹتے ہوئے ساجدہ بیگم سے پوچھا۔

"دے دینا آدھا کپ۔"

"میں پورا کپ پیوں گا۔" بلال نے ثنا کے پیچھے ہانک لگائی تھی۔

"توصیف تو پریشان ہوگا؟" ساجدہ بیگم کا دھیان مسلسل اسی طرف تھا۔

"ظاہر ہے' پریشانی کی بات تو ہے لیکن امید ہے' مل جائیں گے۔ پولیس کل سے باقاعدہ تفتیش شروع کرے گی۔" اس نے کہتے ہوئے ساجدہ بیگم کی حد درجہ فکر مندی محسوس کی تو پھر موضوع بدلنے کی خاطر بلال سے مخاطب ہو گیا۔

"ہاں بلال! تمہارے ویزے میں کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔ میرا خیال ہے' انہی دنوں تمہیں اسلام آباد سے کال آجائے گی۔"

"میں بھی بھائی! اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔" بلال نے کہا تو ثنا سنتی ہوئی آگئی۔

"کس کا انتظار کر رہے ہو؟"

"ویزے کا۔ بس اب میں جلدی فلائی کرنے والا ہوں۔ زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ تم سے جان چھوٹ جائے گی۔" بلال نے ثنا کو چڑایا تھا لیکن ساجدہ بیگم نے فوراً" سرزنش کی۔

"بلال۔۔۔؟"

"سوری امی! مذاق کر رہا تھا۔"

"لیکن میں مذاق نہیں کر رہی۔ میں واقعی تمہارے جانے کے دن گن رہی ہوں۔" ثنا نے نہ صرف ساجدہ بیگم کی سرزنش نظر انداز کی تھی بلکہ ان کے گھورنے پر بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل بھی گئی۔

"اس لڑکی کا مزاج پتا نہیں کس پر گیا ہے۔ میں تو اس کی طرف سے بہت فکر مند رہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہو جائے گی امی! آپ ہر بات کی ٹینشن نہ لیا کریں۔" رازی کہہ کر اٹھنے لگا تھا کہ ساجدہ بیگم اسے روک کر پوچھنے لگیں۔

"تم اریبہ کے پاس کیوں نہیں گئے؟"

"بس وقت ہی نہیں ملا۔ آج سوچا تھا تو چچا جان نے بلالیا۔" اس نے سنبھل کر جواب دیا تھا۔

"بری بات ہے بیٹا! لڑکی کو احساس ہوگیا ہے تو اب تمہیں خیال کرنا چاہیے۔" ساجدہ بیگم نے ٹوک کر کہا تو بلال ان کی تائید کرتے ہوئے بولا۔

"امی ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی! بہت چینج ہوگئی ہے اریبہ بلکہ پہلے کی طرح ہوگئی ہے۔ میں تو اس حادثے کو مبارک کہوں گا۔"

"شٹ اپ!" وہ قصداً" مسکرایا، پھر کہنے لگا۔ "یہ صحیح ہے کبھی کبھی حادثے زندگی میں خوشگوار تبدیلی لاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ بہرحال یہ اچھی بات ہے کہ اریبہ بروقت سنبھل گئی ہے۔"

"ہاں، اللہ کا شکر ہے، ورنہ میں تو بہت پریشان تھی۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو بلال فوراً" بولا۔

"بس امی! اب آپ دیر نہ کریں فوراً" بھائی کی شادی کردیں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" وہ بلاارادہ بلال کو ٹوک گیا۔

"یہ فضول بات نہیں ہے۔ میں بھی ایسا ہی سوچ رہی ہوں۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ پریشان ہوگیا۔

"بس کریں امی! مجھے نہیں کرنی شادی۔ میرا مطلب ہے اتنی جلدی۔"

اس کے ساتھ ہی وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ پھر اپنے کمرے میں آکر اسے احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط کرگیا ہے لیکن پھر خود کو بے اختیار محسوس کرتے ہوئے اس نے سر جھٹک دیا اور سگریٹ سلگا کر بالکونی میں آکھڑا ہوا۔

کراچی میں سردی کسی وضع دار مہمان کی طرح آتی ہے اور اپنے مخلص میزبانوں کو تشنہ چھوڑ جاتی ہے۔ بارش کے بعد چند دن فضا میں خنکی رہی تھی، پھر وہی حبس اور گھٹن یا شاید اس کا اپنا دل بوجھل تھا، جب ہی اسے گھٹن محسوس ہورہی تھی۔ اندھیرے میں کھڑا وہ جانے کیا کچھ سوچتا رہا، پھر کمرے میں آکر موبائل اٹھایا اور توصیف ولا کا نمبر ملا کر کان سے لگالیا۔ دوسری طرف بیل جارہی تھی، پھر سارہ کی آواز ابھری تھی۔

"ہیلو....!"

"رازی بات کررہا ہوں۔" اس نے کہا تو دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔ تب اسے خود ہی کہنا پڑا۔

"سنو!" میں اریبہ کو دیکھنے آنا چاہتا ہوں۔"

"بتارہے ہیں یا اجازت طلب کررہے ہیں؟" سارہ کے روٹھے انداز سے وہ جز بز ہوا تھا۔

"دونوں باتیں ہیں۔"

"تو پھر آپ اریبہ سے پوچھ لیں۔ اس کا سیل فون تو ہوگا آپ کے پاس۔" سارہ نے کہہ کر فون بند کردیا تھا۔

وہ کچھ دیر کشمکش و پنج میں کھڑا رہا کہ اریبہ کو فون کرے نہ کرے، پھر اگلے دن جانے کا سوچ کر اس نے اپنا سیل فون ایک طرف رکھ دیا تھا۔

* * *

وہ جب اٹھی، دس بج رہے تھے۔ اسے افسوس ہوا کیونکہ رات وہ سوچ کر سوئی تھی کہ آج سے باقاعدہ کلاسز جوائن کرے گی، لیکن اس کی آنکھ ہی نہیں کھلی اور کسی نے اٹھایا بھی نہیں تھا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آئی تو بی بی اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔

"ماشاءاللہ! آج تو میری بیٹی کے چہرے پر رونق نظر آرہی ہے۔"

"آپ کی دعائیں ہیں بی بی!" وہ مسکرا کر بی بی کے گلے لگ گئی۔

"خوش رہو۔ اللہ لمبی عمر دے۔" فرط جذبات سے بی بی کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس کی بلائیں لیں، پیشانی چومی پھر ناشتے کا پوچھا تو وہ وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"ہاں بی بی! سلائس کے ساتھ ہاف فرائی انڈا اور چائے بھی۔"

"بس ابھی بن جاتا ہے۔" بی بی نے کہنے کے ساتھ چائے کی کیتلی اٹھالی۔

"سارہ اور حماد....." اس نے ابھی نام لیے تھے کہ بی بی بول پڑیں۔

"کالج گئے ہیں دونوں اور یاسمین تو ابھی سورہی ہے۔ اٹھ جاتی تو وہ بھی تمہارے ساتھ ناشتا کرلیتی۔" وہ کچھ نہیں بولی بلکہ ان سنی کرکے ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔

پھر ناشتے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ اب اس کے ذہن پر ایک ہی بات سوار تھی کہ اس کی پڑھائی کا جو نقصان ہوا ہے، وہ جلد سے جلد اسے پورا کرلے۔ اس کے لیے اسے عروسہ، جمال اور مہک کی مدد کی ضرورت تھی اور ان کے ساتھ وہ کوئی ایسا وقت سیٹ کرنا چاہتی تھی کہ ان کی اسٹڈی کا بھی حرج نہ ہو۔ اس وقت وہ اسی نہج پر سوچ رہی تھی کہ بی بی نے آکر اطلاع دی۔

"اریبہ بیٹا! رازی آیا ہے۔"

"رازی!" خوشگوار احساس کے ساتھ وہ کچھ متعجب ہوئی کہ وہ باہر کیوں رک گیا ہے۔ پہلے کی طرح اس کے کمرے میں کیوں نہیں چلا آیا۔

"میں نے تو کہا اس سے کہ اریبہ اٹھ گئی ہے، ابھی ناشتا کرکے کمرے میں گئی ہے، وہیں چلے جاؤ لیکن وہ ادھر ہی بیٹھ گیا۔" بی بی کو بھی شاید رازی کی غیریت کھلی تھی۔

"اچھا چلیں میں آرہی ہوں۔" اس نے بی بی کو بھیج کر آئینے میں اپنا حلیہ دیکھنے کے ساتھ بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پایا پھر کمرے سے نکل کر سٹنگ روم میں آئی تو جلال رازی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب کیسی ہو تم؟"

"جیسی تم دیکھنا چاہتے ہو۔" وہ بے اختیار کہہ گئی۔

"گڈ!" وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"پلیز رازی! اب کچھ جتانا مت میں پہلے ہی گلٹی فیل کررہی ہوں۔" وہ ہار گئی تھی۔ بے اختیار اعتراف کرگئی۔ "محبتوں سے منہ موڑ کر میں خود بھی خوش نہیں تھی۔ بس پتا نہیں کیا ہوگیا تھا مجھے میں بہت بری ہوں۔"

"نہیں، تم بہت اچھی ہو۔" وہ فوراً" بولا، لہجہ سنجیدہ اور ٹھہرا ہوا تھا۔ "برا تو میں ہوں۔ مجھے تمہارے احساسات سمجھنے چاہیے تھے لیکن میں فیل ہوگیا۔"

"نہیں رازی! تم....."

"بس کچھ مت کہو، ہمارے کل اور آج کے درمیان جو وقت گزرا، اسے بھول جاؤ۔ میں بھی بھول جانا چاہتا ہوں سب کچھ۔ نئی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم سب کچھ بھلادیں۔ تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں، جبکہ میں کٹہرے میں کھڑا ہوں۔" وہ جانے کہاں کھویا ہوا تھا۔

"کٹہرے میں؟" وہ متعجب ہوئی۔

"ہاں میں اپنا مجرم ہوں۔ میں نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے اور قتل کی سزا تو تم جانتی ہو۔ منصف نے اگر سچ مچ انصاف کی ٹھان لی تو سولی تو چڑھنا پڑے گا۔" وہ ناقابل فہم ہوگیا تھا۔

"رازی! یہ تم کیسی باتیں کررہے ہو۔" وہ پریشان ہوگئی تھی۔

"ہوں.....!" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"قتل، کٹہرا، سولی۔۔۔ یہ سب کیا ہے؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں، اپنا خیال رکھنا۔" وہ کہہ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ کچھ نہیں سمجھ پائی۔ اُلجھتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ یاسمین کی آواز پر بلا ارادہ نہ صرف رکی بلکہ اس کی طرف پلٹ بھی گئی۔

"باتوں کی آواز آرہی تھی۔ کون آیا تھا؟" یاسمین نے پوچھا۔

"رازی تھا۔" اس نے بتایا تو یاسمین کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"رازی۔۔۔ اس وقت کیا کرنے آیا تھا؟"

"مجھ سے ملنے، کیوں آپ کو اعتراض ہے کیا؟" وہ اچانک جم کر کھڑی ہو گئی تھی۔ یاسمین جھنجھلا گئی۔

"میں نے کبھی تمہاری کسی بات، کسی کام پر اعتراض نہیں کیا۔"

"حالانکہ آپ کو کرنا چاہیے تھا۔ ہر اس کام سے روکنا چاہیے تھا، جو کسی بھی لڑکی کو زیب نہیں دیتے۔ لیکن آپ نے نہیں روکا، الٹا شہہ دیتی رہیں۔ کیوں؟" اس کے جارحانہ انداز پر یاسمین ایک لحظہ کو ٹھٹکی تھی، پھر فوراً پینترا بدل گئی۔ جس میں اسے کمال حاصل تھا۔

"تمہاری محبت میں بیٹا! لیکن تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔ تم نے ایسا تو کوئی کام نہیں کیا، جس پر کسی کو انگلیاں اٹھانے کا موقع ملے۔ کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"کاش! کوئی کچھ کہہ دیتا تو میں یوں تماشا تو نہ بنتی۔" وہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے میں آگئی۔ یاسمین اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔

"اریبہ! بیٹا! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں مجھ سے اتنی بدگمان ہو رہی ہو؟ میں نے تمہارے لیے کیا نہیں کیا؟"

"میرے لیے نہیں، اپنے لیے۔ مجھے تو آپ نے مہرے کے طور پر استعمال کیا۔ کیسی ماں ہیں آپ؟ مجھے آپ کو ماں کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔" اس کے غصے پر دکھ غالب آگیا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں جانتی ہوں یہ سب ساجدہ بیگم۔۔۔"

"نام مت لیں ان کا۔" اس نے تیزی سے ٹوکا تھا۔ "انہوں نے کبھی اشارتاً بھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے مجھے آپ کی اصلیت کا پتا چلتا۔"

"اصلیت! کیا ہے میری اصلیت؟" یاسمین یکدم آپے سے باہر ہو گئی۔ اس کا بازو کھینچ کر چیخی۔ "بتاؤ کیا ہے میری اصلیت؟"

"چلّائیے مت مما! سارا زمانہ جانتا ہے اور میں بھی اب بے خبر نہیں ہوں۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں آپ کو شہباز درانی کے ساتھ۔"

"تم۔۔۔!" یاسمین نہ سٹپٹائی نہ پریشان ہوئی۔ الٹا پھنکاری تھی۔ "تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔ بہتان لگا رہی ہو مجھ پر؟"

"یہ بہتان نہیں، حقیقت ہے۔ جس روز میرا ایکسیڈنٹ ہوا، آپ کہاں تھیں؟ شہباز درانی کی بانہوں میں۔ میں نے آپ کو ان ہی کے گھر پر دیکھا تھا۔ اس کے بعد میری دنیا تاریک ہو گئی۔ لوگ مجھ پر نہیں ہنسے۔ میرا اپنا آپ مجھ پر ہنس رہا تھا کہ میں ایک ایسی عورت کو سپورٹ کرتی رہی جو نہ بیوی ہے نہ ماں۔ صرف اپنی ناجائز خواہشات کی غلام ہے۔" وہ بالآخر پھٹ پڑی تھی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو۔" یاسمین اب ٹھہر نہیں سکی کمرے سے جانے لگی تھی کہ وہ تیزی سے سامنے آگئی۔

"میری بات سنتی جائیں۔ اگر آپ نے اپنی روش نہیں بدلی تو میں ڈیڈی سے کہوں گی۔ آپ کو طلاق دے دیں۔"

"تم اپنی ماں کو۔۔۔" یاسمین غیر یقینی کی انتہا پر تھی۔

"نہیں ہیں آپ میری ماں۔ آپ کسی کی ماں نہیں ہیں۔ ڈیڈی آپ کو صرف ہماری وجہ سے برداشت کر رہے ہیں اور اب ہم آپ کی ڈھال نہیں بنیں گے۔ سوچ لیں آپ۔"

اس نے حتمی انداز میں کہہ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ گویا کہہ رہی ہو کہ آپ جا سکتی ہیں۔

* * *

اسے زندگی میں اکثر مشکلات کا سامنا رہا تھا۔ اسی حساب سے آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑا۔ لیکن وہ ہمیشہ ثابت قدم رہا تھا۔ کیونکہ اس کا یقین تقدیر پر تھا۔ تقدیر لکھنے والے پر تھا اور وہ تقدیر سے نہیں لڑ سکتا تھا۔ اپنی اب تک کی زندگی میں اس نے تقدیر کے ہر فیصلے کو قبول کیا تھا۔ لیکن اب وہ جس مشکل میں پھنسا تھا، اس میں اس کی تقدیر کو کتنا دخل تھا، یہ اس نے سوچا ہی نہیں اور پہلے مقام پر ہی اس کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ توصیف احمد کے سامنے گڑگڑایا تھا۔

"میں چور نہیں ہوں سر! میں نے چوری نہیں کی۔ خدا کے لیے میرا یقین کریں۔"

لیکن اس کا یقین نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ جائے وقوع کے مکمل معائنے اور تفتیشی کارروائی کے بعد وہی مجرم قرار پایا تھا۔ پولیس اسے آفس سے ہی تمام اسٹاف کے سامنے گرفتار کر کے لے گئی تھی۔ اسے اس وقت عزت و ناموس جانے کا خیال نہیں تھا، صرف اپنی معصوم بہن تاجور کا خیال تھا، جس کا اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اس شہر میں تو کوئی نہیں تھا۔ اسی کی خاطر وہ گڑگڑایا تھا لیکن کوئی اس کی مدد کو نہیں آیا۔

پھر ابھی وہ یہ طے نہیں کر پایا تھا کہ وہ تاجور کی ذمہ داری کسے سونپے جو لے ابا کے پاس چھوڑ آئے کہ اسے ریمانڈ پر بھیج دیا گیا ہے۔ جہاں خود پر ہونے والے تشدد نے اسے سب بھلا دیا تھا، تاجور بھی۔ اس کی زبان پر صرف ایک ہی بات تھی۔

"میں چور نہیں ہوں۔ میں چور نہیں ہوں۔"

پورا ایک ہفتہ اس پر ہر طرح کا تشدد ہوا لیکن اس نے چوری کی ذمہ داری قبول نہیں کی تھی۔ پھر اسے جیل بھیجا گیا تو اس کے مفلوج حواسوں میں صرف ایک احساس باقی تھا کہ وہ زندگی کی بساط پر اپنا سب کچھ ہار گیا ہے۔ خودداری، ایمان داری، ثابت قدمی اور شاید اپنی بہن بھی۔

* * *

وہ کالج سے نکلی تو سمیر کو اپنا منتظر دیکھ کر خاصی جز بز ہوئی اور چونکہ اس سے نظریں چار ہو گئی تھیں، اس لیے کہیں اِدھر اُدھر نہیں ہو سکی اور اس کے قریب پہنچ کر ناگواری بھی نہیں چھپا سکی۔

"کیوں آئے ہو؟"

"چپ چاپ بیٹھ جاؤ ورنہ۔" وہ غصے سے کہہ کر بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔

"ورنہ کیا کر لوگے؟" وہ اطراف کا خیال کر کے دبے لہجے میں چیخی۔

"گھما کے ایک چماٹ ماروں گا یہیں پر، تمہاری ساری فیلوز دیکھیں گی۔" وہ غضب ناک ہی نہیں، خطرناک بھی لگ رہا تھا۔ وہ سچ مچ ڈر گئی۔

"تم گھر چلو، آتی ہوں۔" وہ دانت پیستے ہوئے جیسے ہی بیٹھی، سمیر نے زن سے بائیک بھگا دی۔

تمام راستہ وہ خود پر بہت جبر کیے بیٹھی رہی تھی اور جب سمیر نے اپنے گھر کے آگے بائیک روکی تو اس نے ایک سیکنڈ نہیں لگایا۔ اتر کر بھاگتی ہوئی اندر آئی اور امینہ پھپھو سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔

"الٰہی خیر!" امینہ پھپھو گھبرا گئیں۔ "سارہ! کیا ہوا، میری بچی! رو کیوں رہی ہو؟"

"ڈراما کر رہی ہے۔" سمیر کمرے میں قدم رکھتے ہی بولا۔

"تم ہو ڈراما باز۔" وہ غصے سے اس سے کہہ کر امینہ سے مخاطب ہو گئی۔ "پھوپھو! پوچھیں اس سے، میرے کالج کیوں آیا تھا اور زبردستی مجھے لے کر آیا ہے۔ مما کو پتا بھی نہیں ہے۔ کتنی پریشان ہوں گی وہ۔"

"سمیر! یہ کیا طریقہ ہے۔" امینہ نے تنبیہی انداز میں سمیر کو ٹوکا تو وہ اپنے آپ میں جھنجلا گیا۔

"مجھے نہیں پتا، اسی سے پوچھیں۔"

"اس سے کیا پوچھوں۔ اسے تو تم زبردستی لے کر آئے ہو۔" امینہ نے سمیر کو گھورا، پھر اس سے بولیں۔ "بیٹا! تم رو مت۔ چلو پہلے یاسمین کو فون کرو۔ بتاؤ اسے کہ تم یہاں ہو۔"

"جی!" وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے لابی میں آ گئی اور یاسمین کو فون کر کے واپس پلٹی تو سمیر نے سامنے آ کر راستہ روک لیا۔

"میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ نظریں جھکائے روٹھے انداز میں بولی تھی۔

"وہی تو جاننا چاہتا ہوں، کیوں؟ کیوں مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔ ایسا کیا کیا ہے میں نے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ہمارا کوئی جھگڑا، کوئی لڑائی نہیں ہوئی، پھر کس بات کا غصہ ہے تمہیں؟" وہ آہستہ آواز میں مگر زور دے کر بول رہا تھا۔

"کسی بات کا نہیں بس وہ مما نہیں چاہتیں۔" اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور یاسمین کا نام لے کر پچھتائی بھی۔

"میں جانتا ہوں۔ یاسمین آنٹی مجھے تو کیا، کسی کو بھی پسند نہیں کرتیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جبکہ تمہارا بدلتا رویہ نیا ہے۔ کیا اب باقاعدہ انہوں نے تمہیں وارن کیا ہے کہ مجھ سے کوئی واسطہ یا تعلق مت رکھنا؟" وہ اس پر یوں جرح کر رہا تھا جیسے سچ اگلوا کر دم لے گا۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ تنگ پڑ رہی تھی۔

"پھر کیسا ہے۔ دیکھو سارہ! میں سیدھا سادہ بندہ ہوں۔ جب میرے دل نے تمہیں اپنا مانا تو میں نے تم سے محبت کا اعتراف کر لیا، پھر تم سے بھی میں نے یہی چاہا۔ اگر تمہارے دل میں میرے لیے محبت کا احساس نہیں جاگتا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم مجھے دھتکارنا شروع کر دو۔ آخر ہم کزن ہونے کے ساتھ دوست بھی تو رہے ہیں۔ یا تم دوستی بھی ختم کرنا چاہتی ہو؟" نرمی سے بولتے ہوئے سمیر کے لہجے میں درد بھی سمٹ آیا تھا۔

سارہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تو وہ بے چین ہو گیا۔

"کیوں رو رہی ہو؟"

"پتا نہیں۔" اس کے ہونٹوں سے بمشکل نکلا تھا۔

"کیسی لڑکی ہو۔ اپنے احساسات نہیں سمجھتیں یا پھر ڈرتی ہو؟ بتاؤ، کیا ڈر ہے، کس کا خوف ہے تمہیں؟" وہ چاہنے کے باوجود اس کا ہاتھ نہیں تھام سکا، کہیں وہ اس دن کی طرح بپھر نہ جائے۔

"مجھے نہیں پتا بس تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی تو وہ عاجز ہو گیا۔

"نہیں، جب تک تم مجھے بتاؤ گی نہیں کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے۔ کیوں تم ایسی ہو گئی ہو۔ نروٹھی، اجنبی تب تک میں تمہیں یہاں سے ہلنے بھی نہیں دوں گا۔"

"کوئی معاملہ نہیں ہے میرے ساتھ۔ خواہ مخواہ تم ایسی باتیں مت کرو میں انسان ہوں ہمیشہ ایک ہی موڈ میں تو

ہیں رہ سکتی۔" وہ نہ صرف بگڑی بلکہ اسے دھکیل کر امینہ پھوپھو کے پاس آ گئی تھی۔

"بتا دیا یاسمین کو۔؟" امینہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"جی۔۔۔"

"چلو، طیبہ نے کھانا لگا دیا ہے، پہلے کھانا کھا لو۔" اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن اس ڈر سے کہ کہیں سمیر پھر نہ اسے گھیر لے، امینہ کے ساتھ ڈائننگ روم میں آ گئی۔

"اریبہ آپی کیسی ہیں؟" طیبہ نے اس کے سامنے سالن کی ڈش رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"آئیں نہیں، حالانکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا۔"

"اصل میں اتنے دن جو اس کی کلاسز مس ہوئی ہیں، وہ انہیں کور کر رہی ہے۔ ویسے اسے اپنا وعدہ یاد ہے، کہتی ہے پھوپھو کے ہاں جانا ہے۔" وہ طیبہ کو جواب دے کر امینہ سے پوچھنے لگی۔

"پھوپھو! میں گھر کیسے جاؤں گی؟"

"جلدی کیا ہے، چلی جانا، سمیر چھوڑ آئے گا۔" امینہ نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی، جبکہ دل ڈرنے لگا تھا۔

* * *

وہ اپنی پہلے والی روٹین پر آ گئی تھی۔ البتہ اکیڈمی کو اس نے خیرباد کہہ دیا تھا صرف یاسمین کی وجہ سے۔ تاکہ اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھ سکے۔ اس لیے کالج اور اسپتال کے بعد باقی سارا وقت وہ گھر پر ہی رہتی تھی۔ جس سے یاسمین تلملائی ہوئی تھی لیکن اسے پروا نہیں تھی۔ اس کے لیے یہ بھی غنیمت تھا کہ یاسمین اب سے خائف ہو گئی تھی۔ ورنہ اگر وہ مزید ڈھٹائی پر اتر آتی تو وہ کیا کر سکتی تھی۔ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال تو نہیں سکتی تھی کہ بہرحال اس کی ماں تھی۔ گو کہ ماں کے لیے اس کے جذبات منفی ہو چکے تھے۔ پھر بھی وہ اسے من مانی نہیں کرنے دینا چاہتی تھی، اس لیے اسے گھر پہنچنے کی جلدی ہوتی تھی۔

اس وقت بھی اسپتال سے نکلتے ہی اس نے بہت عجلت میں مہک اور عروسہ کو اللہ حافظ کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھی تھی کہ اچانک ٹھٹک کر رک گئی۔ اسپتال کی بیرونی دیوار کے ساتھ لگے سنگی بینچ پر بیٹھی ایک لڑکی زار و قطار رو رہی تھی۔ اس نے غور کیا تو لڑکی کچھ دیکھی بھالی لگ رہی تھی۔ تب فوراً ہی اسے یاد آ گیا، وہ ٹی بی کی پیشنٹ تھی۔

"یہ یہاں کیوں بیٹھی ہے۔" ایک لحظہ کو وہ الجھی، پھر اس کے پاس چلی آئی۔

"سنو! کیا نام ہے تمہارا؟" لڑکی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اس سے بولا ہی نہیں گیا۔

"کیوں رو رہی ہو؟" اس نے پھر پوچھا، پھر جیسے اپنا سوال بے معنی لگا سر جھٹک کر بولی۔ "میرا مطلب ہے روؤ مت۔ رونے سے تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی۔ اٹھو! اندر چلو۔"

لڑکی زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟ ٹھہرو! میں پانی لاتی ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے اندر گئی اور منرل واٹر کی بوتل لے آئی، پھر پہلے اس کے آنسو صاف کیے، پھر پانی پلا کر کچھ دیر اس کی ہمت بندھاتی رہی اور جب اسے بولنے پر آمادہ دیکھا، تب پوچھا۔

"اب بتاؤ! کیا بات ہے؟"

"مجھے اسپتال سے چھٹی دے دی ہے۔ کہتے ہیں گھر جاؤ۔" وہ بہت بے چارگی سے بولی تھی۔

"پھر۔۔۔؟"

"گھر تو نہیں ہے۔ بھائی پتا نہیں کہاں چلا گیا۔" وہ پھر رونے لگی۔ اریبہ سمجھی یا نہیں سمجھی مگر اس کا دل ضرور بھر آیا تھا۔ ساکت بیٹھی اس کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے شفاف موتی دیکھے گئی۔ کبھی کبھی آنسو زبان بن جاتے ہیں۔

"تاجور۔۔!" اچانک ذہن کے کسی گوشے سے یہ نام نکل کر اریبہ کے ہونٹوں پر آیا تھا، پھر نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"رو مت۔ آؤ میرے ساتھ۔"

"کہاں۔۔۔؟" تاجور آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"گھر۔ گھر چلتے ہیں، وہاں آرام سے بات کریں گے۔" وہ کہنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ تاجور شش و پنج میں بیٹھی رہی۔

"دیکھو! یہاں کب تک بیٹھو گی۔ ابھی شام ہو جائے گی، پھر رات۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گی۔ چلو آؤ۔" اس نے ہاتھ بڑھایا تو رات کے تصور سے سہمی ہوئی تاجور فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہارا گھر کہاں ہے؟" پارکنگ سے گاڑی نکالنے کے بعد اس نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

پتا نہیں! بھائی کو پتا ہے۔ تاجور اب خود کو محفوظ محسوس کر کے بولنے لگی تھی۔ "میں ابا کے پاس تھی چک میں۔ پھر بھائی مجھے اپنے ساتھ لے آئے اور یہاں اسپتال میں داخل کر دیا۔"

"اور خود کہاں چلے گئے؟" وہ بلاارادہ اور بے ساختہ بول گئی تھی۔

"پتا نہیں۔" وہ گہری سانس کھینچ کر خاموش ہو گئی۔ یعنی تاجور سے کچھ پوچھنا بے کار تھا، البتہ خود کو اس کے بارے میں سوچنے اور قیاس کرنے سے باز نہیں رکھ سکی۔ اور جب گھر آئی تو پہلے مقام پر ہی یاسمین سے سامنا ہو گیا۔

"یہ کون ہے؟" یاسمین نے تاجور کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"میری پیشنٹ ہے۔" وہ زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتی تھی، اس لیے سرسری جواب دے کر تاجور کو لیے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

پھر کھانے کے بعد اس نے پہلے تاجور کے لیے کمرا سیٹ کیا، کیونکہ وہ ٹی بی کی مریضہ تھی، اور بحیثیت ڈاکٹر وہ جانتی تھی کہ کس طرح یہ مرض ایک سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ محتاط بھی تھی اور تاجور کے لیے بہت زیادہ حساس۔ جانے کون تھی یہ لڑکی۔ اس کے اپنے کہاں تھے اور جانے کوئی اپنا تھا بھی یا نہیں۔

وہ تاجور کو سلا کر اپنے کمرے میں آئی تو یہی سوچ رہی تھی کہ اس کے گھر والوں کو کہاں تلاش کرے کہ سارہ کی آمد پر بے دھیانی میں اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا! ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" سارہ کے ٹوکنے پر وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"تم کہاں تھیں؟"

"میں کالج سے پھوپھو کی طرف چلی گئی تھی۔ تمہیں مما نے نہیں بتایا؟"

"نہیں! میری مما سے بات نہیں ہوئی۔ اصل میں میں آتے ہی مصروف ہو گئی۔ ابھی آ کر بیٹھی ہوں۔" اس نے بتایا تو سارہ کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑا کر بولی۔

"تمہاری مصروفیت نظر تو نہیں آ رہی۔"

"کیا مطلب؟ تم جھاڑ پونچھ سمجھ رہی ہو۔ پاگل ہو بالکل۔ کالج سے آ کر میں اس کام میں کیوں لگوں گی۔" اس

ے کہا تو سارہ بے ساختہ ہنس کر بولی۔

"مذاق تو سمجھ لیا کرو۔"

"بھونڈا مذاق تھا۔ خیر! میری مصروفیت ایک لڑکی ہے، جسے میں اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔ اس کے لیے کمرا یٹ کیا پھر۔"

"ایک منٹ۔" سارہ ٹوک کر پوچھنے لگی۔ "لڑکی کون ہے؟"

"پتا نہیں یار! میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ اس کے گھر والے اسے اسپتال میں ایڈمٹ کر کے بھول گئے۔ پھر ظاہر ہے ہسپتال کی فیس وغیرہ نہیں دی گئی ہو گی تو اسے چھٹی دے دی گئی۔"

"اور تم اسے اپنے ساتھ لے آئیں؟" سارہ نے فوراً کہا۔

"کیا کرتی؟ چھوڑ دیتی اسے اس کے حال پر؟ پھر کوئی بھی لے جاتا اسے۔ اس شہر میں وہ بالکل انجان ہے۔" اسے غصہ آ گیا۔

"اوہو! میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے اس کے گھر والے اسے اسپتال میں نہیں دیکھیں گے تو ریشان نہیں ہوں گے؟" سارہ نے اپنی بات کی وضاحت کی تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں، ابھی تو وہ اکیلی تھی اور بے چاری بہت رو رہی تھی۔ مجھے اس پر بہت ترس آیا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن مما اور ڈیڈی سے کیا کہو گی۔ میرا خیال ہے وہ تو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ تم کسی بے سہارا لڑکی کو اٹھا کر گھر لے آؤ۔ نجانے کون ہے۔" سارہ ابھی اور بھی بہت کچھ کہتی کہ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"یہ ساری باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ پہلے وہ سنبھل تو جائے، پھر اس سے سب معلوم ہو جائے گا۔ اور ہاں! مما سے میں نے کہا ہے کہ یہ میری پیشنٹ ہے۔ ڈیڈی سے بھی یہی کہوں گی، پھر میرا خیال ہے، وہ اعتراض نہیں کریں گے۔" اس کی ساری بات سن کر سارہ جیسے اکتا کر بولی۔

"پتا نہیں! مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"سب سمجھ جاؤ گی۔ جب تم اس سے ملو گی، بات کرو گی تو سب سمجھ جاؤ گی۔ چلو! اب مجھے ایک گھنٹہ سو لینے دو۔" وہ کہہ کر لیٹ بھی گئی۔ لیکن پھر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"یہ گاڑی کون لے جا رہا ہے؟"

"کون لے جائے گا۔ مما جا رہی ہیں۔" سارہ وارڈ روب کھول چکی تھی اس لیے اس کی کیفیت سمجھ نہیں پائی اور آرام سے بولی تھی۔

"کہاں کہاں جا رہی ہیں مما!" اس کے اندر ابال اٹھنے لگا۔

"شاپنگ پر، مجھ سے بھی چلنے کو کہہ رہی تھیں، لیکن ابھی تو میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔" سارہ الماری میں سر دیے بول رہی تھی۔

"موڈ کی کیا بات ہے۔ تمہیں جانا چاہیے تھا۔" وہ یکدم بگڑ گئی تو سارہ الماری میں سے سر نکال کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔ تم فون کرو مما کو۔ واپس بلاؤ انہیں۔ میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ سارہ کو کیسے سمجھائے۔

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے پہلی بار اکیلی نکلی ہوں۔" سارہ نے کہہ کر سر جھٹکا پھر جو سوٹ ہاتھ آیا، لے کر واش روم میں بند ہو گئی۔

* * *

وہ ذہنی انتشار کا شکار ہوگئی تھی۔ کیونکہ کوئی ایک سوچ نہیں تھی، لگتا تھا بیک وقت اس کے سامنے کتنے محاذ کھل گئے ہیں اور وہ کسی ایک محاذ پر بھی جم کر کھڑی نہیں ہو پارہی تھی۔ ایک یاسمین کا معاملہ، دوسرے رازی کا ناقابل فہم رویہ۔ کہاں تو اس کے پیچھے بھاگتا اور زبردستی اپنا حق جتاتا تھا اور اب جب وہ اس کا حق تسلیم کررہی تھی تو وہ انجان اجنبی بن رہا تھا۔ مزید سارہ بھی اسے سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ صرف دس دن وہ اسپتال میں رہی تھی اور اتنے سے دنوں میں جیسے ساری دنیا بدل گئی تھی۔ پہلے تو وہ یہی سمجھتی رہی کہ جیسے سب اس بات سے خائف ہیں کہ کہیں اسے کوئی بات بری نہ لگ جائے۔ اس لیے سب اپنی اپنی جگہ محتاط ہورہے تھے، لیکن اب وہ نہ صرف کھٹکنے لگی تھی بلکہ پریشان بھی ہوگئی تھی۔

اس وقت وہ صبح ہونے والے ٹیسٹ کی تیاری کرنے بیٹھی تھی، لیکن ذہن یکسو ہو کے نہیں دے رہا تھا۔ مسلسل اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔ آخر اکتا کر وہ اٹھنے لگی تھی کہ سارہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

سارہ اپنے بیڈ پر نیم دراز کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

وہ چند لمحے سارہ کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر کھوجنے کی کوشش کرتی رہی، جس سے اس کی سوچ تک رسائی حاصل کرسکے، لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی تو پکار لیا۔

"سارہ۔۔۔!"

"سارہ۔۔۔!" دوسری پکار پر سارہ چونکی تھی۔

"ہاں! کیا ہوا؟"

"تم بتاؤ! کیا سوچ رہی تھیں؟" اس کے لہجے کی گمبھیرتا سے سارہ سمجھ گئی کہ وہ دیر سے اسے نوٹس کررہی ہے جب ہی "کچھ نہیں" کہنے سے گریز کیا اور اپنے پیچھے تکیہ اونچا کر کے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"وہ۔۔۔ میں تاجور کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"کیا۔۔۔؟"

"یہی کہ اس بے چاری کے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔" سارہ نے یہ دوسری بات بھی سوچ کر کہی تھی۔ اس کے بعد وہ مشکل سے نکل آئی تھی۔

"پتا ہے، آج کالج سے آنے کے بعد میں سارا وقت تاجور کے ساتھ رہی۔ اس سے بہت باتیں کیں، بلکہ زیادہ اس کی سنی۔ وہ رحیم یار خان سے آگے کسی چک میں رہتی تھی۔ وہاں اس کی سوتیلی ماں اس پر بہت ظلم کرتی تھی۔ پھر اس کا بھائی جو یہاں کراچی میں جاب کرتا تھا، اسے اپنے ساتھ لے آیا اور اسپتال میں ایڈمٹ کردیا۔" سارہ سانس لینے کو رکی تھی کہ وہ بول پڑی۔

"پھر۔۔۔؟ میرا مطلب ہے، اس کا بھائی خود کہاں چلا گیا؟"

"یہ تو اسے بھی نہیں پتا۔ بتارہی تھی اس کا بھائی اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ روزانہ آفس کے بعد اس کے پاس اسپتال آتا تھا۔ چاہے رات ہی کیوں نہ ہو جاتی۔ پھر اچانک وہ پتا نہیں کہاں چلا گیا۔"

"کہاں جاسکتا ہے؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"نہیں اریبہ! جس طرح وہ اپنے بھائی کے بارے میں بتارہی تھی، اس سے تو نہیں لگتا کہ وہ خود سے کہیں گیا ہوگا۔" سارہ نے کہا تو وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے تو لگتا ہے، اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہوگیا ہے۔ تم خود سوچو! کوئی کیسے اپنی کم سن بہن کو بے یارومددگار چھوڑ کر جاسکتا ہے۔ اور اگر وہ اس کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا تھا تو اسے گاؤں سے لاتا ہی کیوں؟" سارہ کی باتیں سراسر مفروضہ قرار نہیں دی جاسکتی تھیں، جب ہی وہ پریشان ہوگئی۔

"سنو! تم نے تاجور کے سامنے تو حادثے کا ذکر نہیں کردیا؟"

"خیر! اب میں اتنی پاگل بھی نہیں ہوں۔ اسے تو میں یہی تسلی دیتی رہی کہ ہم اس کے بھائی کو تلاش کریں گے۔"

"ہم کہاں تلاش کریں گے؟" وہ اچھلی۔

"کوشش تو کی جاسکتی ہے، بلکہ کرنی پڑے گی یا اس کا علاج کرنے کے بعد تم بھی کیا اسپتال کی طرح اسے چھٹی دے دوگی؟ جاؤ! اب جہاں دل چاہے۔" سارہ نے اپنی بات پر زور دے کر کہا تو وہ اسے گھورنے لگی۔

"ایسے مت دیکھو! یہ لڑکی اب تمہاری ذمہ داری بن چکی ہے۔"

"میں جانتی ہوں اور میرے پیش نظر پہلے اس کا علاج، اس کی صحت ہے۔ باقی باتیں میں قصداً" نظرانداز کررہی ہوں، کیونکہ ایک وقت میں میں اتنی پرابلمز افورڈ نہیں کرپارہی۔" اس کے لہجے میں اچانک بے چارگی سمٹ آئی تھی۔

"اتنی پرابلمز؟ اور کیا پرابلم ہے؟" سارا نے فوراً" ٹوکا تو وہ نفی میں سرہلا کر بولی۔

"تم نہیں سمجھوگی۔"

"کیوں نہیں سمجھوں گی، تم بتاؤ تو۔۔۔" سارہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔ تب وہ اپنے ناخن دیکھتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں سارہ! میں خود نہیں سمجھ پارہی۔ مجھے سب کچھ بدلا ہوا لگ رہا ہے۔ میرا مطلب ہے سب لوگ یہاں تک کہ تم بھی۔"

"میں۔۔۔؟" سارہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں! تم بھی۔۔۔ تم ایسی تو نہیں تھیں۔ تم تو میری دادی بننے کی کوشش کرتی تھیں۔ مجھے روکتی ٹوکتی سمجھاتی تھیں اور اب جب میں سمجھ گئی ہوں تو تم چڑنے لگی ہو۔۔۔ کیوں؟" وہ آخر میں نظریں اٹھا کر سارہ کو دیکھنے لگی۔

"نہیں تو میں کیوں چڑوں گی۔ تمہیں خواہ مخواہ وہم ہوگیا ہے۔" سارہ نے پہلے اسے جھٹلایا، پھر وضاحت کرنے لگی۔

"دراصل میں ڈیڈی نے مما کے ساتھ جو سلوک کیا، اس کے بعد میں نہیں چاہتی کہ تم تائی امی یا اس گھر کے کسی بھی فرد کو بہت زیادہ اہمیت دو۔ اس طرح ہماری اپنی پوزیشن آکورڈ ہوتی ہے یار!"

"ہوں۔۔۔!" اس کا ہوں بے معنی تھا کیونکہ ذہن کچھ اور سوچنے لگا تھا۔

"چلو! اب سو جاؤ ورنہ صبح کالج مس ہوجائے گا۔" سارا کہتے ہوئے لیٹ بھی گئی تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور پہلے تاجور کے کمرے میں جا کر اسے چیک کیا، پھر واپس آکر لائٹ آف کردی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

اجلال رازی اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نامناسب گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچالیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اسپتال میں اریبہ کے پاس ساجدہ بیگم ٹھہری ہوئی ہیں۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہے۔ شمشیر علی، توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد نے اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہا۔ بعد میں انہیں پتا چلا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اریبہ ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے۔ وہ سارہ کو صاف صاف بتا دیتی ہے کہ وہ اسے شہباز درانی کے ساتھ دیکھ چکی ہے۔

رازی، اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔

تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

۹

نویں قسط

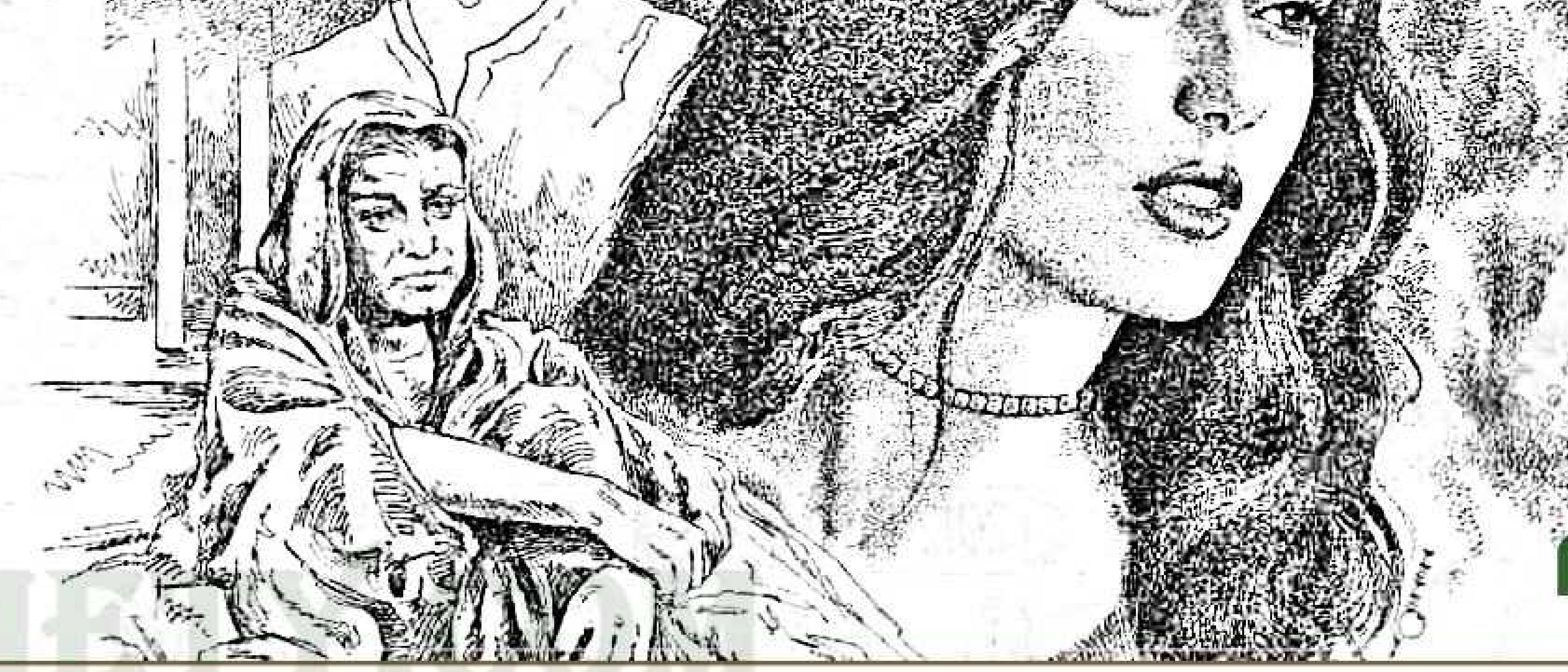

وقت نے یوں کروٹ بدلی تھی کہ اس کے سوچنے کا انداز ہی بدل گیا تھا وہ جو ہر بات کو تقدیر سے منسوب کر کے سرنگوں ہو جاتا تھا اور پھر مطمئن بھی' وہ اب صرف شاکی ہی نہیں متنفر بھی ہو گیا تھا۔ زیادہ اپنے آپ سے کہ وہ اتنا بزدل تو نہیں تھا' پھر کیسے ہر مقام پر ہتھیار ڈالتا آیا تھا۔ جبکہ کوئی مشکل نہیں تھی۔

اب اسے تاباں یاد آرہی تھی' جو خود چل کر اس کے پاس آئی تھی۔ اس کے اندر حوصلہ تھا۔ ساری کشتیاں جلا کر اس کے ساتھ چلنے کو تیار تھی لیکن اس نے منہ موڑ لیا تھا۔ اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسے بھی مایوس کر آیا تھا۔ اسے لگا جیسے اسے اسی بات کی سزا ملی ہے۔ وہ دل توڑنے کا گناہ گار تھا۔

وہ دل جس نے جب دھڑکنا سیکھا تو اس کی ہر دھڑکن میں اس کے نام کی پکار تھی اور وہ کتنے آرام سے اسے قربان گاہ پر چھوڑ آیا تھا۔ گو کہ وہ خود بھی چین سے نہیں تھا۔ ہمیشہ کی طرح مقدر کا لکھا قبول کر کے بہت جلد اس کی بے قراریوں کو قرار آجائے گا اور شاید ایسا ہی ہوتا اگر جو تقدیر پر اس کا ایمان سلامت رہتا۔ وہ ڈگمگا گیا تھا' جب ہی سلامتی کا راستہ' جس پر وہ ہمیشہ چلا تھا' اسے غلط قرار دے رہا تھا۔

"تاباں کو مایوس لوٹا کر میں نے اچھا نہیں کیا۔"

اور اس سے بڑی غلطی میں نے تاجور کو اپنے ساتھ لا کر کی۔ ابا کے گھر میں وہ کم از کم محفوظ تو تھی' وہاں خون تھوکتے تھوکتے مر بھی جاتی تو اس کے لیے وہی ٹھیک تھا۔ یہاں جانے اس کے ساتھ کیا ہو۔

اس آخری بات پر اس کی سانسیں رک گئی تھیں۔ ذہن نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ کتنی دیر ساکت بیٹھا رہا' پھر راہداری میں کوئی آواز گونجی تھی' جو اسے عدم سے وجود میں لے آئی۔ سینے سے گہری سانس کے ساتھ ایسا ابال اٹھا تھا' جس نے اس کی پوری ہستی کو ہلا ڈالا تھا۔

"مسٹر توصیف احمد! اگر میری بہن کو کچھ ہوا تو خدا کی قسم! میں تم پر زندگی تنگ کر دوں گا۔"

جوش انتقام نے اس کے اندر آگ لگا دی تھی اور اب اسے کسی پل چین نہیں تھا۔

* * *

وہ گہری نیند سے گھبرا کر اٹھی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سانسیں بھی ناہموار تھیں۔ فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے اور اسے کیا ہوا ہے۔ عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے اس نے بے اختیار پکارا تھا۔

"رازی.....!" اور یک لخت اسے یاد آیا' وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔ ڈراؤنا خواب۔

وہ سر جھٹک کر خود کو اس کیفیت سے نکالنے کی سعی کرتے ہوئے اٹھ گئی۔ لیکن شاور لینے کے بعد بھی اس کا اندر بجھا بجھا سا تھا۔ کچھ دیر رائٹنگ ٹیبل کے پاس وہ شش و پنج میں کھڑی رہی' پھر کمرے سے نکل آئی۔

سارہ اور تاجور لان میں بیٹھی تھیں۔ وہ ان کے پاس آگئی۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"مزے مزے کی باتیں۔" سارہ نے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ بڑے دنوں بعد سارہ اپنے سابقہ موڈ میں نظر آرہی تھی۔

"اس کا مطلب ہے' تمہاری تاجور سے دوستی ہو گئی ہے۔" اس نے مسکرا کر تاجور کو دیکھا' وہ گلابی شام کا حصہ لگ رہی تھی۔

"دوستی سے بھی زیادہ۔" سارہ اس سے کہہ کر تاجور سے مخاطب ہو گئی۔ "کیوں تاجور! تم میری بہن ہو ناں۔ سگی بہن۔ اب بتاؤ ہم کتنی بہنیں ہیں؟"

"تین۔ میں' آپ اور اریبہ باجی۔" تاجور نے جیسے رٹایا ہوا سبق دہرایا تھا۔

"دیکھا.....!" سارہ نے اب اترا کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر کہنے لگی۔

"اچھا تم اپنی چھوٹی بہن سے باتیں کرو' میں ذرا باہر جا رہی ہوں۔ باہر سے مطلب تائی امی کے پاس۔"

"تائی امی کے پاس؟" سارہ کی شوخی معنی خیز تھی۔

"ہاں' رازی سے بھی مل لوں گی۔" وہ بظاہر بے نیازی سے کہتے ہوئے پورچ کی طرف بڑھ گئی۔

بڑے دنوں بلکہ مہینوں بعد جب اس نے تایا ابو کے گھر میں قدم رکھا تو وہ متضاد کیفیات میں گھر گئی تھی۔ دل اگر خوشگوار احساس سے دھڑک رہا تھا تو خائف بھی تھا۔ گو کہ اسے یقین تھا ساجدہ بیگم خوشی سے اسے گلے لگائیں گی لیکن اس کے اپنے اندر ندامت تھی' جب ہی ان کے سامنے جھجک کر رک گئی تھی۔

"اریبہ! میری بچی! کیا حال ہے تمہارا؟" ساجدہ بیگم واقعی اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ کھینچ کر اسے گلے لگایا پھر پاس بٹھا کر بولیں۔ "بہت دل چاہ رہا تھا تمہیں دیکھنے کو۔ کتنی بار رازی سے کہا' مجھے تمہارے پاس لے جائے لیکن وہ روز آج کل پر ٹالے جا رہا ہے۔"

"ارے تائی امی! آپ مجھے ایک فون کر دیتیں' میں اسی وقت آجاتی۔ خیر! باقی سب کہاں ہیں۔ ثنا اور بلال!" اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"ثنا کچن میں ہے اور بلال آج صبح اسلام آباد گیا ہے۔"

"اسلام آباد کس سلسلے میں؟"

"لو' تمہیں رازی نے نہیں بتایا۔ امریکا بھیج رہا ہے بلال کو کہتا ہے وہاں سے پڑھ آئے' پھر آکر کام سے لگے۔" ساجدہ بیگم نے بتایا تو وہ رازی کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

"یہ تو اچھی بات ہے تائی امی! لائف بن جائے گی بلال کی۔"

"اللہ کرے۔ خیر تم دیکھو۔ ثنا کچن میں ہے' اس سے چائے کا کہہ دو اور ساتھ کچھ کھانے کو بھی۔ میں جب تک نماز پڑھ لوں۔" ساجدہ بیگم کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ بھی اٹھ کر کچن میں آگئی۔

ثنا غالباً" رات کے کھانے کی تیاری میں لگی تھی۔ دونوں چولہے مصروف تھے۔ اس نے سلام کیا تو ثنا نہ صرف اچھلی بلکہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں یوں جیسے کوئی جن بھوت دیکھ لیا ہو۔

"کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں یا تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا؟" اس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اگر میں کہوں' دوسری بات ٹھیک ہے تو کیا تم یہاں آنا چھوڑ دو گی؟" ثنا نے مروتاً" بھی بات بنانے کی کوشش نہیں کی اور اگر کرتی تب بھی وہ نادان نہیں تھی' جب ہی اندر ہی اندر جزبز ہوتے ہوئے بولی۔

"صرف تمہارے کہنے سے تو نہیں ہاں' اگر تائی امی کہیں تو میں۔"

"ارے تم تو سیریس ہو گئیں۔" ثنا اب ہنسی تھی۔

"اس لیے کہ تم مذاق نہیں کر رہی تھیں۔ خیر' تائی امی نے چائے کا کہا ہے۔ تم اگر مصروف ہو تو چائے میں بنا دیتی ہوں۔" اس نے بات بدلنے میں دیر نہیں کی۔

"نہیں نہیں تم اندر جاؤ' میں بنا لوں گی۔" ثنا جلدی سے بولی۔

"ساتھ کچھ کھانے کو بھی....." وہ کہہ کر رکی نہیں' فوراً" پلٹ کر ساجدہ بیگم کے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ لابی سے نکلتے رازی کو دیکھ کر بے اختیار اس کی طرف بڑھی۔

"رازی! تم ٹھیک تو ہو ناں؟"

"تم، تم کب آئیں؟" رازی اس کی آمد پر خوشگوار حیرت میں گھر گیا تھا۔

"کچھ دیر ہوئی۔ تم کیوں نہیں آتے۔ فون بھی نہیں کرتے۔ کیا بہت مصروف ہو گئے ہو؟" وہ پہلے کی طرح بات کر رہی تھی لیکن لہجے میں پہلے والی بے ساختگی نہیں تھی۔ اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ آگیا تھا۔

"نہیں، بس وہی آفس کی مصروفیت ہے۔"

"پھر......؟"

"پھر شاید میں انتظار کر رہا تھا کہ تم آؤ۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے بھی یہی لگا کہ تم انتظار میں ہو، خیر اب تو میں آگئی ہوں ناں۔" اس نے کہا، تب ہی ثنا چائے لے کر آگئی اور ان دونوں کو کھڑے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"چائے کہاں رکھوں، یہاں یا امی کے کمرے میں؟"

"امی کے کمرے میں لیکن ٹھہرو!" رازی نے کہتے ہوئے بڑھ کر ٹرے میں سے دو مگ اٹھا لیے پھر اس سے بولا۔

"آؤ اریبہ! کمرے میں بیٹھتے ہیں۔" وہ ثنا کی ناگواری محسوس کرتے ہوئے رازی کے ساتھ اس کے کمرے میں آئی تو اسے شدت سے محسوس ہوا کہ وہ اپنے جذباتی پاگل پن کے باعث کیا کچھ کھو چکی ہے۔ وہ جو پورے استحقاق کے ساتھ اس کمرے میں آتی اور اس شخص سے اپنی ہر بات دھڑلے سے منواتی تھی، جانے اس کی نظروں میں دوبارہ وہ مقام، وہ مان حاصل کر بھی سکے گی کہ نہیں۔

"بیٹھو ناں......!" رازی شاید اس کی کیفیت محسوس کر گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھماتے ہوئے بہت پیار سے کہا تو وہ اپنے پیچھے کرسی دیکھ کر بیٹھ گئی۔

"بہت چینج ہو گئی ہو تم۔ نہ پہلے جیسی نہ اس کے بعد جیسی۔" رازی نے چائے کا گھونٹ لینے کے بعد اسے دیکھ کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ سمجھ کر بھی نہیں سمجھی تھی۔

"مطلب یہ کہ ہماری زندگی اور محبت میں جو یہ درمیانی عرصہ بدگمانیوں کا آیا، اسے بھول جاؤ۔ اپنی کتاب زندگی سے اس مختصر باب کو پھاڑ ڈالو اریبہ! یہ بہت ضروری ہے ورنہ نہ تم چین سے رہو گی نہ میں۔"

اس کی نظریں جھک کر چائے کے مگ پر ٹھہر گئیں۔

"دیکھو!" قدرے توقف سے وہ پھر گویا ہوا۔ "اپنے بارے میں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں تمہاری محبت، چاہت، اول روز جیسی ہے بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوا ہے کمی نہیں ذرہ برابر بھی کمی نہیں نہ شائبہ۔ اس درمیانی مختصر عرصے میں تمہارے گریز اور تنفر سے بھی میں مایوس نہیں ہوا تھا کیونکہ مجھے اپنی محبت پر یقین اور بھروسا تھا کہ تمہارے دل پر حالات کی بخشی ہوئی گرد چھٹنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

اریبہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

"محبت ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے پھر بھی۔" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ بات ادھوری چھوڑ کر وارڈروب کھول کر کھڑا ہو گیا۔ پھر پلٹا تو اس کے ہاتھ میں سیاہ بریف کیس تھا۔

"یہ میں نے ایک مخصوص وقت کے لیے سنبھال رکھا تھا۔" وہ کہتے ہوئے واپس اسی جگہ آبیٹھا اور اپنے سامنے بریف کیس رکھ کر کھولا تو اریبہ کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ قدرے الجھن بھی سمٹ آئی تھی۔

بریف کیس مختلف اقسام کے پھولوں کی پتیوں اور کونپلوں سے بھرا ہوا تھا۔

"یہ دیکھ رہی ہو۔ دیار غیر میں ہر دن کے آغاز پر میں تمہیں یاد کرتا اور پھر تمہارے نام کی ایک کونپل یا ایک پتی محفوظ کر لیتا۔" وہ کہہ کر ــــــ مسکرایا، پھر سرخ گلاب کی ننھی سی کونپل اٹھا کر اس کے سامنے کرتے ہوئے

کہنے لگا۔

”یہ محض ایک کونپل نہیں ہے‘ اس کے ساتھ ایک پوری داستان ہے۔ میرے جذبوں اور احساسات کی ترجمانی کرتی ہوئی یہ رنگ برنگی کونپلیں‘ جب تم انہیں چھو کر دیکھوگی تو از خود جان جاؤگی۔“

”رازی.....!“ وہ سراسیمہ سی اٹھ کر قریب چلی آئی اور بریف کیس میں ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر کر کونپلیں اٹھالیں۔ اس کا دل مدھر تان پر دھڑکنے لگا تھا اور آنکھوں میں انوکھے خواب سج گئے تھے‘ جن کا عکس اس کے چہرے پر جھلک رہا تھا۔

* * *

توصیف احمد کوئی تین ہفتے بعد اس طرف آئے تھے۔ سارہ ہمیشہ کی طرح انہیں دیکھتے ہی بھاگی آئی تھی۔ پھر شکوہ بھی کرڈالا۔

”ڈیڈی! آپ اتنے دنوں بعد آئے ہیں؟“

”بس بیٹا! کچھ آفیشل مصروفیت تھی۔ آپ کیسی ہو؟“

”بالکل ٹھیک۔ چائے لاؤں آپ کے لیے؟“ سارہ نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ لمحہ بھر توقف سے بولے۔

”ابھی نہیں میں پہلے شاور لوں گا اور ہاں! اریبہ اور حماد کہاں ہیں؟“

”حماد اکیڈمی گیا ہے اور اریبہ تائی امی کے پاس۔“ سارہ بتا کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی‘ جس پر ایک لحظہ کو خوشگوار حیرت ابھری تھی۔

”اچھی بات ہے۔ آپ چائے بناؤ میں شاور لے کر آتا ہوں۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آگئے۔

یاسمین کھڑکی کے قریب کھڑی تھی کسی گہری سوچ میں گم۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر بھی متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا پھر قصداً ”ذرا سا کھانس کر وارڈروب سے اپنا سوٹ نکالنے لگے اور جب شلوار سوٹ نکال کر پلٹے تو یاسمین انہیں دیکھ رہی تھی۔

”کیسی ہو.....؟“ سرسری انداز تھا۔ یاسمین نے جواب نہیں دیا اور غالباً ”انہیں بھی جواب سے غرض نہیں تھی۔ جب ہی سوٹ ہینگر سے نکال کر واش روم میں بند ہوگئے۔

تقریباً ”دس منٹ بعد جب وہ شاور لے کر نکلے تب یاسمین کو اپنا منتظر پایا۔ اس کے باوجود وہ نظر انداز کرکے کمرے سے نکلنا چاہتے تھے کہ اس نے پکار لیا۔

”سنو توصیف.....!“

وہ رک کے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

”اگر جلدی میں نہیں ہو تو بیٹھ جاؤ۔ مجھے بات کرنی ہے۔“ خلاف عادت یاسمین نے آرام سے کہا تھا۔

”کیا بات.....؟“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئے۔

”اریبہ کے بارے میں۔“ یاسمین اسی قدر کہہ کر قصداً ”خاموش ہوگئی۔ مقصد انہیں متوجہ کرنا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ وہ پورے دھیان سے دیکھنے لگے تھے۔

”اریبہ کے بارے میں؟“

”ہاں۔“ یاسمین سج سج قدم اٹھاتی بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔ ”میں سوچ رہی ہوں یہ مناسب وقت ہے ہمیں اریبہ کی شادی کردینی چاہیے۔“

توصیف احمد کے چہرے پر حیرت پھیل گئی مگر بولے کچھ نہیں۔

”آپ کی حیرت میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ آئی مین! میں نے کوئی انہونی بات تو نہیں کی۔“ یاسمین نے ان کی حیرت جتا کر کہا تو وہ چونک کر بولے تھے۔

”میں تمہاری بات پر نہیں بلکہ تمہارے منہ سے یہ بات سن کر حیران ہو رہا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ یاسمین کی پیشانی پر ہلکی سی لکیر ابھری تھی۔

”مطلب‘ پہلی بار تم نے ماں بن کر سوچا ہے۔“

”میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔“ یاسمین فوراً ”بولی تھی۔ ”مجھے بتائیں کیا میں غلط سوچ رہی ہوں؟“

”نہیں میں خود یہی چاہتا ہوں لیکن پہلے ہمیں اریبہ سے پوچھنا پڑے گا یا تم اس سے بات کرچکی ہو؟“ توصیف احمد نے اچانک اس خیال سے یاسمین کو دیکھا تو وہ جزبز ہو کر بولی۔

”نہیں۔ اریبہ سے تو اس سلسلے میں میری بات نہیں ہوئی اور نہ میں کروں گی۔“ دوسری بات بلاارادہ ہی اس کے منہ سے نکل گئی تھی۔

”کیوں؟“ توصیف احمد نے فوراً ”ٹوکا۔

”کیونکہ مجھے اس کا جواب پتا ہے۔“ یاسمین اب سنبھل کر اپنی بات سنبھال رہی تھی۔ ”وہ یہی کہے گی کہ ابھی اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی۔ پھر ہاؤس جاب کا بہانا کرے گی۔“

”بہانا کیوں‘ یہ تو اسے کرنا ہی ہے۔“ توصیف احمد کہہ کر سگار سلگانے لگے۔

”بالکل کرنا ہے۔ شادی کے بعد کرلے گی۔ میرا خیال ہے ادھر سے کوئی پابندی نہیں ہوگی۔“

”گویا تم اریبہ کی فوری شادی طے کرچکی ہو۔“ توصیف احمد سگار ہونٹوں سے نکال کر یاسمین کو دیکھنے لگے۔

”طے تو آپ کریں گے اور اریبہ سے بات بھی آپ کو کرنی ہے۔ یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ آپ کی بات کو وہ یونہی ہنسی میں نہیں اڑادے گی۔ آپ سمجھ رہے ہیں ناں۔“

”ہوں!“ توصیف احمد نے پرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلایا پھر پوچھنے لگے۔

”اور سارہ کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟“

”سارہ کو ابھی دیر ہے۔ میرا مطلب ہے گریجویشن کرلے‘ پھر سوچیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ توصیف احمد اٹھ کھڑے ہوئے۔

”چلو‘ سارہ چائے پر انتظار کررہی ہوگی۔“

”سوری‘ میرا چائے کا موڈ نہیں ہے۔“ یاسمین کی معذرت پر وہ ذرا سے کندھے اچکا کر کمرے سے نکل آئے۔ لاؤنج میں سارہ کے ساتھ تاجور بھی موجود تھی اور اسے دیکھ کر ہی توصیف احمد فاصلے پر رک گئے تھے۔

”آجائیں ڈیڈی! چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ سارہ نے انہیں رکتے دیکھ کر کہا پھر فوراً ”تاجور کا تعارف کرانے لگی۔ ”یہ میری اور اریبہ کی مشترکہ دوست ہے اور اریبہ کی پیشنٹ بھی۔“

”پیشنٹ؟“ وہ سرسری نظر تاجور پر ڈال کر پھر سارہ کو دیکھنے لگے۔

”جی‘ بس ایسا ہے کہ اسے اکثر کوئی نہ کوئی تکلیف ہو جاتی ہے۔ کبھی سر میں درد‘ کبھی پیٹ میں اور کبھی معدے میں تو اس کے مستقل علاج کے لیے اریبہ اسے گھر لے آئی ہے۔ آئی مین! اس کے گھر والوں کی اجازت سے۔“

یہ پہلا موقع تھا کہ سارہ توصیف احمد کے سامنے غلط بیانی کررہی تھی۔ صرف اس لیے کہ کہیں وہ تاجور کے یہاں رہنے پر اعتراض نہ کریں۔

”تو اریبہ کے علاج سے اسے کچھ فائدہ ہوا؟“ انہوں نے چائے کا گھونٹ لے کر پوچھا تو سارہ پرجوش ہوگئی۔

"بہت، بہت زیادہ۔ اگر آپ دو ہفتے پہلے اسے دیکھتے تو یہ برسوں کی مریض لگ رہی تھی۔ اب دیکھیں! کیسی فریش لگ رہی ہے۔"

"ہوں۔" توصیف احمد بلا ارادہ تاجور کو دیکھنے لگے تھے۔ اصل میں ان کا ذہن یاسمین کے ساتھ ہونے والی گفتگو سوچ رہا تھا اور انہیں یک گونہ اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ یاسمین نے ایک ذمہ داری یا فرض کو محسوس کیا اور وہ اس فرض کی ادائیگی کے لیے سنجیدہ بھی تھی۔ اس لیے انہوں نے تاجور کے بارے میں زیادہ سوال جواب نہیں کیے اور چائے ختم ہوتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا بیٹا! میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔"

"کیوں ڈیڈی! آپ رکیں گے نہیں؟" سارہ نے فوراً" پوچھا تو وہ مسکرا کر بولے۔

"یہیں آؤں گا۔ کچھ دیر ہو جائے گی۔ آپ کھانے پر انتظار مت کرنا۔"

"جی___!" سارہ اپنی جلد بازی پر خجل سی ہو گئی تھی۔

* * *

اس کی زندگی میں پھر وہ موڑ آ گیا تھا، جہاں محبت بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی اور وہ اجلال رازی کا ہاتھ تھام کر اس راہ پر چل پڑی تھی۔ رات جب وہ واپس آئی تو بہت مگن تھی۔ توصیف احمد کے پاس بس تھوڑی دیر بیٹھی، پھر اپنے کمرے میں آ کر فوراً" سونے کی تیاری کرنے لگی تو سارہ نے حیرت سے ٹوک دیا۔

"اتنی جلدی سو رہی ہو؟"

"ہاں جلدی سوؤں گی تو جلدی اٹھوں گی۔" وہ کہتے ہوئے لیٹ بھی گئی۔

"شاید تم بھول رہی ہو، کل سنڈے ہے۔" سارہ الماری میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔

"نہیں، مجھے یاد ہے۔"

"پھر___؟" سارہ الماری بند کر کے اسے دیکھنے لگی۔

"پھر یہ کہ لائٹ آف کر دو۔" اس نے کہا تو سارہ تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔

"زیادہ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو میں کیا سننا چاہتی ہوں۔"

"سناؤں گی لیکن ابھی نہیں۔ ابھی بہت نیند آ رہی ہے۔ تمہیں پتا ہے سمی ویو کی مست ہوا میں کیسا نشہ ہے۔" اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

"مجھے تو یہ کوئی اور ہی نشہ لگ رہا ہے۔" سارہ خود سے کہتے ہوئے لائٹ بند کر کے کمرے سے نکل گئی تو وہ اس کی بات سوچتے ہوئے سو گئی تھی۔

پھر صبح معمول سے بہت پہلے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ ابھی اجالا پوری طرح نہیں پھیلا تھا اور چونکہ وہ بھرپور نیند لے چکی تھی، اس لیے دوبارہ سونے کی کوشش نہیں کی۔ اٹھ کر نماز پڑھی پھر لان میں نکل آئی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ سارے موسم ہمارے اپنے اندر ہوتے ہیں۔ اس کے دل میں پھر سے امنگیں جاگ اٹھی تھیں تو سب کچھ نیا اور اچھا لگ رہا تھا۔ لان کے دو چکر لگانے کے بعد وہ اندر جانے لگی تھی کہ توصیف احمد کو آتے دیکھ کر رک گئی۔ ان کے پیچھے بی بی چائے کی ٹرے لیے چلی آ رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" توصیف احمد کے قریب آنے پر اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ آج آپ جلدی اٹھ گئیں۔" توصیف احمد نے خوش دلی سے جواب دینے کے ساتھ کہا۔

"رات سوئی بھی تو جلدی تھی۔" اس نے کہتے ہوئے بی بی کے ہاتھ سے ٹرے لے کر ٹیبل پر رکھی پھر کپ میں

چائے ڈالتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ڈیڈی! اس غبن کیس کا کیا ہوا۔ رقم ملی کہ نہیں؟"

"نہیں بیٹا! رقم ملنا مشکل ہے بلکہ ناممکن۔ مجرم سزا قبول کر لیتا ہے لیکن چرایا ہوا پیسہ واپس نہیں کرتا۔"

"پھر آپ اس نقصان کو کیسے پورا کریں گے؟" وہ چائے کا کپ ان کے سامنے رکھ کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"دیکھو۔" توصیف احمد غالباً" صبح صبح نفع نقصان کی باتیں نہیں کرنا چاہتے تھے، جب ہی چائے کا گھونٹ لے کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔ وہ سمجھ کر خاموش ہو گئی۔ پھر قدرے توقف سے انہیں مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"ڈیڈی! میں چاہتی ہوں ایف ایس سی کے بعد حماد کو آپ باہر بھیج دیں۔"

"باہر؟" توصیف احمد وضاحت کے لیے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔

"میرا مطلب ہے، ایجوکیشن کے لیے امریکہ یا کینیڈا اور اس کے لیے میرا خیال ہے، اسے ابھی سے کسی یونیورسٹی میں اپلائی کر دینا چاہیے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! لیکن پھر سارہ اکیلی ہو جائے گی۔" توصیف احمد نے کہا تو وہ سمجھی نہیں۔

"سارہ اکیلی ہو جائے گی؟"

"ہوں آپ تو۔ آئی مین، ہم آپ کی شادی کا سوچ رہے ہیں۔ رات آپ کی مما سیریس تھیں۔ کہہ رہی تھیں اب ہمیں آپ کی شادی کر دینی چاہیے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟" توصیف احمد نے بات کے اختتام پر اسے دیکھا تو وہ بہت ضبط سے گویا ہوئی۔

"نہیں ڈیڈی! میرا یہی سال ہے۔ یہ کمپلیٹ ہونے دیں۔ اس کے بعد جیسا آپ کہیں گے، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ البتہ میں یہ ضرور چاہتی ہوں کہ پہلے سارہ کی شادی ہو جائے تو اچھا ہے۔"

"سارہ کی۔" توصیف احمد قدرے متعجب ہوئے۔ "سارہ کی پہلے کیسے ہو سکتی ہے۔ آئی مین وہ آپ سے چھوٹی ہے۔"

"تو کیا ہوا جب اسے کچھ بننا نہیں ہے تو بہتر ہے، اسے اس کے گھر کا کر دیں۔ یوں بھی اسے گھرداری کا بہت شوق ہے۔" اس نے قصداً" ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔ توصیف احمد ذرا سا مسکرائے پھر جانے کیا سوچنے لگے تھے۔ اس نے چند لمحے ان کے بولنے کا انتظار کیا پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں ڈیڈی! میں ناشتا لگواتی ہوں۔"

"آں، ہاں آپ چلو میں پہلے شاور لوں گا۔" توصیف احمد نے چونک کر کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اندر چلی آئی۔

پھر جب تک توصیف احمد رہے، اس نے اپنی کسی بات، کسی عمل سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس کے اندر کیسا ابال اٹھ رہا ہے اور نکلنے کو بے تاب بھی ہے۔ بہت ضبط کیا تھا اس نے خود پر۔ پھر جب توصیف احمد چلے گئے تب وہ کسی طرح خود کو نہیں روک سکی اور اسی وقت یاسمین کے کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے لاک کرتے ہی جیسے پھنکاری تھی۔

"ڈیڈی کو میری شادی کا مشورہ آپ نے دیا ہے؟"

"ہاں۔ یہ مشورہ میرا ہی ہے۔ کیونکہ تم شادی کے قابل ہو گئی ہو۔" یاسمین نے اس کے تیوروں کا نوٹس لیے بغیر کہا تو وہ مزید تلملا گئی۔

"شادی کے قابل تو میں اس وقت بھی تھی جب آپ نے مجھے میرے منگیتر اور اس کے گھر والوں کے خلاف اکسایا تھا؟"

"میں نے حقیقت بیان کی تھی اور ابھی بھی وہی سچ ہے کہ وہ لوگ اس گھر کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ تم محض میری ضد میں ان سے رشتہ جوڑنا چاہتی ہو بلکہ جوڑ چکی ہو پھر شادی پر کیا اعتراض ہے تمہیں۔" یاسمین نے ہنوز ٹھنڈے ٹھنڈے بات کی تھی۔

"میں نے شادی پر نہیں بلکہ فوری شادی پر اعتراض کیا ہے۔ کیونکہ میں آپ کا مقصد جانتی ہوں۔ مجھے اپنی راہ کا کانٹا سمجھ رہی ہیں نا آپ اور نکال پھینکنا چاہتی ہیں تو مما! یہ آپ کی بھول ہے۔ جب تک آپ کا فیصلہ نہیں ہو جاتا میں اس گھر سے رخصت نہیں ہوں گی۔" وہ چبا چبا کر اور جتا کر بولی تھی۔

"کیسا فیصلہ......؟" یاسمین نے دھڑلے سے خود کو انجان پوز کیا تھا۔

"آپ بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔ مجھے بار بار آپ کی داستان دہرانے کا شوق نہیں ہے بلکہ شرم آتی ہے مجھے اور آپ سن لیں، مجھے آپ پر بالکل بھروسا نہیں ہے۔ اس لیے میں نے ڈیڈی سے کہہ دیا ہے کہ وہ پہلے سارہ کی شادی کا سوچیں۔ جب تک سارہ عزّت و آبرو کے ساتھ اپنے گھر کی نہیں ہو جاتی میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی۔" اس نے نا چاہتے ہوئے بھی پھر یاسمین کو آئینہ دکھا دیا تھا۔

"تم!" یاسمین پھٹ پڑنے کو تیار تھی لیکن وہ رکی نہیں تیزی سے اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

* * *

تاجور کو یہاں آئے چار مہینے ہو گئے تھے۔ مستقل علاج کے ساتھ اچھی غذا اور پُرسکون ماحول نے بظاہر اس کی صحت پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ اریبہ نے ہر مہینے اس کے ٹیسٹ کروائے تھے اور اب اس کی رپورٹس بھی اسے صحت مند قرار دے رہی تھیں۔ لیکن اس کا دل اپنوں سے بچھڑنے کا دکھ نہیں سہار پا رہا تھا۔ کوئی دن ایسا نہیں تھا جب وہ اپنوں کو یاد کر کے روئی نہ ہو اور اس کا رونا بھی رات کی تنہائیوں میں ہوتا تھا۔ اریبہ اور سارہ کے سامنے وہ آنسو نہیں بہاتی تھی کیونکہ جس طرح وہ دونوں بہنیں اس کی دل جوئی کے جتن کرتی تھیں تو اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ آنسو بہا کر انہیں پریشان کرے۔ ان کے سامنے وہ پرسکون ہی رہتی تھی البتہ ہر دوسرے دن اپنے بھائی کا ضرور پوچھتی تھی کہ اس کا پتا چلا کہ نہیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اس کا بھائی کہاں چلا گیا۔ وہ جو اس کے لیے ابا سے لڑ گیا تھا' وہ اسے کیسے چھوڑ گیا۔

اس وقت وہ بہت دل گرفتہ بیٹھی تھی۔ بھائی کے ساتھ اسے اپنا گھر اور گھر والے یاد آ رہے تھے۔ ابا چھوٹا بھائی اور منّی جو سارا وقت اس کی گود میں رہتی تھی۔ اماں کے ظالمانہ سلوک کے باوجود وہ منّی کو خود سے دور نہیں کر سکی تھی۔ اس کی معصوم حرکتوں پر ہی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی تھی ورنہ تو اس کی زندگی میں کوئی خوشی نہیں تھی۔ اس کا دل چاہا' وہ ابھی اڑ کر گھر پہنچ جائے۔ اچانک اس کے اندر ایسی بے چینی پھیلی کہ وہ گھبرا کر کمرے سے نکل آئی۔ سامنے سے اریبہ آ رہی تھی' وہ بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔

"باجی! میں گھر جاؤں گی۔ اپنے گھر' ابا کے پاس۔ منّی کے پاس۔" بے قراری سے کہتے ہوئے اس کے آنسو بھی روانی سے چھلک گئے تھے۔

"ارے تو روتی کیوں ہو چلی جانا۔" اریبہ نے اسے بازوؤں میں بھینچ کر تسلی دی۔

"کیسے جاؤں گی۔ مجھے تو پتا بھی نہیں ہے میرا گھر۔" وہ اور شدّت سے رونے لگی۔

"میں پتا کر لوں گی۔ تم روؤ مت۔ آؤ' ادھر میرے کمرے میں چلو۔" اریبہ اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے کمرے میں لے آئی اور سارہ سے بولی۔

"سارہ! اس کے لیے پانی لے آؤ۔"

"ہیں؟ اسے کیا ہوا ہے؟" سارہ تاجور کے آنسو دیکھ کر فوراً" کھڑی ہو گئی لیکن جواب کا انتظار نہیں کیا' اسی طرح فوراً" جا کر پانی لے آئی اور گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا کر اریبہ کو دیکھا تو وہ اسی قدر بولی تھی۔

"گھر یاد آ رہا ہے۔"

"بے وقوف ہو تم' یہ گھر نہیں ہے کیا۔ وہاں جا کر کیا کرو گی۔ اماں کی مار ہی کھاؤ گی۔" سارہ پیار سے تاجور کو ڈانٹنے لگی تھی۔

"مجھے ابا یاد آتے ہیں اور منّی بھی۔ بھائی نے کہا تھا' میں ٹھیک ہو جاؤں گی تو وہ مجھے ابا کے پاس لے جائیں گے۔ اب تو میں ٹھیک ہو گئی ہوں نا باجی۔" وہ آنسو صاف کر کے اریبہ کو دیکھنے لگی۔

"ہاں لیکن ابھی تمہیں بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور تمہارا پرہیز بھی ختم نہیں ہوا۔ تم ابھی کچھ دن صبر کرو۔ مجھے تمہاری طرف سے پورا اطمینان ہو جائے گا تب میں خود تمہیں تمہارے ابا کے پاس چھوڑ آؤں گی۔" اریبہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔

"میں بھی ساتھ چلوں گی۔ مجھے گاؤں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔" سارہ اشتیاق سے بولی تھی۔

"پر مجھے تو راستہ نہیں آتا۔" اس کے چہرے پر بے بسی اور لہجے میں مایوسی تھی۔

"راستہ بھی مل جائے گا۔ کیوں اریبہ؟" سارہ نے کہتے ہوئے اریبہ کو دیکھا۔ وہ جانے کیا سوچنے لگی تھی۔ چونک کر اثبات میں سر ہلایا پھر تاجور سے پوچھنے لگی۔

"تم نے اپنے بھائی کا کیا نام بتایا تھا؟"

"شمشیر علی......!" تاجور پوری جان سے متوجہ ہو گئی تھی۔

"شمشیر علی؟" اریبہ پرسوچ انداز میں دہرا کر بولی۔ "میرا خیال ہے سارہ! ہسپتال سے اس کے بھائی کا ایڈریس مل سکتا ہے۔"

"ہسپتال سے......؟"

"ہاں' اسے ایڈمٹ کراتے وقت ظاہر ہے' اس نے فارم فل کیا ہو گا تو اس میں ایڈریس اور فون نمبر وغیرہ سب ہو گا۔"

"اگر ایسا ہے تو تم فوراً" پتا کرو۔" سارہ نے کہا تو تاجور جو باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی پوچھنے لگی۔

"آپ کیا کہہ رہی ہو باجی......؟"

"میں کہہ رہی ہوں۔ تمہارے بھائی کا پتا کرتے ہیں۔ چلو سارہ! ابھی چلتے ہیں۔" اریبہ کہنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تو تاجور فوراً" بولی۔

"میں بھی چلوں باجی......؟"

"ہاں چلو' ذرا آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔ سارہ تم! مما سے آؤٹنگ ہی کا کہہ آؤ۔" اریبہ نے کہا پھر تاجور کو لے کر باہر نکل آئی اور جب تک اس نے گاڑی نکالی' سارہ بھی آ گئی تھی۔

پھر ہسپتال سے تاجور کا فارم نکلوانے میں گو کہ کافی وقت لگ گیا تھا۔ شام اُتر آئی تھی پھر بھی اس نے باقی کارروائی آئندہ پر نہیں ٹالی کیونکہ تاجور بہت بے چین ہو رہی تھی۔ ہسپتال دیکھ کر ہی بے قراری سے چلائی تھی۔

"ہاں۔ یہی ہے۔ بھائی مجھے یہیں چھوڑ گئے تھے۔ وہ مجھے یہیں دیکھنے آتے ہوں گے۔" اور اسی طرح جب وہ مطلوبہ ایڈریس پر پہنچی تب تاجور خوشی سے بے قابو ہو گئی تھی۔

"یہی ہے باجی! بھائی کا گھر ادھر ہی ہے۔ وہ سامنے اوپر۔"

"اچھا تم دونوں یہیں رکو۔ میں پتا کر کے آتی ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے سارہ کو دیکھا اور اس کی خائف

نظروں سے بہت کچھ سمجھ کر گاڑی سے اتر کر اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"ہم بھی چلتے ہیں نا باجی! بھائی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔" تاجور نے سارہ کا بازو ہلا کر کہا۔

"صبر کرو' اریبہ آجائے پھر۔" سارہ نے بے دھیانی میں اسے ٹوکا پھر ایک دم احساس ہونے پر نرمی سے کہنے لگی۔ "دعا کرو تمہارا بھائی یہیں ہو۔ اگر وہ کہیں اور چلا گیا ہو گا تب تو تم ابھی اس سے نہیں مل سکو گی۔"

"پھر' پھر کب ملوں گی؟" وہ پھر بے چین ہو گئی۔

"پھر جب ہم اس کا نیا گھر تلاش کر لیں گے۔ تم فکر مت کرو' ایسے ہی جیسے ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں نئے گھر تک بھی پہنچ جائیں گے۔"

"ابھی۔" اس کی بے صبری پر سارہ مشکل میں پڑ گئی۔

"ابھی نہیں بابا! خیر اریبہ کو تو آنے دو' کہاں رہ گئی۔" سارہ رخ موڑ کر اس طرف دیکھنے لگی جدھر اریبہ گئی تھی۔ لیکن اس کا دھیان تاجور کی طرف تھا' جس کا بس نہیں چل رہا تھا' بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ جائے۔

"الٰہی! تو اس لڑکی پر رحم کر۔" سارہ نے دل سے دعا کی پھر اریبہ کو آتے دیکھ کر سیدھی ہو بیٹھی اور کن اکھیوں سے تاجور کو دیکھنے لگی۔ جس نے اریبہ کے گاڑی میں بیٹھنے تک بمشکل صبر کیا تھا۔

"کیا ہوا باجی! میرا بھائی۔"

"وہ یہاں نہیں ہے۔" اریبہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔ "کہیں اور چلا گیا ہے۔ اس کے سامنے والے بتا رہے تھے' شاید کسی اور شہر۔"

"اور شہر۔ مجھے چھوڑ کر؟" وہ جیسے ٹوٹ گئی تھی۔

"نہیں۔ تمہیں کیوں چھوڑے گا۔ وہاں گھر کا انتظام کرے گا پھر آ کر تمہیں لے جائے گا۔" اریبہ نے کہتے ہوئے سارہ کو اشارہ کیا تو وہ شروع ہو گئی۔

"ہاں۔ شہروں میں گھر آرام سے نہیں مل جاتے۔ بہت مشکل ہوتی ہے۔ اسی لیے اسے اتنے دن لگ گئے۔ تم پریشان مت ہو' بلکہ دعا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے بھائی کی مدد کرے۔"

"میں تو ہر وقت دعا کرتی ہوں۔" وہ رونی آواز میں بولی تھی۔

"اچھی بات ہے' نماز بھی پڑھا کرو۔"

"مجھے قرآن شریف پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ ادھر گاؤں میں میں نے پہلا پارہ پڑھا تھا۔ پھر اماں نے اٹھا دیا۔"

"لو تو پہلے بتانا تھا۔ میں ابھی جا کر بی بی سے کہوں گی۔ وہ تمہیں قرآن شریف پڑھا دیں گی۔ مجھے اور اریبہ کو بھی انہوں نے ہی پڑھایا ہے۔" سارہ نے کہا تو وہ خوش ہو گئی۔

"سچ باجی! اپ تو میں جلدی قرآن شریف ختم کر لوں گی۔ بھائی کے آنے سے پہلے ہی۔" اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔

* * *

یاسمین کے لیے اپنی روش بدلنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا' کیونکہ وہ شروع سے خود سر اور خود پسند تھی۔ وہ ان لوگوں میں تھی جن کے لیے صرف اپنا آپ اہم ہوتا ہے۔ باقی رشتے ناتوں کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ اپنی ہر جائز ناجائز منوانا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسروں کی جائز بھی نہیں مانتے۔ یہی اس کی فطرت تھی۔ جب ہی وہ گھر' شوہر اور بچوں کو صرف اپنا مانتی تھی لیکن ان کی بننے پر تیار نہیں تھی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کائنات کا سارا نظام دو اور لو کے اصول پر چل رہا ہے۔ اور شاید سب جانتے ہیں اس لیے وہ لوگ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔

✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
✧ مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جا سکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

صرف لینا چاہتے ہیں وہ راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ ان کا ذہن سازشی ہو جاتا ہے کہ وہ جو مرضی کرتے رہیں کوئی اعتراض بھی نہ کر سکے۔

یاسمین نے بھی یہی کیا تھا۔ پہلے اریبہ کو استعمال کیا اور جب اریبہ پر اس حقیقت کھل گئی تو بجائے نادم ہونے کے اریبہ کو جلد سے جلد اس گھر سے رخصت کرنے کا سوچنے لگی تھی۔ لیکن اب اریبہ نادان نہیں رہی تھی۔ اس وقت جب تینوں لڑکیاں آؤٹنگ کا کہہ کر نکلی تھیں تو وہ شہباز درانی کے پاس آ گئی تھی اور اس کے سامنے یہی رونا رو رہی تھی۔

"اس لڑکی کا میں کیا کروں شیبی! وہ تو مجھ پر یوں نظر رکھنے لگی ہے۔ جیسے وہ میری اماں ہو۔ اتنی بندشیں تو میں نے اپنی اماں کی برداشت نہیں کی تھیں۔ میری ہی غلطی ہے، بہت سر چڑھا لیا تھا میں نے اسے۔ کنٹرول میں رکھتی تو اب وہ میرے مقابل کھڑی ہونے کی جرات نہ کرتی۔"

"کم آن یاسمین! جو ہو گیا اس پر بیٹھ کر مت پچھتاؤ۔ آگے کی سوچو۔" شہباز ــــ نے ٹوک کر کہا پھر جیسے یاد آنے پر پوچھنے لگے۔ "اور ہاں شادی کی بات نہیں کی تم نے؟"

"کی تھی، خلاف توقع توصیف تو خوش ہو گئے لیکن اس نے منع کر دیا۔" یاسمین نے مایوسی کا اظہار کیا۔

"کیا کہتی ہے؟" شہباز درانی چائے کا کپ رکھ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔

"بہت تیز ہو گئی ہے۔ سمجھ گئی کہ میں اسے گھر سے کیوں رخصت کرنا چاہتی ہوں۔" یاسمین ایک ہی جگہ نظریں مرکوز کیے بول رہی تھی کیونکہ اس کے ذہن میں مختلف سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

"واقعی!" شہباز درانی کو یقین نہیں آیا۔ "وہ تو خاصی بے وقوف لڑکی تھی۔ خیر تم اتنی جلدی مایوس کیوں ہو رہی ہو۔ اس بات کو مزید آگے بڑھاؤ۔"

"کون سی بات کو؟" یاسمین نے چونک کر پوچھا تھا۔

"اریبہ کی شادی والی بات کو۔"

"کیسے، کیسے آگے بڑھاؤں۔ جب وہ منع کر چکی ہے۔" یاسمین جھنجلائی تھی۔

"تمہیں منع کیا ہے نا۔ ہو سکتا ہے کسی اور کو منع نہ کرے۔ اس لیے خود بات کرنے کے بجائے کسی اور سے کہلواؤ بلکہ منواؤ بھی۔" شہباز درانی نے آخری بات پر زور دیا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اور کون؟" یاسمین سوچ میں پڑ گئی پھر جیسے کوئی سرا اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اثبات میں سرہلاتے ہوئے شہباز درانی کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

اریبہ نے سارہ اور تاجور کو خوب گھمایا پھرایا۔ فوڈ میلہ میں کھانا بھی کھلایا۔ تینوں نے کافی انجوائے کیا تھا۔ اور جب گھر آئیں تو رات کے دس بج رہے تھے۔ سارہ اور تاجور تو سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئیں، لیکن وہ لاؤنج ہی میں رک گئی۔ کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا، پورچ میں یاسمین کی گاڑی موجود نہیں تھی۔ پھر بھی پہلے اس نے یاسمین کے کمرے میں جا کر چیک کیا پھر اس کے سیل فون پر کال ملائی تھی۔

"ہیلو۔!" یاسمین کی آواز کے ساتھ اسے ماحول میں کچھ گہما گہمی محسوس ہوئی تھی۔

"کہاں ہیں آپ۔؟" اس نے فوراً پوچھا تو یاسمین بڑے پیار سے بولی۔

"بیٹا! میں تمہاری تائی امی کے پاس ہوں۔"

"تائی امی کے پاس۔" وہ دشت حیرت میں کھو گئی۔

"ہاں! بس میں آ ہی رہی تھی، لیکن تمہاری تائی امی نے کھانے پر روک لیا۔ تم لوگ کھانے پر میرا انتظار مت کرنا۔ او کے۔"

یاسمین نے اپنی بات ختم کر کے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد بھی کتنی دیر وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یاسمین وہاں کیسے پہنچ گئی۔

"نہیں! مما وہاں نہیں جا سکتیں۔ انہوں نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔" وہ سوچتے ہوئے کمرے میں آئی تو سارہ منتظر تھی۔ دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

"تم کہاں تھیں؟"

"وہ مما۔ مما گھر پر نہیں ہیں۔" اس کا ذہن ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔

"ہاں تو اکیلی وہ گھر پر کیا کرتیں، کلب چلی گئی ہوں گی۔" سارہ نے لاپروائی سے کہا تو وہ یک دم چیخ گئی۔ دانت پیس کر بولی۔

"کلب، کیوں جاتی ہیں وہ کلب، جب ڈیڈی کو پسند نہیں ہے۔"

"یہ تم سے کس نے کہا؟ میرا مطلب ہے ڈیڈی نے تو کبھی اعتراض نہیں کیا۔" سارہ کا انداز ہنوز تھا۔ وہ مزید چڑ گئی۔

"تمہیں کیا پتا۔"

"سب پتا ہے مجھے۔ خیر! تم ان باتوں کو چھوڑو اور مجھے تاجور کے بھائی کا بتاؤ۔ کیا بتایا اس کے آس پاس کے لوگوں نے؟" سارہ یہی جاننے کے لیے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

"اف! ایک تو تم۔۔۔" وہ سر پیٹ کر جانے لگی تھی کہ سارہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔

"ہاں میں جانے بغیر سو نہیں سکوں گی۔ بتاؤ! کیا ہوا ہے اس کے بھائی کے ساتھ؟"

"کچھ نہیں ہوا۔" وہ زچ ہو گئی۔ "وہاں فلیٹ والے بھی اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ ایک نے بتایا کہ وہ صبح نکلتا تھا اور رات میں واپس آتا تھا۔ دیکھنے میں پڑھا لکھا شریف آدمی نظر آتا تھا۔ لیکن پھر ایک دن اس کی غیر موجودگی میں پولیس آئی اور اس کے فلیٹ کی تلاشی لی۔ اب پتا نہیں انہیں کس چیز کی تلاش تھی۔ بہرحال! اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ یا تو روپوش ہے یا پھر حوالات میں۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی، سمجھیں۔"

"میں تو سمجھ گئی، لیکن تاجور کو کیسے سمجھائیں گے؟" سارہ کی سنجیدگی اسے خائف ظاہر کر رہی تھی۔

"فی الحال اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور دیکھو! ابھی ہم بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہیں میں خاص طور سے یہ باور کروا رہی ہوں کہ کسی کے سامنے تاجور کے بھائی کا نام مت لینا۔ کیونکہ اگر وہ واقعی مجرم ہوا تو پھر ہم بھی مشتبہ ٹھہریں گے۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا۔" اس نے زور دے کر کہا تو سارہ تائید کرتے ہوئے بولی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو اریبہ! لیکن مسئلہ تو پھر وہیں کا وہیں ہے۔ ہم تاجور کو کب تک اپنے پاس رکھیں گے۔ مما روز اس کے بارے میں سوال کرتی ہیں اور اب تو ڈیڈی نے بھی اسے دیکھ لیا ہے۔"

"ہاں! اس کے لیے سوچنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ رازی سے بات کروں، ہو سکتا ہے وہ اس بات پر آمادہ ہو جائے کہ ہم تاجور کو اس کے گاؤں چھوڑ آئیں۔" اس نے اپنا خیال ظاہر کیا تو سارہ پُرسوچ انداز میں اثبات میں سرہلانے لگی۔ تب ہی یاسمین کی اونچی ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی۔ وہ سارہ کا ہاتھ دبا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگلے پل یاسمین نے دروازہ کھولا۔ اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" یاسمین کا موڈ خوش گوار اور انداز دوستانہ تھا۔

"کچھ نہیں مما! آیئے بیٹھیں۔" سارہ نے کہا۔ وہ یاسمین کو بیٹھنے پر آمادہ دیکھ کر اپنا موبائل اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔ ڈرائنگ روم تک آتے آتے اس کا موبائل بجنے لگا۔

"رازی...!" اسکرین پر نام دیکھ کر اس نے ایک پل میں کیا سوچ ڈالا۔ پھر موبائل کان سے لگالیا، لیکن بولی کچھ نہیں تھی۔

"ہیلو... اریبہ!" رازی نے پکارا۔ تب وہ چونک کر بولی۔

"ہاں... کیسے ہو؟"

"اچھا ہوں... خوش ہوں، تم کیسی ہو؟" رازی کے لہجے میں ہلکی سی شوخی تھی۔ جیسے چھیڑنے پر آمادہ ہو۔

"میں بھی، میرا مطلب ہے اچھی ہوں۔" وہ اس کے لہجے پر غور کرنے لگی۔

"اور؟" وہ جانے کیا جاننا چاہ رہا تھا۔

"اور کیا، کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"بالکل خاص ہے۔ تمہارے لیے نہیں ہے کیا؟" رازی نے جس یقین سے کہا۔ اس سے وہ سمجھ کر پوچھنے لگی۔

"مما تمہارے گھر آئی تھیں؟"

"ہاں! اور اب تم بوریا بستر سمیٹ لو، کیونکہ امی اور یاسمین آنٹی تو لگ رہا تھا۔ آج کی نشست میں شادی کی تاریخ طے کرکے اٹھیں گی۔"

"ایسے کیسے؟" اس کا ذہن چٹخا تھا۔

"کیا مطلب؟" رازی نے فوراً ٹوکا۔

"مطلب یہ کہ ابھی میرے امتحان دور ہیں۔ اس سے پہلے ایسا کوئی سلسلہ شروع نہیں ہوسکتا۔" اس نے سنبھل کر وضاحت کی۔

"یہ تم نے سوچ لیا ہے؟" وہ اب سنجیدہ ہوگیا تھا۔

"ہاں... میں نے ڈیڈی سے کہہ دیا تھا اور تم تائی امی کو بھی سمجھادو۔ جلدی مچانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ امتحانوں سے پہلے میں اس موضوع پر نہ بات کروں گی، نہ سنوں گی۔" اس کے دوٹوک انداز پر رازی خاموش ہوگیا۔

"سنو... میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔ بس یہ کچھ مہینے ہیں۔ نہیں تو میری اتنے سالوں کی محنت پر پانی پھر جائے گا۔" اس نے رازی کی خاموشی محسوس کرکے کہا تو ادھر اس نے پہلے گہری سانس کھینچی، پھر بولا۔

"اچھا! یہ بتاؤ، کب مل رہی ہو۔"

"یہ کیا بات کی تم نے؟ ہمیں ملنے کے لیے کبھی باقاعدہ پلاننگ کی ضرورت تو نہیں پڑی۔ جب چاہے آجاؤ۔"

"اوکے! جلدی آؤں گا۔"

"میں انتظار کروں گی۔" وہ مسکرائی، پھر سیل آف کرکے یاسمین کی پلاننگ سوچنے لگی۔

* * *

شہر میں ہڑتال کے باعث آج سارہ کالج نہیں جاسکی تھی۔ وہ ناشتے کے بعد سے ہی گھر کی صفائی ستھرائی میں لگ گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ اس معاملے میں خاصی جنونی ہوجایا کرتی تھی۔ آج بھی اس پر ایسا ہی دورہ پڑا تھا۔ اپنے کمرے سے شروع ہوئی۔ پھر لیونگ روم، ٹی وی لاؤنج اور ڈرائنگ روم کے پردے کشن تک بدل ڈالے۔ آخر میں برآمدے سے پیسج تک دھو ڈالا۔ اس کے بعد نہا کر نکلی تو "بھوک بھوک" چلاتی ہوئی کچن میں آگئی۔

"بس بی بی! جو کچھ کھانے کو ہے، جلدی سے دے دیں۔" اس نے وہیں چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر تاجور پر نظر پڑی تو اس سے پوچھنے لگی۔

"تمہیں بھی بھوک لگی ہے؟"

"نہیں! میں روٹی پکا رہی تھی۔" تاجور نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

"ہائیں! تمہیں روٹی پکانی آتی ہے؟"

"ہاں! میں سالن بھی پکالیتی ہوں، اور بھی سارے کام آتے ہیں۔ اپنے گھر میں، میں ہی تو کرتی تھی۔ یہاں بی بی منع کرتی ہیں۔ کہتی ہیں تم مہمان ہو۔ میں مہمان ہوں باجی؟" تاجور نے تفصیلی جواب کے بعد آخر میں معصومیت سے پوچھا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

"نہیں..."

"پھر آپ بی بی سے کہیں نا، مجھے منع نہ کیا کریں۔ میں ایسے ہی بیٹھے بیٹھے تھک جاتی ہوں۔"

"اچھا! ٹھیک ہے۔ ہلکے پھلکے کام کرلیا کرو، لیکن خود کو تھکانا مت۔ اب آؤ! کھانا کھاؤ۔" اس نے بی بی کے ہاتھ سے سالن کی ڈش لیتے ہوئے کہا۔

"آپ نے بھی تو آج اتنا کام کیا ہے۔" تاجور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"کبھی کبھی کرتی ہوں۔ بڑا مزا آیا۔ تھک کر چُور ہوگئی ہوں۔ اب لمبی تان کر سوؤں گی۔" سارہ جلدی جلدی نوالے لینے لگی۔

"آپ کی امی دوپہر میں کھانا نہیں کھاتیں؟" تاجور نے پوچھا۔

"نہیں... وہ ناشتا دیر سے کرتی ہیں نا، اس لیے دوپہر کا کھانا گول کرجاتی ہیں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر وہیں سنک پر ہاتھ دھو کر پلٹی تو پوچھنے لگی۔

"تم اب کیا کروگی؟"

"میں بی بی کے ساتھ نماز پڑھوں گی۔ پھر قرآن شریف کا سبق لوں گی۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ اثبات میں سرہلاتے ہوئے کچن سے نکلی تو سامنے سمیر آرہا تھا۔ جسے دیکھتے ہی اس نے برا سامنہ بنایا، کیونکہ اس وقت وہ کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی، صرف سونا چاہتی تھی۔

"مانا کہ بے وقت آگیا ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بری بری شکلیں بناؤ۔" سمیر نے اس کی بری شکل دیکھتے ہی ٹوک دیا۔

"میری شکل ہی ایسی ہے۔" وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔

سمیر تیزی سے اس کے پیچھے آیا اور غالباً "گھر کی دھلائی دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کوئی آرہا ہے کیا؟"

"تم آتو گئے ہو۔"

"اچھا! تو میرے آنے کی خوشی میں یہ اتنا اہتمام ہوا ہے۔ یعنی صفائی، ستھرائی، دھلائی، سجاوٹ، ویسے تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں آرہا ہوں۔" وہ ایک سانس میں بولے گیا۔

"میرا دل کہہ رہا تھا۔" سارہ نے شرمانے کی ایکٹنگ کی۔

"سچ!" سمیر خوش ہوگیا۔

"بس... زیادہ آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بتاؤ! اس تپتی دوپہر میں کہاں آوارہ گردی کرتے پھر

رہے ہو۔" وہ فوراً" اپنی جون میں آ گئی۔

"آوارہ گردی..." سمیر ایک لحظہ کو پھیکا پڑا تھا۔ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ "تم کہہ سکتی ہو' ورنہ سچ یہ ہے' تمہیں دیکھنے کو' تم سے باتیں کرنے کو دل بے تاب ہوا اور میں چلا آیا اور اس سے بڑا سچ یہ ہے کہ مجھے یہ امید یا خوش فہمی بھی نہیں تھی کہ تم مجھے دیکھ کر خوش ہو جاؤ گی۔"

"کافی حقیقت پسند ہو گئے ہو؟" وہ کوشش سے ہنسی تھی۔

"ہاں... اب ہو گیا ہوں۔"

"تو پھر اپنے دل کو بھی سمجھا لو۔ کیوں اس کے کہنے میں آتے ہو؟" وہ اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

"بس! یہ اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ اس معاملے میں تم بہت اسٹرانگ ہو۔ بلکہ شاید تم دنیا کی واحد لڑکی ہو جس کا دل اس کے بس میں ہے۔" سمیر نے کہا تو وہ بے اختیار نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا۔"

"نہیں... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرا محبت پر' جذبوں پر یقین نہیں ہے۔ میں مانتی ہوں محبت ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی ضرور ہو گی' بلکہ میں منتظر ہوں اس لمحے کی۔ جانے کب آئے گا اور جانے کون ہو گا' جس کے سامنے میں بے بس ہو جاؤں گی۔" وہ جانے کہاں کھوئی تھی۔ سمیر ٹھٹک کر اس کے قریب آ گیا۔

"کون ہو گا۔ کیا تم نے کوئی خیالی پیکر تراش رکھا ہے؟ کیسا ہے؟ مجھے بتاؤ سارہ! کیا سوچتی ہو تم؟ کیا چاہتی ہو؟"

"میں کیا چاہتی ہوں۔" وہ ہنوز کھوئی ہوئی تھی۔ "میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ وہ مجھے میری تمام خامیوں اور غلطیوں سمیت دل سے قبول کرے۔"

"تو کیا میں ایسا نہیں کر سکتا؟" وہ اسے جھنجوڑنا چاہتا تھا' لیکن بہت ضبط سے کھڑا تھا۔

"تم... تم میں اتنا حوصلہ ہے۔ میں اگر تم سے جھوٹ بولوں..."

"میں تمہارا یقین کروں گا۔" وہ فوراً" بولا۔

"اور اگر سچائی سامنے آ گئی؟"

"جھٹلا دوں گا۔"

وہ بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"اور... اور بتاؤ؟" وہ جانے کیسے اتنا سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اور یہ کہ مجھے پستیوں میں اترنے کا شوق ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں کوئی ایسا کام کروں کہ سب مجھ سے نفرت کرنے لگیں۔ اگر ایسا ہو گیا' تب تم کیا کرو گے؟" اس نے کہا تو سمیر بری طرح جھنجلا گیا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟ فضول بکواس کیے جا رہی ہو۔"

"ہاہاہا!" وہ زور سے ہنسی' پھر ہنستی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ سمیر مذاق سمجھ کر تلملا رہا تھا۔ پھر ایک دم اس کا بازو پکڑ کر جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا تو اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

"جانتی ہو پستیوں میں اترنا کسے کہتے ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

وہ ان سنی کر کے دوسرے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں سے بہتا پانی صاف کرنے لگی۔

"کبھی خواب میں بھی مت سوچنا۔" وہ اسی طرح جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"میں مذاق نہیں کر رہی تھی۔" وہ دبے لہجے میں پھٹ پڑی۔ "میں نے ایسا ہی ایک خواب دیکھا تھا۔ بہت مینہ برس رہا تھا اور میں کہیں پاتال میں اتر گئی تھی۔ بہت کیچڑ تھا۔ میرا پورا وجود کیچڑ میں لتھڑ گیا تھا۔ منہ' سر' سب کچھ... کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں انتظار کرتی رہی۔ کوئی مجھے کیچڑ سے نکالے۔ کوئی نہیں آیا۔ تم بھی نہیں۔ پھر تم اتنے بڑے دعوے کیوں کرتے ہو؟"

"مائی گاڈ! تم خواب کو اتنا سیریس لے رہی ہو۔" سمیر نے زچ انداز میں ٹوکا تو وہ آزردگی سے بولی۔

"خواب سچ بھی تو ہو جاتے ہیں۔"

"نہیں! ایسے فضول خوابوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ چلو جاؤ! منہ دھو کر آؤ' پھر کھانا کھاتے ہیں۔"

"میں کھا چکی ہوں۔ تم بی بی سے کہو' وہ کھانا نکال دیں گی۔" وہ کہہ کر واش روم میں بند ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

اس وقت توصیف احمد' ساجدہ بیگم کے بلانے پر ان ہی کی طرف جا رہے تھے اور ابھی تھوڑا فاصلہ ہی طے ہوا تھا کہ ایک آدمی دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے گاڑی کے سامنے آ گیا۔ گویا رکنے کا اشارہ تھا۔ توصیف احمد نے گاڑی کنارے پر لے جا کر روک دی تو وہ آدمی تیزی سے قریب آ کر کہنے لگا۔

"سر! میں الیاس ہوں۔ آپ کے آفس میں چوکیدار تھا۔"

"ہوں!" توصیف احمد اسے پہچان کر اثبات میں سر ہلانے لگے۔

"سر! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" الیاس نے کہا تو وہ رسمی انداز میں بولے تھے۔

"ٹھیک ہے! کل آفس آ جانا۔"

"آفس نہیں سر! وہاں سے تو مجھے نکال دیا گیا تھا اور وارننگ بھی دی گئی تھی کہ میں کبھی ادھر سے نہ گزروں۔"

"کون؟ آئی مین کس نے ایسا کہا؟" ان کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔

"میں سب بتاؤں گا سر! آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں۔ نہیں تو آپ کبھی اصل مجرم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔" الیاس نے کہہ کر ادھر ادھر یوں دیکھا' جیسے اسے خطرہ ہو کہ کوئی اس کی بات سن نہ لے۔

"مجرم...!" توصیف احمد ٹھٹکے۔

"جی سر! جس نے آپ کی تجوری سے پیسہ نکالا تھا' میں اس کی بات کر رہا ہوں۔ یہ کام شمشیر علی نے نہیں کیا سر! وہ تو بہت بھلا لڑکا ہے۔ آپ نے اسے کیوں حوالات میں بند کروا دیا؟ وہ بے چارا تو..."

"الیاس..." وہ شمشیر علی کی تعریف میں جانے کہاں تک جاتا کہ انہوں نے ٹوک دیا۔

"چلو! گاڑی میں بیٹھو۔"

"جی سر...!" الیاس فوراً" گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

توصیف احمد نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہو گئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو راحت جبیں قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں لبنیٰ جدون قیمت: 250 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہء عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

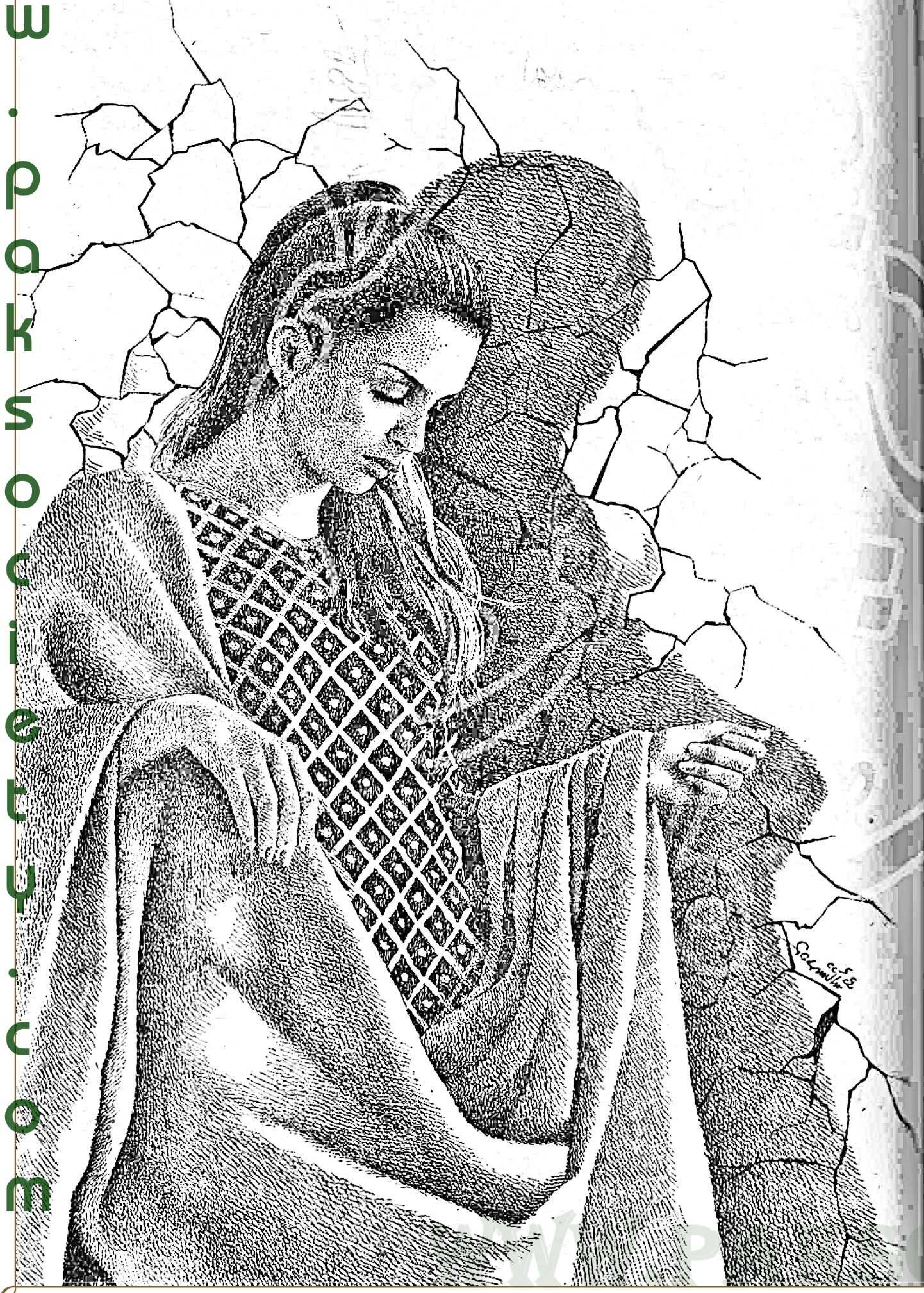

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

اجلال رازی اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نامناسب گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچالیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اسپتال میں اریبہ کے پاس ساجدہ بیگم ٹھہری ہوئی ہیں۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہے۔ شمشیر علی، توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد نے اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہا۔ بعد میں انہیں پتا چلا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اریبہ ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے۔ وہ سارہ کو صاف صاف بتا دیتی ہے کہ وہ اسے شہباز درانی کے ساتھ دیکھ چکی ہے۔

رازی، اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔

تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

۱۰
دسویں قسط

اور اس وقت ساجدہ بیگم کے پاس جانا ملتوی کر کے وہ چوکیدار الیاس کو گھر لے آئے۔

”ہاں اب کہو' کیا کہنا چاہ رہے تھے؟“ توصیف احمد نے آرام سے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

سر! یہ کوئی پانچ چھ مہینے پہلے کی بات ہے۔ رات کے دس گیارہ بجے میں ٹہلنے نکلا تھا۔ میرا گھر وہیں آفس کے قریب تھا۔ میں روزانہ رات کو ٹہلتا ہوا آفس تک جاتا تھا۔ اس رات میں نے منیجر صاحب کو ایک دو آدمیوں کے ساتھ آفس کی طرف دیکھا تھا۔“ الیاس فوراً بتانا شروع ہو گیا تھا' پھر ایک دم خاموش ہو گیا۔

توصیف احمد پوری طرح متوجہ تھے۔ اس کی خاموشی گراں گزری تو فوراً بولے۔ ”پھر.....؟“

”پھر صاحب مجھے نہیں پتا' انہوں نے آفس میں کیا کیا۔ میں وہیں باہر رک گیا تھا' یہ سوچ کر کہ شاید انہیں کسی کام کے لیے میری ضرورت پڑ جائے۔ لیکن وہ جب باہر آئے تو مجھے دیکھ کر ڈانٹنے لگے کہ میں وہاں کیا کر رہا ہوں اور یہ بھی کہا کہ میں کسی غلط نیت سے آفس جانا چاہتا تھا۔ انہوں نے مجھ پر الزام لگایا اور اسی وقت نوکری سے نکال دیا تھا۔ ساتھ دھمکی بھی دی کہ وہ مجھے پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ میں غریب آدمی ہوں سر! ڈر گیا تھا اور اگلے ہی دن اپنے شہر فیصل آباد چلا گیا۔“

الیاس اس رات کی کارروائی بتا کر خاموش ہو گیا۔ توصیف احمد اس پر سے نظریں ہٹا کر سوچ میں پڑ گئے۔ پھر کتنی ہی دیر بعد اسے دیکھ کر کہنے لگے۔

”تم اگلے دن فیصل آباد چلے گئے تھے' پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ یہاں میرے سیف سے رقم چوری ہوئی ہے..... پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ شمشیر علی حوالات میں ہے۔ کیسے..... جبکہ تم یہاں نہیں تھے؟“ توصیف احمد جرح نہیں کر رہے تھے لیکن ان کی نظریں کھوجتی ہوئی تھیں۔

”جی سر! میں یہاں نہیں تھا۔ مجھے شمشیر علی کے بارے میں ابھی کچھ دن پہلے پتا چلا کہ وہ حوالات میں ہے۔ وہیں فیصل آباد میں میرے ایک جاننے والے نے بتایا تھا۔“ الیاس توصیف احمد کی نظروں سے خائف ہو کر بتا رہا تھا۔

”اصل میں سر! میرا وہ جاننے والا بھی یہاں حوالات میں تھا شمشیر علی کے ساتھ۔ وہ ابھی دو ہفتے پہلے رہا ہو کر آیا تھا تو حوالات کے قصے سناتے ہوئے اس نے کسی شمشیر کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ روز ہی ان کا ذکر کرتا تھا۔ میرا ذہن اچانک اپنے شمشیر علی کی طرف چلا گیا۔ میں نے اس سے حلیہ پوچھا تو وہ اپنے' آفس والا شمشیر علی نکلا۔“

”پھر.....؟“ توصیف احمد یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں تھے۔

”پھر..... شمشیر علی کے بارے میں سوچتے سوچتے اچانک میرا ذہن اس رات کی طرف چلا گیا۔ جب میں نے منیجر صاحب کو آفس جاتے دیکھا تھا۔ تب میں نے سوچا سر! کہ مجھے آپ کو بتا دینا چاہیے۔ کیا پتا شمشیر علی بے قصور ہو۔ سر! وہ بہت بھلا آدمی ہے' وہ چوری نہیں کر سکتا۔“ الیاس پھر شمشیر علی کی تعریف کرنے لگا تھا۔ جبکہ توصیف احمد کے کانوں میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔

”میں چور نہیں ہوں سر! میں نے چوری نہیں کی۔“

”سر! مجھے نہیں معلوم اصل معاملہ کیا ہے۔ میں نے جو سمجھا آپ کو بتا دیا۔“ الیاس نے کہا تو توصیف احمد چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

”اب میں جاؤں سر؟“ الیاس پھر خائف ہو گیا تھا۔

”نہیں' ابھی تم کہیں نہیں جا سکتے۔ میں اس معاملے کی پھر سے انکوائری کرواتا ہوں اور جب تک انکوائری مکمل نہیں ہو جاتی' تمہیں یہیں رہنا ہے۔“

”سر! میں..... مجھے واپس فیصل آباد جانا ہے۔ وہاں میری نوکری ہے۔ مشکل سے تین دن کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔“ الیاس نے اپنی مجبوری بتائی۔ توصیف احمد پر سوچ انداز میں اسے دیکھنے لگے' پھر ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

”میرے ساتھ آؤ الیاس!“

”جی.....!“ الیاس کچھ نہ سمجھتے ہوئے اٹھ کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ پریشان تھا۔ پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس نے توصیف احمد سے بھی کہا کہ اسے پولیس سے ڈر لگتا ہے' اس لیے وہ ان کے پاس آیا ہے۔

”تمہیں پولیس کچھ نہیں کہے گی۔ صرف تمہارا بیان لے گی۔ اس کے بعد کارروائی میں جہاں تمہاری ضرورت پڑے گی۔ تمہیں بلایا جائے گا۔ تم ڈرو مت اور فی الحال واپسی کا بھی مت سوچو۔ میں تمہیں تمہاری سابقہ ملازمت پر بحال کر دوں گا اور تنخواہ بھی بڑھا دوں گا اور ہاں! تمہارے بیان کے مطابق اگر واقعی اصل مجرم کوئی اور ہے اور ہم اس تک پہنچ جاتے ہیں تو اس کا تمہیں انعام بھی ملے گا۔“ توصیف احمد نے الیاس کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا اور پھر اسی وقت وہ الیاس کو تھانے لے گئے۔ ایس ایچ او سے اس کا بیان لکھوایا' پھر فوری کارروائی کا کہہ کر اسے واپس اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

* * *

وہ سمیر کی اولین محبت تھی' پھر بھی وہ یہ دعوا نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس کا ہر روپ پہچانتا ہے۔ جانے کیسے بظاہر سادہ اور بے وقوف نظر آنے والی اس لڑکی نے خود کو سات پردوں میں چھپا رکھا تھا کہ جب بھی وہ ادھر گیا' اسے ایک نئے پردے سے نمودار ہوتے دیکھا تھا اور اس دن سے تو وہ بے حد پریشان تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔

”میں کہیں پاتال میں اتر گئی تھی۔ بہت کیچڑ تھا۔ میرا پورا وجود کیچڑ میں لتھڑ گیا تھا۔ منہ سر' سب کچھ..... کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔“

”سارہ!“ وہ اسی خوف میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ”تمہارے اس روز کے مذاق نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کیوں ایسی باتیں کرتی ہو۔ تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔“

”نہیں' مجھے کسی پر رحم نہیں آتا۔ اپنے آپ پر بھی نہیں۔ یہ دیکھو۔“ سارہ نے کہنے کے ساتھ پھرتی سے گلاب کے پودے سے ایک کانٹا کھینچ کر اپنی ہتھیلی میں پیوست کر دیا۔

”سارہ!“ سمیر نے تڑپ کر کانٹا کھینچا تو اس کی ہتھیلی پر خون کی ننھی سی بوند ابھر آئی تھی۔ ”یہ کیا پاگل پن ہے۔ تم..... تم ایسی تو نہیں تھیں۔“

”پھر کیسی تھی؟“ وہ اپنی ہتھیلی پر چمکتی سرخ بوند کو دیکھ رہی تھی۔

”پتا نہیں' شاید میں نے ہی تمہیں سمجھنے میں غلطی کی۔“ سمیر نے جیسے بحث کا ارادہ ترک کر دیا اور سینے میں مچلتی گہری سانس دبا کر بولا۔ ”لیکن تم جیسی بھی ہو' مجھے اچھی لگتی ہو۔“

”جیسی بھی سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“ وہ نظریں اٹھا کر سمیر کو دیکھنے لگی تھی۔

”جھوٹی' پستیوں سے پیار کرنے والی اور۔“ وہ جیسے خائف ہو کر خاموش ہو گیا تھا لیکن سارہ نے وہی بات کہہ دی۔

”کیچڑ میں لتھڑی ہوئی؟“

سمیر نے چہرہ دوسری طرف موڑ کر انجان بننے کی سعی کی جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

”اچھا چلو اندر چلو..... میں تمہیں اچھی سی چائے پلاتی ہوں۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

سمیر ہمیشہ کی طرح اس کے پیچھے نہیں بھاگا تھا۔ بلکہ کتنی دیر وہیں کھڑا رہا۔ گہری شام کی اداسی میں اپنا وجود کہیں

گم ہوتا لگ رہا تھا۔ اس نے سوچا وہ بھاگ جائے۔ کہیں دور..... بہت دور لیکن دل پھر اس کے پاس لے آیا تھا۔

سارہ چائے لیے منتظر تھی۔

''کہاں رہ گئے تھے؟'' سارہ نے چائے کا مگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بلا ارادہ پوچھا۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ چائے کا مگ پکڑتے ہی ایک گھونٹ لے کر گلاس وال سے باہر دیکھنے لگا۔ جہاں پرندوں کی واپسی کے بعد کا سناٹا تھا۔

''سنو! میں بہت فضول لڑکی ہوں۔ بولتی بھی فضول ہوں۔ میری باتوں کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ انہیں سوچ کر ہلکان مت ہوا کرو۔ بلکہ سمجھ لیا کرو کہ یا تو میں نے کوئی ناول پڑھا ہے یا کس پر ہونے والی زیادتی اپنے دل پر محسوس کی ہے۔'' وہ گرم چائے سے اٹھتی بھاپ پر نظریں جمائے بول رہی تھی۔

''ایسی ہی تو ہوں میں۔ تم اکثر اسی بات پر تو مجھ سے الجھتے رہے ہو کہ میں دوسروں کے بارے میں اتنا کیوں سوچتی ہوں۔ دوسروں کے دکھ خود پر طاری کیوں کر لیتی ہوں۔''

''ابھی کس کا دکھ ہے؟ وہ ابھی کچھ اور بھی کہتی کہ سمیر نے دھیرے سے ٹوکا تھا۔ وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی لیکن پلکیں اٹھ کے نہیں دیں۔

''اریبہ.....؟'' سمیر نے خود ہی قیاس کیا۔

''نہیں، اریبہ تو اللہ کا شکر ہے اب بہت خوش ہے اور رازی بھائی بھی۔''

''پھر کون؟'' سمیر کی نظریں بے قراری سے اس کے چہرے پر بھٹک رہی تھیں۔ سارہ نے چند لمحے توقف کیا پھر کہنے لگی۔

''میری ایک دوست ہے، بہت پیاری دوست۔ اس کے ساتھ کچھ برا ہو گیا ہے۔ بس اچانک..... اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا، پھر بھی اس کے منگیتر نے جو محبت کے بلند بانگ دعوے کیا کرتا تھا، اسے چھوڑ دیا ہے۔ کیوں؟''

''کیونکہ لغزش محبت کی موت ہے۔'' سمیر کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ چیخ گئی۔

''لیکن اس نے جان بوجھ کر تو نہیں کی۔''

''جان بوجھ کر کون کھائی میں گرتا ہے۔ بس اچانک ہی پاؤں غلط پڑتا ہے ناں، اس کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ محبت نہ بلند بانگ دعوے۔'' وہ اب اسے سمجھا رہا تھا۔ ''اپنی دوست سے کہو صبر کرے۔ اگر واقعی وہ بے قصور ہے تو اللہ نے اس کے لیے اس منگیتر سے بہتر منتخب کر رکھا ہوگا۔ سمجھ رہی ہو ناں!''

''ہا... ہاں تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''شاید نہیں یقیناً'' اور ہاں! اگر تم پہلے مرحلے پر ہی یہ باتیں مجھ سے شیئر کر لیا کرو تو نہ خود پریشان ہو اور نہ مجھے پریشان کرو۔'' سمیر کو اچانک تنبیہہ کا موقع مل گیا تھا۔

''میں کیا کروں مجھے تمہیں پریشان کرنا اچھا لگتا ہے۔'' وہ کہہ کر جانے لگی تھی کہ یاسمین کو آتے دیکھ کر رک گئی۔ جبکہ سمیر دل ہی دل میں جل تو جلال تو کا ورد کرنے لگا تھا۔

''ارے سمیر! تم کب آئے بیٹا!'' یاسمین کے نرم میٹھے لہجے پر سارہ اور سمیر دونوں پر ہی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔

''جی، جی بس، ابھی تھوڑی دیر پہلے۔'' سمیر بمشکل ہکلایا تھا۔

''اچھا اچھا۔ امی ٹھیک ہیں تمہاری، انہیں بھی لے آتے۔ بہت دن ہوئے امینہ سے ملاقات ہوئے۔'' یاسمین یوں بات کر رہی تھی، جیسے ہمیشہ سے ایسی ہی محبت کرنے والی ہو۔

''جی، میں لے آؤں گا امی کو۔ آنٹی! آپ بھی آئیں ناں ہمارے گھر۔'' سمیر کو کسی طرح یاسمین کا یہ انداز ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ بار بار سارہ پر نظر جاتی، وہ اپنی جگہ دنگ کھڑی تھی۔

''چائے پی تم نے کہ نہیں۔'' یاسمین اس سے پوچھ کر فوراً'' سارہ سے مخاطب ہو گئی۔

''سارہ! جاؤ بیٹا، چائے لے آؤ اور ساتھ کچھ کھانے کو بھی۔''

''نہیں آنٹی! میں چائے پی چکا ہوں۔ بس اب چلوں گا۔ پھر ان شاء اللہ امی کے ساتھ آؤں گا۔'' وہ یاسمین کی محبت کو کسی خطرے کا الارم سمجھتے ہوئے فوراً'' اجازت لے کر وہاں سے بھاگا۔

☆ ☆ ☆

حسب معمول سونے سے پہلے وہ ساجدہ بیگم کو شب بخیر کہنے کے ارادے سے ان کے کمرے میں آیا تو خلاف معمول وہ بیڈ کے بجائے آرام کرسی پر بیٹھی نظر آئیں جبکہ ثنا الماری میں سر دیے جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔

''کیا بات ہے امی! سونے کا ارادہ نہیں ہے، بارہ بج رہے ہیں۔'' وہ کہتے ہوئے ساجدہ بیگم کے سامنے آن بیٹھا۔

''بس بیٹا! دوپہر میں لمبی نیند لے لی تھی اس لیے اب بیٹھی ہوں۔'' ساجدہ بیگم نے کہا تو گو کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا پھر بھی وہ پوچھنے لگا۔

''ایسا ہی ہے یا کوئی اور بات؟''

''نہیں اور تو کوئی بات نہیں۔''

''کیسے اور کوئی بات نہیں۔'' ثنا نے اپنی تلاش ترک کر کے الماری بند کی تھی۔ ''ایک نہیں دو باتیں ہیں بھائی!''

''کیا؟'' وہ ثنا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''پہلی بات تو یہ کہ جب سے یاسمین آنٹی آئی ہیں، امی کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔ دوسری بات جیسے جیسے بلال کے امریکا جانے کے دن قریب آ رہے ہیں، امی اداس ہو رہی ہیں۔'' ثنا بتاتے ہوئے ساجدہ بیگم کے قریب آ بیٹھی تھی۔

''امی!'' اس نے ساجدہ بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔ ''اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ میں بھی تو باہر رہا ہوں اور دیکھیں وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ اب آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ اسی طرح بلال بھی آ جائے گا۔''

''یہی میں امی کو سمجھاتی ہوں۔ پھر اب تو اتنی سہولتیں ہیں۔ روزانہ نیٹ پر بلال کو سامنے دیکھ کر بات کر سکتیں ہیں۔ ہیں ناں بھائی!''

''بالکل اور ہاں یاسمین آنٹی کے آنے سے کیوں پریشان ہیں؟'' اس نے بظاہر سرسری پوچھا تھا جبکہ اس کے اندر بے چینی پھیل گئی تھی۔

''یاسمین کے آنے سے کیوں پریشان ہوں گی بلکہ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ وہ اب خوشی سے اریبہ کی شادی کرنا چاہتی ہے۔ البتہ اریبہ کو فوری شادی پر آمادہ کرنے کی جو ذمہ داری اس نے میرے سر ڈالی ہے، وہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیسے اریبہ سے بات کروں اور کیا کہوں۔'' ساجدہ بیگم آخر میں خود ہی اسی بات میں جیسے الجھ گئی تھیں۔

''آپ کو اریبہ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے امی! میری اس سے بات ہو گئی ہے۔ وہ امتحانوں سے پہلے شادی پر آمادہ نہیں ہوگی اور یہ ٹھیک بھی ہے۔ جہاں اتنا عرصہ گزرا، وہاں یہ چند مہینے بھی گزر جائیں گے۔'' اس نے کہا تو ثنا پھر بول پڑی۔

''یہ بات تو امی بھی سمجھتی ہیں لیکن یہ نہیں سمجھ پا رہیں کہ یاسمین آنٹی پر اچانک عجلت کیوں سوار ہو گئی ہے۔''

”ثنا.....!“ ساجدہ بیگم نے سختی سے ٹوکا تھا۔ ”کتنی بار سمجھایا ہے تمہیں جب بڑے بات کر رہے ہوں تو خاموش رہا کرو۔“

ثنا منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر اپنی جگہ پر لیٹ گئی اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا تو رازی بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ بولا کچھ نہیں کیونکہ اس کی بات نے اسے بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اچانک یاسمین پر عجلت کیوں سوار ہو گئی ہے۔

”مجھے یاسمین کی عجلت پر حیرانی یا پریشانی نہیں ہے بیٹا! ساجدہ بیگم خود ہی کہنے لگیں۔ ”ظاہر ہے وہ ماں ہے۔ یہی سوچتی ہو گی کہ کہیں پھر نہ کوئی ایسی بات ہو جائے کہ اریبہ ہتھے سے اکھڑ جائے اس لیے اس اچھے وقت میں اس کی شادی کر دے۔ پھر سارہ بھی تو ہے۔ اریبہ کی شادی کے بعد ہی وہ سارہ کا سوچے گی۔“

”ہوں!“ اس نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر کہنے لگا۔ ”لیکن امی! اریبہ کی بات بھی ٹھیک ہے۔ اس کے امتحانوں تک آپ اس کی شادی کا ذکر نہ چھیڑیں۔ خوامخواہ وہ ڈسٹرب ہو گی۔“

”ٹھیک ہے جب تم دونوں کی یہی مرضی ہے تو پھر یاسمین کو بھی صبر کرنا چاہیے۔“ ساجدہ بیگم مطمئن ہو گئی تھیں۔

”چلیں اب آپ سو جائیں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور جب ساجدہ بیگم اپنی جگہ پر لیٹ گئیں تو لائٹ آف کر کے ان کے کمرے سے نکل گیا۔

✲ ✲ ✲

پورے سات مہینے بعد اسے رہائی ملی تھی تو اس کی دنیا تاریک ہو چکی تھی کیونکہ اس کے اندر اچھائی کی جو شمع اس کی اماں نے روشن کی تھی اور جس کا وقت کی تیز آندھیاں بھی کچھ نہیں بگاڑ سکی تھیں' اس میں سے اب دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا' اس لیے نہیں کہ وہ سات مہینے کی سزا کاٹ کر لوگوں کی نظروں میں مجرم بن گیا تھا بلکہ وہ سامنے کھڑے توصیف احمد کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا' جن کے لیے اس کے دل میں اتنی نفرت بھر چکی تھی کہ وہ انہیں قتل کر دینا چاہتا تھا اور وہ ایسا کر گزرتا۔ اس کے بعد تختہ دار پر چڑھنے کے لیے بھی وہ تیار تھا لیکن اس سے پہلے اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ اس لیے خود کو ضبط کے کڑے پہروں میں مقید کیے کھڑا تھا۔

جبکہ توصیف احمد نادم ہو کر کہہ رہے تھے۔

”آئی ایم سوری شمشیر علی! میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ اُس وقت تفتیش سے جو ثابت ہوا' اسی پر عمل کیا گیا تھا۔ پھر بھی مجھے افسوس ہے کہ تم پر ناحق زیادتی ہوئی۔ میں شرمندہ ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی جاب پر واپس آجاؤ۔“

”تم چاہتے ہو.....؟“ شمشیر علی نے انتہائی تنفّر سے سوچا تھا۔ ”اب وہ نہیں ہو گا توصیف احمد! جو تم چاہتے ہو۔ اب جو میں چاہوں گا۔ وہ ہو گا۔“

”اوکے جنٹلمین! اور ہاں یہ الیاس ہے' تم یقیناً اسے پہچانتے ہو گے۔ اس کی بدولت ہم اصل مجرم تک پہنچ سکے ہیں۔ میں اس کا ممنون ہوں۔ تمہیں بھی اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔“

توصیف احمد نے الیاس کی طرف اشارہ کر کے کہا تو بلا ارادہ ہی وہ نظریں اٹھا کر الیاس کو دیکھنے لگا تھا۔

”میں نے کہا تھا نا سر! کہ شمشیر علی بہت بھلا آدمی ہے۔ بہت محنتی بہت ایمان دار۔“ الیاس اپنی کارکردگی پر خوش ہو کر پھر اس کی تعریف کرنے لگا تھا۔

”بھلا آدمی..... ایمان دار؟“ اسے دھچکا لگا تھا۔

”مر گیا وہ بھلا ایمان دار آدمی!“ وہ کہہ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ بھاگتا چلا گیا۔ بھاگتا چلا گیا..... اسے محسوس ہوا اس کے پیر زمین کو نہیں چھو رہے تھے یا شاید اس کے پیروں تلے زمین تھی ہی نہیں۔ جانے وہ کہاں تھا۔ اس کے اندر گھمسان کا رن تھا۔ باہر کا شور سنائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ کتنی گاڑیوں کے ٹائر چرچرائے تھے۔ کتنوں نے اسے گالیاں دی تھیں۔ لیکن اسے کچھ ہوش نہیں تھا اور پھر میلوں مسافت طے کر کے وہ اسپتال کے ریسپشن پہ کھڑا بری طرح ہانپ رہا تھا۔

”جی.....!“ ریسپشن پر موجود لڑکا اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”وہ..... یہاں میری بہن ایڈمٹ تھی۔“ تیز چلتی سانسوں کے درمیان وہ بمشکل بول پایا تھا۔

”نام.....!“ لڑکے نے رجسٹر کھولتے ہوئے پوچھا۔

”تاج..... تاجور.....“

”تاجور..... تاجور.....“ لڑکے کی انگلی رجسٹر کے صفحوں پر پھسلنے لگی تھی۔ پھر وہ اسے دیکھ کر بولا۔

”سوری! اس نام کی کوئی پیشنٹ یہاں ایڈمٹ نہیں ہے۔“

”کیسے نہیں ہے۔ میں نے خود۔“ وہ دھاڑ کر یک دم خاموش ہو گیا اور چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر کے خود پر قابو پانے کی سعی کی' پھر کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ جما کر خود کو سہارا دے کر کہنے لگا۔

”سنو! یہ چھ آٹھ مہینے پہلے کی بات ہے۔ میری بہن تاجور ٹی بی پیشنٹ تھی۔ میں نے اسے یہاں ایڈمٹ کرایا تھا۔ پھر اچانک مجھے شہر سے باہر جانا پڑ گیا تو میں وہاں پھنس گیا۔ تم..... تم دیکھو وہ یہیں ہو گی۔“

لڑکا اسے دیکھ بھی رہا تھا اور سن بھی رہا تھا لیکن شاید سمجھ نہیں رہا تھا' پھر بھی دوسرا رجسٹر اٹھا کر اس کے صفحے الٹنے لگا۔

”تاجور' تاجور نام ہے۔ ٹی بی پیشنٹ۔“ وہ بے قراری سے خود بھی رجسٹر پر جھک گیا اور لڑکے کی انگلی کے ساتھ ساتھ اس کی نظریں چلنے لگیں' پھر جہاں لڑکے کی انگلی رکی' وہاں جیسے اس کا دل بند ہو گیا تھا۔

”جی تاجور..... ٹی بی پیشنٹ تھیں۔“ لڑکے نے کہہ کر دوسرا رجسٹر اٹھایا اور اس میں دیکھ کر بولا تھا۔

”جی وہ چھ مہینے پہلے ڈسچارج کر دی گئی تھیں۔“

”ک..... کون آیا تھا' کس نے ڈسچارج کرایا اسے۔ کوئی اتا پتا؟“ اس کی کیفیت پل پل بدل رہی تھی۔ کبھی دل زخمی پرندے کی مانند پھڑپھڑاتا' کبھی سہم کر کنڈلی مار لیتا۔

”سوری سر! میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“ لڑکے کا کام جیسے ختم ہو گیا تھا لیکن وہ چیخ پڑا۔

”کیسے نہیں جانتے۔ پیشنٹ ایڈمٹ کرتے وقت آپ اس کا پورا شجرہ نسب لکھواتے ہیں اور ڈسچارج کرتے وقت کوئی بھی آجائے' کوئی ایرا غیرا آکر لے جائے بغیر شناخت کے آپ نے کیسے ایک لڑکی کسی کے حوالے کر دی؟“

”سر' سر پلیز!“ لڑکا اس کے چلّانے سے پریشان ہو گیا تھا۔

”مجھے میری بہن چاہیے۔ میں اسے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ مجھے بتاؤ کہاں ہے وہ۔“ اس نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔

ڈاکٹرز کے ساتھ پورا اسٹاف بھاگا چلا آیا تھا۔ وہ ان پر بھی چلّانے لگا۔ پھر سیکورٹی گارڈز آگئے' جو اسے کھینچتے ہوئے باہر لے جا رہے تھے۔

✲ ✲ ✲

وہ اسپتال کے باہر ہی دھرنا مار کر بیٹھ گیا تھا۔ اور کہاں جاتا کوئی ٹھکانا بھی تو نہیں تھا' پھر اس کی ذہنی حالت اتنی

مفلوج تھی کہ وہ کچھ سوچ سمجھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ تین دن ہو گئے تھے اُسے وہاں بیٹھے ہوئے۔ بھوک زیادہ ستاتی تو کسی گزرتی ریڑھی سے کچھ لے کر کھا لیتا اور رات میں اس سنگی بینچ پر سو جاتا' جہاں سے تاجور کو اریبہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اور نیند بھی ایسی کہ ہر ایک آدھ گھنٹے بعد چونک کر اٹھ جاتا کچھ دیر ٹہلتا پھر سو جاتا۔ اس کی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی تھی۔ بال گرد آلود' بکھرے ہوئے اور شیو بڑھ گئی تھی۔

اسپتال کے گیٹ پر کھڑا چوکیدار مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت جب دونوں وقت مل رہے تھے' وہ آسمان کی وسعتوں میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ شاید وہ مہربان چہرہ جو اسے آگاہیاں دیتا تھا کہ اپنے کاندھے پر اچانک ہاتھ پڑنے سے وہ اچھلا تھا۔

“کیا بات ہے بھائی! بہت پریشان لگتے ہو۔ کون داخل ہے یہاں۔” وہ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم تھا۔

وہ خالی خالی نظروں سے فضل کریم کو دیکھے گیا۔

“مایوس کیوں ہوتے ہو۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔ وہی بیماروں کو شفا دیتا ہے۔ دعا مانگو۔” فضل کریم اپنی سمجھ کے مطابق بول رہا تھا۔

“کیا دعا مانگوں؟” وہ کھویا ہوا تھا۔

“یہی کہ اللہ بیمار کو شفا دے۔”

“بیمار کو شفا دے.... کون بیمار ہے!” وہ الجھ کر فضل کریم کو دیکھنے لگا۔

“کیوں تمہارا یہاں کوئی نہیں ہے اس اسپتال میں؟” اب فضل کریم الجھا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تو پوچھنے لگا۔

“پھر تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟”

“پتا نہیں۔” عجیب بے بسی تھی۔

“گھر بار کہاں ہے تمہارا؟”

“اس نے اب “پتا نہیں” کے انداز میں سر اور کندھوں کو جنبش دی تھی۔

“کوئی کام دھندا نہیں کرتے؟” فضل کریم نے پوچھا پھر خود ہی کہنے لگا۔ “ایسے بے کار پڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر زندگی سے اکتا چکے ہو' تب بھی زندگی ختم نہیں ہو جائے گی۔ اللہ نے جتنی سانسیں لکھی ہیں وہ تو پوری کرنی پڑیں گی' پھر کیوں خود کو ضائع کر رہے ہو۔”

“بس خود کو ضائع کر رہا ہوں میں۔” اس کے اندر اچانک ابال اٹھا تھا۔ “میں نے اس وقت خود کو ضائع نہیں کیا تھا' جب میری ماں مری تھی۔ نہ اس وقت جب میں باپ کے گھر سے نکلا تھا۔ گیارہ بارہ سال کا تھا میں تو اس وقت محنت مزدوری کے ساتھ پڑھائی کی.... افسر بنا۔”

فضل کریم حیرت سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

وہ بولتا چلا گیا۔ اپنی زندگی کے سارے نشیب و فراز بیان کر ڈالے۔ آخر میں تاجور کی گمشدگی کا سزاوار توصیف احمد کو ٹھہراتے ہوئے ان کے خلاف ایسا لاوا ابلا کہ وہ خود اپنی وہاں موجودگی پر حیران ہو گیا تھا۔

“میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔ مجھے تو بڑے کام کرنے ہیں اور اس توصیف احمد سے اپنی بہن کا بدلہ لینا ہے۔ میں چھوڑوں گا نہیں اسے۔”

“آرام سے بھائی آرام سے۔” فضل کریم اس کا بازو تھام کر کہنے لگا۔ جوش سے نہیں' ہوش سے کام لو۔ ورنہ دوبارہ جیل پہنچا دیے جاؤ گے۔ بڑے آدمیوں سے لڑنا آسان نہیں ہوتا۔”

اس نے “ہونہہ” کے انداز میں سر جھٹک کر ہونٹ بھینچے۔

“چلو اٹھو! میری اس وقت کی ڈیوٹی ختم ہو گئی ہے۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ دماغ کو آرام دو' پھر ٹھنڈے ہو کر سوچنا۔” فضل کریم کہنے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا' لیکن وہ اسی طرح بیٹھا تھا۔

“چلو بھائی! میں بھی اکیلا ہی رہتا ہوں۔ زیادہ نہیں تو دو چار دن ہی میرے ساتھ رہ لو۔ پھر جہاں دل چاہے' چلے جانا۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس حلیے میں تم مجنوں لگ رہے ہو۔ یہاں بیٹھے رہے تو ایک دو دن میں لوگ پتھر مارنے لگیں گے تمہیں۔” فضل کریم نے آخر میں ہلکا پھلکا انداز اختیار کرتے ہوئے زبردستی اسے اٹھایا۔

فضل کریم کا ڈربہ نما گھر ایک کمرے اور دو چار پائیوں جتنے صحن پر مشتمل تھا۔ لیکن اسے کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ سات مہینے ایک کوٹھری میں رہ کر آیا تھا۔ بہرحال اب اس کا ذہن بیدار ہو چکا تھا۔ رات اس نے جیسے تیسے گزاری۔ صبح اٹھتے ہی حجام کے پاس گیا۔ بال اور شیو بنوا کر آیا تو آدھا گھنٹہ نہانے میں لگا دیا۔ فضل کریم نے اسے اپنا ایک جوڑا دے دیا تھا جو کہ اسے چھوٹا تھا' لیکن مجبوری تھی۔ وہ نہا کر نکلا تو فضل کریم اسے دیکھتا رہ گیا۔

“یار! تو تو بڑا بانکا سجیلا ہے۔ فلموں میں کام کیوں نہیں کرتا؟” فضل کریم نے اس کی تعریف کے ساتھ کہا تو بڑے دنوں بعد وہ بے ساختہ ہنسا۔

“سچ کہہ رہا ہوں۔ لوگ ابھی تک وحید مراد کو یاد کرتے ہیں۔ تجھے دیکھ کر بھول جائیں گے اسے۔”

“اچھا! کوشش کروں گا۔ ابھی تو پیٹ کچھ کھانے کو مانگ رہا ہے۔” اس نے کہا تو فضل کریم فوراً“ بولا۔

“ہاں ہاں' آؤ! میں ناشتا لے آیا ہوں۔”

وہ ہاتھوں سے بال سنوارتا چٹائی پر بچھے دسترخوان پر آ بیٹھا۔ حلوہ پوری' چھولے کا سالن اور چائے۔ اس وقت اس کے لیے اس سے اچھی نعمت کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

“تمہارے گھر والے کہاں ہیں؟” ناشتے کے دوران اچانک خیال آنے پر اس نے فضل کریم سے پوچھا۔

“میرے گھر والے وہاڑی میں ہیں۔ پورا ٹبر ہے۔ ماں باپ سات بہن بھائی۔ میں روزگار کے لیے نکلا تو یہاں کراچی آ گیا۔ بڑے دھکے کھائے۔ اب اللہ کا شکر ہے' آرام سے ہوں۔” فضل کریم نے چند جملوں میں جیسے پوری داستان سنا ڈالی تھی۔

“اور.... ؟ میرا مطلب ہے' گھر والوں کی کفالت تم کرتے ہو؟” وہ فضل کریم کے اطمینان پر قدرے حیران ہوا تھا۔

“میں کیوں کروں گا؟ جب وہ میرا بوجھ نہیں اٹھا سکے تو میں ان کا بوجھ کیوں اٹھاؤں؟ ہاں! کبھی کبھی اماں کو کچھ پیسے بھیج دیتا ہوں۔ میری اماں بڑی چالاک ہے اور لالچی بھی۔”

“لاحول ولا....” وہ سخت جھنجلایا۔ “شرم نہیں آتی' اپنی ماں کے بارے میں ایسا کہہ رہے ہو۔”

“تیری ماں نہیں ہے نا باؤ! اس لیے تجھے پتا نہیں ہے۔ یہ مائیں ہوتی ہی لالچی ہیں۔ جب ہی تو ساری زندگی روتی رہتی ہیں۔” فضل کریم اپنی منطق جھاڑنے سے باز نہیں آیا۔

“اچھا بس.... صبح صبح میرا دماغ نہ خراب کرو۔ یہ بتاؤ! تم ڈیوٹی پر کب جاتے ہو۔” اس نے ناگواری سے ٹوک کر پوچھا۔

“نو بجے جاتا ہوں۔ تو رہنا آرام سے یہاں۔ کوئی تجھے پریشان نہیں کرے گا۔” فضل کریم نے جواب کے ساتھ کہا۔

“نہیں! مجھے بھی گھر نہیں بیٹھنا۔ ایک کام سے جانا ہے اور پھر ہو سکتا ہے وہاں سے میں اپنے گاؤں کے لیے نکل جاؤں۔ اس لیے تم میرا انتظار مت کرنا۔” اس نے کہا تو فضل کریم ٹھٹک کر پوچھنے لگا۔

“کہیں تو اس سیٹھ کے پاس تو نہیں جائے گا اس کا کام تمام کرنے؟”

"نہیں! وہ میں بعد میں کروں گا۔ ابھی کچھ اور کام ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا جائزہ لینے لگا۔ ٹخنوں سے اونچی شلوار اور اسی طرح چھوٹی قمیص میں اسے اپنا آپ بڑا عجیب سا لگا۔

"اچھا! یہ تھوڑے پیسے رکھ لے۔" فضل کریم نے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"قرض سمجھ کر لے لے یار! خالی جیب کہاں جائے گا۔" فضل کریم نے کہتے ہوئے زبردستی اس کے ہاتھ میں پیسے دینے چاہے تو وہ اسے روک کر سہولت سے کہنے لگا۔

"میری جیب خالی نہیں ہے یار! جیل کی مزدوری مل گئی تھی۔ فی الحال کافی ہے اور ہاں! تمہارے پاس موبائل فون تو ہو گا.... اپنا نمبر دے دو۔ میں پھر تم سے رابطہ کروں گا۔"

"صرف رابطہ نہیں' ملنا بھی.... یہ نہیں کہ بھول ہی جاؤ۔"

"نہیں' نہیں! تم بھولنے والی چیز نہیں ہو۔ یوں بھی ابھی یہاں میرے پاس ٹھکانا نہیں ہے۔ گاؤں سے واپسی پر سیدھا تمہارے پاس ہی آؤں گا۔" اس نے کہا تو فضل کریم اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"ضرور! میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔"

"مہربانی ہے تمہاری۔" اس نے فضل کریم کو گلے لگایا' پھر اس کا سیل نمبر لے کر اس سے پہلے ہی اس کے گھر سے نکل آیا۔

پھر پہلے وہ جس اپارٹمنٹ میں رہتا تھا' اس کے مالک سے ملا۔ شمشیر علی کو یقین تھا کہ اس نے اپارٹمنٹ اس کے لیے خالی نہیں رکھ چھوڑا ہو گا اور وہ اپارٹمنٹ کے لیے گیا بھی نہیں تھا۔ نہ ہی اسے سامان سے غرض تھی۔ البتہ اپنے ضروری ڈاکومنٹس کی فکر تھی۔ وہ اسے مکان مالک سے مل گئے۔ ساتھ اس کے بینک کی چیک بک بھی تھی۔ اس نے مالک مکان کا شکریہ ادا کیا' پھر اس کے بعد بینک میں اپنا اکاؤنٹ چیک کر کے اسی وقت گاؤں کی راہ لی تھی۔

* * *

یہ اتفاق ہی تھا کہ اریبہ اور سارہ آج ایک ساتھ ہی اپنے اپنے کالج سے لوٹی تھیں تو گھر میں غیر معمولی ہلچل نے دونوں کو اچنبھے میں ڈال دیا۔ دونوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے اچکا کر اندر آئیں تو لاؤنج کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ جیسے بہت سارے مہمانوں کے بیٹھنے کا اہتمام کیا گیا ہو۔ جبکہ یاسمین کی آواز ڈرائنگ روم سے آرہی تھی جو یقیناً" ملازموں کے سر پر کھڑی صفائی کروا رہی تھی۔

"لگتا ہے' کوئی خاص مہمان آرہے ہیں۔" سارہ نے کہا تو وہ جو خود بھی یہی سمجھ رہی تھی' چونک کر سارہ کو دیکھنے لگی۔

"مما سے پوچھتی ہوں کون آرہا ہے۔" سارہ اچانک مشتاق ہو کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ یاسمین آگئی اور ان دونوں کو دیکھتے ہی کہنے لگی۔

"اچھا ہوا' تم دونوں آگئیں۔ چلو! کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرلو۔"

"وہ تو ہم کرلیں گے مما! لیکن یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ کوئی آرہا ہے کیا؟" سارہ کو جاننے کی جلدی تھی۔ جاننا تو وہ بھی چاہتی تھی' لیکن قصداً" بے نیازی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"ہاں! میں نے رات کے کھانے پر سب کو انوائٹ کیا ہے۔" یاسمین نے بتایا تو وہ بے اختیار اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"سب کو؟" سارہ نے نہ سمجھتے ہوئے وضاحت چاہی۔

"ہاں! سب کو بلال امریکا جا رہا ہے نا! اس لیے میں نے سوچا' چھوٹی موٹی تقریب کرلی جائے۔ تمہاری تائی امی کی فیملی اور امینہ کے ہاں سے سب آئیں گے اور ہاں! تمہارے ڈیڈی کی دوسری فیملی بھی۔" یاسمین' سارہ کو دیکھ کر بتا رہی تھی' لیکن اس کا دھیان اس کی طرف تھا جو سب سن کر بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

"تو مما! یہ سب آپ کو پہلے کرنا چاہیے تھا کیونکہ بلال تو آج رات کی فلائٹ سے جا رہا ہے۔ کھانے کے دوران ہی افراتفری مچ جائے گی۔" سارہ کو افراتفری کا سوچ کر ہی عجیب سا لگ رہا تھا۔

"نہیں بیٹا! بلال کی فلائٹ صبح پانچ بجے کی ہے۔ تین بجے تک اسے ایرپورٹ پہنچنا ہو گا۔ ہم اس سے پہلے فارغ ہو جائیں گے۔ کیوں اریبہ؟" یاسمین نے اسے مخاطب کر کے گویا اسے بولنے پر اکسایا تھا' لیکن وہ کندھے اچکا کر اپنے کمرے میں آگئی اور جب تک وہ کپڑے تبدیل کر کے فارغ ہوئی' سارہ بھی آگئی تھی۔

"میں چینج کرلوں' پھر کھانا ساتھ کھائیں گے۔" سارہ کہتے ہوئے اپنے کپڑے اٹھا کر واش روم میں چلی گئی۔

پھر دونوں ساتھ ڈائننگ روم میں آئی تھیں۔ وہیں تاجور' بی بی سے قرآن پاک کا سبق لے رہی تھی۔

"آگئیں بیٹا! بیٹھو' میں کھانا لاتی ہوں۔" بی بی کہتے ہوئے اٹھنے لگی تھیں کہ سارہ نے انہیں روک دیا۔

"نہیں بی بی! آپ بیٹھیں' میں کھانا لے آتی ہوں۔"

"ایسے ہی مت لے آنا۔ گرم ضرور کرنا۔" وہ کہتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور تاجور کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے سننے لگی۔

تاجور ہجے کرتے ہوئے بار بار بی بی کو دیکھ رہی تھی' تب پہلی بار اس نے غور کیا' تاجور کی سنہری آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

یہ لڑکی سات پردوں میں چھپ جائے' تب بھی دکھائی دے گی۔" وہ یہ سوچ کر مسکرائی' تب ہی سارہ کھانا لے کر آگئی اور جب بیٹھی تو سرگوشی میں اس سے پوچھنے لگی۔

"تم کیوں مسکرا رہی ہو؟"

اس نے سارہ کو دیکھا' پھر آنکھوں سے تاجور کی طرف اشارہ کر کے وہ بھی سرگوشی میں بولی۔

"سوچ رہی ہوں' حماد کے لیے کیسی رہے گی؟"

"کیا!" سارہ اچھل پڑی۔ "تم ابھی سے حماد.... میرا مطلب ہے ابھی تو وہ...."

"بس چپ ہو جاؤ' مجھے یونہی خیال آگیا تھا... آئی ایم ناٹ سیریس۔" وہ سارہ کو ٹوک کر اپنی پلیٹ میں سالن نکالنے لگی۔

"ویسے خیال برا نہیں ہے۔" سارہ کے اندر اب کھلبلی مچ گئی تھی۔

"سچ اریبہ! مجھے تو یہ اتنی عزیز ہو گئی ہے کہ کبھی اس کے جانے کا سوچ کر ہی میں پریشان ہو جاتی ہوں۔"

"اچھا بس! کھانا کھاؤ۔" اس نے پھر ٹوک دیا اور جلدی کھانا ختم کر کے کمرے میں آگئی۔

گو کہ اسے یاسمین کا سب کو مدعو کرنا کھل رہا تھا' لیکن گھر کی تقریب تھی' اس لیے وہ خود کو الگ تھلگ نہیں رکھ سکی' بلکہ شام میں اٹھتے ہی تیار ہو کر کمرے سے نکلی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی توصیف احمد' خالدہ اور بچوں کے ساتھ آگئے تو وہ ان کے ساتھ مصروف ہو گئی۔

سب کے آجانے سے ایک طویل مدت بعد توصیف ولا میں اچھی خاصی رونق ہو گئی تھی۔ سب خوش تھے۔ یاسمین سب کے آگے بچھی جا رہی تھی۔ اس کا یہ بالکل نیا روپ تھا' جو اس سے پہلے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا' کیونکہ اس نے اول روز سے ہی سسرال والوں کو منہ نہیں لگایا تھا۔ یہ سب جانتے تھے' پھر پتا نہیں کیسے اس کی تبدیلی پر کوئی حیران تھا نہ پریشان۔ بس ایک وہ تھی جو اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی' کیونکہ وہ یاسمین کا مقصد جانتی تھی

کہ وہ سب کو اپنا ہم نوا بنا کر جلد سے جلد اسے اس گھر سے رخصت کرنا چاہتی تھی، تاکہ اپنی سرگرمیوں میں آزاد ہو جائے۔

"کتنی خود غرض عورت ہے۔" اس کے اندر دکھ کے ساتھ ڈھیروں تلخی بھر گئی تھی۔ دل چاہا ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر اس بھری محفل میں اس عورت کا پردہ چاک کر دے۔ اس کے بعد جو بھی ہو۔

اور کیا ہونا تھا، یاسمین کا کیا بگڑتا، وہی اپنا بھرم کھو دیتی۔

"شاید یہی ٹھیک ہے۔ مجھے اس گھر سے رخصت ہو جانا چاہیے۔ ہٹ جانا چاہیے اس عورت کے راستے سے، پھر یہ جو مرضی کرتے پھرے۔ اس سے پہلے کہ لوگ مجھے اس کی بیٹی ہونے کا طعنہ دیں میں بیوی بن جاؤں۔ اجلال رازی کی بیوی، پھر کوئی مجھ پر انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔"

وہ جانے کیا کیا سوچ جا رہی تھی کہ اچانک اس کی نظریں اجلال رازی کی طرف اٹھ گئیں۔

وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں کہیں اور جمی تھیں۔

اس نے اجلال رازی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو سارہ سمیر کے ساتھ کھڑی نظر آئی۔ سارہ اس رخ پر کھڑی تھی کہ اس کا آدھا چہرہ نظر آ رہا تھا اور غالباً" سمیر کو کسی بات پر قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے بات کرنے کے انداز سے یہی لگ رہا تھا، جیسے دلائل دے رہی ہو۔ بار بار سر جھٹکنے سے اس کے کان کا بالا جھول رہا تھا اور شاید اس جھولتے بالے میں کہیں کچھ ڈول رہا تھا۔ وہ اچانک پریشان ہو گئی۔ اجلال رازی کو دیکھا۔ اس کی نظریں ابھی بھی وہیں جمی تھیں۔

"رازی!" اس نے محض اپنی محبت کی زور آوری آزمانے کی خاطر دل میں پکارا تھا اور اسی پل اجلال رازی نے اسے دیکھا تھا۔

وہ شانت ہو کر مسکرائی اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، لیکن لابی میں ہی سارہ بھاگتے ہوئے اس کے سامنے آ گئی۔

"سنو! تاجور بے چاری اکیلی کمرے میں بیٹھی ہے۔ میں اسے یہاں سب کے پاس لے آتی ہوں!" سارہ نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ ہر کوئی اس کے بارے میں سوال کرے گا۔"

"میں مطمئن کر دوں گی سب کو۔" سارہ فوراً" بولی۔

"پھر بھی نہیں۔" وہ سختی سے منع کر کے کہنے لگی۔ "مجھے بھی احساس ہے کہ وہ اکیلی کمرے میں بند بیٹھی ہے لیکن یہی بہتر ہے۔"

"پتا نہیں تمہیں اسے کیا بہتری نظر آ رہی ہے۔" سارہ منہ پھلا کر بڑبڑاتے ہوئے چلی گئی۔ تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اجلال رازی اسے لان میں چلنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا، پھر اعتماد سے لان کا رخ کیا تھا۔

* * *

اجلال رازی نے ساجدہ بیگم اور ثنا کو ایئرپورٹ جانے سے منع کر دیا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ ساجدہ بیگم وہاں صرف روتی رہیں گی، جیسے اس کے جانے پر روئی تھیں تو وہ کافی عرصہ وہاں بے چین رہا تھا۔ اس لیے اس نے ساجدہ بیگم اور ثنا کو سمجھا دیا تھا۔ رات دو بجے وہ بلال کو لے کر نکلا تو اپنے پروگرام کے مطابق پہلے اریبہ کو پک کیا تھا، جس پر بلال بولا تو کچھ نہیں، البتہ بہت شریر نظروں سے اریبہ کو دیکھا تھا۔

"میں نے سوچا، کہیں رازی مارے محبت کے تمہیں آدھے راستے سے واپس نہ لے آئے، اس لیے خود ہی تمہیں پلین میں بٹھا آؤں۔" اریبہ نے بلال کی شریر نظروں کے جواب میں توجیح پیش کی۔

"جی جی! بالکل یہی بات ہے۔ میں اسی وقت سمجھ گیا تھا، شام میں جب آپ محفل سے اٹھ کر لان میں چلی گئی تھیں۔" بلال جتانے سے باز نہیں آیا۔

"ارے تم تو بڑے سمجھ دار ہو گئے ہو، تائی امی ناحق پریشان ہو رہی تھیں کہ بچہ اتنی دور جا رہا ہے۔" وہ ذرا خائف نہیں ہوئی تھی۔

"گویا اب آپ امی کو میرے خلاف ورغلانے والی ہیں۔"

"حقیقت بیان کر کے انہیں تسلی دینے کو اگر تم ورغلانا سمجھو تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"ہاں اب تو آپ یہی کہیں گی۔"

اریبہ اور بلال کی دلچسپ نوک جھونک تمام راستہ جاری رہی تھی۔ اس دوران اجلال رازی صرف محظوظ ہوتا رہا تھا، پھر بلال کو رخصت کرتے ہوئے ساری شوخیاں دم توڑ گئیں۔ وہ ضبط کرتے کرتے بھی رو پڑی تھی۔ بلال بظاہر اس کا مذاق اڑانے لگا لیکن اس کے چہرے پر واضح اداسی محسوس ہو رہی تھی۔ اجلال رازی کتنی دیر بلال کو سینے سے لگائے اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا، پھر بلال اندر چلا گیا اور جب تک نظر آتا رہا، وہ دونوں وہیں کھڑے رہے تھے۔ پھر رازی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آؤ چلیں۔ اب بلال آدھے راستے سے نہیں لوٹ سکتا۔" وہ آنسوؤں کے درمیان بے ساختہ ہنس پڑی، پھر اس کے سنگ سنگ چلتی گاڑی میں آ بیٹھی۔

جناح ٹرمینل کی تیز روشنیوں سے نکل کر جب گاڑی لمبی سنسان سڑک پر فراٹے بھرنے لگی تب اجلال رازی نے اچانک اس سے پوچھا۔

"کہاں چلیں؟"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن،	نسیم سحر قریشی	قیمت: 450 روپے
☆ درد کی منزل،	رضیہ جمیل	قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے،	راحت جبیں	قیمت: 400 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت،	شازیہ چودھری	قیمت: 250 روپے
☆ امر بیل،	عمیرہ احمد	قیمت: 550 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
شائع ہو گئے ہیں
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"ہیں؟" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ادھر نہیں، ادھر دیکھو۔" اجلال رازی نے آنکھوں سے اشارہ کیا تو اس نے بے اختیار گردن سیدھی کر کے نظریں اوپر اٹھائیں۔

درمیانی تاریخ کا چاند بڑی فراخ دلی سے ان پر اپنی چاندنی نچھاور کر رہا تھا۔

"کبھی تم نے چاند سے باتیں کی ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہاں!" اب کوئی پردہ نہیں تھا، وہ بار بار اعتراف کرنا چاہتی تھی اور کر رہی تھی۔

"جب تم امریکا میں تھے تو میں اس سے تمہارا احوال پوچھتی تھی اور تمہیں سندیسے بھی بھیجتی تھی۔ حالانکہ ہم روزانہ فون پر باتیں کرتے تھے پھر بھی۔"

"ہاں پھر بھی کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو ہم صرف چاند کے ساتھ شیئر کرتے ہیں۔" وہ دونوں پرفسوں ماحول میں ڈوب کر بول رہے تھے۔

"تم بھی؟"

"میں بھی۔"

"اچھا۔ میں سمجھتی تھی صرف میں ہی پاگل ہوں۔"

"چاند اکیلا صرف تمہارا تو نہیں ہے۔ یہ سب کا رازداں ہے۔ سب کے پاگل پن سے واقف ہے۔"

"جب ہی ہنستا ہوا لگتا ہے۔ ابھی بھی دیکھو، مسکرا رہا ہے۔"

"کیونکہ تم خوش ہو، میں خوش ہوں، اس لیے مسکرا رہا ہے۔"

"اور جو خوش نہیں ہوتے؟"

"انہیں سوگوار لگتا ہے۔" اجلال رازی نے کہتے ہوئے ٹرن لے کر ایک دم گاڑی کو بریک لگائے تھے۔ وہ چونکی اور خوشگوار حیرت میں گھر گئی۔

سفید چاندنی میں سرکش لہریں اچھل اچھل کر جیسے چاند کو اپنی آغوش میں لینا چاہتی تھیں۔

"مائی گاڈ رازی! ایسا منظر میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" اس کا اشتیاق انتہاؤں کو چھو رہا تھا، آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ اجلال رازی اسے دیکھتا رہ گیا۔

"چلو ناں، وہاں پانی میں چلتے ہیں۔" وہ کہنے کے ساتھ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی، تب وہ چونک کر اترا اور اس کا ہاتھ تھام کر ساحل کی سیڑھیاں اترنے لگا لیکن پھر لہروں کی سرکشی دیکھ کر رک گیا۔

"بس اریبہ! آگے نہیں جانا۔ سنا ہے پورے چاند کو دیکھ کر لہریں باغی ہو جاتی ہیں اور انہیں دیکھ کر انسان اپنی سُدھ بُدھ کھو بیٹھتا ہے۔"

"اوہو رازی! یہ سنی سنائی باتیں رہنے دو، چلو۔" وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

"اریبہ!" وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا لیکن وہ لہروں تک پہنچ چکی تھی۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔" وہ ناراض ہوا تو جواباً وہ اس پر پانی اچھالنے لگی ساتھ ساتھ الٹے پیر مزید آگے بڑھتی جا رہی تھی کہ اچانک تیز لہر عقب سے اس سے یوں ٹکرائی کہ اس کے پیر اکھڑ گئے۔ وہ اوندھے منہ گر رہی تھی لیکن اس سے پہلے ہی اجلال رازی نے اسے تھام لیا تھا۔

"رازی!" بے حد خوف زدہ ہو کر اس نے اس مضبوطی سے اجلال رازی کے بازو تھامے کہ اس کے ناخن شاید کسی پرانے زخم میں پیوست ہو گئے تھے۔

"آ...!" اجلال رازی کراہا تھا، پھر ایک دم اسے دھکیل کر پلٹا اور تیز تیز قدموں سے چلنے لگا تو وہ جو اپنے حواس کھو رہی تھی۔ اس بری طرح دھکیلے جانے پر پہلے سناٹے میں آئی، پھر اس کے پیچھے بھاگی۔

"رازی، رازی!" وہ پکارتی جا رہی تھی لیکن اجلال رازی کو اس کی آواز سنائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اپنے زخموں سے اٹھتی ٹیسوں سے بے چین تھا۔ اس کی طرف دیکھے بغیر گاڑی میں بیٹھ گیا اور اس کے بیٹھتے ہی پوری رفتار سے گاڑی بھگا دی۔

رات کے آخری پہر سڑک سنسان تھی۔

اریبہ پہلی بار اس سے بہت خائف ہو گئی تھی۔ کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ ڈرتے ڈرتے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں باغی لہروں کی سی کیفیت تھی وہ مزید خائف ہو کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

وسیع آسمان پر تنہا چاند اب سوگوار لگ رہا تھا۔

* * *

شمشیر علی ابا کے سینے سے لگ کر بہت رویا تھا، پھر بھی انہیں اصل بات نہیں بتائی کہ اتنا عرصہ وہ کہاں رہا۔ اس پر کیا بیتی اور یہ کہ وہ تاجور کو کھو چکا ہے۔ ابا اسے چپ کرانے کے ساتھ اس کے رونے کا سبب پوچھتے رہ گئے۔

"میں بہت پریشان ہوں ابا! میری نوکری بھی چلی گئی۔ میرے لیے دعا کریں۔" وہ بس یہی کہے جا رہا تھا۔

"لے نوکری چلی گئی کوئی قیامت تو نہیں آ گئی، جو تو رو رہا ہے۔" ابا کی پریشانی جھنجلاہٹ میں بدل گئی تھی۔ "تو نے تو میرا دل دہلا کے رکھ دیا... اور یہ تو اکیلا کیوں آیا ہے، تاجور کو ساتھ کیوں نہیں لایا؟"

"تاجور ابھی نہیں آ سکتی۔" وہ اسی بات سے پریشان تھا کہ کہاں سے لائے گا تاجور کو۔

"کیوں ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئی؟" ابا نے جرح کے انداز میں پوچھا تھا۔

"نہیں، ابھی اس کا علاج چل رہا ہے۔"

"سال ہونے کو آ رہا ہے اور ابھی تک اس کا علاج چل رہا ہے۔ یہ شہری ڈاکٹر صرف پیسے بٹورتے ہیں، علاج نہیں کرتے اور تو اب کہاں سے پیسے بھرے گا۔ نوکری تو ہے نہیں تیری اور میرا اپنا بہت خرچا ہے میں نہیں دے سکتا۔" ابا کی آخری بات پر اسے غصہ آ گیا تھا۔

"میں کب مانگ رہا ہوں آپ سے۔ کر لوں گا میں کچھ نہ کچھ، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تو پھر رونا کیوں ہے؟"

"پاگل ہوں نا میں، آپ کی محبت میں رو رہا تھا لیکن آپ کو احساس ہی نہیں ہے۔ میرا نہ تاجور کا۔" وہ ابا کے گھٹنے چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں تو نے تو میرا بڑا احساس کیا، بڑا سہارا دیا مجھے، جو مجھ سے امید رکھ رہا ہے۔" ابا کبھی احساسات سمجھتے ہی نہیں تھے۔

"نہیں رکھ رہا میں آپ سے کوئی امید، آپ سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا اس لیے آ گیا۔ کچھ مانگنے نہیں آیا۔ آپ کہیں تو ابھی واپس چلا جاتا ہوں اور پھر کبھی نہیں آؤں گا۔" اس نے کہا تو ابا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگے۔ پھر بیوی کو مخاطب کر کے بولے۔

"سن رہی ہے! کچھ کھانے کو لے آ اس کے لیے، دور سے آ رہا ہے۔"

اس نے سر جھٹکا پھر نل پر منہ ہاتھ دھو کر برآمدے میں بچھی چارپائی پر آ بیٹھا تو فوراً" ہی اماں نے اس کے سامنے روٹی سالن لا رکھا۔ اسے بھوک تو لگ رہی تھی لیکن ابا کی باتوں سے دل ایسا ہوا تھا کہ نوالہ حلق سے اتر ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا تھا کہ بیرونی دروازہ کھلنے کے ساتھ پکارتی آواز آئی تھی۔

"چاچی.....!"

اس نے فوراً" منہ سے گلاس ہٹا کر دروازے کی سمت دیکھا۔ وہ تاباں تھی۔ ہمیشہ سے مختلف بجی سنوری دونوں کلائیوں میں بھر بھر چوڑیاں، کانوں میں جھمکے اور ناک میں چمکتی لونگ نے تو اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔ وہ محویت سے اسے دیکھے گیا۔

"ارے یہ اتنی مدت بعد تم کیسے راستہ بھول پڑے۔" تاباں نے اس کے سامنے رک کر پوچھا تو وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ بڑی مدت بعد آئے ہو؟" تاباں نے پھر اپنی بات دہرائی تو وہ سنبھل کر بولا تھا۔

"ہاں بس، تم سناؤ کیسی ہو؟"

"کیسی لگ رہی ہوں۔" تاباں شوخی سے کہہ کر اپنے آپ کو دیکھنے لگی پھر اپنی چوڑیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں۔" وہ نظریں چرا گیا تو تاباں کھلکھلا کر ہنسی، پھر کہنے لگی۔

"بڑے بے مروت ہو۔ تھوڑی تعریف ہی کر دو۔"

"کیوں، میں کیوں تعریف کر دوں۔" وہ اچانک اکھڑ گیا۔ "اس سے کراؤ اپنی تعریف جس کے لیے اتنا ہار سنگھار کیے پھرتی ہو۔"

"تو تم جل کیوں رہے ہو۔ تمہیں اچھا نہیں لگ رہا تو اپنی آنکھیں بند کر لو۔" تاباں نے ناک کر نشانہ لگایا تھا۔ وہ دانت پیس کر بولا۔

"تمہیں چاچی سے کام ہے نا، جاؤ وہ اندر ہیں۔"

"مجھے پتا ہے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھی تھی کہ وہ اسے مخاطب کیے بغیر قدرے اونچی آواز میں بولا تھا۔

"میں نہر والے باغ جا رہا ہوں۔"

تاباں رک کر اسے دیکھنے لگی لیکن وہ چارپائی کی دوسری طرف سے اتر کر باہر نکل گیا۔

گو کہ تاباں کی سج دھج ظاہر کر رہی تھی کہ وہ پرائی ہو چکی ہے، پھر بھی جانے کیوں اسے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گی۔ نہر والے باغ کے اسی مخصوص گوشے میں جہاں ان کی محبت پروان چڑھی تھی، وہ نرم زمین پر بیٹھ کر تاباں کا انتظار کرنے کے ساتھ اسی کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد تاباں سچ مچ آ گئی اور قدرے تیکھے انداز میں پوچھنے لگی۔

"اب کیوں بلایا ہے مجھے؟"

"میں نے کب بلایا ہے؟" اس کی پیشانی پر بھی بل پڑ گئے۔

"میں نہر والے باغ جا رہا ہوں، یہ کون کہہ رہا تھا۔" تاباں نے جتایا تو وہ چہرہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ تاباں گھوم کر اسی طرف آ گئی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ تم نے نہیں بلایا۔ میں آپ ہی آ گئی ہوں۔"

"میرے نہ بلانے پر آ گئی ہو اور اگر میں بلاؤں تو۔" اس کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ تاباں خائف ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"بتاؤ تاباں! میرے بلانے پر آؤ گی ناں۔ چلو گی نا میرے ساتھ۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" وہ اچانک نہیں بکھرا تھا، بہت پہلے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ تاباں کو لے آئے گا۔

"مجھ سے بڑی غلطی ہوئی تھی۔ میں نے تمہیں مایوس لوٹا دیا تھا۔ مجھے معاف کر دو تاباں!"

تاباں سراسیمہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"میرا یہاں کوئی نہیں ہے تاباں! بس ایک صرف تم ہو۔ میں تمہارے لیے آیا ہوں۔ تمہیں لینے۔ چلو ہم ابھی یہاں سے نکل چلیں۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو شمشیر! پاگل تو نہیں ہو گئے۔ میری شادی ہو گئی ہے۔" تاباں نے اسے ٹوک کر اپنے تئیں انکشاف کیا تھا۔

"مجھے پتا ہے۔ تمہاری سج دھج نے سب بتا دیا ہے مجھے۔ یہ بھی کہ تم خوش نہیں ہو۔ اتار پھینکو یہ سب جھوٹی خوشیاں۔ میں تمہیں....."

"بس۔" تاباں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا۔ "یہ جھوٹی خوشیاں نہیں ہیں شمشیر! میرا مرد مجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ ساری دنیا اٹھا کر میری جھولی میں ڈال دے۔"

"اور میں..... میری محبت؟" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"تمہاری محبت۔" تاباں ایک دم آگے آئی اور نرم زمین پر پاؤں مار کر کہنے لگی۔

"تمہاری محبت دیکھو، یہیں کہیں تم نے خود ہی تو دفن کی تھی اور جو دفن ہو جائے اس کی پھر ہڈیاں ہی ملتی ہیں۔ کیا کرو گے گلی سڑی ہڈیوں کا۔"

اب وہ سراسیمہ تھا۔

"بھول جاؤ شمشیر! سب بھول جاؤ۔ گڑے مردے مت اکھاڑو۔ کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کیونکہ میں اپنی زندگی میں خوش ہوں۔ اس لیے کہ یہ تقدیر کا فیصلہ تھا۔ تم نے مجھے یہی سبق پڑھایا تھا ناں، پھر تم تقدیر سے لڑنے کیوں آ گئے ہو؟"

وہ ہنوز ساکت تھا۔

"جاؤ چلے جاؤ شمشیر! میں تمہارے بلانے پر نہیں آئی اور اگر تم بلاؤ گے تب تو مر کر بھی نہیں آؤں گی۔ سن رہے ہو ناں! تاباں تقدیر کے فیصلے پر خوش ہے۔ بہت خوش۔"

وہ ہنسنا چاہتی تھی لیکن آنسو چھلک گئے۔ تب وہ پلٹ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ شمشیر علی نے چاہا اسے دور تک دیکھے لیکن اس کا پورا وجود سن ہو چکا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

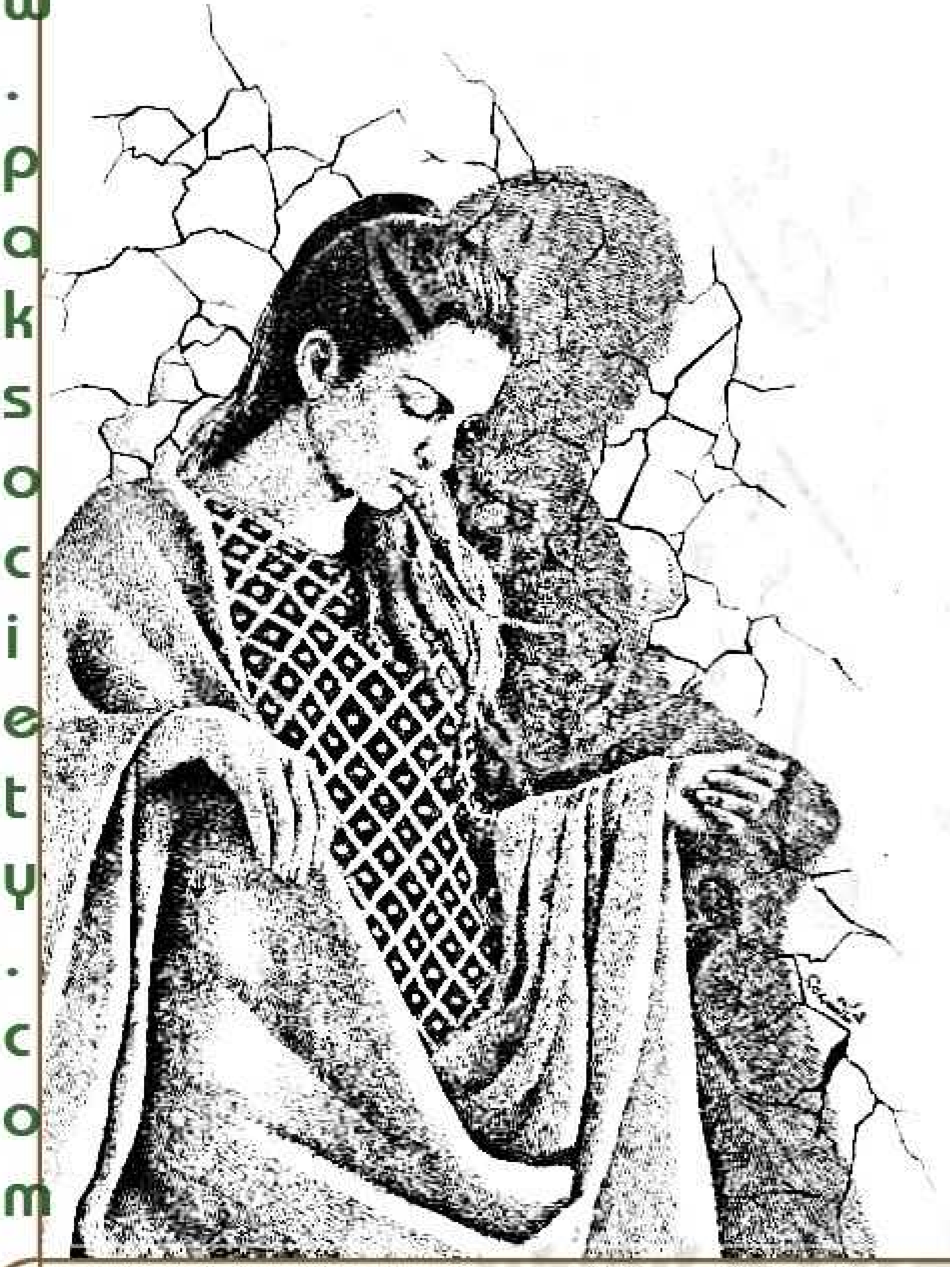

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

اجلال رازی اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں گم کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نامناسب گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچا لیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اسپتال میں اریبہ کے پاس ساجدہ بیگم ٹھہری ہوتی ہیں۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہے۔ شمشیر علی، توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد نے اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہا۔ بعد میں انہیں پتا چلا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اریبہ ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے۔

وہ اسے شہباز درانی کے ساتھ دیکھ چکی ہے۔

رازی اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔

تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ دل گرفتہ سا اسپتال جا کر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

وہاں سے وہ گاؤں جاتا ہے مگر ابا کو نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہو جاتی ہے۔ سارہ' میرب سے الجھی ہوئی گفتگو کرتی ہے۔

یاسمین' اریبہ کی جلد شادی کی فکر میں پڑ گئی ہے مگر اریبہ سختی سے منع کر دیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو ڈنر پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ بھی الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ جا رہا ہے۔ اریبہ اور اجلال اسے سی آف کر کے واپسی میں سی ویو جاتے ہیں۔ وہاں اسے سارہ کا خیال آجاتا ہے۔ وہ گھبرا کر واپس آجاتا ہے۔

۱۱

گیارہویں قسط

زندگی اس کے لیے ایسا امتحان بن جائے گی کہ دو گام چلنا مشکل ہو جائے گا۔ ایسا شمشیر علی نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی محنت سے زینہ بہ زینہ ترقی کی منازل طے کر رہا تھا اور بہت مطمئن تھا۔ کبھی کبھی سیدھی شفاف سڑک پر جیسے اچانک ڈھلوان آجاتی ہے کہ چلنے والے کو پتا ہی نہیں چلتا اور وہ منہ کے بل جا گرتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہ ہوا تھا۔ تیز روشنی کے بعد اچانک گھپ اندھیرا تھا۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ تاباں کے ساتھ شام بھی کب کی رخصت ہو چکی تھی اور وہ ابھی بھی وہیں بیٹھا تھا۔ نہر والے باغ کے اسی مخصوص گوشے میں جو دن کے اجالے میں جتنا خوب صورت دکھائی دیتا تھا' اب اسی قدر خوف ناک لگ رہا تھا۔ لیکن وہ یہ سب کہاں سوچ سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تو بس ایک ہی منظر ٹھہر گیا تھا۔

تاباں جا رہی تھی۔ اس کی زندگی جا رہی تھی۔ اب اس کے پاس کیا تھا۔ جینے کو بھی بہانہ چاہیے اور سارے بہانے ختم ہو گئے تھے۔ لیکن نہیں۔ ابھی کچھ باقی تھا۔ نہر کے اس طرف خانہ بدوشوں کے خیموں میں شمعیں روشن ہو رہی تھیں۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا پھر بھاگنے لگا تھا۔ اور جب گھر پہنچا تو بری طرح ہانپ رہا تھا۔

"کہاں چلا گیا تھا؟" ابا نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ وہ ان کے سامنے بچھی چارپائی پر ڈھے گیا۔

"دیکھ شمشیر علی!" ابا اس کی کیفیت سے بے خبر اپنا بولنا شروع ہو گئے۔

"تو یہاں اس گاؤں کا جم پل ہے۔ تجھے شہر راس نہیں آئے گا۔ بندہ اڑان اتنی بھرے جتنی پروں میں طاقت ہو۔ نہیں تو پھر پھڑانے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔"

اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں شاید کان بند کرنا چاہتا تھا۔

"تو نے اپنا پڑھنے کا شوق پورا کر لیا۔ نوکری کر کے بھی دیکھ لی اب ادھر ہی آجا۔ میرے ساتھ کھیتی باڑی کر۔ کم از کم اپنی زمین دغا تو نہیں دے گی نوکری کی طرح۔ سن رہا ہے ناں۔"

"ہوں۔" اس نے پورا زور لگا کر ہوں کی آواز نکالی تھی۔ یہ اس کی مجبوری تھی کیونکہ اس وقت اختلاف کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"تاجور کو بھی لے آ۔ اکیلی لڑکی کو ادھر چھوڑ آیا ہے۔ کچھ غیرت ہے تجھ میں کہ نہیں۔" ابا نے جانے انجانے میں اسے جھنجوڑ دیا تھا۔ وہ بلبلا کر اٹھا تھا۔

"ابا! بولنے سے پہلے کچھ سوچ بھی لیا کریں۔"

"کیا سوچ لوں۔ بول۔ سچی بات کڑوی لگتی ہے تجھے۔ حیا مر گئی ہے تیری۔ کان کھول کے سن لے شمشیر میری بچی کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہوئی تو میں تجھے نہیں بخشوں گا۔" ابا تھے سے اکھڑ گئے تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی غصہ ان کی ناک پہ دھرا رہتا تھا۔ لیکن جو کچھ وہ کہہ رہے تھے' اسی خوف سے تو اس کی جان پہ بنی ہوئی تھی۔ وہ بار بار مر رہا تھا اور ہر بار تاجور کی پکار اسے جیسے قبر میں سے کھینچ لاتی تھی۔

"سویرے جا کر تاجور کو لے آ۔" ابا حکم صادر کر کے لیٹ گئے۔ اس کا دل چاہا۔ ابا کے پیروں سے لپٹ کر بہت روئے اور انہیں بتائے کہ وہ تاجور کو کھو چکا ہے لیکن اس کی ہمت نہیں ہوئی اور ہمت تو اس کی دو قدم چلنے کی بھی نہیں تھی پھر بھی اس نے اسی وقت جانے کی ٹھان لی تھی۔

"سویرا اور ہے ابا! میں ابھی جا رہا ہوں۔" وہ بمشکل بول پایا پھر ابا کے پیر چھو کر گھر سے نکل آیا تھا۔

رات بھر کی مسافت کے بعد وہ کراچی پہنچا تو اس وقت فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ اس کے پاس اپنا ٹھکانا تو تھا نہیں۔ بس سے اترا تو رکشہ پکڑ کر سیدھا فضل کریم کے گھر جا پہنچا۔

"ابے باؤ! تجھے آنا تھا تو فون کر دیتا۔ میں تیرے لیے دروازہ کھلا چھوڑ دیتا۔ ایویں اتنی دیر باہر کھڑا رہا۔" اس کے مسلسل دروازہ پیٹنے کے باوجود فضل کریم کی آنکھ بہت دیر سے کھلی تھی۔ مزید اسے الزام دیتے ہوئے فضل کریم واپس اپنی جگہ پر گر کر سو گیا۔ اور وہ بھی اب صرف سونا چاہتا تھا کیونکہ بس کے سفر نے بری طرح تھکا دیا تھا پھر بھی وہ لیٹتے ہی سو نہیں گیا تھا۔ کتنی کروٹیں بدلیں۔ کبھی اٹھ کر بیٹھ گیا یہاں تک کہ اجالا پھیلنے لگا تھا تب کہیں جا کر نیند مہربان ہوئی تو پھر وہ بہت لمبا سویا تھا۔

وہ پہر ڈھل رہی تھی جب اس کی آنکھ کھلی تو پہلے اس نے اپنے طے شدہ پروگرام کو نئے سرے سے سوچا جس میں سرفہرست روزگار حاصل کرنا تھا کیونکہ اس کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم موجود تھی کہ اس کے چھ آٹھ مہینے آرام سے گزر سکتے تھے۔ لیکن وہ اتنی رقم پر تکیہ کر کے فارغ نہیں بیٹھ سکتا تھا اور فی الحال اسے فل ٹائم جاب بھی نہیں کرنا تھی کیونکہ اس طرح پابند ہو کر وہ اور کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا جبکہ اسے تاجور کو تلاش کرنا تھا۔ اس لیے اس نے پارٹ ٹائم جاب کا سوچا تھا اور ابھی اسی سلسلے میں ایک دو جاننے والوں سے ملنے کا سوچ کر وہ اٹھ گیا تھا۔

* * *

تاجور نے قرآن پاک پڑھنے کے ساتھ بی بی سے نماز بھی سیکھ لی تھی اور اب وہ باقاعدگی سے نماز پڑھنے لگی تھی جس سے اس کے اندر مستقل جو ایک بے چینی اور بے صبری کی کیفیت تھی' اس میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ یعنی وہ جو بیٹھے بیٹھے تڑپ اٹھتی تھی کہ بس چلے تو ابھی اپنے بھائی کے پاس پہنچ جائے یا اس کا بھائی آجائے تو اب ایسا نہیں تھا۔ رب سے رجوع کر کے اس کے اندر ٹھہراؤ آگیا تھا اور وہ ہر نماز میں اپنے بھائی کی سلامتی اور عافیت کی دعا کرتی۔ اس وقت مغرب کی نماز کے بعد وہ ہاتھ پھیلائے بیٹھی تھی۔

"میرے اللہ' میرا بھائی جہاں کہیں بھی ہے' اسے اپنی امان میں رکھنا۔ میرے بھائی کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ وہ ہر امتحان میں پاس ہو۔ میرے اللہ میرے بھائی کو گھر دے دے پھر وہ آکر مجھے لے جائے۔ میرے اللہ میرے بھائی کی مدد کر۔ آمین۔"

منہ پر ہاتھ پھیر کر وہ اٹھی اور جانماز لپیٹ کر پلٹی تو سارہ کو کھڑے دیکھ کر کچھ کنفیوز ہو گئی تھی۔

"بھئی واہ! ایسی بہن ہو تو تمہارے جیسی۔" سارہ اسے سراہ کر کہنے لگی۔ "بہت خوش قسمت ہے تمہارا بھائی۔ مجھے یقین ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو گا' تمہاری دعاؤں کے حصار میں ہو گا۔" تاجور نا سمجھی کے عالم میں سارہ کو دیکھے جا رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم بہت خالص لڑکی ہو۔ تم پر دنیا کا رنگ نہیں چڑھا۔ چڑھنے بھی

مت دینا۔ دنیا بہت بری ہے۔ ہر رنگ میں بری ہے۔"

"مجھے آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہیں باجی۔" تاجور کے لہجے میں نہ سمجھنے کا ملال تھا۔

"اچھا ہے تاجور! مت سمجھو' ساری خرابی ہی سمجھنے میں ہوتی ہے۔" سارہ نے کہہ کر یوں سر جھٹکا جیسے کسی تکلیف دہ کیفیت سے نکلنا چاہتی ہو۔

"باجی! ایک بات پوچھوں۔ آپ برا تو نہیں مانیں گی؟" تاجور نے سادگی سے کہا۔

"پوچھو۔" سارہ نے پہلے بے دھیانی میں کہا پھر ایک دم اسے دیکھنے لگی تھی۔

"آپ کے ابا آپ کے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟" تاجور پوچھتے ہوئے خائف ہو گئی تھی۔ سارہ کو ہنسی آگئی۔

"میرے ابا ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے' اس لیے کہ انہوں نے دوسری شادی کی ہوئی ہے۔ وہاں رہتے ہیں دوسری بیوی اور بچوں کے ساتھ۔"

"ہیں۔!" تاجور کی حیرت میں ڈوبی "ہیں" پر سارہ خاصی محظوظ ہوئی پھر کہنے لگی۔

"ہاں۔ اس میں حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ تمہارے ابا نے بھی تو دوسری شادی کی ہے۔"

"ہاں پر میری اماں تو۔" تاجور نے خود ہی بات ادھوری چھوڑ دی لیکن سارہ سمجھ گئی تھی جب ہی بے ساختہ بولی تھی۔

"میری اماں زندہ ہیں اور بہت پیاری بھی ہیں۔ یہی سوچ رہی ہو ناں تم۔"

"جی۔!" تاجور نے فوراً" اثبات میں گردن ہلائی تھی۔ سارہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی تھی۔

"تم نہیں سمجھ سکو گی یا شاید میں تمہیں نہیں سمجھا سکوں گی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں باجی! مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آتیں۔ تاجور نے اپنی کم علمی کا اعتراف کیا تھا۔

"لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لو تاجور! کبھی کسی پر بھروسا مت کرنا۔" سارہ اچانک بہت سنجیدگی سے کہہ کر پھر ایک دم اس کے کمرے سے نکل گئی تھی اور یہ نہیں تھا کہ سیدھی سادی بات تاجور کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سمجھ میں نہ آنے والا سارہ کا پل پل بدلتا رویہ تھا۔ وہ اچانک ہنستی بھی اور اچانک یوں ہو جاتی جیسے وہ ہنسنا جانتی ہی نہیں۔ اس طرح تاجور جتنا اس کے قریب ہوتی اسی قدر دور ہو جاتی تھی۔

"کیا ہو جاتا ہے سارہ باجی کو۔" وہ سوچنے لگی تھی کہ اچانک روٹی پکانے کا خیال آنے پر اس کا دھیان بٹ گیا۔ فوراً" کمرے سے نکل کر کچن میں آئی تو بی بی چولہے پر توا رکھ رہی تھیں۔

"میں آگئی ہوں بی بی! آپ ہٹ جائیں۔" وہ بی بی کو ہٹا کر جلدی جلدی پیڑے بنانے لگی۔

"تم نکما کر دو گی مجھے۔ چلی جاؤ گی تو مجھے کتنی پریشانی ہوگی۔"

بی بی سنک پر ہاتھ دھوتے ہوئے بول رہی تھیں اور اسے یہ سننا بہت اچھا لگتا تھا۔ دل چاہتا بی بی سے لاڈ کرتے ہوئے کہے میں کہیں نہیں جاؤں گی بی بی لیکن اپنے دل کی اس معصوم خواہش کو وہ ہمیشہ دبا دیتی تھی کیونکہ اسے خود پتا نہیں تھا کہ وہ کب تک یہاں رہے گی۔ بہرحال اس گھر کے مکینوں سے وہ نہ صرف مانوس ہو گئی تھی بلکہ محبت بھی کرنے لگی تھی۔ بس ایک یاسمین تھی جس سے وہ خائف رہتی تھی گو کہ یاسمین اس سے بات کرنا تو دور کی بات کبھی غلطی سے اسے مخاطب بھی نہیں کرتی تھی بلکہ دیکھ کر بھی انجان بن جاتی تھی۔ شاید اس کی طرف سے حد سے زیادہ نظر انداز ہونے پر ہی وہ خائف تھی اور کوشش کرتی تھی کہ یاسمین سے سامنا نہ ہونے پائے اس لیے وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں یا پھر بی بی کے ساتھ لگی رہتی تھی۔

"کھانا ابھی لگا دوں بی بی!" اس نے روٹی پکانے سے فارغ ہو کر پوچھا۔

"نہیں بیٹا! اتنی جلدی تو کوئی نہیں کھاتا۔ پھر ابھی حماد اور اریبہ بھی نہیں آئے۔" بی بی نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"اریبہ باجی کہاں گئی ہیں۔"

"اپنی نانی کے ہاں جانے کا کہہ رہی تھی اور ہاں' تمہیں بھوک لگی ہو تو تم کھا لو۔" بی بی نے جواب کے ساتھ کہا۔

"ابھی نہیں بی بی! نماز کے بعد۔" وہ کہہ کر کچن سے نکلی تو پھر اپنے کمرے میں جا بیٹھی تھی۔

* * *

اریبہ شام سے ساجدہ بیگم کے ہاں آئی ہوئی تھی اور اس نے گھر سے نکلتے وقت ہی اجلال رازی کو فون کیا تھا کہ وہ اس کے گھر جا رہی ہے' اس کے باوجود اجلال رازی نے آنے میں بہت دیر کر دی تھی مزید معذرت کے بجائے انجان بن کر پوچھ رہا تھا۔

"ارے! تم کب آئیں؟"

"بس آگئی۔" اریبہ کو ساجدہ بیگم کی موجودگی کے باعث ضبط کرنا پڑا تھا۔

"چلو بیٹا جلدی سے کپڑے بدل کر آجاؤ میں کھانا لگواتی ہوں۔" ساجدہ بیگم نے اٹھتے ہوئے اجلال رازی سے کہا تو اریبہ بھی ان کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ انتظار کے بعد رازی کے رویے نے اسے بد دل ہی نہیں' ٹھیس بھی پہنچائی تھی۔

"نانی امی! میں اب چلوں گی۔"

"ارے! ایسے کیسے جاؤ گی' کھانا کھا کر جانا۔" ساجدہ بیگم نے ٹوک کر کہا۔

"نہیں نانی امی! مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ شام میں آپ نے اتنا کچھ کھلا دیا تھا۔ اب کھانا تو میں کھاؤں گی ہی نہیں۔" اس نے بھوک نہ ہونے کی وجہ بھی بتا دی پھر بھی ساجدہ بیگم اصرار کرنے لگیں۔

"بیٹا! تھوڑا سا کھا لو۔ اچھا نہیں لگتا یوں کھانے کے وقت تم چلی جاؤ۔"

"کوئی ایسی بات نہیں ہے نانی امی! آپ محسوس نہ کریں میں پھر آجاؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے ساجدہ بیگم کے گلے لگ گئی اور انہیں مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا' خدا حافظ کہہ کر تیز قدموں سے باہر نکل آئی اور ابھی گاڑی کا لاک کھول رہی تھی کہ عقب سے اجلال رازی نے اس کے کندھے تھام لیے۔

"ناراض ہو کر جا رہی ہو؟"

"کیوں میں کیوں ناراض ہوں گی۔ مجھے کیا حق ہے تم سے ناراض ہونے کا۔" وہ اچانک بکھر گئی تھی۔ "اب تو سارے حق تمہارے ہیں۔ چاہو پیار سے بلاؤ' چاہو دھتکار دو۔ میری برا ماننے کی اوقات ہی نہیں رہی۔"

"تم کیا کہہ رہی ہو اریبہ! پاگل تو نہیں ہو گئیں۔" اجلال رازی پریشان ہو گیا تھا۔

"نہیں۔ میں پاگل نہیں ہوں۔ سب سمجھتی ہوں۔ مجھے بتاؤ تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو۔ محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک نفرت سے منہ موڑ کر کیوں چل دیے ہو۔ بتاؤ رازی بتاؤ۔" وہ اس کے دونوں بازو تھام کر جھنجوڑنے لگی تھی۔

"تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی تو صاف کہہ دو۔ خود پر جبر مت کرو رازی! اور نہ مجھے اذیت دو۔ میں ایک ہی بار تمہاری بے وفائی کا ماتم کر لوں گی۔ یوں مر مر کے جینا مجھے جیتے جی مار ڈالے گا۔ میں مر جاؤں گی رازی۔"

"اریبہ، اریبہ!" اجلال رازی اس کا چہرہ ہاتھوں میں لینا چاہتا تھا لیکن وہ مچل رہی تھی۔ آنسو بے تحاشا بہہ رہے تھے۔

"میری بات سنو اریبہ! مجھے غلط مت سمجھو میں نے صرف تم سے محبت کی ہے، صرف تم سے۔ میرے دل میں صرف تم بستی ہو صرف تم۔"

"مت بہلاؤ مجھے تمہارا بار بار اجنبی بن جانا میرے دل میں ترازو ہو گیا ہے۔" وہ اسے دھکیل کر پھر گاڑی کا لاک کھولنے لگی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"دیکھو ایسے مت جاؤ۔ تم ابھی ڈرائیو نہیں کر سکو گی۔" اجلال رازی نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"تم!" وہ انتہائی تنفر سے جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ اجلال رازی نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

"بس۔ تم نے جو کہنا تھا کہہ دیا اور میں ابھی کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ تم اس وقت غصے میں ہو میری بات نہیں سمجھو گی۔ الٹا اور ناراض ہو گی۔ چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔"

"نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی تھی۔

"ضد نہیں کرتے اریبہ۔" وہ بہت پیار سے اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔

"میں ضد نہیں کر رہی۔" اریبہ نے آہستگی سے اس کے ہاتھ ہٹائے پھر اس کی طرف دیکھے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

اب اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی تھی۔ اسے انتظار کرنا چاہیے تھا۔ اجلال رازی خود آ کر اپنے رویے پر نادم ہوتا اور وضاحت بھی کرتا کہ وہ کس وجہ پر اچانک ناراض کیوں ہو گیا تھا۔

"اسے وضاحت تو کرنی پڑے گی۔ میں کیوں خود کو اتنا گرا رہی ہوں۔" اسے سارہ کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا۔ "مت خود کو اتنا گراؤ کہ دوسرا ساتویں آسمان پر پہنچ جائے۔ وقار سے سر اٹھا کر جیو۔ یہ تمہارا حق ہے۔ کوئی تمہارے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا۔"

"بے وقوف ہے سارہ اور انجان بھی اگر اسے معلوم ہو جائے کہ ہم کس ماں کی بیٹیاں ہیں تو وہ بھی شرم سے سر نہیں اٹھا سکے گی۔" وہ اپنی بے وقعتی پر کڑھتے ہوئے گھر آئی تو اپنے کمرے میں بند ہو جانا چاہتی تھی لیکن وہاں پہلے ہی سارہ موجود تھی۔

"اتنی دیر کر دی۔" سارہ نے فوراً ٹوکا لیکن پھر اس کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ "کیا بات ہے اریبہ! سب ٹھیک تو ہے ناں؟"

"ہاں سب ٹھیک ہیں بس ایک میں ہی غلط ہوں۔" وہ کہہ کر واش روم میں بند ہو گئی تھی۔

* * *

اجلال رازی کے اندر مستقل ایک جنگ جاری تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اریبہ اس کی زندگی تھی۔ اس کے دل میں ساری آرزوئیں صرف اسی کے لیے مچلتی تھیں۔ لیکن اس کا ذہن قدم قدم پر اسے احساس دلاتا تھا کہ وہ کچھ بھول رہا ہے۔ کوئی ہے جس کے خاموش آنسو اسے کبھی چین نہیں لینے دیں گے اور وہ اریبہ کے ساتھ بھی انصاف نہیں کر سکے گا۔

اور یہ اس عورت کی گود اور تربیت کا اثر تھا جو وہ کسی طرح بھی خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے پا رہا تھا۔ حالانکہ دل مسلسل اکساتا تھا کہ حادثہ ہی تو تھا۔ بھول جاؤ۔ اور واقعی کتنے دنوں تک اسے کچھ یاد نہیں رہتا تھا لیکن پھر

اچانک کوئی بات اسے آسمان سے زمین پر لا پٹختی تھی۔ وہ بلبلا اٹھتا اور اب تو اریبہ نے بھی نہ صرف محسوس کر لیا تھا بلکہ اس سے سوال بھی کر رہی تھی کہ وہ اچانک اس سے دور کیوں ہو جاتا ہے۔

"مجھے بتاؤ رازی! محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک نفرت سے منہ موڑ کر کیوں چل دیتے ہو۔"

"میں کیسے بتاؤں اریبہ کو اور کیا بتاؤں۔" کتنے دنوں سے وہ اپنے آپ میں الجھ رہا تھا۔ کبھی سوچتا اریبہ کو اعتماد میں لے کر سب بتا دے لیکن فوراً ہی خیال آتا کہ اگر وہ نفرت سے منہ موڑ کر چلی گئی تو پھر وہ کبھی اسے نہیں منا سکے گا۔

"پھر میں کیا کروں؟" وہ روزانہ خود سے سوال کر کے سوچتا تھا اور بالآخر اسے ایک راستہ سجھائی دے گیا تو پھر اس نے دیر نہیں کی۔ اسی وقت توصیف ولا کے نمبر ڈائل کیے تھے۔

"ہیلو!" سارہ کی آواز سن کر وہ ایک لحظہ کو ڈگمگایا تھا پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔

"سارہ۔ میں رازی بات کر رہا ہوں۔"

"جی رازی بھائی! میں اریبہ کو بلاتی ہوں۔" سارہ نے کہا تو اس نے فوراً ٹوک دیا۔

"نہیں سارہ! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"کیا بات؟" سارہ متحیر تھی۔

"بہت ساری باتیں ہیں۔ فون پر نہیں ہو سکتیں اور نہ گھر پر۔ میں تمہیں کالج سے پک کر لوں گا۔ دیکھو انکار مت کرنا۔ میں جس اذیت میں مبتلا ہوں اس سے تم ہی مجھے نکال سکتی ہو۔ بتاؤ کب آؤں؟" اس کے ملتجی لہجے پر سارہ جز بز ہو کر رہ گئی بولی کچھ نہیں تھی۔

"سارہ پلیز۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ بہت ضروری ہے اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو کتنی زندگیاں داؤ پر لگ سکتی ہیں۔"

"خدا کے لیے رازی بھائی! چپ ہو جائیں۔ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔" سارہ تڑپ کر بولی تھی۔

"کر سکتی ہو۔" وہ زور دے کر بولا تھا۔ "تم نے ہمیشہ میری مدد کی ہے۔ ہمیشہ مجھے سہارا دیا ہے۔ جب اریبہ مجھ سے ناراض تھی تب بولو کون مجھے۔"

"کیا اریبہ پھر آپ سے ناراض ہو گئی ہے؟" سارہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بے اختیار بول پڑی تھی۔

"نہیں۔ لیکن ہو بھی سکتی ہے۔" وہ جیسے ڈھے گیا تھا۔

"کیوں اب کیا ہو گیا ہے؟" سارہ نے جیسے بادل نخواستہ پوچھا تھا۔

"یہی بتانے کے لیے میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ ملو گی ناں؟"

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔" سارہ نے سوچ کر ہامی بھرتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ وہ ریسیور رکھ کر اسی نہج پر سوچنے لگا کہ وہ سارہ سے کیا بات کرے گا۔

* * *

شمشیر علی کو پارٹ ٹائم جاب کے لیے بہت زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑی تھی۔ تعلیم اور تجربے کی بنا پر جلد ہی اسے اپنے مطلب کی جاب مل گئی تھی۔ اس کے بعد وہ رہائش ڈھونڈنے میں لگ گیا تھا گو کہ فضل کریم کے ہاں اسے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ خود فضل کریم اس سے یہی کہتا تھا کہ جب تک وہ چھڑا چھانٹ ہے، آرام سے اس کے ساتھ رہے اور وہ رہ بھی سکتا تھا لیکن توصیف احمد سے انتقام لینے کا جو پلان اس نے سوچ رکھا تھا اس کے لیے اسے شہر سے دور رہائش اختیار کرنی تھی اور یہ کام وہ بہت رازداری سے کر رہا تھا۔ فضل کریم کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا

کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے فضل کریم کسی مشکل میں پھنسے جبکہ خود وہ ہر مشکل کا سامنا کرنے کو تیار تھا۔ شاید اس لیے کہ اب اس کے پاس جینے کا کوئی بہانہ نہیں تھا۔

بہرحال جاب ملتے ہی اس نے اپنی جمع پونجی سے سیکنڈ ہینڈ گاڑی خرید لی تھی۔ جس سے اسے کافی سہولت ہو گئی تھی۔ صبح فضل کریم کے ساتھ ہی وہ گھر سے نکلتا تو پہلے اسے اسپتال چھوڑتا پھر رہائش کی تھکن دور کرتا اور دس بجے اپنی جاب پر پہنچ جاتا۔ جہاں سے رات آٹھ بجے اس کی واپسی ہوتی تھی۔ یونیورسٹی کو فی الحال اس نے خیرباد کہہ دیا تھا۔ جس کا اسے ملال بھی تھا کیونکہ صرف دو سمسٹر باقی رہ گئے تھے۔ اس کے بعد وہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کہلاتا جو کہ اس کا خواب تھا۔

اس وقت وہ فضل کریم کو لے کر گھر سے نکلا تو راستے میں اسے بتانے لگا۔

"میں نے گھر دیکھ لیا ہے فضل کریم! دعا کرو آج سارے معاملات طے ہو جائیں۔ پھر میں ایک دو دن میں وہاں شفٹ ہو جاؤں گا۔"

"تو بڑا ضدی ہے باؤ۔ جو اپنے دل میں ٹھان لیتا ہے وہی کرتا ہے۔" فضل کریم نے کہا تو وہ رسان سے بولا تھا۔

"ضد کی بات نہیں ہے یار! یہ میری ضرورت ہے۔"

"اچھا! ایک بات کہوں۔ برا تو نہیں مانے گا۔" فضل کریم کہہ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"نہیں! کہو تم گالیاں بھی دو گے تو برا نہیں مانوں گا۔" وہ ہنس کر بولا تھا۔

"گالیاں کیوں دوں گا۔ تیرے بھلے کی بات ہے۔" فضل کریم نے قدرے توقف کیا پھر سمجھانے کے انداز میں کہنے لگا۔ "دیکھ تو شریف آدمی ہے۔ پڑھا لکھا بھی ہے۔ تیرے ساتھ جو کچھ ہوا۔ بھول جا۔ وہ سب اسی میں بہتری ہے بدلے کی آگ بجھا دے۔ نہیں تو تیرا اپنا ہی نقصان ہو گا۔"

"میرا جو نقصان ہونا تھا ہو گیا فضل کریم! مزید کیا ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ جان چلی جائے گی تو جان تو ایسے ہی عذاب میں ہے اچھا ہے چھٹکارا مل جائے گا۔" وہ بظاہر سرسری انداز میں بولا تھا۔

"لے تو نے تو بات ہی ختم کر دی۔" فضل کریم ناراض ہو گیا۔

"بات ختم نہیں ہوئی یار! ابھی تو شروع ہوئی ہے۔" اس نے فضل کریم کو چھیڑا تھا۔

"بس رہنے دے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ باقی باتیں ہم رات میں کریں گے۔" اس نے اسپتال کے سامنے گاڑی روک دی اور فضل کریم کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"ناراض مت ہو یار! میں ایسا کوئی کام نہیں کرنے جا رہا ہوں جس میں میری جان کو خطرہ ہو۔"

"سچ کہہ رہا ہے تو۔" فضل کریم بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے شام میں ملتے ہیں۔" فضل کریم اس سے ہاتھ ملا کر گاڑی سے اتر گیا تو اس نے پہلے سگریٹ سلگائی پھر گاڑی ریورس کرنے لگا تھا کہ اسپتال کے گیٹ سے چند قدم اندر کھڑی لڑکی کو دیکھ کر اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ ایک بازو پر سفید گاؤن ڈالے دوسرے ہاتھ میں ڈاکٹری کٹ پکڑے وہ اپنی ساتھی لڑکی سے جانے کیا ڈسکس کر رہی تھی۔ وہ پہلی نظر میں ہی اسے پہچان گیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ اسے اٹھا کر اسی اسپتال لایا تھا پھر اس کے بارے میں اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ کتنی خوش قسمت ہے یہ لڑکی جس کا باپ اس کی خاطر دنیا چھوڑے بیٹھا ہے۔ اور اسی باپ کی بدولت ہی وہ اس کے ذہن پر نقش ہو گئی تھی۔ وہ انتہائی تنفر سے اسے دیکھ رہا تھا جو اب اندر جا رہی تھی۔

وہ ہمیشہ سے اپنی پڑھائی کے معاملے میں بہت سنجیدہ رہی تھی اور کبھی کسی بات کو اس نے خود پر یوں طاری نہیں ہونے دیا تھا۔ جس سے اس کی پڑھائی متاثر ہوتی۔

جب اس نے اجلال رازی سے ناتا توڑا تھا تب بھی نہیں۔

اور جب اس پر یاسمین کی حقیقت واضح ہوئی تھی تب تو وہ ٹوٹ پھوٹ گئی تھی پھر بھی پڑھنے سے اس کا دھیان نہیں ہٹتا تھا۔

لیکن اب اجلال رازی کے بدلتے رویے اور نہ سمجھ میں آنے والی باتوں نے اسے اس بری طرح الجھا دیا تھا کہ صرف پڑھنے سے ہی نہیں ہر شے سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ اپنی اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھتی تو سامنے کھلی کتاب کو بس دیکھتی رہتی یہاں تک کہ آنکھوں کے سامنے گول گول دائرے بننے لگتے کنپٹیوں میں درد شروع ہو جاتا تو وہ ٹیبل لیمپ آف کر کے وہیں ٹیبل پر سر رکھ لیتی۔ اپنی اس کیفیت سے وہ خود پریشان تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کرے۔ اس روز کے بعد سے اس نے اجلال رازی سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ چاہتی تھی اجلال رازی خود آئے اور جیسا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ "ابھی تم میری بات نہیں سمجھو گی کیونکہ اس وقت تم غصے میں ہو۔" تو اس کا یہی مطلب تھا کہ کوئی ایسی بات ہے۔ جس سے وہ اچانک اس سے دور ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

"کیا بات ہو سکتی ہے؟" اس کا ذہن مسلسل اسی بات میں الجھا رہتا جب ہی اور کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ دوستوں کی باتوں پر بس ہوں ہاں کر کے رہ جاتی۔

اس وقت ڈاکٹر سبط حسن نے اسے ایک مریض کے لیے دوائیں تجویز کرنے کو کہا تھا۔ اس سے پہلے وہ مریض کی پوری کنڈیشن بتا چکے تھے۔ پھر بھی وہ پین ہاتھ میں لیے ہونقوں کی طرح کبھی ڈاکٹر سبط حسن کو دیکھتی کبھی مریض کو۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کوئی ایسا کام کہہ دیا ہو جس کی الف ب سے بھی وہ واقف نہ ہو۔ خود اسے یہی لگ رہا تھا۔ آخر انتہائی بے بسی سے اس نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

"ارے! آر یو آل رائٹ۔" ڈاکٹر سبط حسن نے فوراً اس کی کلائی تھامی۔ انہیں لگا تھا جیسے وہ ابھی گر پڑے گی۔

"سوری ڈاکٹر! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ اتنی کمزور تو وہ کبھی نہیں تھی۔

"آپ کو آرام کرنا چاہیے۔ چلیں ادھر۔"

"نو سر! میں گھر جاؤں گی۔" وہ مزید تماشا نہیں بننا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر سبط حسن سے اجازت لے کر اسی وقت باہر نکل آئی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ سیدھی اجلال رازی کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ اس کی برداشت کی حد ختم ہو چکی ہے وہ بھی اپنا کھیل ختم کرے۔ نہیں تو وہ کچھ کر بیٹھے گی۔

"نہیں۔ میں رازی کے پاس نہیں جاؤں گی۔" اس نے سختی سے اپنے دل کو باور کرایا پھر سگنل پر گاڑی کو بریک لگاتے ہی اس کی سوچوں کو بھی بریک لگ گئی تھی۔ چند لمحے اسے ماحول سے مانوس ہونے میں لگ گئے۔ وہ حیران ہوئی جیسے اس سے پہلے وہ کہیں اور تھی۔

"مائی گاڈ! پتا نہیں میں صحیح سلامت گھر پہنچ پاؤں گی کہ نہیں۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر کو دو تین جھٹکے دیے پھر گردن کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے اسے اچانک جھٹکا لگا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر گاڑی میں اجلال رازی کے ساتھ سارہ تھی۔

"رازی، سارہ۔" وہ کچھ سمجھ نہیں پائی نہ ہی کچھ سوچنا چاہتی تھی لیکن کوئی بات تھی جو اسے کھٹک رہی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ الجھنے لگی اور گھر آ کر تو اسے کوئی کام ہی نہیں تھا۔ سارہ کے انتظار میں بیٹھ گئی تھی۔ اس نے اپنے آپ سے کتنی باتیں قیاس کر ڈالی تھیں۔ کبھی خود کو سرزنش بھی کی لیکن پھر ذہن بھٹک جاتا۔ اگر اس پر یاسمین کی

حقیقت نہ کھلتی تو شاید رازی اور سارہ کا ایک ساتھ ہونا اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتا۔ اب تو ہر ایک پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔ جب اس کی آڑ لے کر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتی تھی تو بہن کیوں نہیں۔ اسے مسلسل ایسے ہی خیال آرہے تھے اور اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا۔ سارہ نے بھی تو آنے میں بہت دیر کردی تھی۔ پورے دو گھنٹے بعد آئی تھی اور وہ جو سوچے بیٹھی تھی کہ سارہ کے آتے ہی اسے جھنجوڑ ڈالے گی تو اس کے برعکس بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"تم آج جلدی آگئیں؟" سارہ نے اس سے پوچھا تو وہ جو اس کی آنکھوں کی سرخی پر غور کر رہی تھی چونک کر بولی۔

"ہاں کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

"طبیعت تو تمہاری کافی دنوں سے خراب لگ رہی ہے۔ ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں جاتیں۔" سارہ نے ٹوکا تو وہ خاموش رہی تو قدرے توقف سے سارہ خود ہی کہنے لگی۔

"میں رازی بھائی کے ساتھ آئی ہوں۔ وہ بھی تمہاری طرف سے بہت پریشان تھے۔"

"کیوں؟" وہ پوری جان سے متوجہ ہوئی تھی۔

"ظاہر ہے۔ تم اپنا خیال نہیں کرو گی تو وہ پریشان نہیں ہوں گے۔ پورے دو گھنٹے وہ بس یہی کہتے رہے۔ اریبہ کا خیال رکھو۔ وہ بہت اپ سیٹ ہے۔ کچھ کھاتی پیتی نہیں۔ اتنی کمزور ہو گئی ہے۔ بائی دا وے تم اپ سیٹ کیوں ہو؟" سارہ آخر میں سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تم سب کی وجہ سے عجیب معمہ بنے ہوئے ہو تم سب۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"ہم معمہ بنے ہوئے ہیں۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی کیا کہنا چاہتی ہو تم۔" سارہ نے حیرت کے اظہار کے ساتھ پوچھا تو وہ یکدم ڈھے گئی۔ سارہ کے ہاتھ تھام کر عاجزی سے گویا ہوئی۔

"تم تو میری بہن ہو نا سارہ! تم جانتی ہو میں رازی سے کتنی محبت کرتی ہوں اور یہ کوئی دو چار دن کی بات نہیں ہے۔ برسوں سے میرا دل صرف اسی کے نام پر دھڑک رہا ہے۔ درمیان میں میں لاکھ اس سے متنفر ہوئی لیکن اس سے ہٹ کر نہیں سوچا تھا۔ میں سچ کہہ رہی ہوں سارہ!"

"میں جانتی ہوں اریبہ! بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہیں بھی اور رازی بھائی کو بھی۔ وہ بھی تم سے ہٹ کر نہیں سوچتے۔ پھر تمہیں کس بات کا خدشہ ہے؟" سارہ کا دل اس کی عاجزی پر ڈوبنے لگا تھا۔

"پتا نہیں۔ پتا نہیں سارہ! مجھے لگتا ہے جیسے رازی مجھ سے دور ہو رہا ہے۔ کوئی اسے مجھ سے چھین رہا ہے یا وہ جان بوجھ کر مجھ سے دامن چھڑا رہا ہے۔" اس کے ٹوٹے لہجے پر سارہ تڑپ کر بولی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے اریبہ! تو ہمی ہو گئی ہو تم۔"

"وہم بھی یونہی تو نہیں ہو جاتا۔ کوئی بات ہوتی ہے تب ناں۔"

"نہیں، یہ خود کو زیادہ تھکانے کا نتیجہ ہے۔ اپنے دماغ کو آرام دو۔ بلکہ میں مما سے کہتی ہوں فوراً تمہاری شادی کردیں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے تمہارے وہم کا یہی علاج ہو سکتا ہے۔"

سارہ اب اسے چھیڑنے لگی تھی۔ وہ پریشان ہو گئی کیونکہ اس کے اندر کوئی ہلچل نہیں مچی تھی۔ ہولا دینے والا سناٹا دور تک پھیل گیا تھا اور وہ وحشت بھری نظروں سے سارہ کو دیکھے جا رہی تھی۔

* * *

کتنے دنوں تک سارہ اجلال رازی کی باتوں سے پریشان رہی تھی اور پہلے پہل تو اس کے اندر غصہ بھی تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ سنجیدگی سے سوچنے لگی تھی۔ کیونکہ اجلال رازی نے جس حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس سے وہ زیادہ دن انکار نہیں کر سکی تھی۔ پھر یہ بڑی بات تھی کہ اجلال رازی صرف اپنا نہیں سوچ رہا تھا۔ حالانکہ اس کا کچھ بگڑنے والا نہیں تھا۔ وہ اگر خود غرضی کا لبادہ اوڑھ لیتا تو بھی آرام سے اپنی زندگی جی سکتا تھا۔ لیکن وہ خود غرض نہیں تھا۔ اس نے اپنی باتوں سے ثابت کر دیا تھا اور کسی حتمی فیصلے سے پہلے سارہ پر ہر بات واضح کرنا ضروری سمجھا تھا۔ اس کے بعد وہ تو شاید ـــــ مطمئن ہو گیا تھا لیکن سارہ کی جان پر بنی تھی۔ وہ خود کو بے انتہا مشکل میں محسوس کر رہی تھی۔ ایسے میں اسے سمیر کا خیال آیا تو اس روز وہ یاسمین کو بتا کر کالج سے آمنہ پھوپھو کے گھر آگئی تھی۔

"ارے! یہ آج تم کیسے راستہ بھول گئیں۔" سمیر اسے دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔

"جیسے تم بھولتے ہو۔" وہ کہہ کر فوراً آمنہ پھوپھو سے مخاطب ہوئی۔ "پھوپھو بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے۔ آپ نے کھانا کھا لیا۔"

"نہیں طیبہ کھانا لگا رہی ہے۔ چلو ادھر ہی چلو۔ تم بھی آؤ سمیر!" آمنہ نے کہا تو سمیر اچھل پڑا۔

"میں بھی آؤں۔ یعنی بھتیجی کے صدقے میں مجھے بھی بلایا جا رہا ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" آمنہ نے سمیر کو ٹوکا۔

"فضول باتیں ہی کرتا ہے پھوپھو! آیئے ہم چلیں۔" وہ آمنہ کا ہاتھ تھام کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔ سمیر کی طرح طیبہ بھی اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"مجھے لگ رہا تھا آج تم آؤ گی۔" طیبہ نے اس کے گلے لگتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

"الہام ہوا تھا کیا؟"

"ہاں صبح سے تمہارا چہرہ میری نظروں میں گھوم رہا تھا۔ اس سے مجھے یہی لگا کہ تم آؤ گی اور دیکھو میں نے تمہاری فیورٹ ڈش بنائی ہے۔"

"چکن پلاؤ۔" اس کی بھوک مزید چمک اٹھی۔ "چلیں پھوپھو! شروع کریں مجھ میں اب برداشت نہیں ہے۔"

"ہاں لو۔" آمنہ نے پہلے اس کی پلیٹ میں چاول نکالے جس پر سمیر پھر احتجاج کرنے لگا تو وہ اسے چڑا کر فوراً کھانے میں لگ گئی۔

"جانے کب سے بھوکی ہے۔ طیبہ! کچھ اور کھانے کو ہو تو وہ بھی لے آؤ۔ خالی پلاؤ سے اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔" آمنہ کے ٹوکنے کے باوجود سمیر اسے چھیڑنے سے باز نہیں آرہا تھا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔

"ارے ہاں سارہ! پھر اریبہ کی شادی کا کیا طے ہوا؟" آمنہ نے اچانک یاد آنے پر پوچھا تھا۔

"جی!" وہ چونک کر آمنہ کو دیکھنے لگی۔

"اریبہ کی شادی کا پوچھ رہی ہوں۔ اس دن یاسمین کہہ رہی تھی کہ وہ جلدی اریبہ کی شادی کردے گی۔" یہ آمنہ پھوپھو کیا کہہ رہی تھیں۔ اس نے تو گھر میں ایسی کوئی بات نہیں سنی تھی لیکن لاعلمی کا اظہار کرنے سے اس کی اپنی سبکی ہوتی اس لیے سنبھل کر بولی تھی۔

"ابھی کچھ طے نہیں ہوا پھوپھو!"

"اچھا۔" آمنہ کو تعجب ہوا تھا۔ وہ اس موضوع سے بچنے کی خاطر فوراً طیبہ سے مخاطب ہو گئی۔

"بھئی طیبہ! تم نے پلاؤ بہت اچھا بنایا ہے۔ میں کچھ زیادہ ہی کھا گئی ہوں۔ اب تمہیں چائے بھی پلانی پڑے گی۔"

"وہ تو میں پلاؤں گی تم ادھر لو ناں۔"

"نہیں بھئی! اب گنجائش نہیں ہے۔" وہ کہہ کر اٹھی تو سمیر بھی فوراً اٹھ گیا۔

"چلو بھئی! تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔"

"ہائیں! دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ ابھی تو آئی ہے ابھی چھوڑنے کی بات کر رہے ہو۔" آمنہ کو سچ مچ غصہ آگیا تھا۔

"اس لیے کہ میں شام میں فارغ نہیں ہوں مجھے، کسی اور کام سے جانا ہے۔ اس وقت آپ مجھ سے مت کہیے گا اور تم بھی سن لو۔" سمیر آمنہ سے کہتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تو وہ ترخ کر بولی۔

"سن لیا ہے اور میں تمہارے ساتھ جاؤں گی بھی نہیں۔"

"بڑی مہربانی!" وہ کمرے سے نکل گیا تو آمنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"تم اس کی باتوں کا برا مت ماننا۔ چلو! تم میرے کمرے میں چل کر سو جاؤ ابھی دوپہر ہے۔ شام میں میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گی۔"

"ارے پھوپھو! آپ میری فکر نہ کریں۔ میں خود بھی جا سکتی ہوں۔ آخر آئی بھی تو ہوں۔" اس نے قصداً خوش دلی کا مظاہرہ کیا پھر آمنہ کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر "بس ابھی آئی" کہتے ہوئے سمیر کے کمرے میں آگئی اور دانت پیس کر اس سے بولی۔

"تم کچھ زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہیں کر رہے؟"

"مجھ پر کمنٹس بعد میں دینا۔ پہلے بتاؤ! کیسے آئی ہو۔" سمیر بجائے اپنی بداخلاقی پر نادم ہونے کے مزید رعب جما رہا تھا۔

"کیسے آئی ہو مطلب؟" وہ اندر ہی اندر تلملائی تھی۔

"مطلب اب کس کا دکھ، کس کی پریشانی میری جھولی میں ڈالنے آئی ہو؟" سمیر نے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"تم سچ مچ بہت برے ہو۔ بس اب بھی تم سے بات نہیں کروں گی۔" وہ روٹھ کر بھی وہیں بیٹھ گئی تھی۔

"اچھی بات ہے۔ قائم رہنا اپنی بات پر۔" وہ کہہ کر آرام سے بیڈ پر نیم دراز ہو گیا، وہ دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگی۔

سمیر کچھ دیر اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اچھا! اپنی اس سہیلی کا احوال سناؤ جس کے ساتھ کچھ برا ہو گیا تھا اب کیسی ہے وہ؟"

"بہت اچھی بہت خوش۔" وہ بے اختیار بولی تھی۔

"ہائیں!" سمیر اچھلا "اتنی جلدی اسے منگیتر سے اچھال گیا؟"

"نہیں! اسے اس کے منگیتر نے ہی اپنا لیا ہے، جب ہی وہ خوش ہے۔" وہ یوں خوش ہو کر بولی تھی۔ جیسے خود اسے اس کی منزل مل گئی ہو۔

"حیرت ہے۔" سمیر نے برملا حیرت کا اظہار کیا تو وہ اندر سے خائف ہو گئی۔

"کیوں، حیرت کی کیا بات ہے؟ اگر محبت سچی ہو تو خامیاں نظرانداز ہو جاتی ہیں۔"

"خامیاں۔۔۔ لغزشیں نظرانداز نہیں ہوتیں۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"اچھا! اگر اس کی جگہ تم ہوتے تو؟" وہ بے ساختہ پوچھ کر پچھتائی تھی۔

"تو میں بھی پلٹ کر اس لڑکی کی طرف نہ دیکھتا۔" سمیر نے فوراً جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ لڑکا بڑے ظرف کا مالک ہے۔" وہ اپنے ناخن دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں یہ وقتی ابال ہے۔ چند دن بعد تم خود دیکھنا، وہ لڑکی پھر روتی ہوئی نظر آئے گی۔" سمیر نے کہا تو وہ گھبرا کر

کھڑی ہو گئی۔

"کیا فضول باتیں لے بیٹھے ہو تم۔"

"چلو تو تم کوئی کام کی بات کر لو۔ بلکہ وہ بات کہو جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔" سمیر کو یقین تھا کہ وہ یونہی ملنے یا اس کی محبت میں نہیں آئی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے واقعی ایک بات پریشان کر رہی ہے، لیکن اب میں تمہارے ساتھ شیئر نہیں کروں گی۔" وہ کہہ کر تیزی سے اس کے کمرے سے نکل جانا چاہتی تھی لیکن سمیر اس سے زیادہ تیز تھا۔ ایک ہی جست میں اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"تم بہت جلدی ناراض ہو جاتی ہو۔"

"نہیں! میں ناراض نہیں ہوں۔" وہ بہت ضبط سے بولی۔ "مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں خواہ مخواہ تمہیں پریشان کرتی ہوں۔ آئی ایم سوری۔"

"تو۔۔۔ نو سوری۔ میں تمہاری باتوں سے پریشان نہیں ہوتا۔ مجھے اچھا لگتا ہے۔ ہاں! ابھی بھی دل چاہتا ہے، جیسے تم اوروں کے لیے پریشان ہوتی ہو، کبھی میرے لیے بھی تمہارے دل میں درد ہو۔"

"نہیں، نہیں سمیر! ایسی خواہش مت کرو۔ میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں دیکھ سکتی۔" وہ اسے دھکیل کر کمرے سے نکل گئی۔

* * *

یاسمین تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو لاؤنج میں اریبہ کو بیٹھے دیکھ کر ایک لحظہ کو ٹھٹکی تھی، لیکن پھر سر جھٹک کر پوچھنے لگی۔

"سارہ آگئی؟"

"نہیں۔" اریبہ نے مختصر جواب دیا۔

"آمنہ نے روک لیا ہو گا۔ خیر! میں کلب جا رہی ہوں۔" یاسمین کہہ کر آگے بڑھی، لیکن پھر کچھ یاد آنے پر پلٹ کر کہنے لگی۔

"ہاں اریبہ! میں یہ پوچھ رہی تھی کہ وہ لڑکی کیا نام ہے اس کا۔۔۔ تاجور کب تک یہاں رہے گی؟"

"کیوں؟ آپ کو اس سے کوئی پرابلم ہے؟" اریبہ نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا تھا۔

"نہیں۔" یاسمین نے کچھ نا سمجھی کے انداز میں سر بھی ہلایا تھا۔

"پھر اسے یہیں رہنے دیں۔" اریبہ اس وقت جانے کس موڈ میں تھی کہ اس نے یاسمین پر زبردستی اپنی بات مسلط نہیں کی تھی کہ وہ یہیں رہے گی۔

"لیکن بیٹا! اس کے گھر والے۔۔۔"

"اس کا کوئی گھر نہیں ہے۔" اریبہ فوراً بولی تھی۔

"کیا مطلب؟ کیا تم اسے یتیم خانے سے لائی ہو؟" یاسمین نے کوشش سے خود کو چلانے سے باز رکھا تھا۔

"نہیں! میں اسے اسپتال سے لائی تھی۔ یتیم خانے والے ہی اسے اسپتال میں ڈال گئے تھے۔ بہرحال آپ پریشان نہ ہوں۔ اب یہ لڑکی میری ذمہ داری ہے اور میں اسے لاوارثوں کی طرح نہیں چھوڑ سکتی۔" اریبہ بہت سکون سے بول رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن اس کی وجہ سے کوئی مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے۔" یاسمین نے اسے احساس دلانے کی

کوشش کی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی مسئلہ کھڑا ہوا بھی تو میں خود فیس کر لوں گی۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" اب اریبہ کا انداز بدلنے لگا تھا۔ جب ہی یاسمین مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے باہر نکل آئی۔

اس نے اریبہ سے غلط نہیں کہا تھا۔ وہ اس وقت واقعی کلب جانے کے لیے نکلی تھی' جہاں بیگم ابراہیم کی کتاب کی رونمائی کی تقریب تھی اور بیگم ابراہیم نے یاسمین کو خاص طور پر مدعو کیا تھا۔ یعنی یاسمین کو کتاب پر تبصرہ بھی کرنا تھا۔ ایسی تقریبات یاسمین خود بھی مس نہیں کرتی تھی۔ لیکن اس وقت اچانک اس کا موڈ بدل گیا اور وہ شہباز درانی کے پاس چلی آئی۔

"بہت انتظار کروانے لگی ہو۔" شہباز درانی نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا تو یاسمین تنگ ہو کر کہنے لگی۔

"جانتے تو ہو شبی! میں کس مشکل میں ہوں' بلکہ اب تو تنگ آ گئی ہوں۔"

"کس سے؟ مجھ سے تنگ آ گئی ہو؟" شہباز درانی نے فوراً" پوچھا۔

"نہیں! اس گھر کی گھٹن سے دل چاہتا ہے' کہیں بھاگ جاؤں۔" یاسمین کہہ کر اس امید پر شہباز درانی کو دیکھنے لگی جیسے وہ فوراً" کہیں گے "ہاں! چلو بھاگ چلتے ہیں۔" لیکن اس کے برعکس انہوں نے ٹوک دیا تھا۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" یاسمین کو دھچکا لگا تھا' لیکن اسے چونکہ پینترا بدلنے میں کمال حاصل تھا تو زور زور سے ہنسنے لگی' پھر شہباز درانی کو دیکھ کر اس انداز میں جیسے انہیں چڑا رہی ہو' کہنے لگی۔

"بھاگوں گی تو میں ضرور۔ یہ میں نے سوچ لیا ہے۔ پھر تم دیکھنا کیسی کھلبلی مچ جائے گی۔ میں سوچتی ہوں میری گمشدگی پر سب سے زیادہ کون پریشان ہوگا۔"

"توصیف احمد۔" شہباز درانی کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"ہاہاہا۔" یاسمین نے قہقہہ لگایا پھر ایکدم سنجیدہ ہو گئی۔ "ہاں تم ٹھیک کہتے ہو شبی! سب سے زیادہ توصیف ہی پریشان ہوگا اور میرا مقصد بھی یہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تم نے باقاعدہ بھاگنے کا پلان بنا لیا ہے۔ اب یہ بھی بتا دو بھاگو گی کس کے ساتھ؟" شہباز درانی نے دلچسپی سے پوچھا تو یاسمین ترخ کر بولی تھی۔

"مجھے کسی کے ساتھ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تنہا رہنا چاہتی ہوں بالکل تنہا۔" پھر گھڑی دیکھ کر خود کو بہت عجلت میں ظاہر کرنے لگی۔

"ارے! مجھے تو ایک تقریب میں جانا تھا۔ اف بہت لیٹ ہو گئی ہوں۔"

"تو اب جانے دو ناں۔" شہباز درانی نے اسے روکنا چاہا تھا۔

"نہیں شبی! میں اسپیشلی انوائٹ ہوں' او کے۔" وہ اسی عجلت میں باہر نکلی تھی۔ در حقیقت وہ پریشان ہو گئی تھی اور دلبرداشتہ بھی اور ایسی حالت میں وہ کسی تقریب میں نہیں جا سکتی تھی اس لیے واپس گھر آ گئی۔

لاؤنج میں اریبہ اور سارہ کے ساتھ توصیف احمد بھی موجود تھے اور جانے ان تینوں باپ بیٹیوں کے درمیان کیا باتیں ہو رہی تھیں کہ ان کے چہروں پر مسکراہٹ چمک رہی تھی۔ یاسمین نہ چاہتے ہوئے بھی ان میں بیٹھ تو گئی' لیکن فوراً" ہی احساس ہو گیا کہ وہ کتنی غیر اہم ہے۔ کسی نے اس کے آنے اور بیٹھنے کا نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔ تب وہ فوراً" اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

* * *

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب موبائل کی مسلسل بجتی ٹون سے اجلال رازی کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے

ہاتھ بڑھا کر آف کرنا چاہا لیکن اسکرین پر توصیف ولا کا نمبر دیکھ کر یکدم اس کی نیند اچاٹ ہو گئی۔

"ہیلو!" اس نے پہلے سیل فون کان سے لگایا پھر اپنے پیچھے تکیہ اونچا کیا تھا۔

"سوری رازی بھائی! میں۔" دوسری طرف سارہ تھی۔

"سب خیریت ہے ناں سارہ؟" اس نے فوراً" پوچھا تھا۔

"جی! سب خیریت ہے۔ اریبہ آپ سے بدگمان ہو رہی ہے اور یہ بات مجھے اچھی نہیں لگ رہی۔ وہ آپ سے محبت کرتی ہے رازی بھائی! بہت محبت کرتی ہے۔" سارہ کے لہجے میں اسی طرح عاجزی در آئی تھی جیسے اریبہ نے اس کے سامنے رازی سے محبت کا اعتراف کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" وہ بہت ضبط سے بولا۔

"پھر آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں اریبہ اور آپ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے' پھر کیوں خود کو اور اسے بھی مشکل میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ پلیز رازی بھائی! بھول جائیں سب۔" سارہ منت سے بولی تھی۔

"فار گاڈ سیک سارہ! میں نے سب کچھ تو تم پر واضح کر دیا ہے' پھر تم کیوں ایسی باتیں کر رہی ہو۔" اس نے ٹوکا تو ادھر سارہ خاموش ہو گئی تھی۔

"ہیلو سارہ!" قدرے رک کر وہ اسے پکار کر پوچھنے لگا۔ "تم سمیر سے ملی تھیں؟"

"جی۔ میں آج ہی امینہ پھوپھو کے گھر گئی تھی۔ سمیر سے بھی بات ہوئی لیکن۔" سارہ خاموش ہو گئی تو اجلال نے ٹوکا نہیں بلکہ از خود سمجھ کر کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے اب تم خاموش رہو گی اور میں جو کرنے جا رہا ہوں' وہی ٹھیک ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے سارہ! آہستہ آہستہ سب نارمل ہو جائے گا۔ تم اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالو۔ سمجھ رہی ہو ناں۔" اجلال گویا خود سے لڑتے ہوئے بول رہا تھا۔

ادھر شاید سارہ رونے لگی تھی۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز آئی تھی۔

"جتنا رونا ہے ابھی رو لو۔ میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔"

اجلال نے کہہ کر فون بند کر دیا اور چاہا کہ دوبارہ سو جائے لیکن ہزار کوشش کے باوجود نیند آ کے نہیں دی تب اس نے بستر چھوڑ دیا اور سگریٹ سلگا کر بالکونی میں نکل آیا۔

خاموش رات بین کرتی ہوئی لگ رہی تھی۔

* * *

شمشیر علی اپنے گھر شفٹ ہو گیا۔ اب اس نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی تھیں۔ اتنے بڑے شہر میں تاجور کو تلاش کرنا آسان نہیں تھا اور اس کے پاس تاجور کی کوئی تصویر بھی نہیں تھی' جو وہ اخبار میں اشتہار لگواتا۔ اچھے دنوں میں اس کے پاس جو موبائل سیٹ تھا' اس میں تاجور کی تصویریں تھیں' لیکن وہ موبائل سیٹ جب وہ گرفتار ہوا تو شاید حوالدار نے لے لیا تھا۔ اسے موبائل سیٹ سے غرض نہیں تھی' بس ہلکی سی امید کہ شاید اس میں تاجور کی تصویر مل جائے' سو وہ اس وقت حوالدار کے پاس آیا تھا۔

"مجھے موبائل نہیں چاہیے۔ اس میں میرے دوستوں کے نمبر اور کچھ تصویریں تھیں' مجھے وہ لینی ہیں۔ آپ پلیز میری مدد کریں۔ مجھے بتائیں وہ موبائل کس کے پاس ہے۔"

وہ حوالدار کو اپنی بات سمجھاتے سمجھاتے عاجز آ گیا تھا اور یہ نہیں تھا کہ حوالدار کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب سمجھ کر بھی انکاری تھا۔ پورا ایک گھنٹہ اس کے ساتھ مغز ماری کے بعد آخر مایوس ہو کر وہ فضل کریم کے پاس

چلا گیا۔

اس وقت دن کا ایک بج رہا تھا۔ وہ روزانہ اس وقت آفس جانے سے پہلے فضل کریم کے پاس ضرور آتا تھا۔ یہاں بھی وہ تاجور کی خاطر ہی آتا تھا۔ کیونکہ تاجور اسی اسپتال میں زیر علاج تھی تو اسے خیال آتا کہ ہو سکتا ہے دوبارہ چیک اپ کے لیے اسے یہاں لایا جائے۔ اس لیے فضل کریم کے پاس بیٹھ کر وہ ہر آنے جانے والے کو دیکھتا تھا خصوصاً" خواتین اور لڑکیاں جہاں نظر آتیں اس کی نظریں دور تک ان کا تعاقب کرتی تھیں اور یہیں اسے وہ لڑکی بھی نظر آئی تھی، جس کے باپ نے اس کا مستقبل تاریک کر دیا تھا۔ وہ بھولا نہیں تھا اپنے مستقبل کے قاتل کو اس نے ضرور سبق سکھانا تھا لیکن اس کے نزدیک زیادہ اہم تاجور تھی۔ کہیں سے اس کا سراغ مل جاتا۔ حوالدار کی طرف سے مایوس ہو کر اب اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ انتہائی دل گرفتہ بیٹھا تھا۔

"کیا بات ہے باؤ! آج دفتر نہیں جانا؟" فضل کریم نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر پوچھا تو اس نے چونک کر پہلے ناسمجھی سے دیکھا پھر سستی سے اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"ہاں جا رہا ہوں۔"

"طبیعت نہیں ٹھیک تو چھٹی کر لے چل تجھے چائے شائے پلاؤں۔"

"ارے نہیں فضل کریم میں ٹھیک ہوں اور چائے کا خیال تمہیں پہلے کیوں نہیں آیا؟ اتنی دیر سے میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔" اس نے کہا تو فضل کریم ہنس کر بولا تھا۔

"اچھا! مجھے تو نہیں لگا تو یہاں تھا۔" وہ حیران ہوا۔ بظاہر سیدھا سادہ فضل کریم کیسی گہری بات کر گیا تھا کہ وہ لاجواب ہو کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور ابھی گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا کہ پندرہ سولہ سالہ ایک لڑکا اس کا بازو چھو کر پوچھنے لگا۔

"صاب! تصویر بنوانی ہے؟"

"تصویر؟" اس نے دیکھا لڑکے کے ہاتھ میں پنسل سے بنی ہوئی تصویر تھی۔

"یہ تصویر۔" وہ بے اختیار لڑکے کے ہاتھ سے تصویر جھپٹ کر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ "یہ تم نے بنائی ہے؟"

"جی صاب! آپ کی تصویر بھی بنا سکتا ہوں۔ بنوالیں صاب! زیادہ پیسے نہیں لوں گا۔" غالباً لڑکے کا یہی ذریعہ معاش تھا۔ خوشامدی انداز میں اسے اکسا رہا تھا۔ لیکن اس کا ذہن کچھ اور سوچنے لگا تھا۔ لڑکے کی آواز اس کی سماعتوں سے ضرور ٹکرا رہی تھی لیکن وہ سن نہیں رہا تھا۔ جب لڑکے نے اس کا بازو ہلایا۔ تب وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی بناؤں صاب!" لڑکے نے پوچھا۔

"نہیں ابھی میں کام سے جا رہا ہوں۔ تم بتاؤ کہاں رہتے ہو؟ میں شام میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔" وہ کچھ سوچ کر ہی بولا تھا۔ لڑکا جلدی سے اپنا نام پتا بتا کر پوچھنے لگا۔

"آئیں گے ناں صاب!"

"ہاں ضرور آؤں گا۔" وہ لڑکے کا گال تھپک کر بدقت مسکرایا تھا۔

☆ ☆ ☆

معمول کے مطابق فجر کی نماز کے بعد اریبہ لان میں آ گئی۔ کچھ دیر چہل قدمی کی پھر وہیں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد [illegible] چائے لے کر آئیں تو ان کے پیچھے یاسمین کو آتے دیکھ کر وہ ٹھٹکنے کے ساتھ یاسمین کے اتنی جلدی اٹھنے پر حیران

ہو رہی تھی پھر بھی جیسے یاسمین قریب آئی اس نے سلام کر ڈالا۔

"خوش رہو۔" یاسمین نے مسکرا کر دعا دی پھر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کیسی ہو؟"

"جی۔" وہ ٹرے اپنی طرف کھینچ کر چائے بنانے لگی۔

"سارہ نہیں اٹھی؟"

"نہیں البتہ تاج فجر پہ ہی اٹھ جاتی ہے۔" اس نے تاجور کا نام لے کر گویا باور کرایا تھا کہ وہ بھی اسی گھر کی فرد ہے۔

"ہاں اچھی لڑکی ہے۔" یاسمین جانے اس کا دل رکھ رہی تھی یا اس کی بات تسلیم کر رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکی اور چائے کا کپ اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"تمہارے ایگزام ہونے والے ہیں۔" یاسمین نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ تب وہ ساری بات سمجھ گئی یاسمین کا جلدی اٹھنا اور اس کے پاس آ بیٹھنا یونہی نہیں تھا۔

"جی ایگزام کے بعد بھی میں فارغ نہیں ہوں گی۔" اس نے اسے بالواسطہ سمجھا دیا کہ اس کی شادی کا نہ سوچا جائے یاسمین فوراً کچھ نہیں بولی۔ سکون سے چائے کے دو تین گھونٹ لے کر پھر کہنے لگی۔

"دیکھو بیٹا! میں جو بھی ہوں، جیسی بھی ہوں، تمہاری ماں ہوں۔ بے شک مجھ سے سوچنے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے لیکن ادھر کچھ دنوں سے جو میں محسوس کر رہی ہوں وہ میں یقین سے کہوں گی کہ غلط نہیں ہے۔ تم بھی محض میری ضد میں جھٹلانا مت۔"

"آپ بلاوجہ تمہید باندھ رہی ہیں۔ اصل بات کہیں۔" اسے واقعی یاسمین کی باتوں سے الجھن ہونے لگی تھی۔

"اصل بات تم بتاؤ۔ کیوں پریشان ہو؟" یاسمین چائے کا کپ ٹرے میں رکھ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں۔۔۔" وہ اپنی طرف اشارہ کر کے رہ گئی۔ اصل میں تو وہ حیران تھی کہ یاسمین نے کیسے اس کی پریشانی محسوس کر لی۔

"میں نے کہا ناں میں جیسی بھی ہوں تمہاری ماں ہوں اور ماؤں سے اولاد کی پریشانی چھپی نہیں رہتی۔ بتاؤ کیا بات ہے؟"

یاسمین نے اتنی محبت سے پوچھا کہ وہ بکھرنے لگی۔ دل چاہا اس کے سینے میں منہ چھپا کر سارے آنسو بہا ڈالے۔ قریب تھا کہ وہ ایسا ہی کرتی کہ اچانک اسے جھٹکا لگا۔

"نہیں" اسی عورت کی بدولت تو میں رسوا ہو رہی ہوں۔ سارے زخم اسی کے لگائے ہوئے ہیں۔ اب یہ سچائی کی آڑ میں اور کتنے زخم لگائے گی۔"

"سوری مما! میں آپ کے ساتھ اپنے دکھ شیئر نہیں کر سکتی۔" وہ کہہ کر اٹھی اور تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ پھر وہ کالج جانے کے لیے ہی نکلی تھی۔

اس کا ذہن منتشر ہو گیا تھا۔ پہلے ہی اجلال کی طرف سے بدگمان تھی۔ مزید یاسمین کی لگاوٹ کے پیچھے چھپی اس کی غرض کو سوچتے ہوئے اس کا ذہن چٹخنے لگا تھا۔ کالج کے بعد اسپتال جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ سیدھے گھر جانے کا سوچ کر ہی وہ گاڑی میں بیٹھی تھی کہ اچانک کسی نے اس کے منہ پر رومال رکھ دیا بس چند سیکنڈ ہی اس نے ہاتھ پاؤں مارے تھے پھر تاریکیوں میں ڈوب گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

اجلال رازی اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نامناسب گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچا لیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اسپتال میں اریبہ کے پاس ساجدہ بیگم ٹھہری ہوئی ہیں۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہے۔ شمشیر علی توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد نے اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہا۔ بعد میں انہیں پتا چلا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اریبہ ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے۔

وہ اسے شہباز درانی کے ساتھ دیکھ چکی ہے۔

رازی، اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔

تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ دل گرفتہ سا ہسپتال جا کر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

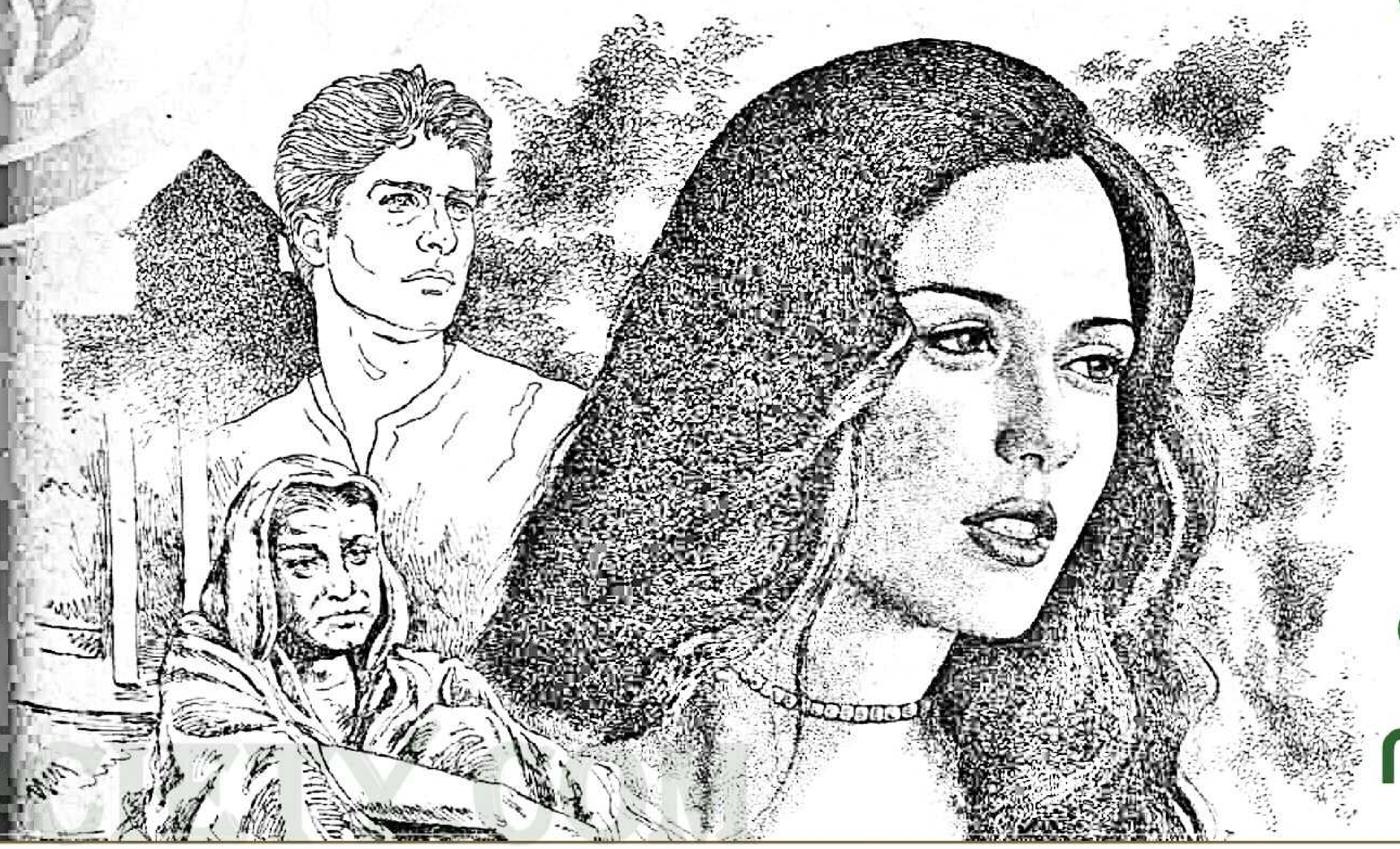

وہاں سے وہ گاؤں جاتا ہے مگر ابا کو نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہوجاتی ہے۔ سارہ ٗسمیر سے اُجھی ہوئی گفتگو کرتی ہے۔

یاسمین ٗ اریبہ کی جلد شادی کی فکر میں پڑگئی مگر اریبہ سختی سے منع کردیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو ڈنر پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ بھی الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ جارہا ہے۔ اریبہ اور اجلال اسے سی آف کرکے واپسی میں سی ویو جاتے ہیں۔ وہاں اسے سارہ کا خیال آجاتا ہے۔ وہ گھبرا کر واپس آجاتا ہے۔

شمشیر علی گاؤں گیا تو ابا نے اسے اکیلا دیکھ کر خوب برا بھلا کہا کہ وہ تاجور کو شہر میں تنہا چھوڑ آیا۔ شمشیر علی تاجور کو لانے کا کہہ کر شہر واپس آگیا۔

اجلال رازی ٗاریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہوجاتا۔ اریبہ اس کے ان پل پل بدلتے رویوں پر بے حد پریشان رہنے لگی۔

اجلال ٗسارہ سے ملا۔ وہ اس سے بے حد نادم تھا۔ سارہ نے اس سے کہا کہ جو کچھ ہوا ٗوہ اسے بھول جائے ٗکیونکہ اریبہ اس سے بہت محبت کرتی ہے۔ مگر اجلال اس کے لیے فکر مند ہے۔

اجلال کے کہنے پر سارہ ٗسمیر سے ملی۔ اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں سمیر سے بات کی۔ اس نے سمیر کو بتایا کہ اس کی ایک دوست کے ساتھ کچھ غلط ہوگیا تھا ٗمگر پھر بھی اس کے منگیتر نے اسے قبول کرلیا۔ سمیر نے اس منگیتر کے فیصلے کو وقتی ابال قرار دیا اور کہا کہ بعد میں وہ اپنے اس فیصلے پر پچھتائے گا۔

شمشیر علی کا دوست فضل کریم اسی اسپتال میں ملازم تھا جہاں اس نے تاجور کو داخل کرایا تھا۔ شمشیر علی وہاں گیا ٗمگر اسے کچھ پتا نہ چل سکا۔ البتہ اسے وہاں اریبہ نظر آگئی۔ شمشیر علی نے اس سے شدید نفرت محسوس کی۔ کیونکہ اس کے باپ نے ہی اسے جیل بھیجا تھا۔

اریبہ کالج سے نکل کر گاڑی میں بیٹھی ہی تھی کہ اچانک کسی نے اس کے منہ پر رومال رکھ دیا۔ جلد ہی وہ بے ہوش ہوگئی۔

بارھویں قسط

جب اریبہ کو ہوش آیا وہ ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ کرسی کے بازوؤں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ کچھ دیر وہ ناسمجھی کی کیفیت میں اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی پھر اچانک اس کا ذہن بیدار ہوا تھا۔

"مجھے کڈنیپ (اغوا) کیا گیا ہے۔" اس خیال کے ساتھ ہی وہ پریشان ہوگئی۔ اس کے بعد کیوں کا سوال ہی نہیں اٹھا اور نہ ہی اس نے خود کو شکنجوں سے آزاد کرنے کی فضول سی کوشش کی بلکہ بہت احتیاط سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ یہ کمرہ تھا یا لاؤنج ٗاس میں زیادہ سامان نہیں تھا۔ دیوار کے ساتھ تخت رکھا تھا اور ایک آرام کرسی ٗباقی کچھ لکڑیاں اور فرش پر لکڑی کا برادہ بکھرا ہوا تھا جہاں وہ بیٹھی تھی۔ اس کے بائیں طرف دروازہ تھا ٗاس کی نظریں دروازے پر ٹھہر گئیں جیسے ابھی کوئی اندر آئے گا۔ لیکن سامنے کی طرف سے کھٹکے کی آواز پر اس نے تیزی سے گردن سیدھی کی تھی۔ ساتھ ہی اس کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آگیا تھا جبکہ فوراً" کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے غور کیا تو وہاں چھوٹا سا کچن تھا اور غالباً" وہیں کوئی موجود تھا۔

"یا اللہ ٗیہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے۔ پروردگار! مجھ پر رحم کر۔ مجھ پر کوئی ایسی آزمائش نہ ڈالنا جو میری رسوائی کا باعث ہو۔ میرے اللہ! میں بہت کمزور ٗبہت عاجز ہوں تو ہی میری عزت کا رکھوالا ہے۔"

وہ انتہائی خوف میں مبتلا آنکھیں بند کیے دل ہی دل میں گڑگڑا رہی تھی کہ آہٹ پر فوراً" آنکھیں کھول کر دیکھنے لگی پھر اس کی نظریں اوپر تک اٹھی تھیں۔

چھ فٹ سے اونچا وہ مخص شکل سے ہرگز ڈاکو لٹیرا نہیں لگ رہا تھا۔ چہرے پر کرختگی جانے حالات کی پیدا کردہ تھی یا محض اس پر رعب جمانے کے لیے وہ دانتوں پر مضبوطی سے دانت جمائے جبڑے بھینچے کھڑا تھا۔

"اوں۔ اوں۔" منہ پر ٹیپ چپکا ہونے کے باعث وہ یہی آواز نکال سکتی تھی۔

"دیکھو.....!" وہ شہادت کی انگلی اٹھا کر وارننگ کے انداز میں کہنے لگا۔ "اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو تمہیں تو میں بعد میں دیکھوں گا ٗپہلے تمہارے باپ کا کام تمام کروں گا۔"

وہ خائف ہوکر زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگی جیسے کہہ رہی ہو ٗمیں بالکل شور نہیں کروں گی۔

"ہوں.....!" وہ ہاتھ بڑھا کر بے دردی سے اس کے منہ پر سے ٹیپ کھینچ کر پوچھنے لگا۔

"کیا چاہیے.....؟"

"اف۔!" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ چند لمحے اس نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا کر تکلیف کم کرنے کی کوشش کی پھر بمشکل اتنا کہہ سکی۔

"واش روم۔" اس نے مزید کوئی وارننگ نہیں دی۔ اس کے ہاتھ کھول کر اس کے عقب میں اشارہ کردیا تھا۔

وہ کرسی کے بازوؤں پر ہاتھ جما کر گویا خود کو سہارا دے کر کھڑی ہوئی تو اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ پلٹ کر دو قدم چلنا انتہائی محال تھا۔ وہ واپس کرسی پر ڈھے گئی تھی۔

"ہونہہ۔ بزدل باپ کی بزدل بیٹی!"

وہ حقارت سے بولا اور اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کمرے اور پھر ملحقہ باتھ روم میں دھکیل کر دروازہ باہر سے کھینچ لیا تھا۔

یہ اتنا آناً" فاناً" ہوا تھا کہ وہ چکرا گئی تھی۔ واش بیسن تھامے کتنی دیر آنکھیں بند کیے کھڑی رہی جب ذرا حواس ٹھکانے آئے تب اس نے دھیرے دھیرے سر اونچا کرکے آنکھیں کھولیں تو سامنے آئینے میں اپنی ہی شکل نظر آئی۔ اتنی سی دیر میں وہ کیا سے کیا ہوگئی تھی۔ ڈر ٗخوف نے اسے ادھ موا کردیا تھا۔ اس نے واش بیسن کا نل پورا کھول دیا اور منہ پر پانی کے چھپاکے مارنے لگی پھر ہاتھوں سے چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اس کا دل چاہا ٗچیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالے یہاں تک کہ آس پاس کے لوگ جمع ہوجائیں لیکن فوراً" اس کی دھمکی یاد آئی۔

"اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو تمہیں تو میں بعد میں دیکھوں گا پہلے تمہارے باپ کا کام تمام کروں گا۔"

"نہیں۔" وہ ڈر گئی۔ اگر وہ کہتا ٗتمہیں جان سے ماردوں گا تب تو وہ پروا بھی نہ کرتی۔

"پتا نہیں کون ہے اور جانے کس ارادے سے مجھے یہاں لایا ہے۔ شاید ڈیڈی سے رقم کا مطالبہ کرے گا ٗاف! پتا نہیں کیا ٹائم ہوا ہے ٗمیں گھر نہیں پہنچوں گی تو۔"

اس سے آگے اس سے سوچا ہی نہیں گیا۔ گھبرا کر واش روم سے نکلی تو کمرے میں رک گئی۔ یہ کمرہ صاف ستھرا تھا۔ ایک بیڈ جس پر چوکور خانے والی چادر بچھی تھی۔ کونے میں لکڑی کی الماری اور دیوار کے ساتھ دو سیٹ کا صوفہ۔ کم سامان کے باعث کمرہ کشادہ لگ رہا تھا۔ سامنے بھاری پردوں کے پیچھے یقیناً" کھڑکی تھی جو جانے کہاں کھلتی تھی۔ کسی گلی میں یا ادھر صحن تھا۔ وہ یہی قیاس کرنے لگی تھی کہ وہ کھانے کی ٹرے لیے آگیا۔

"چلو کھانا کھالو۔" وہ بلاارادہ اسے دیکھے گئی۔

"گھور گھور کے کیا دیکھ رہی ہو۔ یہ پکڑو۔ میں تمہارا نوکر نہیں ہوں۔" اس نے ٹوکنے کے ساتھ ٹرے اس کے

ہاتھوں میں تھمادی تھی۔

"تم۔۔۔!" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس نے فوراً ٹوک دیا۔

"کوئی سوال مت کرنا۔ اگر اپنے باپ کی زندگی چاہتی ہو تو خاموشی سے میری باتوں پر عمل کرتی جاؤ، سمجھیں۔"

وہ سخت لہجے میں کہہ کر واپس پلٹ گیا تو اچانک اس کے جسم میں جیسے بجلی دوڑ گئی تھی۔ کھانے کی ٹرے بیڈ پر رکھی اور بھاگ کر دروازہ بند کر کے اندر سے لاک کر دیا تھا۔

* * *

سارہ عموماً" دوپہر کا کھانا اریبہ کے ساتھ کھاتی تھی۔ ابھی بھی اس نے تین بجے تک اریبہ کا انتظار کیا تھا۔ پھر بھوک برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے کھانا کھالیا۔ اس کے بعد عادتاً" میگزین لے کر بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔ کوئی دل کو چھو لینے والی تحریر تھی جس میں وہ یوں کھوئی کہ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا نہ اس کا دھیان کسی اور طرف گیا تھا۔ پھر میگزین ایک طرف رکھنے کے بعد بھی کتنی دیر وہ اسی تحریر میں کھوئی رہی۔ عجیب سحر تھا جس سے وہ نکلنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔ جب بی بی نے کمرے میں آکر اسے پکارا تب وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا بات ہے بی بی؟"

"بیٹا! پانچ بج رہے ہیں' اریبہ ابھی تک نہیں آئی۔ پتا تو کرو کہاں ہے۔" بی بی نے کہا تو وہ حیرت سے بولی۔

"پانچ بج گئے۔ کہاں رہ گئی اریبہ۔ اچھا میں فون کرتی ہوں اسے۔"

"ہاں بیٹا! صبح ناشتا بھی نہیں کیا تھا اس نے اور تمہیں پتا ہے' باہر وہ کچھ نہیں کھاتی۔" بی بی کو اریبہ کی بھوک پریشان کر رہی تھی۔

"جب ہی تو اتنی کمزور ہو رہی ہے۔"

وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل کر لابی میں آگئی اور اریبہ کا نمبر ڈائل کیا تو اس کا سیل فون آف تھا۔ جس پر جھنجلا کر اس نے ریسور پٹخ دیا۔

"جان بوجھ کر تنگ کرتی ہے۔" سارہ دانت پیستے ہوئے واپس کمرے میں آگئی' کھڑکیوں سے پردے سمیٹے پھر شاور لینے کا سوچ کر وارڈروب سے اپنے کپڑے نکالنے لگی تھی کہ اچانک ٹھٹھک کر رک گئی۔ اس کا ذہن اریبہ کی طرف بھٹک گیا تھا۔

"اتنی دیر تو اس نے کبھی نہیں کی۔" اس نے فوراً" الماری بند کی اور کارنر کی دراز سے اپنی ڈائری نکال لی جس میں اس نے اریبہ کی دوستوں کے نمبر محفوظ کر لیے تھے۔ کیونکہ جب اریبہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تب نمبر نہ ہونے کے باعث اس کی کسی دوست سے وہ رابطہ نہیں کر سکی تھی۔ اس کے بعد ہی اس نے اریبہ کے سیل فون سے نمبر نکالے تھے اور اب ہر نمبر سے ایک ہی جواب سن کر وہ متوحش ہو گئی تھی۔

"اریبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ کالج کے بعد بارہ بجے ہی گھر چلی گئی تھی۔"

"بارہ بجے' گھر۔" اس کا دل ڈوبنے لگا تو اس نے یاسمین کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"مما' مما!" اس کی گھبرائی ہوئی آواز پر یاسمین ٹھٹک گئی۔

"کیا بات ہے بیٹا؟"

"مما! وہ اریبہ ابھی تک نہیں آئی۔ میں نے اس کی تمام فرینڈز سے معلوم کیا ہے' وہ کہہ رہی ہیں۔ اریبہ بارہ بجے ہی گھر چلی گئی تھی اور مما! اریبہ کا سیل فون بھی آف جا رہا ہے۔"

اس نے ایک ہی سانس میں سب کہہ دیا تو یاسمین فوراً" کچھ بول نہیں پائی شاید اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مما! کہاں جا سکتی ہے اریبہ۔ آپ کو اس نے کچھ بتایا تھا؟" سارہ نے یاسمین کا بازو تھام کر پوچھا۔

"نہیں! مجھے تو کچھ نہیں بتایا۔" یاسمین کی نظروں میں صبح کا منظر گھوم گیا جب وہ اریبہ کے ساتھ لان میں بیٹھی تھی۔

"حالانکہ میں اس سے پوچھتی رہ گئی لیکن۔۔۔" یاسمین کا انداز کھویا کھویا تھا۔

"لیکن کیا مما! بتائیں نا؟" سارہ نے یاسمین کا بازو ہلایا تب وہ چونکنے کے ساتھ ہی پریشان ہو گئی تھی۔

"بیٹا! اپنے ڈیڈی کو فون کرو۔ انہیں اریبہ کا بتاؤ' میرا ذہن تو بالکل کام نہیں کر رہا۔"

"ہاں! ڈیڈی کو تو میں نے فون کیا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے اریبہ وہیں ہو۔" سارہ کہہ کر اسی تیزی سے واپس جانے لگی تھی کہ اچانک کسی خیال سے یاسمین نے اسے روک لیا۔

"رکو سارہ! میں فون کرتی ہوں توصیف کو۔"

سارہ رک گئی۔ یاسمین نے اپنا سیل فون اٹھا کر توصیف احمد کا نمبر پش کر دیا۔

"ہیلو!" توصیف احمد نے فوراً" ہی کال ریسیو کی تھی۔

"توصیف! اریبہ آپ کی طرف آئی ہے؟" یاسمین نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا تھا۔

"نہیں! خیریت؟"

"پتا نہیں' خیریت ہے بھی یا نہیں۔ اریبہ ابھی تک گھر نہیں آئی۔ میرا مطلب ہے۔ صبح کالج گئی تھی اور ابھی اس کی فرینڈز سے معلوم کیا ہے' وہ بتا رہی ہیں اریبہ بارہ بجے کے قریب گھر چلی گئی تھی لیکن وہ گھر نہیں پہنچی۔" یاسمین یوں بول رہی تھی جیسے اس کا اپنا ذہن یہ سوچنے میں لگا ہو کہ اریبہ کہاں جا سکتی ہے۔

"اریبہ گھر نہیں پہنچی۔" توصیف احمد کا ذہن جیسے ماؤف ہو رہا تھا۔ "اچھا میں آتا ہوں۔"

یاسمین سیل فون کان سے ہٹا کر سارہ کو دیکھنے لگی۔ اسے اپنا وجود سن ہوتا لگ رہا تھا۔

"کیا کہا ہے ڈیڈی نے؟" سارہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"آرہے ہیں۔" یاسمین نے اسی قدر کہا اور اپنے پیچھے صوفہ دیکھ کر ڈھے گئی تھی۔

"مما!" سارہ نے قریب بیٹھ کر یاسمین کے کندھے پر سر رکھ لیا وہ رو دینے کو ہو گئی تھی۔ "اریبہ کہاں ہو گی مما!

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہو گئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو راحت جبیں قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں لبنیٰ جدون قیمت: 250 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

کہیں پھر تو اس کے ساتھ۔ مما! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ڈیڈی آپ کو تو کچھ نہیں کہیں گے نا؟"

یاسمین کچھ نہیں بولی۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت سمجھنے کی سعی میں مصروف تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس کے اندر یہ خوف نہیں تھا کہ توصیف احمد آتے ہی اسے الزام دیں گے بلکہ کوئی اور خوف تھا جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔

"مما! آپ کیا سوچ رہی ہیں؟" سارہ اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں بیٹا! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" یاسمین نے اس کا گال تھپک کر کہا۔

"نہیں مما! میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔" سارہ نے پھر اس کے کندھے پر سر رکھ لیا تھا۔

کچھ دیر بعد توصیف احمد آگئے تو بس ایک نظر انہوں نے یاسمین اور سارہ کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر صوفے پر بیٹھ کر اپنا سیل فون نکالا اور نمبر پش کر کے کان سے لگا لیا۔

سارہ یاسمین کے کندھے پر سر رکھے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی جبکہ یاسمین پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھی۔

توصیف احمد نے تقریباً" تمام اسپتالوں کے ایمرجنسی کیسز کے بارے میں معلوم کر لیا۔ آخر میں اجلال رازی کو فون کر کے فوراً" آنے کو کہا پھر سارہ کو دیکھ کر بولے تھے۔

"بیٹا! آپ پریشان نہ ہوں اریبہ کو کچھ نہیں ہوا۔"

لیکن وہ ہے کہاں ڈیڈی؟" اس سوال کا توصیف احمد کے پاس جواب نہیں تھا جب ہی ان سنا کر کے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"رازی آتا ہو گا۔ میں اس کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اس دوران اگر کہیں سے اریبہ کی خبر ملے یا کوئی اور فون آئے تو مجھے فوراً" اطلاع دینا۔" توصیف احمد یاسمین سے کہہ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔

سارہ توصیف احمد کی دوسری بات سوچتے ہوئے مزید پریشان ہو گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

اجلال رازی کو راستے میں توصیف احمد نے اریبہ کے لاپتا ہونے کا بتایا تو وہ بھی متوحش ہونے کے ساتھ بے انتہا پریشان ہو گیا تھا۔

"پھر اب کیا کرنا ہے چچا جان؟"

"کیا کریں؟" توصیف احمد نے الٹا اس سے پوچھا تو وہ فوراً" کچھ نہیں بولا کیونکہ معاملہ ایسا تھا کہ فوری اقدام سے گمبھیر ہو سکتا تھا اس لیے سوچ میں پڑ گیا لیکن ڈرائیونگ کرنے کے باعث بار بار اس کا ذہن بھٹک رہا تھا۔

"میرا خیال ہے چچا جان! ہمیں گھر چلنا چاہیے۔" وہ اسی خیال سے بولا تھا کہ ایک جگہ بیٹھ کر وہ سوچ سکتے ہیں۔

"ہوں!" توصیف احمد اپنی سوچ میں گم تھے۔

"ویسے آپ اس وقت کہاں جانا چاہ رہے تھے؟" اس نے گاڑی واپسی کے راستے پر ڈالنے سے پہلے پوچھا تو توصیف احمد چونک کر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگے "غالباً" سمجھنا چاہ رہے تھے کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔

"وہ اریبہ کا کالج ہے۔" اجلال رازی نے بائیں جانب اشارہ کر کے کہا۔

توصیف احمد اس طرف دیکھنے لگے۔ شام کے دھندلکے میں کالج کی عمارت خاموش ویران لگ رہی تھی "انہیں لگا جیسے اندر کہیں بھول بھلیوں میں ان کی بیٹی بھٹک رہی ہے "ان کی کیفیت سمجھتے ہوئے اجلال رازی نے گاڑی کی اسپیڈ بہت کم کر دی تھی۔ درحقیقت وہ خود بھی اس عمارت کے اندر بھٹک رہا تھا۔ رینگنے کے باوجود گاڑی کالج کی عمارت سے آگے نکل آئی تب توصیف احمد کی آواز کہیں دور سے آئی تھی۔

"ہسپتال چلو۔"

"جی!" اجلال رازی نے سنبھل کر گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی لیکن پھر اچانک اس نے بریک لگائے تھے۔ جھٹکا لگنے سے توصیف احمد کا سر ڈیش بورڈ سے جا ٹکرایا۔

"سوری چچا جان!" اجلال رازی پریشان اور نادم تھا۔ توصیف احمد کا بازو تھام کر جلدی سے انہیں سیدھا کیا اور ایک طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

"وہ دیکھیں چچا جان! مجھے لگ رہا ہے وہ اریبہ کی گاڑی ہے۔"

"ہاں!" توصیف احمد نمبر پلیٹ دیکھتے ہی بے تاب ہو گئے۔ "ہاں اریبہ۔ اریبہ کی گاڑی ہے۔ چلو جلدی چلو۔"

اجلال رازی نے فوراً" گاڑی بڑھا کر اریبہ کی گاڑی کے قریب روک دی اور اتر کر توصیف احمد کے ساتھ گاڑی کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ کالج سے تقریباً" ایک کلومیٹر کے فاصلے پر اریبہ کی گاڑی کا موجود ہونا بہت سی باتوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ مثبت بھی اور منفی بھی۔ لیکن مثبت خیالوں پر گرفت یوں کمزور پڑ رہی تھی کہ اس کے بعد اریبہ کو گھر پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن وہ گھر نہیں پہنچی تھی تو اس کا مطلب تھا وہ کسی مشکل میں پھنس گئی تھی اور مشکل کو سوچتے ہوئے توصیف احمد اور اجلال رازی کے ذہن میں ایک ہی بات آئی تھی جو کہ انہونی نہیں تھی لیکن دل دہلا دینے والی ضرور تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے کہنے یا پوچھنے سے خائف تھے جبکہ آنکھوں میں یہ سوال واضح ابھر رہا تھا۔

"کیا اریبہ کو اغوا کیا گیا ہے؟"

✡ ✡ ✡

انتہائی ناگوار شور سے اس کی آنکھ کھلی تھی لیکن کچھ نظر نہیں آیا کیونکہ کمرہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا جس سے سمجھ نہیں پائی کہ وہ کہاں ہے۔ شور کی آواز ایسی تھی جیسے کوئی لکڑی پر کیل رکھ کر زور زور سے ہتھوڑے مار رہا ہو۔ اس کا دماغ پھٹنے کو ہو گیا تھا۔ دل چاہا ہتھوڑا لے کر جو کوئی بھی ہے اس کے سر پر دے مارے۔

"سارہ!" وہ چیخ کر پکارتے ہی سہم گئی۔ یک لخت ذہن بیدار ہوتے ہی یاد آگیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں نہیں ہے اور کہاں ہے "یہ تو وہ بھی نہیں جانتی تھی اس نے لیٹے لیٹے ہی اجالے میں دیکھے گئے اس کمرے کا نقشہ سوچا پھر بیڈ سے اتر کر احتیاط سے چلتی ہوئی دیوار تک گئی پھر سوئچ بورڈ تلاش کر کے بٹن آن کیا تو کمرہ یکدم روشنی میں نہا گیا جبکہ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پھر دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو پہلے دروازہ چیک کیا جو اسی طرح لاک تھا۔

قدرے مطمئن ہو کر وہ صوفے پر بیٹھی تو بیڈ کے کنارے کھانے کی ٹرے نظر آئی جسے اس نے پھر ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اور روتے روتے سو گئی تھی بہرحال اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ابھی کھانا دیکھ کر اس کا پیٹ دہائیاں دینے لگا تو دل نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اٹھ کر ٹرے کے پاس آگئی۔ ایک پلیٹ میں روٹی کھلی ہونے کے باعث سوکھ گئی تھی "چاول" ٹھنڈے اور سالن اس کی سمجھ میں نہیں آیا سبزی ہے یا گوشت۔ بھوک اتنی شدید تھی کہ اس نے کچھ سوچا ہی نہیں اور چاول کی پلیٹ اٹھا کر جلدی جلدی منہ میں ڈال کر نگلتی چلی گئی پھر پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا اور مایوس ہو کر واش روم میں ہاتھ دھونے آئی تو وہیں بیسن کے نل سے پانی بھی پی لیا جس سے اتنا ضرور ہوا کہ اس کا ذہن سوچنے کے قابل ہو گیا تھا۔ زیادہ فکر اسے اپنے گھر والوں کی تھی۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ ان پر کیا بیت رہی

ہوگی اور ان ہی کا سوچ کر ہی اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ سامنے تخت پر وہ اطمینان سے لیٹا ہوا تھا اُسے کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا چاہیے؟"

"تمہارا سر۔" اس نے جل کر دل میں کہا پھر کمرے سے باہر آ کر بہت ضبط سے گویا ہوئی تھی۔

"وہ میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ میرے ڈیڈی کا نام توصیف احمد ہے اور ان کا فون نمبر....."

"ایک منٹ۔" وہ فوراً ٹوک کر پوچھنے لگا۔ "یہ تم اپنے باپ کا نام اور نمبر مجھے کیوں بتا رہی ہو؟"

"پھر، میرا مطلب ہے، تمہیں میرے ڈیڈی سے جو ڈیمانڈ کرنی ہے، جلدی کرو۔" اس نے کہا تو وہ اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہی تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب آیا تھا اور اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

"کیا سمجھا ہے تم نے مجھے؟ ڈاکو، لٹیرا، تمہیں اغوا کر کے تمہارے باپ سے رقم کا مطالبہ کروں گا۔ بولو۔"

"میرے بال چھوڑو۔" تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"ایسی دلالی تمہارا باپ کرتا ہوگا۔" اس نے جھٹکا دے کر اسے دور دھکیل دیا تو دیوار کا سہارا لیتے ہی وہ چیخ پڑی۔

"اور تم کیا کرتے ہو۔ کیوں لائے ہو مجھے یہاں؟ یہ اغوا نہیں تو اور کیا ہے ہم نے اغوا کیا ہے مجھے۔"

"شٹ اپ!" وہ دھاڑا تھا۔

"مجھے خاموش کرا کے تم پارسا نہیں بن جاؤ گے۔ جو گالی تم نے میرے باپ کو دی ہے، وہ تم پر صادق ہے۔" اندر سے خائف ضرور تھی لیکن کہنے سے باز نہیں آئی تو وہ دانت پیس کر بولا۔

"میں تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں، خاموش ہو جاؤ ورنہ۔"

"ورنہ، میرے باپ کو مار ڈالو گے جاؤ مار ڈالو۔ جو ذلت انہیں میری وجہ سے اٹھانی پڑے گی اس سے اچھا ہے وہ مر جائیں۔" آخری الفاظ کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ جو بات سوچتے ہوئے روح کانپتی ہو، ہونٹوں پر آ کر اسے خود کو بری طرح تڑپا گئی تھی۔

اور وہ ہونٹ بھینچے کھڑا تھا۔ درحقیقت اندر سے مضطرب ہو گیا تھا پھر ایکدم پلٹ کر کچن میں آ گیا۔

"تاجور بھی یہی دعا مانگتی ہوگی۔ ابا مر جائیں، اس کا بھائی مر جائے۔ ابا کو تو خیر پتا ہی نہیں ہے اور میں۔ میں روز مرتا، روز جیتا ہوں۔ کاش ایک ہی بار مر جاؤں ایسی آرزو اس لڑکی کا باپ بھی کرے گا۔"

چائے بناتے ہوئے وہ یہی سب سوچتا رہا پھر دونوں مگ اٹھا کر کچن سے نکلا تو وہ وہیں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے نیچے گندے فرش پر بیٹھی تھی۔

"چائے پیو گی؟" وہ اس کے سامنے پنجوں پر بیٹھ کر پوچھنے لگا۔ مگ اس کی طرف اس خیال سے نہیں بڑھایا کہ وہ ہاتھ مار کر گرا نہ دے۔

اریبہ نے جواب نہیں دیا نہ ہی اس کی طرف دیکھا تھا۔

"پی لو۔" اس نے ہلکا سا اصرار کیا اور ایک مگ اس کے قریب رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اریبہ کو واقعی چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ پھر اس نے یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ وہ اگر نہیں پیے گی تو وہ پروا بھی نہیں کرے گا۔ الٹا وہی بعد میں تڑپتی رہے گی جب ہی مگ اٹھا کر وہ کمرے میں جانے لگی تھی کہ اس نے پکار لیا۔

"سنو۔" وہ رک گئی۔

"وہ سامنے کچن ہے، چائے یا کچھ اور کھانا پینا ہو تو آپ خود ہی زحمت کر لینا بس یہاں سے نکلنے کا مت سوچنا کیونکہ چاروں طرف میرے آدمی موجود ہیں۔ جب تک تم اس چار دیواری میں ہو، محفوظ ہو باہر نکلو گی تو۔"

وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

* * *

رات اپنا سفر نصف سے زیادہ طے کر چکی تھی پھر بھی توصیف احمد، یاسمین اور اجلال رازی چوکنا بیٹھے تھے کیونکہ انہیں انتظار تھا کسی انجان فون کا جس سے انہیں اریبہ کا پتا چلتا۔ اپنے طور پر وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ اغوا برائے تاوان کا معاملہ ہے جو انہیں خود ہی خاموشی اور رازداری سے طے کرنا ہوگا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا ان کا انتظار مایوسی میں بدل رہا تھا۔ پھر نیند غالب آنے لگی اور نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ وہ سب بھی سو گئے تھے لیکن غافل نہیں ہوئے تھے آہٹوں پر بھی چونک اٹھتے تھے یوں ہی سوتے جاگتے صبح ہو گئی تب یاسمین چیخ پڑی۔

"کچھ کریں توصیف" اس انتظار نے میری جان نکال دی ہے۔ ایسے مت بیٹھیں۔ جا کر اریبہ کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائیں۔"

توصیف احمد، اجلال رازی کو دیکھنے لگے کہ وہ کیا کہتا ہے۔

"ابھی نہیں۔" اجلال رازی نے نفی میں سر ہلایا پھر یاسمین سے کہنے لگا۔ "صبر سے کام لیں آنٹی! فوری اقدام سے ہم کسی بڑی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔"

"اس سے بڑی مشکل اور کیا ہوگی کہ میری بیٹی جانے کن ہاتھوں میں..." یاسمین رونے لگی اور روتے ہوئے ہی اس کے منہ سے نکلا تھا... "وہ پہلے ہی پریشان تھی۔"

"کون اریبہ؟" توصیف احمد کے ساتھ اجلال رازی بھی ٹھٹھکا تھا۔

"ہاں..!" یاسمین بتانا نہیں چاہتی تھی لیکن اب چھپا بھی نہیں سکتی تھی۔

"کیوں، کیوں پریشان تھی اریبہ؟" توصیف احمد نے بے صبری سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ میں تو خود اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی۔ کل صبح بھی میں نے پوچھا تھا لیکن وہ ٹال گئی بلکہ یہ کہا کہ وہ اپنے دکھ شیئر نہیں کرے گی۔ اس کا کیا مطلب ہے یہی نا کہ کوئی اسے پریشان کر رہا تھا۔"

توصیف احمد ایک ٹک یاسمین کو دیکھے جا رہے تھے اور اجلال رازی اچانک مجرمانہ احساس میں گھر گیا تھا۔ اسے لگا جیسے یاسمین "کوئی" اسے ہی کہہ رہی ہے۔

"کوئی اریبہ کو پریشان کر رہا تھا لیکن کیوں؟" کتنی دیر بعد توصیف احمد خود سے بولے تھے پھر اجلال رازی کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"بیٹا! تم سے اریبہ نے ایسی کسی بات کا ذکر کیا تھا؟"

"نہیں چچا جان۔" وہ اندر سے خائف ہو گیا تھا۔

"وہ نہیں بتاتی۔ کسی کو کچھ نہیں بتاتی۔ سمجھتی ہے، ہر مسئلہ خود حل کر سکتی ہے۔" یاسمین خود کو کسی الزام سے بری کر رہی تھی۔

"میرا خیال ہے بیٹا! ہمیں گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دینی چاہیے۔" توصیف احمد اچانک کسی نتیجے پر پہنچ کر بولے تھے۔

"جیسے آپ کہیں۔" اجلال رازی اب کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔

"چلو۔" توصیف احمد فوراً" کھڑے ہو گئے تو ناچار اسے بھی اٹھنا پڑا تھا۔ پھر ان دونوں کے جاتے ہی یاسمین تیزی سے سارہ کے کمرے میں آئی تھی۔

"کچھ پتا چلا مما؟" سارہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ اس کی آنکھیں رت جگے اور رونے کے باعث سرخ اور پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔

"نہیں۔ تمہارے ڈیڈی اور رازی رپورٹ درج کرانے گئے ہیں۔" یاسمین عجلت میں بتا کر اصل بات کی طرف آگئی تھی۔ "تم بتاؤ سارہ! ان دنوں اریبہ کچھ پریشان لگ رہی تھی۔ اس نے تمہارے ساتھ اپنی پریشانی شیئر کی تھی؟ کچھ کہا تھا اس نے تم سے؟"

"نہیں مما!" سارہ بھی اجلال رازی کی طرح خائف ہوئی تھی۔

"پتا نہیں کہاں چلی گئی۔ تم پھر اس کی فرینڈز کو فون کرو۔" یاسمین نے کہا۔

"نہیں مما! اس طرح تو سارے میں بات پھیل جائے گی اور بڑی بدنامی ہوگی۔" سارہ پھر رونے کو ہو گئی تھی۔

"بدنامی..!" یاسمین کو دھچکا لگا تھا، شاید اب اسے بدنامی کا مفہوم سمجھ میں آ رہا تھا جو کالک وہ خود اپنے منہ پر ملتی آ رہی تھی اس کا تو اسے کبھی احساس نہیں ہوا تھا اور اب جو کالک لگنی تھی' اس کے تصور سے ہی وہ کانپ اٹھی تھی۔

"نہیں۔" وہ تیزی سے پلٹی اور تقریباً" بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی اور زور سے دروازہ بند کر کے اپنے تئیں اس نے اپنے تعاقب میں آتی دنیا کو روکا تھا لیکن آوازوں کا کیا کرتی جو کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھیں۔

"جیسی ماں ویسی بیٹی۔"

* * *

تین دن ہو گئے تھے اسے یہاں مقید ہوئے اور وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہی تھی کہ اسے یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔ آخر اس شخص کا مقصد کیا ہے۔ جو صرف اس کی ضرورت پوچھتا اور ضرورت سے متعلق ہی جواب دیتا تھا اور کوئی بات تو جیسے سنتا ہی نہیں تھا اور یہ نہیں تھا کہ اس نے یہاں سے نکلنے کا نہیں سوچا تھا۔ کوشش بھی کر چکی تھی' اگلے دن جب وہ کہیں گیا تھا تو اس نے اس ایک کمرے اور لاؤنج پر مشتمل چھوٹے سے گھر کا ہر طرف سے جائزہ لیا تھا اور اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ کچن میں چھری چاقو تک نہیں تھے جنہیں وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا سوچتی اس کے بعد بھی اس نے اپنی کوشش ترک نہیں کی تھی دن کے بارہ بجے تک وہ گھر میں موجود رہتا تھا' اس کے بعد کہیں جاتا تو پھر رات نو بجے واپس آتا تھا۔ اس وقت بھی وہ موجود نہیں تھا تو اس نے مبہم امید کے سہارے پہلے دروازہ چیک کیا پھر کھڑکی کھول دی تو گزشتہ کی طرح تین فٹ گلی سے آگے اونچی باؤنڈری وال اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ وہ بے حد جھنجلائی پھر کھڑکی پر چڑھ گئی کہ شاید اس طرح باؤنڈری وال سے باہر دیکھ سکے لیکن یہاں بھی اسے مایوسی ہوئی۔

باؤنڈری وال کھڑکی سے اونچی تھی پھر بھی وہ گرل کے ساتھ چپک کر باہر یا آس پاس کسی کی موجودگی محسوس کرنا چاہتی تھی کہ اچانک گاڑی کی آواز پر گھبرا کر کھڑکی سے چھلانگ لگاتے ہی وہ تڑپ گئی اس کے پیر کی ایڑی میں پوری کیل گھس گئی تھی۔ درد کی تیز لہر سے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا پھر بھی اس نے اٹھنے کی کوشش کی تاکہ کمرے میں جا سکے لیکن اس سے پہلے ہی وہ اندر آگیا تھا۔ دروازہ بند کر کے پلٹا تب اس پر نظر پڑی۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی چہرے پر تکلیف کے آثار واضح تھے وہ نہ سمجھتے ہوئے بھی تیزی سے لپکا تھا اور اس کے قریب پنجوں پر بیٹھتے ہی فرش پر خون پھر اس کی ایڑی پر نظر پڑی تو فوراً" اس کا پاؤں اٹھا کر پلک جھپکتے ہی کیل کھینچ لی پھر ایڑی دبا دبا کر خون نکالنے لگا تھا۔

اریبہ درد سے بے حال ہونے کے باوجود کوئی احتجاج نہیں کر رہی تھی کیونکہ بحیثیت ڈاکٹر وہ جانتی تھی کہ یہ کتنا ضروری ہے۔ اچھا خاصا خون نکالنے کے بعد اس نے جیب سے ماچس نکالی اور تیلی جلا کر پھونک مارتے ہی گرم تیلی

اس نے زخم پر رکھ دی تھی۔

"اف !" اریبہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔

"یہاں کیا کر رہی تھیں؟" وہ اپنی کارروائی مکمل کر کے اب کڑے تیوروں سے پوچھ رہا تھا۔

"بھاگنے کا راستہ تلاش کر رہی تھی۔" وہ کڑواہٹ سے بولی۔

"اچھا !" اس کے اچھا میں استہزا تھا پھر پوچھنے لگا۔ "بھاگ کر جاؤ گی کہاں؟"

"ہاں ! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ میں بھاگ کر جاؤں گی کہاں۔ تم نے مجھے کہیں جانے کے قابل چھوڑا ہی نہیں۔" وہ دکھ چھپا کر تلخی سے بولی تو وہ اچھل پڑا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"نادان نہیں ہو جو مطلب نہ سمجھو۔ کوئی لڑکی ایک رات گھر سے غائب رہے اس کے بعد دنیا والے اسے کس نام سے پکارتے ہیں۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو گے۔" اس نے کہا تو وہ ہونٹ بھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔

"چلو، تمہیں کمرے میں پہنچا دوں۔"

"میں خود جا سکتی ہوں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور لنگڑاتے ہوئے چند قدم کے فاصلے پر رکھی کرسی کو تھام لیا پھر اسی کرسی پر بیٹھ گئی تو وہ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا' فوراً" رخ موڑ کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ پتا نہیں وہ لکڑیوں سے کیا بنا رہا تھا۔ اریبہ کو اس سے غرض نہیں تھی لیکن جب وہ لکڑی میں کیل ٹھونکتا تھا تب اس کا دماغ جھنجھنا جاتا۔ ابھی وہ تراشی ہوئی لکڑیوں کی پیمائش کر رہا تھا پھر اچانک اس کی طرف گھوم کر پوچھنے لگا۔

"تمہارے پیر کے لیے کسی دوا یا مرہم کی ضرورت تو نہیں ہے؟" وہ بالکل غیر ارادی طور پر اپنا پیر دوسری ٹانگ پر رکھ کر ایڑی کا جائزہ لینے لگی۔ ہلکا سا ہاتھ لگنے سے ہی ایڑی میں درد کی لہر اٹھی تھی تب وہ اسے دیکھنے لگی بولی کچھ نہیں۔

وہ اپنا کام چھوڑ کر کاغذ قلم لے آیا اور اس کے ہاتھ میں تھما کر بولا۔

"لکھ دو۔ میڈیسن کے علاوہ بھی جو چاہیے۔" اریبہ نے صرف پین کلر ٹیبلٹ اور ٹیوب کا نام لکھ کر پرچا واپس اسے تھما دیا تو وہ اسی وقت باہر نکل گیا تھا۔

"عجیب سر پھرا ہے۔" اس نے سر جھٹکا پھر کمرے میں جانے کے ارادے سے اٹھی تھی کہ نظر سامنے تخت پوش پر رکھے اس کے موبائل فون پر پڑی جو یقیناً" عجلت میں وہ لے جانا بھول گیا تھا۔ بس پھر اس نے ایک لمحہ ضائع نہیں کیا نہ درد کی پروا کی بھاگ کر موبائل اٹھایا اور جلدی جلدی توصیف احمد کا نمبر پش کر کے موبائل کان سے لگایا تو فوراً" ہی ٹیپ بجنے لگا تھا۔

"اس کال کے لیے آپ کی رقم ناکافی ہے۔"

"شٹ !" انتہائی غصے سے اس نے موبائل سامنے دیوار پر دے مارا تھا۔

✡ ✡ ✡

وقت وقت کی بات ہے۔ وہ تاجور کو تسلی دلاسے دیا کرتی تھی اور اب تاجور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی۔

"سارہ باجی! آپ پریشان نہ ہوں۔ دیکھیے گا' کسی دن اریبہ باجی خود ہی آجائیں گی۔ انہیں تو سارے شہر کے راستوں کا پتا ہے نا۔"

"ہوں۔" سارہ اثبات میں سر ہلا کر پوچھنے لگی۔ "تم دعا کرتی ہو اریبہ کے لیے؟"

"جی اب تو میں صرف اریبہ باجی کے لیے دعا کرتی ہوں جب اریبہ باجی آجائیں گی پھر میں اپنے بھائی کے آنے کی دعا کروں گی۔" تاجور کی معصومیت پر وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"آپ نماز پڑھیں نا باجی! بی بی کہتی ہیں نماز پڑھنے سے ساری پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔"

"ٹھیک کہتی ہیں بی بی۔"

"اور پتا ہے باجی! بی بی تو آدھی رات کو نماز پڑھ کر اریبہ باجی کے لیے دعا کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ ضرور دعا قبول کرتا ہے۔ ہیں باجی؟" تاجور کے لہجے میں حیرت کے ساتھ اشتیاق بھی تھا۔ سارہ نے بے اختیار اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔

"آنکھیں بند کرو تاج۔"

"جی۔" تاجور سہمی سی اور کچھ نروس بھی ہو گئی تھی۔

"بند کرو نا۔" سارہ نے اصرار کے ساتھ انگلیوں کی پوروں سے اس کی پلکوں کو گرایا تھا۔ پھر خود بھی آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں اللہ سے مخاطب ہو گئی تھی۔

"یا اللہ! اریبہ نے اس لڑکی تاجور کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی ہے' اسے دربدر ہونے سے بچایا ہے۔ یا اللہ اسی طرح تو بھی اریبہ کی مدد فرما۔ وہ جہاں بھی ہے اس کی حفاظت فرما۔"

"سارہ !" اپنے نام کی پکار پر سارہ نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ تاجور کے گلابی رخساروں پر سنہری پلکیں لرز رہی تھیں۔

"تاج !" سارہ نے دھیرے سے پکارا تو اس نے ڈرتے ڈرتے پلکیں اوپر اٹھائی تھیں۔

"شاید رازی بھائی آئے ہیں۔ تم یہیں بیٹھو' میں آتی ہوں۔" سارہ نے کہتے ہوئے اس کا گال تھپکا پھر اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔

اجلال رازی لاؤنج میں کھڑا تھا۔

"السلام علیکم۔ کچھ پتا چلا؟" سارہ نے سلام کے ساتھ ہی پوچھا۔ اجلال رازی گہری سانس کھینچ کر رہ گیا پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"یاسمین آنٹی کہاں ہیں؟"

"مما بہت ڈسٹرب ہیں۔ میں نے انہیں نیند کی ٹیبلٹ دے کر سلا دیا ہے۔ آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔" سارہ نے اس کی بات کا جواب دے کر کہا۔

"نہیں سارہ! چائے رہنے دو۔" اجلال رازی فوراً" اسے روک کر کہنے لگا۔ "تم بیٹھو' مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"مجھے بھی آپ سے بات کرنی ہے۔" سارہ کہتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"ہاں کہو کیا بات ہے؟" اجلال رازی اس کے سامنے بیٹھ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"وہ۔ بات یہ ہے کہ رازی بھائی! مجھے لگتا ہے اریبہ کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوا' نہ ہی اسے کڈنیپ کیا گیا ہے۔ بلکہ ہم سے ناراض ہو کر وہ خود کہیں چلی گئی ہے۔"

سارہ اپنے ناخنوں پر نظریں جمائے بول رہی تھی۔ آخر میں اجلال رازی کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے۔ کیا تم نے اریبہ سے کچھ کہا تھا۔ میرا مطلب ہے....."

"نہیں....." سارہ فوراً" بول پڑی۔ "اریبہ ہمارے رویوں سے ڈس ہارٹ تھی۔ کہہ رہی تھی ہم اس کے لیے

معمہ بنے ہوئے ہیں شاید اس معمہ کو حل کرتے کرتے اس نے اپنے طور پر کچھ سمجھ لیا ہو تو میں کہہ نہیں سکتی۔"

"ہوں۔۔۔" اجلال رازی کتنی دیر تک جانے کیا سوچتا رہا' پھر کہنے لگا۔ "تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے۔ ہمارے رویے واقعی اسے پریشان کررہے تھے۔ لیکن اس کا یوں خاموشی سے چلے جانا دل تسلیم نہیں کررہا۔ کیونکہ اسے جو کام کرنا ہوتا ہے ڈنکے کی چوٹ پر کرتی ہے۔"

"ہاں! لیکن اب تو وہ بہت چینج ہوگئی تھی۔ پھر آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ نہ کسی حادثے میں اس کا سراغ ملا ہے اور نہ کسی نے رقم کے مطالبے کا فون کیا ہے۔ اتنے دن ہوگئے ہیں۔ پولیس بھی تلاش نہیں کرپائی اسے۔"

"اگر واقعی ایسا ہے۔ جیسا تم کہہ رہی ہو پھر تو اریبہ نے بہت غلط کیا ہے۔ اسے ہمارا نہیں چچا جان اور یاسمین آنٹی کا خیال تو کرنا چاہیے تھا۔" اجلال رازی نے افسوس سے کہا۔

"میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ مما کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی اور حماد کو تو بالکل چپ لگ گئی ہے۔ ڈیڈی پتا نہیں کیا سوچتے ہیں۔ ان سب کی مجرم میں ہوں' اگر کسی کو کچھ ہوگیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گی۔" سارہ دل گرفتی سے بولتے ہوئے ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تھی۔

اجلال رازی کے دل پر مزید بوجھ آن گرا تھا۔ کچھ دیر سارہ کو دیکھتا رہا۔ پھر خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد سارہ کو احساس ہوا جیسے اس کی سسکیاں سننے والا کوئی نہیں ہے۔ ایک دم ہاتھ نیچے گرا کر دیکھا تو واقعی کوئی نہیں تھا۔ تب ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر وہ واپس کمرے میں آئی تو تاجور اسی جگہ بیٹھی تھی۔

"ارے۔۔۔ تم ابھی تک بیٹھی ہو۔ میرا مطلب ہے' کچھ دیر سولو۔ چلو یہیں لیٹ جاؤ۔" سارہ نے حتی الامکان اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔ پھر اپنی جگہ پر لیٹ کر تاجور کو ساتھ لیٹنے کا اشارہ کیا تو وہ رک کر بولی۔

"مجھے قرآن شریف کا سبق یاد کرنا ہے باجی!"

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ قصداً" مسکرائی اور تاجور کے جاتے ہی تکیے میں منہ چھپا کر پھر سسکنے لگی تھی۔

* * *

"کچھ پتا چلا اریبہ کا؟" اجلال رازی گھر آیا تو اسے دیکھتے ہی ساجدہ بیگم نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔ وہ بری طرح جھنجلا گیا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں پتا چلا' مرگئی ہے وہ' ایک ہی بار اسے رو پیٹ کر صبر کرلیں آپ سب۔"

"رازی۔۔۔" ساجدہ بیگم یہی سمجھیں کہ صدمے سے اس کا ذہن مفلوج ہورہا ہے۔ جب ہی تسلی دینے لگیں۔

"بیٹا۔۔۔ حوصلے سے کام لو۔۔۔ یوں ہمت ہارو گے تو کیسے تلاش کرو گے اسے۔"

"نہیں کرنا مجھے اسے تلاش اور تلاش اسے کیا جاتا ہے جو کھو جائے۔ وہ کھوئی نہیں' خود سے چلی گئی ہے کہیں۔" اجلال رازی نے سارہ کے قیاس کو یقین سے کہا تھا تو اس لیے کہ پچھلے دو دن سے وہ خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔

"خود سے چلی گئی ہے۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو رازی؟" ساجدہ بیگم مزید پریشان ہوگئی تھیں۔

"وہی جو سچ ہے۔ مان لیں آپ' وہ ایسی ہی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی ہے۔ خواہ کسی کی جان پر بن آئے۔ اسے کوئی پروا نہیں۔ کسی کی پروا نہیں اسے۔" وہ پھٹ پڑا تھا۔ ساجدہ بیگم نے جلدی سے گلاس میں پانی ڈال کر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"لو پانی پیو۔۔۔ غصے میں پتا نہیں کیا' کیا بولے جارہے ہو۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہا امی۔" وہ ساجدہ بیگم کے ہاتھ سے گلاس لے کر بولا۔

"بس رازی۔۔۔ خاموش ہوجاؤ۔" ساجدہ بیگم کو بھی غصہ آگیا تھا۔ ٹوک کر کہنے لگیں۔ "ٹھیک ہے اریبہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی ہے۔ لیکن ایسی گری ہوئی حرکت کبھی نہیں کرسکتی۔ دوبارہ ایسی بات تمہاری زبان پر نہیں آنا چاہیے۔۔۔ سمجھے۔"

"میری زبان پر بند باندھ کر آپ کیا سمجھتی ہیں' ساری دنیا خاموش ہوجائے گی۔" وہ تلخی سے بولا۔

"ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے رازی! جو بھی بات ہے' صاف کہو۔ کیونکہ دنیا کی پرواہ تو تم نے اس وقت نہیں کی تھی جب اریبہ بائیک چلاتی تھی۔" ساجدہ بیگم اب ٹھٹک کر اسے دیکھ رہی تھیں۔

"بائیک چلانا اور بات ہے امی۔" وہ سر جھکا کر اسی قدر بولا تھا۔ ساجدہ بیگم نرم پڑ گئیں۔

"بیٹا۔۔۔! تمہیں بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ اریبہ بے چاری پتا نہیں کس مشکل میں پھنسی ہے۔ پھر اپنے چچا جان کو دیکھو۔ ایک تو وہ پہلے ہی بیٹی کی گمشدگی سے پریشان ہیں۔ اس پر ایسی باتیں ان پر کیا اثر ڈالیں گی۔ یہ تو تم بھی سمجھ سکتے ہو۔"

"جی! سمجھ سکتا ہوں۔ بلکہ سمجھ رہا ہوں۔ جب ہی زیادہ وقت ان کے ساتھ رہتا ہوں۔ تاکہ وہ خود کو اکیلا نہ سمجھیں اور امی جو آپ کہیں گی میں ان کے لیے کروں گا۔ لیکن اب ایک بات کے لیے آپ مجھے مجبور مت کیجیے گا۔" وہ بہت ضبط سے اور ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

"کس بات کے لیے؟" ساجدہ بیگم نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ البتہ ان کی نظروں میں بے صبری واضح تھی۔

"میں اب اریبہ سے شادی نہیں کروں گا۔" اجلال رازی نے کہہ کر ساجدہ بیگم کو دیکھا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟" ساجدہ بیگم کو ہرگز بھی اس بات کی توقع نہیں تھی۔

"بس امی! آپ سمجھ لیں کہ اریبہ کی قسمت میں آپ کی بہو بننا لکھا ہی نہیں گیا اور جو بات قسمت میں نہ ہو اس پر کڑھنے یا واویلا مچانے کا کوئی فائدہ نہیں۔" وہ ابھی بھی ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا۔

"یہ فیصلہ تم نے۔۔۔" سراسیمگی کے عالم میں ساجدہ بیگم اس قدر کہہ سکی تھیں۔

"بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تو ساجدہ بیگم نے ایک دم اس کی کلائی تھام لی۔

"لیکن بیٹا! پہلے اریبہ کو تو آنے دو۔ دیکھو' وہ کیا بتاتی ہے۔ اس کے ساتھ کیا ہوا۔"

"مجھے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں۔ آپ بھی میرے فیصلے میں دراڑیں ڈالنے کی کوشش مت کیجیے گا۔" اب وہ اپنی بات کہہ کر رکا نہیں تھا' تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

ساجدہ بیگم کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ان کی شخصیت کا بت جس میں معاملہ فہمی اور بردباری سرفہرست تھی' پاش پاش ہونے جارہا تھا اور وہ بے بس تھیں۔ معاملہ ہی ایسا تھا۔ انہوں نے یاسمین کے کردار سے چشم پوشی کرلی تھی۔ لیکن اس کی کالک اپنے منہ پر ملنا دل گردے کا کام تھا۔ اجلال رازی ان کا بیٹا۔۔۔ لیکن تھا تو مرد ہی اور کوئی مرد ایسی لڑکی کو قبول نہیں کرتا جس کی پارسائی مشکوک ہوچکی ہو۔

"اریبہ۔۔۔!" ساجدہ بیگم کے دل سے ہوک اٹھی تھی اور آنکھوں میں ڈھیروں پانی جمع ہوگیا تھا۔

* * *

وہ کتنی دیر سے ایک ہی جگہ نظریں جمائے ساکت بیٹھی تھی۔ جبکہ اس کے ذہن میں مختلف سوچوں نے ہلچل مچا رکھی تھی۔ کبھی اسے توصیف احمد کا خیال آتا کہ اس کی گمشدگی ان پر کس طرح اثرانداز ہوئی ہوگی۔ وہ ابھی بھی اسے تلاش کررہے ہوں گے یا تھک کر مایوس ہوگئے ہوں گے۔ پھر یاسمین کو سوچتے ہوئے اسے اس صبح کا منظر یاد

آیا جب یاسمین اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"میں جیسی بھی ہوں تمہاری ماں ہوں۔ مجھے بتاؤ تم کیوں پریشان ہو۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اس نے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اس کی نفی کر کے ا طرح سے اسے دھتکار دیا تھا۔

"میں اپنے دکھ آپ کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی۔" اس نے واضح طور پر جتایا تھا۔

"اور شاید مجھے اسی بات کی سزا مل رہی ہے کہ اب کوئی بھی نہیں ہے۔ جس سے میں کچھ کہہ سکوں اور ا کون سنے گا میری۔"

"رازی.....!" اس کا دل پکارتے ہی سہم گیا تھا۔ کیا سوچتا ہو گا رازی میرے بارے میں کہ میں کن ہاتھوں پامال ہو رہی ہوں۔

"نہیں..... ایسا نہیں ہے رازی۔ اللہ نے اس لٹیرے کو ہی میرا محافظ بنا رکھا ہے۔ تم بدگمان مت ہونا۔ تمہاری ہوں۔" پھر وہ اجلال رازی کو یقین دلا رہی تھی اپنی محبت کا اور اپنی پارسائی کا کہ اچانک شمشیر علی دروازے میں آ کر اسے پکارا تھا۔

"اے.....!" وہ اچھل پڑی اور اس کی مداخلت پر جیسے کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔

"کیا ہے..... تمیز نہیں ہے تمہیں..... ایک دم سے چلے آتے ہو اور یہ اے اے کیا ہوتا ہے۔ میرا نام اریبہ ہ اریبہ۔"

"اور میرا کوئی نام نہیں ہے۔ یار لوگ شامی کہہ کر پکارتے ہیں اور کچھ شام' رادھا والا شام۔" وہ اس کے تی تیوروں کا نوٹس لیے بغیر بولا تھا۔ "تو میں کیا کروں۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"تم..... ہاں! میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ تمہیں کچھ پکانا وکانا بھی آتا ہے۔" وہ فوراً" اصلی بات کی طرف آگیا تھا۔

"نہیں۔" اریبہ نے سختی سے انکار میں جواب دیا تھا۔

"کیوں.....؟"

"کیونکہ میرے ہاں نوکر چاکر موجود ہیں۔" وہ چبا چبا کر بولی تھی۔

"اچھا ہاں..... یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تمہارا باپ بڑا پیسے والا آدمی ہے۔ لیکن سنو لڑکیوں کو باپ کے پیسے گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ قسمت کا کچھ پتا نہیں۔ ہو سکتا ہے' تمہیں ایسے گھر لے جائے جہاں کھانا پکا تمہیں خود کرنا پڑے۔"

شمشیر علی اس کے باپ پر طنز کر کے اچانک ناصحانہ انداز میں بولا تو اس کی نظروں میں اجلال رازی کا گھر گھو گیا۔ جہاں نوکر صرف اوپری کام کرتے تھے۔ کچن پہلے ساجدہ بیگم سنبھالتی تھیں۔ پھر انہوں نے ثنا کے حوا کر دیا تھا اور ثنا کے بعد یہ ذمہ داری یقیناً" بہو کو سونپی جانی تھی۔

"سنو..... میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی جو تم مراقبے میں چلی گئیں۔" شمشیر علی اسے پکار کر بولا اور اس ک دیکھنے پر پوچھنے لگا۔

"کیا سوچنے لگیں؟"

"کچھ نہیں..... تم بتاؤ' کیا پکانا ہے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہیں..... ابھی تو تم نے کہا تھا کہ تمہیں پکانا نہیں آتا؟" شمشیر علی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"پکاتے پکاتے آ ہی جائے گا۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکلی اور سیدھی کچن میں آ گئی تھی۔

"دیکھو..... کوئی زبردستی نہیں ہے۔" شمشیر علی فوراً" اس کے پیچھے آگیا تھا۔ "تمہیں اگر پکانا نہیں آتا تو ر

مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"لیکن میرے لیے تمہاری موجودگی مسئلہ پیدا کر رہی ہے۔" وہ زچ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "تم پلیز جاؤ یہاں سے۔"

"تمہاری مرضی۔" وہ کندھے اچکا کر کچن سے نکل گیا۔

اس نے پہلے سارے کا جائزہ لیا۔ پھر چکن دھو کر پیاز کاٹنے لگی۔ یہ واقعی بہت مشکل کام تھا۔ بلکہ اس کے لیے مشکل ہی مشکل تھی۔ کیونکہ اس نے کبھی پکانے کا کام نہیں کیا تھا۔ البتہ سارہ بی بی کے ساتھ کچن میں گھسی رہتی تھی۔ بہرحال جیسے تیسے کر کے اس نے چکن کا سالن بنا دیا۔ پھر گنتی کی تین روٹیاں دو اس کے لیے اور ایک نے لیے ڈال کر کچن سے نکلی تو پسینہ پسینہ ہو رہی تھی اور کپڑے بھی تو نہیں تھے جو چینج کرنے کا سوچتی۔ لاؤنج یں ہی پنکھے کے نیچے کھڑی ہو کر دوپٹے کے پلو سے منہ صاف کرتے ہوئے اچانک اسے کسی تبدیلی کا احساس ہوا تو ونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اتنے دنوں سے جو لکڑیوں اور برادے کی گندگی پھیلی ہوئی تھی اب اس کا نام و نشان ہیں تھا۔ سرخ سیمنٹ کا فرش خوش گوار تاثر دے رہا تھا اور شمشیر علی جو اتنے دنوں سے لکڑیوں کی ٹھونک ٹھاک کر رہا تھا تو اس کا وہ شغل اب سمجھ میں آیا۔ باقاعدہ ایزل بنا کر وہ کھڑا پنسل سے اسکیچ بنا رہا تھا یا بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اریبہ کی طرف کیونکہ اس کی پشت تھی اس لیے وہ آرام سے اس کی حرکات دیکھ رہی تھی۔ چند لائنیں کھینچنے کے بعد وہ جیسے جھنجلایا تھا۔ پنسل سے کراس کا نشان بنایا' پھر پیپر کھینچ کر موڑ توڑ کر ایک طرف اچھالا تو اریبہ بے ساختہ چلائی تھی۔

"اے..... یہ کیا کر رہے ہو؟"

شمشیر علی پورا گھوم کر اسے دیکھنے لگا' تو وہ سٹپٹا کر بولی تھی۔

"میرا مطلب ہے پھر کیوں گند پھیلا رہے ہو۔ وہ ڈسٹ بن رکھا تو ہے اس میں ڈالو۔"

"سوری.....!" شمشیر علی نے بڑی سعادت مندی دکھائی۔ پھینکا ہوا کاغذ کا گولا اٹھا کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔ پھر پوچھنے لگا۔

"کھانا پک گیا؟"

"ہاں....."

"لے آؤ....." شمشیر علی کے لہجے میں تحکم نہیں تھا۔ بلکہ برجستہ کہا تھا۔ پھر بھی وہ سلگ گئی۔

"نوکر نہیں ہوں میں تمہاری۔ پکا دیا ہے' یہی غنیمت جانو۔"

"اچھا اور جو میں اتنے دنوں سے پکا کر تمہیں کھلا رہا ہوں۔"

"وہ تمہاری مجبوری ہے۔" وہ فوراً" بولی تھی۔

"مجبوری..... میری کیا مجبوری ہے؟" شمشیر علی کی پیشانی پر بل آ گئے تھے۔

"تم جانو..... مجھے کیا پتا۔" وہ سر جھٹک کر کمرے میں آ گئی۔ دروازہ اس نے جان بوجھ کر بند نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اسے بھوک لگ رہی تھی اور اس خوش فہمی میں تھی کہ وہ کھانا نکال کر لائے گا۔ اس کے کمرے سے کچن کا دروازہ سامنے نظر آ رہا تھا۔ جب اس نے شمشیر علی کو کچن میں جاتے دیکھا تو اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ جبکہ دھیان اسی کی طرف تھا اور وہ کتنی دیر بعد دروازے میں آ کر اسے مخاطب کیے بغیر کہنے لگا۔

"میں جا رہا ہوں۔ کچھ منگوانا ہو تو بتا دو۔"

اس نے جواب دیا' نہ ہی اس کی طرف دیکھا تھا اور جب بیرونی دروازہ کھلنے بند ہونے کی آواز کے بعد گاڑی اسٹارٹ ہوئی' تو وہ اسے گالیاں دیتے ہوئے اٹھ کر کچن میں آئی اور جلدی سے پلیٹ میں سالن نکالا' پھر روٹی کا

برتن دیکھ کر رو دینے کو ہو گئی تھی۔

"منحوس ساری روٹیاں کھا گیا۔"

* * *

یاسمین جلے پیر کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی۔ پھر ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز
تیزی سے ادھر آئی تھی۔

سارہ کے ساتھ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا جانے کون تھا۔ جن سے سارہ کہہ رہی تھی۔

"اریبہ اصل میں بہت تھک گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے کمپلیٹ ریسٹ بتایا تھا۔ جب ہی ڈیڈی اسے
گئے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ یہاں رہ کر تو وہ ریسٹ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکچر مس ہونے کے خیال سے بھاگی چلی جاتی۔" یہ
تھی۔

"جی۔۔۔ آپ تو جانتی ہیں اسے۔ اسٹڈی کے معاملے میں کتنی جنونی ہے۔" سارہ نے کہا' تب ہی یاسمین
پڑی' جو ان تینوں کو دیکھ رہی تھی۔

"مما! آیئے نا!" سارہ یاسمین کو بلا کر پھر تعارف کرانے لگی۔ "یہ میری مما ہیں اور مما! یہ اریبہ کی فرینڈ ہیں

"السلام علیکم۔۔۔ بیٹھو بیٹا۔" یاسمین انہیں بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی بیٹھ گئی تو پوچھنے لگی۔ "اریبہ کے ساتھ
ہیں آپ لوگ؟"

"جی آنٹی! اتنے دنوں سے اریبہ کالج نہیں آئی تو ہم نے سوچا' اس کی خیر خیریت معلوم کر لیں۔" عرو
جواب کے ساتھ کہا۔

"اس کا سیل فون بھی آف جا رہا ہے۔" یہ مہک تھی۔

"اصل میں بیٹا! وہ اپنا سیل فون یہیں بھول گئی تھی۔ شاید بیٹری ڈاؤن ہونے سے آف ہو گیا ہو گا۔"
نے بات بنائی' تب ہی بی بی چائے لے کر آ گئیں۔ ساتھ لوازمات بھی تھے۔

سارہ نے فورا" اٹھ کر ٹیبل ان تینوں کے قریب دھکیل دی اور پلیٹیں ان کے سامنے رکھ کر بولی۔

"آپ لیں پلیز۔۔۔ مما آپ کیا لیں گی؟"

"بس بیٹا! چائے۔ مجھے چائے دے دو۔" سارہ کپ سیدھے کر کے چائے ڈالنے لگی۔

"ویسے کب تک آئے گی اریبہ؟" جمال نے اچانک پوچھ کر سارہ کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔ لیکن یا
لیے کوئی مشکل نہیں تھی۔ اسے ہمیشہ سے باتیں بنانے میں کمال حاصل تھا۔

"اب تو اریبہ اپنے ڈیڈی کے رحم و کرم پر ہے بیٹا! اور اس کے ڈیڈی جب تک اس کی صحت کی طر
مطمئن نہیں ہو جائیں گے۔ اسے یہاں نہیں لائیں گے۔"

"لیکن آنٹی! ایگزام بھی تو قریب ہیں۔" عروسہ نے یاد دلایا۔

"ہاں' لیکن ہمارے لیے اریبہ' اریبہ کی صحت زیادہ اہم ہے۔ ایگزام کی ٹینشن دے کر ہم اسے مزید
کر سکتے۔ میں نے تو اس کے ڈیڈی سے کہہ دیا ہے۔ اریبہ ایگزام نہیں دے گی۔"

انتہائی بے بسی میں بھی یاسمین اعتماد سے بول رہی تھی۔ پھر اس نے ان تینوں کو مزید کچھ کہنے یا پوچھنے
ہی نہیں دیا۔ باتوں کا رخ ان کی طرف موڑ کر سوال پر سوال کرتی گئی تھی۔ یعنی وہ کہاں رہتے ہیں۔ ان
کرتے ہیں۔ کتنے بہن بھائی ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ تینوں کے تفصیلی انٹرویو لے ڈالے اور ان کے جانے کے بع

کر بیٹھ گئی تھی۔

* * *

دیلی میں اتنا سالن موجود تھا جو رات میں دو آدمی آرام سے کھا سکتے تھے۔ البتہ روٹی اسے ڈالنی تھی اور اب تین
کے بجائے چار روٹیاں بنا کر وہ کمرے میں آ کر بیٹھی تھی کہ شمشیر علی آ گیا اور ہاتھ میں پکڑا بڑا سا شاپنگ بیگ اس
کے سامنے بیڈ پر ڈال کر کہنے لگا۔

"مجھے عورتوں کی شاپنگ کا تجربہ نہیں ہے اور تمہاری چوائس تک تو شاید میں پہنچ ہی نہیں سکتا۔ بس جتنی
نے اجازت دی اور جو سمجھ میں آیا' لے آیا .... آگے تمہاری مرضی۔"

اور اب اس کی کیا مرضی تھی۔ مجبوری تھی۔ شمشیر علی کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے شاپنگ بیگ بیڈ پر
ٹ دیا۔ تین عدد ریڈی میڈ سوٹ تھے جنہیں اس نے کھول کھول کر دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی اور ایک
وٹ لے کر فورا" واش روم میں بند ہو گئی۔ کیونکہ اب اسے پسینے کی بساند میں رچے اپنے کپڑوں سے گھن آنے
تھی۔

تقریبا" پندرہ منٹ اس نے نہانے میں لگائے' پھر چائے کی شدید خواہش اسے کچن میں لے آئی تو پہلے اس نے
کپ کا پانی چولہے پر رکھا۔ پھر کچھ سوچ کر ایک کپ اور ڈال کر دو مگوں میں چائے بنائی اور لے کر لاؤنج میں آئی
تخت پر بیٹھا اپنے ٹوٹے ہوئے موبائل سے غالبا" نمبر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی نیا موبائل رکھا تھا۔

اریبہ نے خاموشی سے چائے کا ایک مگ اس کے سامنے رکھ دیا اور خود پلٹ کر خاصے فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ
نہانے کے بعد اب وہ خود کو خاصا ترو تازہ محسوس کر رہی تھی اور ایسے ہی چائے کا مزا لینا چاہتی تھی۔ جب ہی
ن سے ہر خیال جھٹک کر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ بے دھیانی میں اسے دیکھے گئی۔ جس کا چہرہ موبائل کے
تھ مغز ماری کرتے ہوئے زاویے بدل رہا تھا۔ پھر وہ اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہ کر بولا تھا۔

"کیا ملا تمہیں میرا موبائل توڑ کر۔ خوامخواہ خرچا کرا دیا۔" پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کسے فون کر رہی تھیں؟"

"ڈپٹی کمشنر کو۔۔۔" وہ جل کر بولی تھی۔

"ڈپٹی کمشنر۔۔۔ وہ تمہارا کون ہے؟" وہ ٹھٹکا نہیں تھا۔ ناگواری سے پوچھ رہا تھا۔

"کوئی بھی ہو' تمہیں کیا۔"

"ہاں' مجھے کیا۔۔۔ مجھے تو تم سے مطلب ہے۔۔۔ نیلا رنگ تم پر اچھا لگ رہا ہے۔" وہ شرارت سے مسکراتا اچھا
ب رہا تھا۔

"شٹ اپ۔۔۔!" وہ فورا" نظریں چرا گئی تھی۔

شمشیر علی دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تو وہ کن اکھیوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"یقینا" لوگ اس کی وجاہت کو سراہتے ہوں گے اور لڑکیاں بہانے بہانے سے اس کے پاس آتی ہوں گی۔
اید یہ خود سے آگاہ بھی ہے۔ جب ہی تو کہہ رہا تھا۔ رادھا والا شام۔"

"شام۔۔۔" ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا' ایک دم پکار اٹھی۔

"شام۔۔۔ مجھے لگ رہا ہے۔ میں نے پہلے بھی تمہیں کہیں دیکھا ہے؟"

شمشیر نے جھٹکے سے سر اونچا کیا تھا۔ وہ خائف ہو گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

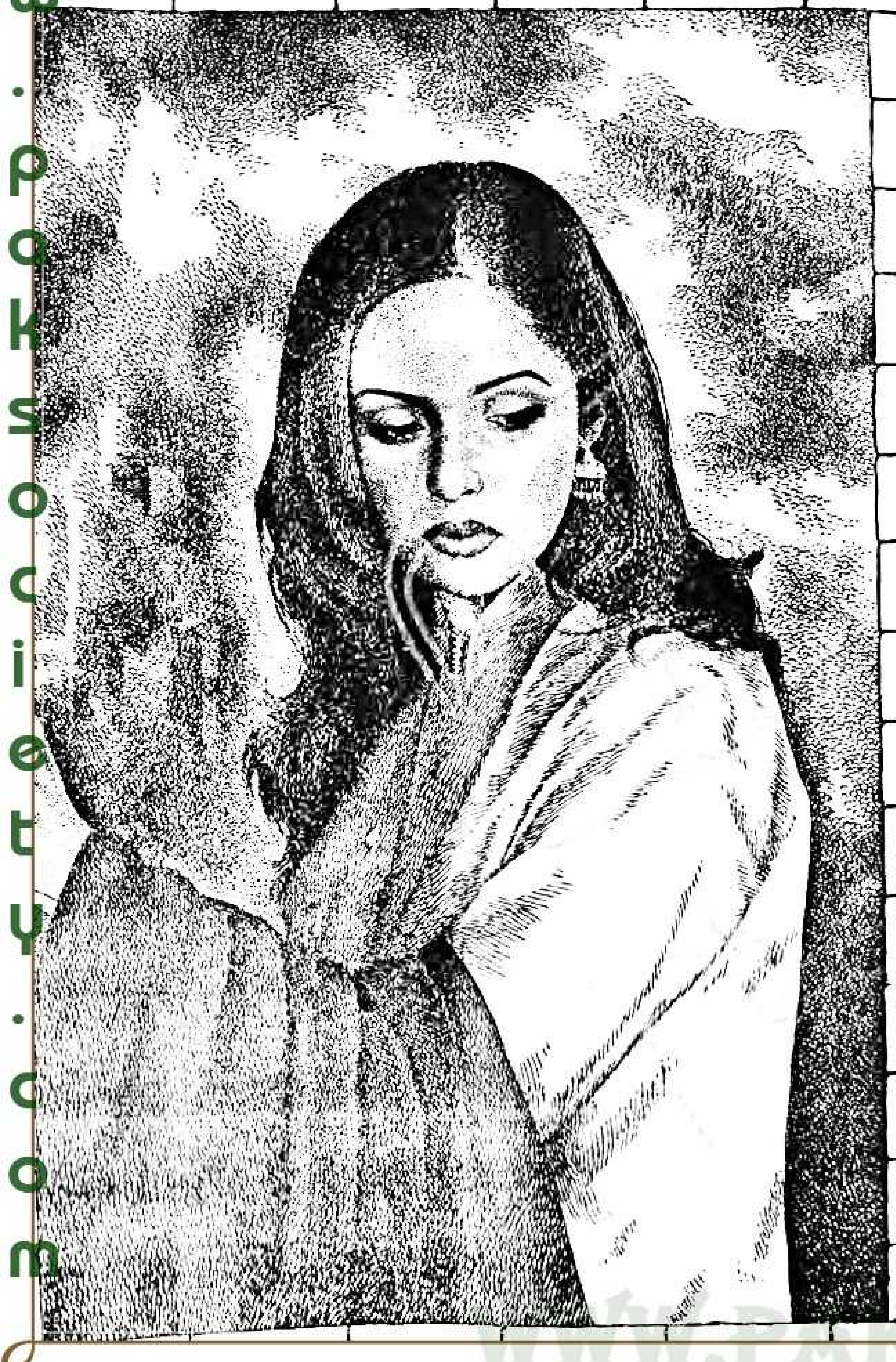

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں، سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقبل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی، خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہو چکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہو جاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال تعلیم مکمل کر کے واپس آتا ہے تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلتا ہے۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اجلال رازی اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے، مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے، تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خود سر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔ مگر سارہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے

رشتے کی بات کرے' تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصہ میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کر لیتا ہے۔ شمشیر تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے ہسپتال داخل کروا دیتا ہے۔

اریبہ' یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کر دیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچا لیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی' توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اریبہ ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے۔ اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی' اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔

تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جا کر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہو جاتی ہے۔ تاباں کو دیکھ کر شمشیر پچھتاتا ہے اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے اپنے ساتھ چلنے کا کہتا ہے مگر تاباں منع کر دیتی ہے۔

یاسمین' اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑ جاتی ہے مگر اریبہ دوٹوک انداز میں منع کر دیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال' اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہو جاتا ہے۔

اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر سے بات کرتی ہے مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کر لیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہو جانے پر سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ اجلال ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر' اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

قسط ۱۳

"ہاں' کہاں دیکھا ہے۔" اریبہ ذہن پر زور ڈالنے لگی تھی۔

شمشیر علی نے اٹھتے ہوئے جان بوجھ کر چائے کا مگ ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اس کا مقصد اریبہ کا دھیان بٹانا تھا اور واقعی مگ ٹوٹنے کی آواز سے وہ جھنجلا گئی تھی۔ بولی تو کچھ نہیں مگر ناگواری سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"بندہ تمہاری موجودگی میں کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ آئندہ میں کوئی کام کر رہا ہوں تو تم یہاں مت بیٹھنا۔" شمشیر علی الٹا اسے الزام دے کر بولا تو وہ چڑ گئی۔

"یوں کیوں نہیں کہتے کہ تمہیں کچھ کرنا آتا ہی نہیں۔"

"یہ تو تمہیں وقت بتائے گا کہ مجھے کیا آتا ہے کیا نہیں۔" وہ کہتے ہوئے جھک کر ٹوٹے مگ کے ٹکڑے اٹھانے لگا۔

"معاف کرنا' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تمہیں کیا آتا ہے۔ تم ماؤنٹ ایورسٹ سر کر لو تب بھی میں تمہیں نہیں سراہوں گی کیونکہ میری نظر میں تم راہزن ہو' راہزن رہو گے۔"

وہ سلگتے لہجے میں کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ گو کہ اب وہ وہاں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی لیکن محض اس پر یہ جتانے کی غرض سے کہ وہ اس سے دبنے والی نہیں ہے' بیٹھی رہی۔

"اچھی بات ہے۔ اب اپنے راہزن کو کھانا ہی کھلا دو۔" شمشیر علی نے برا مانے بغیر کہا تو وہ اس کی ڈھٹائی پر تلملا کر رہ گئی' بولی اب بھی کچھ نہیں۔

"کچھ ہے یا لانا پڑے گا؟" شمشیر علی نے پوچھا ضرور لیکن اس کا جواب سننے کے لیے رکا نہیں' سیدھا کچن میں چلا گیا تب وہ اٹھ کر کمرے میں آگئی تھی۔

* * *

ساجدہ بیگم کو جو عزت اور مقام خاندان بھر میں حاصل تھا۔ اسے وہ کھونا نہیں چاہتی تھیں کیونکہ انہیں یہ عزت اور مقام یونہی نہیں حاصل ہو گیا تھا۔ اپنی بردباری قائم رکھنے کے لیے بارہا انہیں پل صراط سے گزرنا پڑا تھا۔ انصاف پسندی ان کی فطرت میں شامل تھی۔ معاملہ غیر کا ہو یا اپنے گھر کا' انہوں نے ہمیشہ غیر جانبداری سے سوچا تھا اور اب جوان کے اپنے بیٹے اجلال رازی نے اریبہ سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ سنایا تھا تو اسے بھی وہ غیر جانبداری سے ہی سوچ رہی تھیں لیکن اس کے ساتھ وہ پریشان بھی تھیں کیونکہ اجلال اپنے فیصلے میں حق بجانب تھا۔

کوئی بھی مرد ایسی لڑکی کو قبول نہیں کرتا جو اغوا ہوئی ہو یا اپنی مرضی سے گھر چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہو۔ بہرحال اجلال کو حق بجانب سمجھنے کے باوجود وہ اس سلسلے میں کوئی فوری اقدام نہیں کرنا چاہتی تھیں کیونکہ خاندان کا معاملہ تھا اور گو کہ انہیں اجلال سے بھی کسی جذباتی پن کی توقع نہیں تھی' پھر بھی وہ اسے سمجھانا چاہتی تھیں لیکن اس روز کے بعد سے اجلال انہیں فرصت سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا جس سے وہ اپنے آپ جانے کیا کیا قیاس کر کے اندیشوں میں گھرنے لگی تھیں۔ اس وقت بھی وہ اسی سلسلے میں پریشان بیٹھی تھیں کہ سمیر کے ساتھ امینہ کی آمد پر کچھ ٹھٹکیں لیکن بظاہر خوشی کا اظہار کیا۔

"ارے امینہ! آج تم کیسے راستہ بھول پڑیں؟"

"میں تو کب سے آنا چاہ رہی تھی بھابھی! بس یہ سمیر ہی فارغ نہیں ہوتا۔ روز کل پر ٹالتا رہتا ہے۔ آپ بھی تو نہیں آئیں۔" امینہ نے جواب کے ساتھ شکوہ کر ڈالا۔

"بس میرے ساتھ بھی یہی جانے آنے کا مسئلہ ہے۔ جب سے بلال باہر گیا ہے' تب سے تو بالکل گھر کی ہی ہو کر

رہ گئی ہوں۔ خیر! تم سناؤ ٹھیک تو ہو اور ہاں، طیبہ کو کیوں نہیں لائیں۔ کس کے پاس چھوڑ آئی ہو؟" ساجدہ بیگم نے امینہ کے پاس بیٹھتے ہوئے اچانک طیبہ کی کمی محسوس کر کے پوچھا۔

"کسی کے پاس نہیں بھابھی! طیبہ کے بابا آ گئے تھے بس اسی لیے وہ رک گئی ورنہ آ رہی تھی۔" امینہ بتا کر سمیر کو دیکھنے لگیں، جو کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔

"اچھا امی! میں پھر آپ کو لینے آ جاؤں گا۔" سمیر نے امینہ کے دیکھتے ہی کہا تو ساجدہ بیگم اس سے پوچھنے لگیں۔

"کیوں تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں ابا کے ایک کام سے جا رہا ہوں ممانی جان! آپ کو کوئی کام ہو تو بتائیے۔"

"ارے نہیں بیٹا! مجھے کیا کام ہو گا۔"

"اچھا امی۔۔۔!" سمیر کھڑے کھڑے ہی چلا گیا تو امینہ ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"ثنا نظر نہیں آ رہی، کہاں ہے؟"

"کچن میں ہو گی!" ساجدہ بیگم بتانے کے ساتھ ثنا کو پکار کر بولیں۔

"ثنا! یہاں آؤ، تمہاری پھپھو آئی ہیں۔"

ثنا بھاگی آئی تھی۔ سلام کرتے ہوئے امینہ سے لپٹ گئی۔ یہ امینہ کی محبت تھی، پھر اکلوتی پھپھو بھی تھیں، اس لیے ساجدہ بیگم اور توصیف احمد کی اولادیں بھی ان کی طرف کھنچتی تھیں۔

"آپ تو واقعی عید کا چاند ہو گئی ہیں پھپھو! سچ بتائیں۔ آخری بار آپ کب آئی تھیں ہمارے گھر۔" ثنا لاڈ سے بول رہی تھی۔ امینہ ہنسنے لگیں۔

"دیکھا! آپ کو یاد بھی نہیں ہے مگر مجھے یاد ہے، جب رازی بھائی باہر سے آئے تھے تب آپ آئی تھیں اور رازی بھائی کو آئے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے۔ کیوں امی؟" ثنا نے آخر میں تصدیق کے لیے ساجدہ بیگم کو مخاطب کیا تو وہ کہنے لگیں۔

"اچھا یہ حساب کتاب بعد میں کرنا پہلے اپنی پھپھو سے چائے پانی پوچھو۔"

"پوچھوں کیوں؟ لے کر آتی ہوں۔" ثنا فوراً اٹھ گئی، پھر جاتے جاتے بولی۔ "پھپھو! جلدی جانے کا تو سوچیے گا بھی نہیں، میں آپ کے لیے اسپیشل کھانا بناؤں گی۔"

"ارے نہیں بیٹا!" امینہ منع کرنا چاہتی تھیں لیکن ثنا جا چکی تھی۔

"نہیں سنے گی وہ، آرام سے بیٹھو تم، اپنا ہی گھر ہے۔" ساجدہ بیگم نے امینہ کا ہاتھ دبا کر کہا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

پھر کتنے لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ دونوں کے ذہن ایک ہی بات سوچ رہے تھے اور دونوں اس انتظار میں تھیں کہ پہل دوسری طرف سے ہو۔ آخر امینہ کو کہنا پڑا۔

"بھابھی! اریبہ کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ بے چارے توصیف بھائی تو ٹوٹ کر رہ گئے ہیں۔"

"ہاں امینہ! میں خود بہت پریشان ہوں۔ اس لڑکی نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔" ساجدہ بیگم آہ بھر کر افسوس سے کہنے لگیں۔ "بات صرف توصیف کی نہیں پورے خاندان کی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابھی! خاندان کی ناک کٹوا دی اس نے اور مجھے یقین ہے اس میں یاسمین کا ہاتھ ہے۔ خدا جانے، ہمارے خاندان سے کیا بیر ہے اسے، شروع دن سے جو رسوا کرنے پر تلی ہے تو اب تک صرف برائی ہی سوچتی ہے۔" امینہ نے آج پہلی بار یاسمین کے خلاف زبان کھولی تھی ورنہ اب تک خاموش تماشائی تھیں۔

"ہاں لیکن یاسمین اپنی بیٹی کو۔۔۔" ساجدہ بیگم سوچنے والے انداز میں اسی قدر کہہ سکیں۔

"ارے بھابھی! اس نے اولاد کو اولاد سمجھا ہی کب۔ وہ خاص طور سے توصیف بھائی کو اذیت دینے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ خود تو ان کے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی، اولاد ہی کو استعمال کرتی ہے ناں۔"

"ہوں۔" ساجدہ بیگم گہری سوچ میں تھیں۔

"آپ مانیں یا نہ مانیں، اریبہ کو یاسمین نے ہی غلط راستے پر ڈالا ہے۔ پہلے بھی وہ اس کی شہ پر کیسی کیسی حرکتیں کرتی رہی ہے اور آپ نے بڑی غلطی کی بھابھی! جب اریبہ نے منگنی کی انگوٹھی واپس کی تھی تو آپ کو بھی اسی وقت رشتہ ختم کر دینا چاہیے تھا۔" امینہ کی آخری بات پر ساجدہ بیگم چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ رازی کا حال توصیف بھائی جیسا نہ ہو تو یہ رشتہ ختم کر دیں۔

"میں کسی غلط نیت سے نہیں کہہ رہی بھابھی! اگر رازی میرا خون ہے تو اریبہ بھی میرا خون ہے مگر رازی سے تو میرے خاندان کی نسل بڑھے گی اس کی زندگی میں یاسمین جیسی عورت نہیں آنی چاہیے۔" امینہ نے انجانے میں ساجدہ بیگم کی آدھی پریشانی دور کر دی تھی۔

"سوچتی تو میں بھی ایسا ہی ہوں امینہ! لیکن مجھے توصیف کا خیال آتا ہے۔" ساجدہ بیگم گہری سانس بمشکل دبا کر بولی تھیں۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں، مجھے توصیف بھائی کا خیال نہیں ہے۔ ان کا خیال کر کے ہی میں ایسا کہہ رہی ہوں۔ کیونکہ رازی اور اریبہ کی شادی اگر ہو بھی گئی تو زیادہ عرصہ نہیں چلے گی اور یہ بات توصیف بھائی کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہو گی۔ ویسے رازی کیا کہتا ہے؟"

امینہ نے آخر میں اچانک رازی کا ارادہ جاننا چاہا تو ساجدہ بیگم سنبھل کر کہنے لگیں۔

"کچھ نہیں۔ رازی نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی اور میں بھی ابھی اسے نہیں چھیڑنا چاہتی۔ پتا نہیں اس کے دل میں کیا ہے امینہ! البتہ یہ میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ کچھ اکھڑا اکھڑا رہنے لگا ہے۔"

"ظاہر ہے بھابھی! وہ بھی انسان ہے پھر مرد۔۔۔ اور مرد کہاں ایسی حرکتیں برداشت کرتے ہیں۔"

امینہ پر اس وقت بھتیجے کی محبت غالب تھی اور شاید یہ بات بھی کہ بھتیجے سے ان کے خاندان کی نسل چلے گی۔ یہ نہیں تھا کہ انہیں اریبہ سے محبت نہیں تھی یا اس کی فکر نہیں تھی۔ وہ ہر نماز میں اریبہ کی سلامتی اور خیریت سے گھر واپس آنے کی دعائیں مانگتی تھیں لیکن اس کا قصور معاف کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ ان کی نظروں میں وہ مجرم تھی۔ خاندان کی عزت و ناموس کی قاتل۔۔۔

ثنا نے چائے کے ساتھ ڈھیروں لوازمات سے ٹیبل بھر دی تھی اور امینہ کو ہر چیز کھانے پر اصرار کرنے لگی، تب ہی سمیر آ گیا اور ٹیبل دیکھ کر بے ساختہ بولا تھا۔

"واہ! اچھے وقت پر آیا ہوں۔"

"یہاں جب بھی آؤ گے، تمہیں اچھا وقت ہی ملے گا البتہ۔۔۔" ثنا اپنی ترنگ میں شروع ہوئی تھی کہ ساجدہ بیگم کے گھورنے پر خاموش ہو گئی لیکن سمیر اس کا مطلب سمجھ گیا تھا، جب ہی بیٹھنے کا ارادہ ترک کر کے امینہ سے بولا۔

"چلیں امی!"

"جی نہیں۔" ثنا پہل بول پڑی۔ "پھپھو ابھی نہیں جائیں گی۔ رات کے کھانے تک تو رکیں گی۔ ہو سکتا ہے رات میں بھی رک جائیں۔"

"ارے نہیں بیٹا! گھر میں طیبہ اکیلی ہے۔ پھر جب اسے ساتھ لے کر آؤں گی تب ضرور رکوں گی۔" امینہ نے

کہا تو ثنا منہ پھلا کر بولی۔

"پھر تو پتا نہیں پھپھو آپ کب آئیں گی۔"

"آؤں گی ان شاء اللہ جلدی آؤں گی اور جہاں تک رکنے کی بات ہے تو بیٹا! تمہارا یہ ارمان میں رازی کی شادی میں پورا کروں گی۔" امینہ روانی میں کہہ تو گئیں لیکن فوراً" احساس بھی ہو گیا۔ سٹپٹا کر ساجدہ بیگم کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پریشان ہو گئی تھیں جبکہ ثنا کو موقع مل گیا تھا۔

"رازی بھائی کی شادی تو آپ بھول ہی جائیں پھپھو! پتا نہیں ہو گی بھی کہ نہیں۔"

"کیوں نہیں ہو گی۔" ساجدہ بیگم تڑپ گئیں۔ ثنا کو ڈانٹنے لگیں۔ "ہزار بار منع کیا ہے فضول مت بولا کرو لیکن تمہاری زبان کو لگام ہی نہیں ہے۔ کسی دن سچ مچ گدی سے کھینچ لوں گی تمہاری زبان۔"

"جانے دیں بھابھی! بچی ہے۔ آپ غصہ نہ کریں۔" امینہ پریشان ہو کر ساجدہ بیگم کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

"سمیر! پانی دو۔۔۔ لیجیے بھابھی! پانی پییں۔"

ساجدہ بیگم نے امینہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے لیا اور غالباً" اپنے غصے پر قابو پانے کی غرض سے اٹھ کر اندر چلی گئیں تو امینہ نے خائف انداز میں پہلے سمیر کو دیکھا پھر ثنا کو سمجھانے لگیں۔

"بیٹا! تم تو سمجھ دار لڑکی ہو' تمہیں اپنی ماں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔"

"کیسی باتیں پھپھو! میں نے کیا غلط کہا ہے۔ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے' اس سے آپ کو لگتا ہے کہ رازی بھائی کی شادی ہو پائے گی۔۔۔ مجھے تو نہیں لگتا۔ ہاں اگر رازی بھائی اریبہ کا خیال چھوڑ دیں' تب ان کی شادی ممکن ہو سکتی ہے۔" ثنا بے حد تلخی سے بول رہی تھی۔

"آپ رازی بھائی کو سمجھائیں پھپھو! اور ساتھ امی کو بھی' اریبہ میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے اور اب تو وہ سچ مچ کسی کی بیوی یا بہو بننے کے لائق نہیں رہی ہو گی۔"

"ثنا!" سمیر نے بہت ضبط سے ثنا کو مخاطب کیا۔ "بے شک تم غلط نہیں کہہ رہیں لیکن تمہیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔"

"سمیر ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹا! تمہیں یوں بے دھڑک نہیں بولنا چاہیے۔ پھر ایسے حالات میں جب کہ تمہاری ماں خود پریشان ہے تمہیں اور احتیاط کرنی چاہیے۔ بلکہ تم تو بیٹی ہو۔ دل جوئی کرو ماں کی۔" امینہ نے سمیر کی تائید کرتے ہوئے ثنا کو مزید سمجھایا تھا۔

"ٹھیک ہے' اب میں کچھ نہیں بولوں گی لیکن یہ میں آپ کو بتا دوں کہ اگر اریبہ اس گھر میں آ گئی تو امی کی پریشانیاں مزید بڑھ جائیں گی۔" ثنا نہ بولنے کا کہہ کر بھی جتانے سے باز نہیں آئی تھی۔

امینہ نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے باز رکھتے ہوئے سمیر کو بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

* * *

شمشیر علی کو سر راہ جس لڑکے نے تصویر بنوانے کے لیے کہا تھا' وعدے کے مطابق شمشیر علی اسی شام اس کے گھر گیا تھا۔ اس لڑکے کا نام ابراہیم تھا جو ایک پسماندہ علاقے میں رہائش پذیر تھا۔ دو کمروں کا چھوٹا سا گھر تھا جس میں ابراہیم' اس کے ماں باپ اور چار بہن بھائی انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ابراہیم کا باپ نابینا تھا اور ماں تیرے میرے گھر کام کر کے کچھ پیسے کما لیتی تھی۔ اس پسماندہ علاقے میں جہاں لوگوں کو پیٹ بھر روٹی میسر نہیں تھی' وہاں کام کاج کے لیے ملازم رکھنے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا' اس لیے ابراہیم کی ماں کو ایک تو کام

بہت مشکل سے ملتا تھا، پھر اجرت بھی اتنی جو آٹا دال بھی پورا نہیں کرتی تھی۔

ابراہیم اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور سرکاری اسکول میں مڈل تک ہی پڑھ سکا تھا۔ تصویریں بنانے کی صلاحیت اس میں خداداد تھی۔ اسکول کی پہلی دوسری کلاس میں ہی اس کی ڈرائنگ بہت اچھی تھی اور وہ گھر آکر بھی زیادہ تر ڈرائنگ کی مشق کیا کرتا تھا۔ شاید اس کا شوق تھا جو وہ ہوم ورک کے بعد رف کاپی پر مختلف تصویریں بنا کر خوش ہوتا تھا۔ ابتدا اس نے گھر میں رکھے سامان سے کی تھی۔ سامنے صندوق نظر آیا تو اسے کاپی پر منتقل کردیا پھر چارپائی، پرانی میز، جو ایک پائے سے محروم تھی اور اس کی جگہ اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔۔۔ اور یوں ہوتے ہوتے ایک روز اس نے چارپائی پر بیٹھے ابا کی تصویر بنا ڈالی تھی۔ اس وقت اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ بھی ایک فن ہے جس کی آبیاری کی جائے تو نام کے ساتھ پیسہ بھی کمایا جاسکتا ہے۔ وہ بس خوش ہوتا تھا۔ ابا کے بعد اماں، پھر سب بہن بھائیوں کی تصویریں بناڈالیں۔ پھر ایک روز گھر سے دور وہ نیم کی چھاؤں میں بیٹھا سامنے کام کرتے کسی مزدور کی تصویر بنا رہا تھا، جب قریب سے گزرتے ایک آدمی نے اس کی کاپی دیکھ کر شوق سے پوچھا تھا۔

"تم تصویریں بناتے ہو؟"

"جی وہ میں۔۔۔ بس ایسے ہی۔" وہ ڈر گیا تھا کہ اس سے کوئی جرم تو سرزد نہیں ہوگیا۔

"ایسے ہی تو نہیں یار! تم تو پکے فنکار ہو۔" وہ آدمی اس کے سامنے پنجوں پر بیٹھ کر پوچھنے لگا۔ "میری تصویر بنادو گے؟"

"جی۔" اس نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے کاپی کا صفحہ الٹ دیا۔

"چلو پھر شروع ہوجاؤ۔" وہ آدمی باقاعدہ پوز بنا کر بیٹھ گیا تو ابراہیم نے آدھے گھنٹے میں اس کی تصویر بنا کر کاپی اس کے سامنے کردی تھی۔

"بھئی واہ! تم نے تو کمال کردیا۔ کتنے پیسے ہوئے؟" آدمی نے اپنی تصویر دیکھ کر خوش ہو کر پوچھا تو وہ حیران ہوا تھا۔

"پیسے۔۔۔"

"ہاں پیسے، کتنے پیسے لوگے؟" آدمی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ تصویر دیکھتے ہوئے جیب سے سو کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ تب بھی وہ نا سمجھی کے عالم میں لال نوٹ کو دیکھنے لگا تھا۔

"ابھی یہی رکھو یار! جب پورٹریٹ بنواؤں گا، تب جتنے کہوگے اتنے دوں گا۔" آدمی یہی سمجھا کہ اسے سو روپے کم لگ رہے ہیں جب ہی نہیں لے رہا۔ زبردستی اس کے ہاتھ میں تھما کر کاپی سے اپنی تصویر والا صفحہ نکال لیا۔ ابراہیم کافی دیر بعد سمجھا خوشی خوشی گھر دوڑا۔

پھر ابراہیم نے معمول بنالیا۔ نیم کی چھاؤں میں بیٹھ کر گاہکوں کا انتظار کرتا۔ کچھ وقت گزرا پھر وہ خود گاہکوں کی تلاش میں نکلنے لگا تھا۔ یوں شمشیر علی کی صورت اسے ایک مستقل گاہک مل گیا تھا۔ کیونکہ شمشیر علی کو اپنی تصویر بنوانے سے دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ خود تصویر بنانا چاہتا تھا۔ یہ خیال کیونکہ اسے ابراہیم کی بنائی تصویر دیکھ کر آیا تھا۔ اس لیے وہ اسی سے سیکھنے لگا تھا۔ ایک طرح سے اس نے ابراہیم کو مشکل میں بھی ڈال دیا تھا کیونکہ اس نے باقاعدہ کہیں سے فن مصوری کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی، جو وہ اسی طرز پر شمشیر علی کو سکھاتا۔

شمشیر علی کے لیے بھی مصوری آسان نہیں تھی بلکہ بے حد مشکل تھی کیونکہ وہ فنون لطیفہ کے الف ب سے بھی واقف نہیں تھا۔ پھر اس کے اندر ایسا کوئی شوق بھی نہیں تھا۔ مجبوری ہی تھی۔ اس کے پاس تاجور کی تصویر نہیں تھی اور وہ تاجور کی تصویر بنا کر اس کی گمشدگی کا اشتہار لگوانا چاہتا تھا۔ بہرحال دو مہینے ہوگئے تھے اسے ابراہیم کے پاس آتے ہوئے اور وہ ابھی تک چہرے کی ساخت بنانے میں اٹکا ہوا تھا۔ شاید اس لیے کہ اس کے ذہن پر تاجور سوار تھی۔ پینسل پکڑتے ہی اس کی نظروں میں تاجور کا چہرہ سما جاتا، پھر لاکھ ابراہیم کہتا یوں نہیں یوں۔۔۔ لیکن وہ سنتا ہی نہیں تھا اور آخر میں جھنجلا کر اٹھ جاتا۔ گھر میں بھی وہ جتنی دیر رہتا، اسی کام میں لگا رہتا۔

* * *

اس وقت وہ کتنے پیپر پھاڑ چکا تھا پھر نئے سرے سے بورڈ پر پیپر چپکا رہا تھا کہ اریبہ سے رہا نہیں گیا۔ اس کی اس مغزماری سے اسے کوفت ہونے لگی تھی جب ہی اس نے ٹوک دیا۔

"جب ایک کام تم سے ہو نہیں سکتا تو کیوں وقت ضائع کررہے ہو۔"

شمشیر علی نے گردن موڑ کر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں۔

"ویسے مجھے تھوڑی بہت آرٹ سے دلچسپی ہے۔ سمجھ بوجھ بھی رکھتی ہوں۔ اگر کہو تو میں تمہاری مدد کروں؟"

اریبہ پھر بولنے سے باز نہیں آئی تو اب وہ پورا اس کی طرف گھوم گیا تھا۔

"کیا مدد کروگی تم میری؟"

"بتاؤں گی کہ اسکیچ کیسے بنایا جاتا ہے۔" وہ بہت آرام سے بولی۔

"کیسے بنایا جاتا ہے!" وہ اس کی مدد نہیں لینا چاہتا تھا لیکن مجبور تھا۔ پینسل اس کی طرف بڑھائی تو وہ قریب چلی آئی اور اس کے ہاتھ سے پینسل لے کر یونہی پوچھنے لگی۔

"کس کی تصویر بنانا چاہتے ہو؟"

"تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے۔" وہ یکدم نروٹھا بن گیا تھا۔

"کیوں مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے جب یہ ہی پتا نہیں ہوگا کہ تم کیا چاہ رہے ہو میں کیسے تمہیں سمجھا سکتی ہوں۔" وہ تیز ہو کر بولی تھی اور چونکہ غلط نہیں کہہ رہی تھی اس لیے وہ ہتھیار ڈال گیا اور نظریں چرا کر بولا۔

"میں ایک لڑکی کی تصویر بنانا چاہتا ہوں۔" اریبہ کو اس پر تعجب نہیں ہوا البتہ اس کے نظریں چرانے پر بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"لڑکی کی تصویر ہے تمہارے پاس؟"

"تصویر ہوتی تو بنانا کیوں، اسی سے کام چلالیتا۔ میرا مطلب ہے۔"

"خیر تمہارا جو بھی مطلب ہو۔" وہ ٹوک کر کہنے لگی۔ "میں کون سا تصویر دیکھ کر ویسی ہی بنالیتی۔ بس یونہی ایک خاکہ سا بنادیتی۔"

"خاکہ۔" وہ سمجھا نہیں۔

"ہاں ایسا۔" اریبہ نے منٹوں میں اس کے سامنے ایک لڑکی کی تصویر بنادی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "تم ایسی ہی تصویر بنانا چاہتا ہو؟"

"ہاں لیکن، یہ ویسی نہیں ہے۔" وہ اپنے آپ میں الجھ رہا تھا۔

"ویسی تو کوئی بھی نہیں بنا سکتا۔ میرا مطلب ہے جو تمہارے تصوّر میں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تم پہلے باقاعدہ مصوّری سیکھو پھر تم خود بنا سکوگے۔" وہ بہت سنجیدگی سے بات کررہی تھی بالکل اسی طرح جیسے اکیڈمی میں اسٹڈی کرتے ہوئے کسی موضوع پر وہ عروسہ، مہک اور جمال سے بات کرتی تھی۔

شمشیر علی اس کے ہاتھ سے پینسل لے کر اس کی بنائی ہوئی تصویر پر پھیرنے لگا۔ وہ کچھ دیر اس کے ہاتھ کی حرکت دیکھتی رہی پھر پلٹ کر کرسی پر جابیٹھی۔

* * *

توصیف ولا میں پہلے بھی ایسی کوئی ہلچل یا افراتفری تو نہیں رہتی تھی پھر بھی زندگی کا احساس ہوتا تھا' جواب بالکل مفقود ہو گیا تھا۔ گھر کے افراد یوں لگتا تھا جیسے انہیں ریموٹ کنٹرول سے چلایا جا رہا ہو۔ یاسمین جو دوپہر بارہ ایک بجے اٹھنے کی عادی تھی' وہ اب علی الاصبح بستر چھوڑ کر کمرے سے نکل آتی اور دبے پاؤں بنا آہٹ کے ایک ایک کمرے میں جھانکتی' پھر لان سے ڈرائیو وے۔ اس کے بعد سیڑھیاں چڑھتی ہوئی ٹیرس پر آن بیٹھتی۔ اس کا ذہن بالکل خالی ہوتا تھا۔ وہ کچھ سوچنا بھی چاہتی تو اسے کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ بس اندر کہیں یہ احساس مسلسل کچوکے لگاتا تھا کہ اریبہ اس کی وجہ سے کہیں چلی گئی ہے۔

پھر سارہ تھی جس کی صبح ہمیشہ چھ سات بجے ہوتی تھی۔ وہ اب دن چڑھے تکیے میں منہ چھپائے پڑی رہتی۔ کتنی بار بی بی اور تاجور آکر اسے اٹھاتیں' لیکن وہ نہیں اٹھتی تھی۔ وہ اٹھنا چاہتی ہی نہیں تھی۔ کیونکہ جاگتے ہی پراگندہ سوچوں سے اسے جو ذہنی اذیت سہنی پڑتی تھی وہ اب اس کی برداشت سے باہر تھی۔ اسے بھی یہ احساس کچوکے لگاتا تھا کہ اریبہ اس کی وجہ سے گئی ہے۔ کاش! وہ اریبہ کو ہمراز بنا لیتی تو وہی کوئی حل نکال لیتی یوں چھوڑ کر تو نہ جاتی۔ گویا اب سب کو یقین تھا کہ اریبہ خود سے گئی ہے تو لاکھ اس کی طرف سے فکرمند سہی سب اس سے شاکی بھی ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود سب کو اس کا انتظار بھی تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اب اور کوئی کام ہی نہیں ہے زندگی میں۔ بس ایک انتظار رہ گیا ہے۔

اس وقت یاسمین گھر کی فضا سے وحشت زدہ ہو کر باہر نکلی تھی تو پہلی بار اسے احساس ہوا کہ کہیں کچھ بھی ہو جائے' دنیا کے گورکھ دھندے نہیں رکتے۔ سڑکوں پر ٹریفک ہمیشہ کی طرح رواں دواں تھی۔ فٹ پاتھ بھی آباد تھے۔ پھر ویرانی کہاں تھی۔ اسے کیوں لگ رہا تھا کہ دنیا ویران ہو گئی ہے۔ نہیں۔۔۔ دنیا تو ویسی ہی تھی ہمیشہ کی طرح چمکتی دمکتی شاید اس کا دل ویران ہو گیا تھا۔ اسی طرح وحشت زدہ سی وہ شہباز درانی کے سامنے آتے ہی ڈھے گئی تھی۔

"شبی! میں ٹوٹ رہی ہوں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی دھیرے دھیرے میرے بدن سے روح کھینچ رہا ہو۔ میں بہت اذیت میں مبتلا ہوں شبی!"

"او کم آن یاسمین! تم نے خوامخواہ اریبہ کے ب [illegible] خود پر طاری کر لیا ہے۔" شہباز درانی نے اس کے کندھے پر بازو پھیلا کر اسے سہارا دیتے ہوئے کہا تو وہ سناٹے میں آکر انہیں دیکھنے لگی۔

"خوامخواہ؟"

"ہاں تو اور کیا! اریبہ کوئی بچی نہیں ہے' سمجھ دار لڑکی ہے اور اس کا یہ اقدام ظاہر کرتا ہے کہ وہ باقاعدہ پلاننگ کر کے بھاگی ہے۔ پھر تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔" شہباز درانی نے یاسمین کا کندھا دبا کر اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی' پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔

"ہری اپ ڈارلنگ! مسکراؤ' مجھے تم فریش اچھی لگتی ہو۔" یاسمین نظروں کا زاویہ بدل کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اسے اپنا دل کسی شکنجے میں محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ بکھری زلفیں اور چہرے پر غم کی چھاپ سجا کر تم بس توصیف احمد کو ہی مرعوب کیا کرو۔" شہباز درانی کہہ کر خود ہی ہنسنے لگے' پھر ہنستے ہوئے ہی کہنے لگے۔ "کمال کی ایکٹنگ کرتی ہو تم ویسے۔ یاد ہے' جب اریبہ نے ہم دونوں کو گاڑی میں دیکھ لیا تھا تو پھر گھر جا کر تم نے کیسا بیماری کا ڈھونگ رچایا تھا او گاڈ!"

یاسمین کی نظریں بھٹکتی ہوئی شہباز درانی کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

"اور سنو۔" شہباز درانی اپنی پیشانی یاسمین کی پیشانی سے ملا کر کہنے لگے۔ "اریبہ بھی تو تمہاری بیٹی ہے۔ تم سے مختلف تو نہیں ہو سکتی' البتہ تم سے دو قدم آگے ہے۔ دیکھنا' واپس آکر وہ بھی تمہاری طرح کوئی کہانی گھڑ کر سب کو مطمئن کر دے گی۔"

یاسمین کے اندر یکدم ابال اٹھا تھا۔ دل چاہا اس شخص کا منہ نوچ لے۔ لیکن وہ اس کا منہ کیسے نوچ سکتی تھی۔ اسے یہ جرات خود اسی نے تو دی تھی اب اسے کیسے جھٹلا سکتی تھی۔ بمشکل خود پر قابو پا کر پیچھے ہٹتے ہوئے جیسے اچانک یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

"ہاں شبی! اس روز تم اپنی بیٹی کی شادی کا بتا رہے تھے' کب ہے؟"

"کب ہے؟ بھئی ہو گئی۔ میں نے بتایا تو تھا اس نے کورٹ میرج کر لی ہے۔" شہباز درانی نے حیرت کے اظہار کے ساتھ کہا۔

"اچھا ہاں! کرسچن لڑکے سے ناں؟" یاسمین کو بھلا کوئی مات دے سکتا تھا۔

"بھئی! یہ بڑی ٹریجڈی ہے اپنا ملک چھوڑ کر جانے والوں کے ساتھ۔ عاقبت خراب ہو جاتی ہے۔ اب دیکھو ناں! تمہاری بیٹی نے جو قدم اٹھایا اس کی تو معافی بھی نہیں ہے' نہ صرف اس کے لیے بلکہ تمہارے لیے بھی۔ نو معافی۔"

"کیا مطلب؟" شہباز درانی اچھلے تھے۔

"ظاہر ہے تم مسلمان ہو۔ تمہاری اولاد بھی مسلمان ہو گی تو ایک مسلمان لڑکی کا غیر مسلم کے ساتھ نکاح جائز ہی نہیں ہے' پھر یہ بات تم نے اپنی بیٹی کو کیوں نہیں سمجھائی تھی؟"

شہباز سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تو ہونٹ بھینچ گئے۔

"یہ بڑا گمبھیر مسئلہ ہے شبی! مجھے حیرت ہے تم اتنے آرام سے کیسے ہو۔ جاؤ اس سے پہلے کہ تمہاری دوسری بیٹی بھی ہاتھ سے نکل جائے' اپنی فیملی کو یہاں لے آؤ۔ سمجھ رہے ہو ناں۔"

"ہوں۔" شہباز اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہے تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے تم سوچو میں چلتی ہوں۔" یاسمین نے کہنے کے ساتھ قدم آگے بڑھایا تھا کہ شہباز درانی پوچھنے لگے۔

"چائے نہیں پیو گی۔"

"نہیں۔" یاسمین نے اپنے بڑھے ہوئے قدم کو رکنے نہیں دیا اور اپنے پیچھے نہیں نہیں کی تکرار چھوڑ کر اس گناہوں کی دلدل سے دور نکل آئی۔

* * *

سمیر اپنی قسم توڑ کر سارہ کے پاس آیا تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک سارہ اس کے ساتھ اریبہ کا معاملہ ــــ شیئر کرنے کے لیے خود سے اسے نہیں بلائے گی' وہ نہیں جائے گا لیکن اس تمام عرصے میں سارہ نے اسے فون تک نہیں کیا تھا۔ اتنے انتظار کے بعد آخر وہ خود ہی چلا آیا۔ اس کے اندر غصہ تھا لیکن سارہ کی شکل دیکھ کر اسے ضبط کرنا پڑا' پھر بھی جتانے سے باز نہیں رہ سکا۔

"بالکل اجنبی کر دیا تم نے مجھے۔"

"یہ بات نہیں ہے سمیر!" سارہ حد درجہ دل گرفتہ نظر آ رہی تھی۔

"پھر کیا بات ہے؟"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں :-
ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
ہر کتاب کا الگ سیکشن
ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
We Are Anti Waiting WebSite
واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے
ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں
اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں
Online Library For Pakistan
Like us on Facebook
fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

"بات تو وہی ہے جو سب کے علم میں ہے پھر اور میں تم سے کیا کہتی۔" سارہ نے کہا تو وہ افسوس سے بولا۔

"کہنے کو تو بہت کچھ تھا۔ یوں کہو اب تمہیں میری تسلی کی ضرورت نہیں رہی۔"

"ہاں نہیں رہی۔ مجھے تسلی کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ایسی کوئی کوشش کرنا بھی مت۔" سارہ نے بے مروتی دکھائی۔

"نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے۔ میں تو تم سے یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تم کالج کیوں نہیں جا رہیں۔" سمیر نے اس کا موڈ دیکھتے ہوئے بات بدلی۔

"میں نے کالج چھوڑ دیا ہے۔ مطلب پڑھائی ہی چھوڑ دی ہے۔ اب پلیز یہ مت کہنا کیوں؟" سارہ کے پاس جانے کیوں کا جواب نہیں تھا یا وہ بات ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سمیر سمجھ نہیں سکا تو کندھے اچکا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"چائے پیو گے۔" سارہ نے پوچھا تو وہ اسے یوں دیکھنے لگا جیسے اس کی بات سنی نہ ہو۔

"چائے کا پوچھ رہی ہوں' پیو گے؟"

"نہیں۔ اب پلیز یہ مت کہنا کیوں؟" وہ اس کی بات لوٹا کر انجان بن گیا تھا۔

"اچھا میں اپنے لیے لے کر آتی ہوں۔" سارہ کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی تو وہ اپنے آپ پر جھنجلانے لگا۔

"پاگل ہوں میں' منہ اٹھائے چلا آتا ہوں۔"

"سارہ باجی!" اچانک آواز پر سمیر چونک کر دیکھتے ہی مبہوت ہو گیا تھا۔ اتنا مکمل حسن شاید اس سے پہلے اس نے نہیں دیکھا تھا۔

"وہ... سارہ باجی...!" تاجور گھبرا گئی۔

"ہاں سارہ ابھی یہیں تھی' چائے بنانے گئی ہے۔" وہ بمشکل سنبھل پایا۔ تاجور وہیں سے پلٹ گئی' اس نے خود کو صوفے پر گرا لیا۔

"یہ پری کہاں سے آئی تھی۔" وہ سوچنے لگا جب سارہ چائے لے کر آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

"سارہ! وہ لڑکی کون ہے۔ میرا مطلب ہے ابھی یہاں ایک لڑکی آئی تھی تمہارا پوچھ رہی تھی؟"

"تاجور ہو گی۔" سارہ نے بے نیازی سے کہہ کر چائے کا ایک مگ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"تاجور... کون تاجور...؟" اس نے زور دے کر پوچھا۔

"میری دوست ہے۔ یہیں رہتی ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" سارہ نے اس انداز میں کہا کہ وہ جھنجلا گیا۔

"میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا۔ تمہارا گھر ہے جیسے چاہے رکھو' میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ پہلے کبھی نظر نہیں آئی۔"

"تو تمہیں اس بات کا افسوس ہے کہ تاجور تمہیں پہلے نظر کیوں نہیں آئی۔" سارہ کا لہجہ آپ ہی آپ شرارتی ہو گیا تھا۔ وہی بات کہ انسان مستقل ایک ہی موڈ میں نہیں رہ سکتا۔ روتے میں اچانک کوئی بات ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہے اور کبھی ہنستے ہوئے آنکھ بھر آتی ہے۔ بہرحال سمیر نے سارہ کا موڈ بدلنے پر دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے جھینپنے کی ایکٹنگ کی تھی۔

"شرمانے کی ضرورت نہیں ہے کہو تو اسے یہیں بلا لوں۔"

"توبہ کرو' مرنا نہیں ہے مجھے۔" وہ فوراً بولا تھا۔

"کیا مطلب...؟"

"آدھا فوت ہو گیا تھا اسے دیکھ کر' اگر وہ کچھ دیر اور یہاں رک جاتی تو میں پورا گیا تھا۔" اس کی وضاحت پر سارہ

نے مسکرانے پر اکتفا کیا پھر چائے کا مگ ہونٹوں سے لگالیا تو قدرے توقف سے وہ بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔

"ویسے رہتی کہاں ہے تمہاری دوست؟"

"بتایا تو ہے ہمیں رہتی ہے میرے ساتھ۔" سارہ کے جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوا تھا لیکن مزید سوال اٹھانے سے قصداً" گریز کرتے ہوئے چائے پینے لگ گیا۔

"تاجور اصل میں اریبہ کی پیشنٹ تھی۔" سارہ کو شاید احساس ہو گیا تھا اس لیے خود ہی بتانے لگی۔

"اریبہ تاجور کو علاج کے لیے گھر لے آئی تھی پھر یہ ہمیں اتنی عزیز ہو گئی کہ ہم نے اسے جانے ہی نہیں دیا۔"

"اور اس کے گھر والے؟" وہ فوراً" پوچھ کر خاموش ہوا تھا۔

"ان کی اجازت سے ہی یہ ہمارے ساتھ ہے۔ اصل میں بیماری کی وجہ سے یہ بے چاری اسکول نہیں جا سکی تھی تو علاج کے بعد اریبہ نے کہا کہ ہم اسے پڑھائیں گے۔ ماشاء اللہ قرآن پاک ختم کرنے والی ہے اور اب میں اسے اردو اور انگریزی کے قاعدے پڑھاتی ہوں۔ خود اسے بھی پڑھنے کا بہت شوق ہے۔" سارہ نے اصل کہانی میں ردوبدل کر کے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

"یہ تو اچھی بات ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ پہلے نظر کیوں نہیں آئی۔" وہ پھر پہلی بات پر آگیا تھا۔

"کیونکہ ہم اسے چھپا کر رکھتے ہیں۔ تمہیں پتا تو ہے اریبہ ایسے معاملات میں کتنی سخت ہے۔ اس کے سامنے تو ذکر بھی مت کرنا کہ تم نے تاجور کو دیکھ لیا ہے۔" سارہ روانی میں کہہ تو گئی لیکن پھر ایکدم خاموش ہو گئی تھی اور وہ اب خاموش نہیں رہ سکا۔

"اسی بات پر تو حیرت ہے مجھے کہ اریبہ جو ہر بات میں مناسب نامناسب سمجھانے کھڑی ہو جاتی تھی اس نے اپنے لیے ایسا کیوں نہیں سوچا۔ کم از کم یہ تو بتاتی کہ وہ کس سے اور کیوں ناراض ہو کر جا رہی ہے۔"

"میرا خیال ہے وہ سب سے ناراض تھی۔ شاید اپنے آپ سے بھی، پر تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اسے اس طرح نہیں جانا چاہیے تھا۔" سارہ اپنے خول سے نکل آئی تھی پھر بھی سمیر نے احتیاط سے پوچھا تھا۔

"تمہیں بھی اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ میرا مطلب ہے۔ کوئی ایسی بات۔ جس سے پتا چلتا کہ وہ کہیں جانے کا سوچ رہی ہے۔"

"نہیں اور اس کی روٹین میں بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا، جو میں ٹھٹکتی۔" سارہ نے کہہ کر گہری سانس کھینچی تو سمیر نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

* * *

زندگی ٹھہر گئی تھی۔

وہ جو ہر دم متحرک رہا کرتی تھی۔ اب اس کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ دماغ بھی بالکل خالی ڈبا بن گیا تھا۔ کیونکہ اس عرصے میں وہ خود سے وابستہ ہر فرد کو اتنا سوچ چکی تھی کہ اب مزید سوچنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ خالی ذہن کے ساتھ بنا کسی مقصد کے کمرے سے نکلتی، چند لمحے لاؤنج میں رکتی پھر کچن میں جھانک کر واپس کمرے میں آجاتی۔ وہ اب تک یہ بھی نہیں جان پائی تھی کہ شمشیر علی اسے یہاں کیوں لایا ہے۔ وہ ایسی قیدی تھی جو تختہ دار پر چڑھنے تک اپنا قصور سوچتا رہ جاتا ہے اور اب تو اس نے یہ سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ نہ اپنا قصور سوچتی نہ شمشیر علی کا مقصد۔ شاید اس کا ذہن مفلوج ہو گیا تھا اور مفلوج ذہن کے ساتھ وہ خود کو کہاں تک گھسیٹ سکتی تھی۔ آخر ڈھے گئی۔

اس رات شمشیر علی گھر آیا تو وہ بخار میں جل رہی تھی۔ چہرے اور آنکھوں کی سرخی دیکھ کر ہی اس کی حرارت کا پتا چل رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" شمشیر علی متوحش ہو گیا۔ وہ خاموش رہی، لیکن آنکھوں میں پانی جمع ہو گیا تھا۔

"ارے! تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔" شمشیر علی اس کی کلائی چھو کر کہنے لگا۔ "میں تمہارے لیے دوا لاتا ہوں۔ کیا کہوں ڈاکٹر سے؟ صرف بخار یا کوئی اور تکلیف بھی ہے؟ میرا مطلب ہے کھانسی زکام وغیرہ۔"

"گلے میں تکلیف ہے۔" وہ تھوک نگل کر بولی۔

"اچھا میں بس ابھی گیا، ابھی آیا۔" وہ بہت عجلت میں نکل گیا۔

اس نے آنکھیں بند کیں تو کناروں پر جمع آنسو روانی سے چھلک کر تکیے میں جذب ہونے لگے۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد شمشیر علی واپس آیا تو وہ اسی طرح بے سدھ پڑی تھی پھر بھی آہٹ پر ذرا آنکھیں کھول دیں۔

"تم پہلے چائے کے ساتھ یہ بسکٹ کھالو پھر دوا لینا۔" شمشیر علی نے چائے کا کپ سائڈ میں رکھ کر اسے اٹھنے میں مدد دی پھر بسکٹ کا پیکٹ کھول کے اس کی گود میں رکھا اور چائے کا کپ لے کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے بنا کسی حیل و حجت کے دو بسکٹ کھائے اور اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر پینے لگی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"گلا خراب تھا تو صبح بتاتیں میں اسی وقت دوا لے آتا۔" وہ کچھ نہیں بولی۔ دوا کا لفافہ اٹھا کر ٹیبلٹ نکالی اور چائے کے ساتھ نگل لی۔ پھر خالی کپ اس کی طرف بڑھا کر بولی۔

"لائٹ آف کرتے جاؤ۔"

"اور کچھ چاہیے تو بتا دو۔"

"جو چاہیے وہ تم دے نہیں سکتے لہٰذا پوچھو بھی مت۔" وہ کہہ کر لیٹ گئی، لیکن وہ اسی طرح کھڑا رہا۔

"جاؤ پلیز! لائٹ آف کرو۔ میری آنکھوں میں چبھ رہی ہے۔" اس نے تنگ آکر کہا تو وہ اس کی آنکھوں اور عین سامنے جلتے بلب کے درمیان ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگا۔

"پہلے بتاؤ! تمہیں کیا چاہیے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا اور جب دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تب کروٹ بدل کر سو گئی تھی۔

شاید دوا کا اثر تھا جو کافی دن چڑھنے پر بھی اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ جب شمشیر علی نے باقاعدہ اس کا نام لے کر پکارا تب اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولی تھیں۔

شمشیر علی ہاتھ میں چائے کا کپ لیے کھڑا تھا۔

"اٹھ جاؤ! کچھ کھالو پھر بے شک سو جانا۔" وہ اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے بیٹھ گئی اور کپ لینے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ پوچھنے لگا۔

"صرف چائے یا کچھ کھانے کو بھی دوں؟"

"نہیں! بس چائے۔" اس نے کہتے ہوئے کپ تھام لیا۔

"اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ بخار اترا کہ نہیں؟" شمشیر علی کے پوچھنے پر اس نے اپنی کلائی آگے بڑھا دی۔

"چیک کرلو۔"

"مجھے بخار چیک کرنا نہیں آتا۔ تم بتاؤ! تمہیں کیا لگ رہا ہے۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"مجھے تو لگ رہا ہے، میرا آخری وقت آگیا ہے۔ اب کہو تو اپنی آخری وصیت سنا دوں یا لکھ دوں۔" اس نے

سنجیدگی سے کہا تھا، مگر وہ ہنس پڑا۔

"نہیں! لکھنے، سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم کیا وصیت کرو گی۔"

"کیا۔۔۔؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہی کہ تمہاری لاش تمہارے ورثاء کے حوالے کردی جائے۔" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا، پھر بھی وہ نفی میں سر ہلا کر چائے پینے لگی۔

"اچھا! پھر کیا وصیت کرو گی؟" وہ اب تجسس سے پوچھ رہا تھا۔

"اب نہیں بتاؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" شمشیر علی نے کندھے اچکائے۔ "میرا خیال ہے تم تھک گئی ہو۔ کچھ دن آرام کرو۔ کھانا وانا میں باہر سے لے آیا کروں گا۔"

"مجھے کام نے نہیں، بے کاری نے تھکایا ہے۔" وہ یکدم چیخ گئی۔ "میں اپنی پوری زندگی میں اتنی فارغ کبھی نہیں رہی۔ تم نے مجھے ذہنی طور پر، جسمانی طور پر ہر طرح سے مفلوج کردیا ہے۔ تمہارا مقصد میری جان لینا ہے تو مار ڈالو مجھے۔ یہ انتظار کیوں کر رہے ہو کہ اس قید سے تنگ آکر میں خود اپنے گلے میں پھندا ڈال لوں۔"

"نہیں! نہیں۔۔۔" وہ دونوں ہاتھوں کو دائیں بائیں یوں ہلانے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔

"کیا نہیں نہیں۔۔۔ یہی چاہتے ہو تم۔ اگر نہیں تو بتاؤ کیا مقصد ہے تمہارا؟ کیوں اٹھا لائے ہو مجھے؟ میں تو تمہیں جانتی تک نہیں۔ آخر تم ہو کون؟" وہ غصے سے کانپنے لگی۔

"میں کون ہوں۔" وہ دونوں بازو اپنے سینے پر لپیٹتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس عرصے میں تمہیں یہ اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ میں ایک شریف آدمی ہوں اور کوئی شریف آدمی کسی شریف لڑکی پر یونہی ہاتھ نہیں ڈالتا۔"

"یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ اس شریف آدمی کے ساتھ ایسا کیا ہوا ہے جو وہ اپنی شرافت داؤ پر لگانے پر اتر آیا ہے۔" وہ اسے جھٹلا نہیں سکی تھی۔

"دیکھو! میں نے تمہیں پہلے دن کہا تھا کہ مجھ سے سوال مت کرنا۔ میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔" شمشیر علی نے پہلے دن اسے وارننگ دی تھی اور اب صرف نروٹھے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔

اریبہ دانت پیس کر رہ گئی۔

"تمہیں تمہیں کچھ چاہیے؟" قدرے رک کر شمشیر علی نے پوچھا تو وہ فوراً بولی۔

"ہاں۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟" شمشیر علی نے سینے پر بندھے بازو یوں چھوڑے تھے جیسے وہ جو کہے گی، فوراً لا دے گا۔

"وہ سب کچھ جو پہلے بھی میری تنہائی کے ساتھی تھے۔" اس نے کہا تو وہ کچھ سمجھا، کچھ نہیں۔

"مثلاً۔۔۔"

"کتابیں، ٹی وی، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، موبائل فون۔۔۔"

"بس۔۔۔" شمشیر علی سچ مچ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا۔

اور اریبہ سچ مچ اپنے بال نوچنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

شمشیر علی معمول سے بہت پہلے گھر لوٹا تو اس کے ہاتھ میں چند میگزین تھے، جو وہ اریبہ کے سامنے ڈال کر بولا۔

"فی الحال میری اتنی ہی حیثیت ہے۔"

اریبہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں بلا ارادہ اپنے سامنے پھینکے گئے میگزین پر جا ٹھہری تھیں۔

"تمہاری باقی ڈیمانڈز کے لیے مجھے تمہارے باپ کے گھر ڈاکا ڈالنا پڑے گا۔" اس نے مزید کہا تو اریبہ کی پیشانی پر ایک لحظہ کو ہلکی سی لکیر ابھری، پھر اس نے پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی۔

"خیر! چھوڑو۔ یہ بتاؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ کچھ کھایا پیا بھی یا صبح سے ایسے ہی بیٹھی ہو؟" وہ محض اس کی طبیعت کی خرابی کے باعث بات بدل گیا تھا۔

"جواب تو دو۔ میں تمہاری خاطر ضروری کام چھوڑ کر آیا ہوں۔" اریبہ جیسے سن ہی نہیں رہی تھی۔ وہ مزید جھنجلا گیا۔

"دیکھو! مجھے غصہ مت دلاؤ۔ میں یہ نخرے برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم نے میرے نخرے دیکھے ہی کہاں ہیں۔" اریبہ نے نہ صرف جھٹکے سے سر اونچا کیا، بلکہ بیڈ سے اتر کر اس کے مقابل آگئی اور ہتک آمیز انداز سے کہنے لگی۔

"اور میں تمہیں نخرے دکھاؤں گی؟ تمہیں؟ تمہاری اوقات ہی کیا ہے؟ میں اپنے جیسوں کو گھاس نہیں ڈالتی اور تم تو۔۔۔"

"بس۔۔۔" شمشیر علی نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش ہونے کی وارننگ دی، لیکن وہ مزید بپھر گئی۔

"تم انتہائی بیچ، شرافت کا ڈھونگ رچا کر مجھ پر اپنی دھاک بٹھانا چاہتے ہو تاکہ یہاں سے نکل کر میں تمہارے خلاف زبان نہ کھولوں۔ اس خوش فہمی میں مت رہنا شام! تمہیں تو میں تمہارے انجام تک پہنچا کر دم لوں گی۔"

"اچھا! ٹھیک ہے۔ پھانسی چڑھوا دینا مجھے۔ اب پلیز! خاموش ہو جاؤ۔" شمشیر علی نے اس کی بگڑتی حالت کے پیش نظر بمشکل خود پر ضبط کر کے دھیرج سے کہا۔

"کیوں خاموش ہو جاؤں؟ اب تو میں چیخوں گی، چلاؤں گی۔ جاؤ! جو کر سکتے ہو، کر لو۔" اس کے ساتھ ہی اس نے پورا زور لگا کر چیخنا شروع کر دیا کہ اس کا چہرہ سرخ اور گردن کی نسیں پھول گئیں۔

شمشیر علی سچ مچ پریشان ہو گیا۔ اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ وہ باز نہیں آئی تو اس کا ضبط بھی جواب دے گیا۔ زوردار طمانچہ اس کے منہ پر دے مارا۔

اریبہ چکرا کر اسی کے بازوؤں میں جھول گئی۔

"نان سینس!" انتہائی غصے سے وہ اسے بیڈ پر دھکیل کر کمرے سے ہی نہیں، گھر سے بھی نکل آیا تھا۔ کیونکہ اب اسے خود پر قابو پانا ناممکن لگ رہا تھا۔ غصہ جذبات کو بھڑکا گیا تھا۔ گھر سے نہ نکلتا تو اس لڑکی کا زعم چھین کر وہ اسے زندگی بھر سسکنے کے لیے چھوڑ دیتا۔ اسی حالت میں وہ فضل کریم کے پاس آبیٹھا۔

"کیوں باؤ! آج دفتر سے چھٹی مار لی؟" فضل کریم نے اس کی بے وقت آمد پر پوچھا۔ اس نے جواب نہیں دیا، تب فضل کریم غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"پریشان لگ رہا ہے۔ خیر تو ہے۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"کیا ہوا؟ سیٹھ کو مار آیا ہے کیا؟" فضل کریم کو بس یہی دھڑکا لگا رہتا تھا۔

"نہیں یار!" اس کی جھنجلاہٹ میں غصہ تھا۔ "خود مر رہا ہوں۔"

"وہ تو تیری شکل دیکھ کر لگ رہا ہے، پر کیوں؟" فضل کریم نے سوال اٹھایا پھر خود ہی کہنے لگا۔ "چھڈ یار! میں نے پہلے ہی کہا تھا، دل میں انتقام کی آگ نہ جلا، خود جل جائے گا۔"

"یہ انتقام کی آگ نہیں ہے فضل کریم! انگارے خود میری جھولی میں آن گرے ہیں۔ سارا بدن دہک رہا

ہے۔" اسے خود پتا نہیں تھا' وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ اپنے آپ میں نہیں رہا تھا۔

"لگتا ہے بخار تیرے دماغ پہ چڑھ گیا ہے۔ چل ڈاکٹر کو دکھا دے۔" فضل کریم نے اس کی کلائی تھام کر تپش کو بخار پر محمول کرتے ہوئے کہا اور اسے اٹھانے بھی لگا تھا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"لاپروائی اچھی نہیں ہوتی شمشیر! دکھا دے ڈاکٹر کو۔" فضل کریم کہتا رہ گیا' لیکن وہ سن ہی کہاں رہا تھا۔ تیز قدموں سے گاڑی میں جا بیٹھا اور پوری رفتار سے گاڑی بھگا دی۔

پھر رات گئے تک وہ سڑکوں پر ہی بھٹکتا رہا تھا اور جب گھر آیا تو نہ صرف پر سکون بلکہ خود کو ملامت بھی کر رہا تھا کہ ناحق اس لڑکی پر ہاتھ اٹھایا جو پہلے ہی ڈپریشن کا شکار ہو کر بخار میں تپ رہی تھی اور جانے ہوش میں آچکی تھی یا ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ یہی سب سوچتا' وہ احتیاط سے دروازہ کھول کر اندر آیا تو اریبہ کو لاؤنج ہی میں تخت پر لیٹے ہوئے دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا تب کھنکار کر اپنی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے وہ سیدھا کچن میں آگیا اور ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگا تاکہ پتا چلے کہ اریبہ نے کچھ کھایا تھا یا نہیں۔ بسکٹ' کیک' ڈبل روٹی' انڈے سب جوں کے توں رکھے تھے۔ وہ خاصا بددل ہوا کہ اب کھانے کے لیے اس کی خوشامد کرنی پڑے گی جبکہ ابھی وہ اس سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اپنے سنگین رویے کی معافی بھی اس نے اگلے دن پر اٹھا رکھی تھی۔ لیکن اب اسے کچھ کھلانا بھی ضروری تھا۔

وہ پھر خود پر جبر کر کے اریبہ کے پاس آیا تو وہ بالکل بے خبر پڑی تھی۔ ایسی بے خبری جس نے شمشیر علی کے ہوش اڑا دیے تھے۔

بالکل غیر ارادی طور پر وہ الٹے پاؤں دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتے ہوئے دیوار سے جا لگا اور ہاتھ بڑھا کر لائٹ آف کر دی تو یکدم گھپ اندھیرا چھا گیا۔ کتنی دیر وہ ساکت کھڑا رہا' پھر بھی آنکھیں اندھیرے سے مانوس نہیں ہوئیں تو اس نے پھر لائٹ جلا دی۔

نظروں کے عین سامنے بے خبری کا عالم واضح ہوتے ہی وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ رات کے تیسرے پہر کی فسوں خیزی اس کے دل کے تاروں کو چھیڑنے لگی۔ وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھا اور تخت کے قریب رک کر اسے دیکھنے لگا۔

کوئی طویل مسافت اس نے طے نہیں کی تھی اور نہ ہی آگے میلوں کا سفر تھا پھر بھی اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ سانسوں نے ماحول کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لی تھی۔

دن میں غصہ جذبات کو بھڑکا گیا تھا اور رات بہت پیار سے اکسا رہی تھی۔ اس کا دل چاہا' وہ اسے اپنی باہوں میں سمیٹ کر کمرے میں لے جائے۔

اور اپنی اس خواہش کو وہ دبا نہیں سکا۔ اسے اٹھانے کو جھکا ہی تھا کہ اچانک اس کے اندر کوئی سسکا تھا۔ وہ گھبرا کر فوراً سیدھا ہو گیا۔

"تاج ۔۔۔!"

"نہیں ۔۔۔" وہ خوف زدہ ہو کر تیزی سے پلٹا اور پھر کمرے میں بند ہو کر رونے لگا۔

وہ رو رہا تھا اور رات کی فسوں خیزی اداسی میں بدل گئی تھی۔

* * *

اریبہ نے آنکھیں کھولیں تو تخت پوش سے ذرا اوپر کھڑکی کے شیشوں پر صبح کا اجالا دستک دے رہا تھا۔ وہ کچھ دیر ساکت پڑی رہی پھر دقتوں سے اٹھ پائی کیونکہ اس نے کل سارا دن کچھ نہیں کھایا تھا' اس لیے نقاہت بڑھ گئی

تھی۔ سر الگ چکرا رہا تھا۔ رات وہ کچھ کھانے کے ارادے سے ہی کمرے سے نکلی تھی' لیکن کچن تک نہیں پہنچ سکی تھی اور وہیں تخت پوش پر ڈھے گئی تھی۔ ابھی بھی اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ بمشکل خود کو گھسیٹتے ہوئے پہلے کچن میں آئی۔ چولہے پر چائے کا پانی رکھا' پھر کیک پر نظر پڑی تو وہیں سنک پر ہاتھ منہ دھو کر کیک کھانے لگی جو بڑی مشکلوں سے حلق سے اتر رہا تھا۔ چائے بننے تک تھوڑا بہت اس کے پیٹ میں جا چکا تھا' پھر باقی اس نے چائے کے ساتھ آرام سے کھایا۔ اس کے بعد کمرے میں آئی تب اسے شمشیر علی کا خیال آیا۔ وہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ واش روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ وہ یہی سمجھی کہ رات وہ آیا ہی نہیں۔

"کہاں چلا گیا؟" وہ سوچتے ہی اچانک متوحش ہو گئی تھی کہ کہیں وہ اس زنداں کو اس کا مقدر کر کے روپوش تو نہیں ہو گیا۔

"نہیں! وہ ایسا نہیں کر سکتا۔" وہ خود کو بہلاتے ہوئے کمرے سے نکل کر پھر تخت پر آبیٹھی اور اس کا انتظار کرنے لگی۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا' اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے وقت کا اندازہ کرنے کے لیے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ شیشوں پر اب دھوپ چمک رہی تھی۔

"یا اللہ! میں کیا کروں۔" وہ رو دینے کو ہو گئی۔ انتہائی بے بسی کے عالم میں اب اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہونے لگا تھا۔

"میں نے بھی تو حد کر دی۔ اتنا ذلیل کیا اسے۔ جانے کیا کیا کہہ گئی ۔۔۔ میں بھی کیا کرتی۔ اتنی ڈپریس جو ہو گئی تھی۔ آخر غبار کہیں تو نکلنا تھا۔" وہ خود کو اپنی صفائی بھی دے رہی تھی۔

"خیر آئے گا تو میں اس سے سوری کر لوں گی۔ اللہ کرے! آجائے۔" آخری الفاظ اس نے بلند آواز سے کہے تھے' پھر اٹھ کر اس بورڈ کے پاس آگئی جس پر وہ سارا وقت مصروف رہتا تھا۔ اس نے دیکھا' ایک لڑکی کا آدھا چہرہ بنا ہوا تھا۔

"پتا نہیں! وہ اپنی رادھا کی تصویر کبھی بنا پائے گا کہ نہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے وہ کاغذ ہٹا کر دوسرا کاغذ چپکایا پھر اس پر لکھنے لگی۔

"آئی ایم سوری شام! کل میں اپنے آپ میں نہیں تھی۔ غصے میں جو الٹا سیدھا میرے منہ سے نکلا' اس کے لیے میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔ تم واقعی شریف آدمی' بلکہ بہت اچھے انسان ہو۔ میں جب یہاں سے جاؤں گی تو ۔۔۔"

اچانک دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کا چلتا ہوا ہاتھ رک گیا اور دل یکبارگی کسی اتھاہ میں ڈوب کر ابھرا تھا' پھر وہ تیزی سے گھومی۔

شمشیر علی اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے کنکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"شام! کہاں چلے گئے تھے؟" اس کی پکار میں جانے واقعی ایسا کچھ تھا جیسے صدیوں سے بھٹکتے کسی مسافر کو اچانک منزل نظر آجائے' یا شمشیر علی کو محسوس ہوا تھا۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں، سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقبل بد مزاجی اور بد زبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی، خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ، جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہو چکی ہے، جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بد ظن ہو جاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آتا ہے تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلتا ہے۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اجلال رازی اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے، مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے، تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خود سر ہوتی جا رہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔ مگر سارہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے

رشتے کی بات کرنے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصہ میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کرلیتا ہے۔ شمشیر تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے ہسپتال داخل کروادیتا ہے۔

اریبہ' یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کردیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرادیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچالیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی' توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اریبہ ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے۔ اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی' اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔

تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہوجاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جاکر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہو جاتی ہے۔ تاباں کو دیکھ کر شمشیر پچھتاتا ہے اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے اپنے ساتھ چلنے کا کہتا ہے مگر تاباں منع کردیتی ہے۔

یاسمین' اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑجاتی ہے مگر اریبہ دوٹوک انداز میں منع کردیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال ' اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہوجاتا ہے۔

اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر سے بات کرتی ہے مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کرلیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہوجانے پر سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ اجلال ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر' اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

14

چودھویں قسط

"کہاں چلے گئے تھے شام ۔۔۔ مجھے یوں بے آسرا چھوڑ کر' کیا تمہیں ذرا بھی احساس نہیں کہ تم کیا کررہے ہو۔" اریبہ اس کے قریب آکر تاسف سے بول رہی تھی۔

"تمہاری باتوں سے اتنا تو میں جان گئی ہوں کہ تمہاری دشمنی میرے ڈیڈی سے ہے تو جاکر ان سے لڑو پلیز ۔۔۔ مجھے حبس بے جا میں رکھ کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

شمشیر علی خاموش تھا اور اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کررہا تھا' کیونکہ یہ لڑکی اچانک اس کے لیے آزمائش بن گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں' تم ٹھیک تو ہو؟" اریبہ کو اس کی خاموشی اور انداز دونوں کھٹکے تھے۔

"ہوں ۔۔۔ ہاں۔" شمشیر علی تیزی سے کچن میں جا گھسا اور اگر اریبہ کو یہ معلوم ہوجاتا کہ رات وہ کس قیامت سے گزرا تھا تو ہرگز اس کے سامنے نہ آتی' لیکن وہ بے خبر تھی' جب ہی اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔

"تم ہٹو ۔۔۔ میں چائے بنادیتی ہوں۔"

"نہیں' تم جاؤ' تمہاری طبیعت ۔۔۔"

"میں اب ٹھیک ہوں۔" وہ فوراً" بولی تھی۔

"پھر بھی آرام کرو۔" وہ اپنی پشت پر اس کی موجودگی محسوس کررہا تھا۔

اریبہ نے یوں کندھے اچکائے جیسے وہ کچھ سمجھ نہ پارہی ہو' پھر پلٹ کر کمرے میں آبیٹھی۔

کچھ دیر بعد شمشیر علی چائے کا مگ لیے کمرے کے دروازے میں آن کھڑا ہوا اور جیب سے اپنا موبائل فون نکال کر اس کے سامنے بیڈ پر پھینک دیا۔

اریبہ ششدر' کبھی موبائل فون کو دیکھتی' کبھی اسے' جبکہ دل کا یہ عالم تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"بلالو اپنے باپ کو' لے جائے تمہیں۔"

شمشیر علی کہہ کر وہیں سے پلٹ گیا تھا' تب بھی کتنی دیر وہ غیر یقینی سے موبائل فون کو دیکھتی رہی' پھر ایک دم اٹھ کر دروازہ اندر سے لاک کردیا اور پھر موبائل اٹھا تو لیا لیکن فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ اس کا دل قابو میں نہیں آرہا تھا۔ تب وہ صوفے میں دھنس کر بیٹھ گئی اور گھٹنوں کے گرد کس کے بازو لپیٹ لیے۔ اسے پرسکون ہونے میں پندرہ' بیس منٹ لگ گئے اور اتنا ہی وقت یہ سوچنے میں گزر گیا کہ کسے فون کرے کیونکہ اتنے دن ہوگئے تھے کہ اب وہ خود خائف ہوگئی تھی کہ جانے اس کی گمشدگی کو وہاں کیا نام دیا جارہا ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ سب نے اسے مردہ سمجھ لیا ہو۔ ایسے میں اس کا اچانک فون اس کے ماں' باپ' بہن' بھائی کے لیے بے شک خوشی کا باعث سہی' لیکن کسی کی جان بھی لے سکتا تھا۔ موبائل ہاتھ میں لیے اس نے ایک ایک کو سوچا اور پھر اجلال رازی کا نمبر ملالیا۔

دوسری طرف جاتی بیل کے ساتھ اس کی دھڑکنوں کا ناتا جڑ گیا تھا۔

"ہیلو ۔۔۔!" اجلال رازی کی آواز کے ساتھ ہی اس کا سارا دھیان ادھر منتقل ہوگیا تھا۔ وہ بے تابی سے بولی۔

"رازی ۔۔۔ مم ۔۔۔ میں اریبہ بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔ چند لمحوں کی خاموشی میں صدیوں کا سناٹا تھا۔

"رازی ۔۔۔!" اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ پکارا تھا۔

"ہاں اریبہ! تم زندہ ہو۔" اجلال رازی کے لہجے میں جانے کیا تھا۔ حیرت' افسوس یا کچھ اور ۔۔۔ مگر وہ کچھ نہیں تھا' جو وہ سننا چاہتی تھی۔ جب ہی اس سے بولا ہی نہیں گیا۔

"ہیلو اریبہ! کہاں ہو تم' کہاں سے بات کررہی ہو؟" اجلال رازی نے اب پکار کر پوچھا تھا۔

"پتا نہیں۔" اس کی آنکھیں روانی سے چھلک گئی تھیں۔

"بتاؤ اریبہ۔۔۔ یہاں سب پریشان ہیں' اسی شہر میں ہو یا کہیں اور۔۔۔ کس کے ساتھ ہو؟" اجلال رازی تیز تیز بول رہا تھا۔

"کس کے ساتھ۔۔۔؟" وہ پل میں کسی اتھاہ میں اتر گئی تھی۔ کیا کوئی ایسا بھی گمان کر سکتا ہے۔

"ہیلو۔۔۔ ہیلو اریبہ!" جس بے قراری کی وہ اولین لمحوں میں منتظر تھی' وہ اب بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے بٹن دبا کر سلسلہ منقطع کر دیا اور صوفے کی پشت پر سر رکھ دیا۔ موبائل بجنے لگا۔ اسکرین پر اجلال رازی کا نمبر تھا۔ اس نے دوبارہ کال کاٹ دی اور سیل فون ہی آف کر دیا' پھر ہتھیلیوں سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولا تو شمشیر علی جو تصویر بنانے کے شغل میں مصروف تھا' ایک دم گھوم کر اسے دیکھنے لگا۔

"تمہارا احسان میرے کسی کام نہیں آیا۔" وہ چند قدم آگے آ کر موبائل فون اسے دکھا کر بولی۔

"کیوں۔۔۔؟"

"کیونکہ میں اپنے گھر والوں کو یہ نہیں بتا سکی کہ میں کہاں ہوں۔ مجھے پتا ہی نہیں ہے۔" اس نے کہا تو شمشیر علی قریب آ گیا اور اس کے ہاتھ سے موبائل فون لے کر پہلے نمبر چیک کیا' پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"یہ کس کا نمبر ہے' میرا مطلب ہے تمہارے باپ کا تو نہیں ہے۔"

"تمہارے باپ کا ہے۔" وہ سلگ کر بولی۔ شمشیر علی انگلی اٹھا کر رہ گیا۔ وہ سر جھٹک کر پھر کمرے میں بند ہو گئی۔

* * *

اجلال رازی وہیں بیٹھے بیٹھے تقریباً" آدھے گھنٹے تک مسلسل اسی نمبر کو ملاتا رہا' جس سے اریبہ نے فون کیا تھا مگر مسلسل پاور آف کا ٹیپ بج رہا تھا۔ آخر اس کا ضبط جواب دے گیا۔ مزید کوشش ملتوی کر کے اس نے کچھ دیر سوچا' پھر اپنے آفس سے اٹھ کر توصیف احمد کے آفس چلا گیا اور گو کہ اس نے سوچا تھا کہ وہ توصیف احمد کو اس طریقے سے اریبہ کے بارے میں بتائے گا کہ وہ خود پر قابو رکھ سکیں اور شاکڈ بھی نہ ہوں لیکن ان کا سامنا ہوتے ہی وہ سب بھول کر بے اختیار پوچھ گیا۔

"چچا جان۔۔۔ آپ کے پاس اریبہ کا فون آیا تھا؟"

"اریبہ کا فون؟" توصیف احمد واقعی بے قابو ہو گئے تھے۔ "کیا تمہارے پاس آیا ہے۔"

"جی۔۔۔" وہ اپنی بے اختیاری پر جزبز ہونے لگا۔

"ک۔۔۔ کیا' کہا اریبہ نے۔۔۔ کہاں ہے۔ کچھ بتایا اس نے۔ بتاؤ رازی! میری اریبہ۔۔۔" توصیف احمد کی بے قراری خطرناک حدوں کو چھونے لگی تھی۔

"ریلیکس چچا جان! میں بتاتا ہوں' آپ بیٹھیں پلیز۔" اجلال نے توصیف احمد کا بازو تھام کر انہیں بٹھایا اور خود بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا' پھر تفصیل بتانے لگا۔

"کوئی گھنٹہ بھر پہلے اریبہ کا فون آیا تھا چچا جان! لیکن وہ بتا نہیں سکی کہ وہ کہاں ہے۔ میں پوچھتا رہ گیا' پھر فون بند ہو گیا۔ اس کے بعد میں اس نمبر پر مسلسل کال کر رہا ہوں لیکن سیل آف جا رہا ہے۔"

"کیسی تھی اریبہ۔۔۔ اس کی آواز سے تمہیں کیا لگا۔" فطری بات تھی کہ توصیف احمد اس وقت کچھ اور سوچ ہی نہیں سکے۔ انہیں صرف اریبہ کی فکر تھی۔

"جی۔۔۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتا چچا جان! کیونکہ اریبہ نے زیادہ بات نہیں کی۔" اجلال رازی نے سنبھل کر کہا۔

"اریبہ کو بات کرنے نہیں دی گئی۔" توصیف احمد نے گویا تصحیح کی تھی۔

"جی میرا یہی مطلب تھا۔ اریبہ سے فون کروایا گیا تھا' لیکن بات نہیں کرنے دی گئی۔" اجلال رازی فوراً" ان کی تائید کر کے کہنے لگا۔

"چلیں چچا جان! اتنا تو ہوا کہ اریبہ کی خبر ملی' ورنہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔"

"ہاں۔۔۔!" توصیف احمد نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔ پھر ٹیبل سے اپنا فون اٹھا کر بولے۔

"رازی! نمبر بتاؤ' جس سے اریبہ نے فون کیا تھا۔"

"جی۔۔۔" اجلال رازی فوراً" اپنے سیل فون سے نمبر دیکھ کر بتانے لگا۔ توصیف احمد نے نمبر پش کرتے ہی ڈائل کا بٹن دبا کر سیل فون کان سے لگا لیا۔ دوسرے پل ٹون بجنے لگی تھی۔

"بیل جا رہی ہے۔" توصیف احمد کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی' جس سے ان کی اندرونی کیفیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہیں یا پھر دل بند ہوا جا رہا تھا۔

اجلال رازی نے چاہا کہ ان کے ہاتھ سے فون لے لے مگر اسی وقت کسی نے دوسری طرف سے فون ریسیو کر لیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔ میں توصیف بات کر رہا ہوں۔ توصیف احمد۔۔۔ مجھے پتا ہے میری بیٹی اریبہ تمہارے قبضے میں ہے۔ دیکھو! تم جو بھی ہو' میں تمہیں وارننگ دے رہا ہوں۔ میری بیٹی مجھ تک پہنچا دو' ورنہ۔۔۔"

ادھر سے فون بند کر دیا گیا تو توصیف احمد ایک دم اجلال کو دیکھنے لگے۔ جس سے وہ سمجھ کر کہنے لگا۔

"آپ کو اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی چچا جان!"

"پھر کیا پیار سے بات کرتا؟" وہ غصے سے بولے۔

"پیار سے نہیں' آرام سے۔۔۔ کیونکہ ابھی ہم بے بس ہیں۔ اگر ان کے خلاف اسٹینڈ لینے کی بات کریں گے تو وہ اریبہ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ہمیں پہلے اریبہ کو ان کے چنگل سے نکالنا ہے۔ آپ پلیز خود پر قابو رکھیں اور اب آپ بات نہیں کریں گے۔"

اجلال رازی نے انہیں دھیرج سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ سمجھ نہیں رہے تھے' مگر۔۔۔ مجبور تھے۔ کیا کرتے بیٹی کی خبر سن کر خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔

"رازی۔۔۔ بیٹا کیا تم معلوم کروا سکتے ہو کہ یہ نمبر کس کا ہے؟" کتنی دیر سوچنے کے بعد توصیف احمد نے اسے پکار کر پوچھا تھا۔

"یہ معلوم کروانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے چچا جان۔۔۔ میں سب معلوم کر لوں گا لیکن شاید کوئی فائدہ نہ ہو' کیونکہ مجرم اپنے نمبر سے فون کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔" اجلال رازی کی بات سن کر توصیف احمد پھر مایوس ہو گئے تھے۔

"پھر اب کیا کریں؟"

"انتظار ہی کرنا ہے چچا جان! اور کیا کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے اب وہ جلدی رابطہ کریں گے۔"

"اللہ کرے۔" توصیف احمد دل گرفتہ نظر آنے لگے تھے۔

* * *

اریبہ کو اب افسوس کے ساتھ اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے اجلال رازی کو کیوں فون کیا' جسے اس کے جینے مرنے کی پروا نہیں رہی۔ اسے توصیف احمد یا پھر یاسمین کو فون کرنا چاہیے تھا۔ بے شک وہ انہیں یہ نہ بتا سکتی

تھی کہ وہ کہاں ہے، لیکن اپنی طرف سے اطمینان تو دے سکتی تھی۔ قسمت سے موقع ہاتھ آیا تھا۔ اب پتا نہیں وہ سیل فون دے گا کہ نہیں۔

"پاگل ہوں میں بھی۔۔۔ سیل فون واپس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ رکھ لیتی اپنے پاس۔۔۔ غصے میں واقعی بندے کی مت ماری جاتی ہے۔"

کتنی دیر غصے اور جھنجلاہٹ میں وہ خود کو کوستی رہی، پھر یہ سوچ کر کہ شاید وہ دے ہی دے، وہ کمرے سے نکل آئی۔

"سنو۔۔۔" شمشیر علی تصویر سازی میں اس قدر مگن تھا کہ اریبہ کی آہستہ آواز پر بھی بری طرح چونک گیا، پھر خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگا تو وہ جلدی سے بولی تھی۔

"مجھے فون کرنا ہے۔"

"اب کسے فون کروگی؟" شمشیر علی کے تیکھے لہجے میں حد درجہ ناگواری تھی۔ اصل میں اسے اس وقت اریبہ کی مداخلت سخت گراں گزری تھی۔

"اپنے ڈیڈی کو۔۔۔" اس نے تہیہ کرلیا کہ اب غصہ نہیں کرے گی۔

"ڈیڈی کو۔۔۔ پھر کہوگی ممی کو، پھر بہن بھائیوں کو پھر۔۔۔" وہ بولنے کے ساتھ غالباً "موبائل کے لیے ادھر ادھر اپنی جیبوں پر ہاتھ مار رہا تھا۔

اریبہ کا دل اچھلنے لگا لیکن خود کو انجان ظاہر کرنے کی خاطر اس کی بنائی تصویر دیکھنے لگی۔ کچھ جانا پہچانا چہرہ لگ رہا تھا۔

"یہ لو۔۔۔" ادھر شمشیر علی نے تخت سے سیل فون اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا اور ادھر وہ بے اختیار چلا اٹھی۔

"تاجور۔۔۔" شمشیر علی کے ہاتھ سے موبائل پھسل کر فرش پر گرتے ہی بکھر گیا اور اگلے پل وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ رہا تھا۔

"ہاں تاجور۔۔۔ یہ تاجور ہے۔ تم جانتی ہو۔ تم نے دیکھا ہے تاجور کو؟"

"ہاں لیکن۔۔۔" وہ پریشان ہوگئی۔

"کیا لیکن۔۔۔ بتاؤ کہاں ہے تاجور؟" وہ اپنے آپ میں نہیں رہا تھا۔ اسے جھنجوڑنے کے ساتھ تاجور، تاجور کی رٹ لگادی تھی۔ آخر وہ چیخ پڑی۔

"تم پاگل ہوگئے ہو شام۔۔۔ کچھ نہیں بتاؤں گی میں تمہیں۔" وہ یک دم تھم گیا لیکن اریبہ چکرا گئی تھی۔ اس نے ہاتھ جھٹک کر سر تھام لیا تو وہ بھاگ کر اس کے لیے پانی لے آیا۔

"آئی ایم سوری اریبہ! لو پانی پیو۔" اریبہ اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر تخت پر بیٹھ گئی اور گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگی، جبکہ اس کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا تھا۔

"ہاں اب بتاؤ؟" شمشیر علی اس کے سامنے پنجوں پر بیٹھ کر بے قراری سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بتاؤں۔۔۔" اریبہ نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ سمجھی نہیں۔

"میں تاجور کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" شمشیر علی خود پر قابو رکھنے میں ناکام ہوا جا رہا تھا۔

"کیوں۔۔۔ میرا مطلب ہے تم تاجور کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیسے جانتے ہو تم اسے؟" اریبہ نے کھوجی نظریں اس پر جما کر پوچھا تو وہ فوراً" بول اٹھا۔

"میری بہن ہے تاجور۔۔۔"

"تمہاری بہن۔۔۔" اریبہ کی نظروں میں تاجور آن سمائی، جو اپنے بھائی کے لیے روتی تڑپتی تھی۔

"ہاں سگی بہن، میری ماں جائی۔۔۔ اب خدا کے لیے بتاؤ وہ کہاں ہے؟" شمشیر علی کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ پھر اسے جھنجوڑنا چاہتا تھا کہ وہ ایک دم اٹھ کر پرے ہٹ گئی اور آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی تو وہ جانے کیا سمجھ کر چیخ پڑا۔

"تم جھوٹ بولتی ہو۔ تم جانتی ہو تاجور کو۔ تم نے دیکھا ہے اسے۔ دیکھا ہے نا۔؟"

"ہاں دیکھا ہے، جب ہی تو تصویر سے پہچان لیا۔" وہ اب سکون سے بولی تھی۔

"پھر بتاتی کیوں نہیں ہو۔" شمشیر علی کو اس کا سکون کھٹک رہا تھا۔

"کیونکہ جب تک مجھے نہیں پتا چلے گا کہ میں یہاں کیوں لائی گئی ہوں تب تک تم بھی۔۔۔" اریبہ نے قصداً" بات ادھوری چھوڑ دی اور وہ یک دم ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

"وہ میں۔۔۔ بتاؤں گا۔۔۔ سب بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے، بتا دینا آرام سے۔ مجھے بھی جاننے کی جلدی نہیں ہے۔" اریبہ کو بدلہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔ بے نیازی سے کندھے اچکا کر کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ وہ تیزی سے سامنے آگیا۔

"تاجور ٹھیک ہے؟" اس اونچے پورے مرد کی بے چارگی اریبہ سے دیکھی نہیں گئی۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ نظریں چرا گئی تھی۔

"کہاں ہے؟" وہ مبہم ہو کر بھی واضح تھا۔ اریبہ نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر خود کو بولنے سے باز رکھا تھا۔

"مجھے اس کے پاس لے چلو۔" اس کے لہجے میں بلا کی عاجزی تھی۔ اریبہ نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا، پھر پیچھے ہٹتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ پل میں تمہیں مطمئن کر دوں۔ مجھ سے رحم کی توقع مت رکھو، کیونکہ تمہیں بھی مجھ پر رحم نہیں آیا تھا۔ میں تب تک تمہیں تاجور کے بارے میں نہیں بتاؤں جب تک تم میری عدالت سے بری نہیں ہو جاتے۔"

"تمہاری عدالت سے؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں۔۔۔ میری عدالت میں تم مجرم کی حیثیت سے کھڑے ہو۔ من گھڑت داستان سنا کر مجھے دھوکا دینے کی کوشش مت کرنا۔ میں صرف سچ سنوں گی۔ اس کے بعد میں فیصلہ کروں گی کہ آیا تم معافی کے قابل ہو کہ نہیں۔"

وہ ٹھہرے ہوئے لیکن تپتے لہجے میں کہہ کر تخت پر جا بیٹھی۔ شمشیر علی کتنی دیر ہونٹ بھینچے وہیں کھڑا رہا۔ اس لڑکی کے سامنے وہ کتنا بے بس ہو گیا تھا۔ اگر تاجور کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ اس لڑکی کو مزا چکھا دیتا، لیکن اب سچائی بیان کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ سچ کہنے سے ہرگز خائف نہیں تھا مگر اس کے بعد وہ کیا فیصلہ سناتی ہے، معافی یا ناقابل معافی۔

اور بظاہر اطمینان سے بیٹھی اریبہ اس کی طویل خاموشی سے اندر ہی اندر بے چین ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ وہ ایک دم حلفیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بول پڑا۔

"سنو۔۔۔ میں جو کہوں گا سچ کہوں گا۔ اس کے بعد تم جو فیصلہ سناؤ گی، مجھے وہ بھی منظور ہوگا لیکن وعدہ کرو کہ مجھے تاجور سے ملوا دو گی۔"

"نہیں۔۔۔ میں کوئی وعدہ نہیں کروں گی۔ پہلے تم اصل بات کرو، باقی ساری باتیں اس کے بعد آتی ہیں۔" وہ اب اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

"اصل بات۔۔۔ اصل بات کہاں سے شروع کروں۔۔۔ ہاں برسات کی اس شام جب تمہاری بائیک سلپ ہوئی تھی اور میں تمہیں وہاں سے اٹھا کر اسپتال لے گیا تھا۔" وہ یاد کرتے ہوئے بولنا شروع ہوا تو پھر بولتا چلا گیا تھا۔

اریبہ دم سادھے کھڑی تھی۔ جب کہیں وہ رکتا تو اریبہ کا دل ڈوبنے لگتا تھا۔ پھر آخر میں وہ کہنے لگا۔

"اگر اس سارے قصے میں تاجور نہ ہوتی تو یہاں بھی میں تقدیر کے سامنے سرنگوں ہو جاتا۔ تم جانتی ہو، میری بہن کتنی معصوم ہے۔ اس کی دربدری کا خیال مجھے خون کے آنسو رلاتا تھا اور تب میں نے عہد کیا تھا کہ میں اس شخص توصیف احمد کو بھی اسی طرح رلاؤں گا اور میں نے اپنا عہد پورا کیا۔ اب تم یہ مت کہنا کہ اس میں تمہارا کیا قصور۔۔۔ اب کیونکہ قصوار تو میں بھی نہیں تھا، پھر بھی میں نے سزا کاٹی اور میری بہن نے بھی۔۔۔ بتاؤ میری بہن کہاں ہے۔" اس کی تان پھر وہیں ٹوٹی تھی۔

اریبہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ غالباً" اس کی داستان سنتے ہوئے بھول گئی تھی کہ وہ کہاں ہے۔

"دیکھو۔۔۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ نہ میرا ایسا کوئی ارادہ تھا، پھر بھی میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔" شمشیر علی نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ بہت عاجز نظر آ رہا تھا۔

اریبہ نے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا کیونکہ اس کا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔

"اریبہ۔۔۔!" وہ بے تابی سے اس کے سامنے آگیا۔ "میرا یقین کرو میں نے جو کہا ہے، سچ کہا ہے۔"

"میں تمہارے سچ کو جھٹلا نہیں رہی۔" اریبہ کی آواز میں، لہجے میں دکھ کی آمیزش تھی۔ شمشیر علی یک دم ساکت ہو گیا تھا۔

"میں مانتی ہوں تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے لیکن بدلے میں تم نے جو کچھ کیا۔۔۔" اریبہ رک کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی اپنی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کہے۔

"میری جگہ تم ہوتیں تو کیا کرتیں؟" شمشیر علی نے بہت احتیاط سے پوچھا تھا۔

"پتا نہیں۔۔۔ لیکن میں توصیف احمد سے اتنا ضرور کہتی کہ میرے پیچھے میری ایک بہن ہے، اس کا خیال رکھنا۔" اریبہ نے یہ بات سراسر اپنے باپ کی محبت میں کہی تھی، وہ نہیں جانتی تھی لیکن شمشیر علی سمجھ گیا تھا مگر اب بحث کا وقت نہیں رہا تھا، جب ہی اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"تمہاری بہن تاجور، توصیف احمد کے گھر میں ہی ہے۔" اریبہ نے ابھی بھی توصیف احمد کا سر اونچا کیا تھا۔

"کیا۔۔۔؟" وہ اچھلا تھا۔ "توصیف احمد کے گھر۔۔۔ کیسے؟ میرا مطلب ہے۔۔۔ میری رہائی کے وقت توصیف احمد نے مجھے تاجور کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا۔"

"کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ تاجور تمہاری بہن ہے۔ تاجور مجھے اسپتال کے باہر بینچ پر بیٹھی روتی ہوئی ملی تھی۔ شاید اسی وقت اسے اسپتال سے ڈسچارج کیا گیا تھا۔"

اریبہ شمشیر علی کے لیے معافی کی گنجائش نکال کر بولنا شروع ہوئی تھی۔

* * *

توصیف ولا میں ایک بار پھر انتظار کا موسم در آیا تھا۔ فون کی بیل بجتی یا ڈور بیل۔۔۔ دل ڈوب کر ابھرتے تھے۔ دن میں کتنی بار توصیف احمد کبھی یاسمین اور کبھی سارہ کو فون کر کے پوچھتے تھے کہ اریبہ کا فون تو نہیں آیا اور ادھر سے بھی یہی سوال ہوتا تھا۔

اس وقت سارہ فون پر اجلال رازی سے الجھ رہی تھی کہ ضرور اس نے اریبہ سے کوئی ایسی بات کہہ دی ہوگی، جو اس نے دوبارہ فون نہیں کیا۔

"پاگل ہو تم۔۔۔ میں کیا کہوں گا اریبہ سے اور یہ کون سا موقع تھا ادھر ادھر کی باتیں کرنے کا۔ میں یہی پوچھ سکتا

تھا کہ وہ کہاں ہے۔“ اجلال رازی جھنجلا گیا تھا۔

”پھر اس نے بتایا کہ کیوں نہیں؟“ سارہ ابھی بھی شاکی تھی۔

”اس لیے کہ وہ خود نہیں جانتی تھی‘ وہ یہی کہہ رہی تھی کہ اسے نہیں پتا۔“

”پھر اب کیسے پتا چلے گا۔“ وہ روہانسی ہو کر بولی تو اجلال رازی نرم پڑ گیا۔

”میں کوشش کر رہا ہوں اور تم پلیز جہاں اتنا انتظار کیا ہے وہاں تھوڑا اور صبر سے کام لو۔“

”صبر‘ صبر‘ صبر۔ مجھ سے نہیں ہوتا صبر۔“ سارہ نے فون پٹخ دیا اور آنکھوں میں ٹھہرے آنسو ہتھیلیوں سے رگڑ کر پلٹی تو سمیر کو کھڑے دیکھ کر خواہ مخواہ اس پر بگڑ گئی۔

”تم کیا جاسوسی کرتے پھر رہے ہو۔ یہاں کیا ہو رہا ہے‘ وہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”اگر میں بتا دوں وہاں کیا ہو رہا ہے تو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے تمہارے۔“ سمیر اس کے خواہ مخواہ بگڑنے پر سلگ گیا تھا۔

”وہاں سے کیا مطلب ہے تمہارا؟“ سارہ کا انداز ہنوز تیکھا تھا۔

”رازی بھائی کے گھر۔ سب سے بڑے ہمدرد اور بہی خواہ وہی ہیں نا تمہارے۔“ سمیر کے طنزیہ انداز پر وہ تلملائی ضرور‘ لیکن اس سے زیادہ ٹھٹکی تھی‘ جب ہی سر جھٹک کر بولی تھی۔

”کوئی نہیں ہے میرا ہمدرد اور رازی بھائی تو بالکل بھی نہیں ہیں۔“

”ہاں۔ یہی میں تمہیں سمجھانے آیا ہوں۔ خود کو تماشا مت بناؤ۔ رازی بھائی بھی صرف تمہارے منہ پر تم سے ہمدردی کرتے ہیں‘ ورنہ ان کے گھر میں اریبہ کا ذکر جس انداز میں ہو رہا ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس سے رازی بھائی بے خبر ہوں گے۔“

سمیر یہی بات اسے طریقے سے سمجھانے آیا تھا‘ لیکن سارہ نے چھوٹتے ہی اس سے بدتمیزی کر کے اسے غصہ دلا دیا تھا۔

”ک۔ کس انداز میں ہو رہا ہے اریبہ کا ذکر؟“ سارہ اندر سے سہم گئی تھی۔

”تمہیں خود سمجھ لینا چاہیے۔“ سمیر سر جھٹک کر بولا۔

”ہاں میں سمجھ گئی ہوں‘ پھر بھی تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔“

”کیوں میرا منہ کھلوانا چاہتی ہو۔ ویسے بھی میں تمہارے سامنے وہ باتیں دوہرا نہیں سکتا۔ لہٰذا اس بات کو ختم کرو اور آئندہ محتاط رہو۔“ سمیر نے بات ختم کر دی‘ لیکن وہ جان گئی تھی کہ بات ختم نہیں ہوئی۔ ابھی تو شروع ہوئی ہے‘ آگے جانے کیا کچھ سننے کو ملے گا۔

”یاسمین آنٹی کہاں ہیں اور وہ لڑکی۔ کیا نام بتایا تھا تم نے اس کا؟“ سمیر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا‘ تو وہ تپ کر بولی۔

”میں نے تو اس کا نام نہیں بتایا تھا۔“

”اچھا تو اب بتا دو۔“ سمیر نے محظوظ ہو کر مزید چھیڑنے کی غرض سے کہا تھا۔

”کیوں تم کیا اس کے نام کی مالا جپنا چاہتے ہو؟“

”ہاہاہا۔“ سمیر کا قہقہہ بے ساختہ تھا‘ پھر سونگھنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔ ”کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے۔“

”وہ تو اس وقت بھی آتی ہے‘ جب میں رازی بھائی کی بات کرتی ہوں۔“ سارہ کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا تھا۔

”بالکل غلط! رازی بھائی سے جلنے کی کوئی تک نہیں بنتی۔“ سمیر ایک دم سنجیدہ ہو گیا تو وہ بات بدلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”اچھا تمہیں پتا ہے اریبہ کا فون آیا تھا۔“

”نہیں۔ تم نے بتایا ہی نہیں‘ کب آیا تھا؟“ سمیر نے شاکی ہو کر بے صبری سے پوچھا تھا۔

”پرسوں۔ رازی بھائی کے پاس آیا تھا اس کا فون‘ لیکن وہ کچھ بتا نہیں سکی۔ اس کے بعد سے ہم سب اسی انتظار میں بیٹھے ہیں کہ پھر کب اس کا فون آتا ہے۔“ وہ بتا کر سمیر کو دیکھنے لگی کہ وہ کیا کہتا ہے۔

”اریبہ کچھ بتا نہیں سکی۔“ سمیر نے پرسوچ انداز میں دوہرایا‘ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ ”اس کا مطلب ہے اریبہ سے فون کروایا گیا تھا لیکن اتنے عرصے بعد کیوں۔۔۔؟ تاوان والے اتنا وقت تو نہیں لیتے۔“

”مجھے یہ تاوان کا کیس نہیں لگ رہا۔“ سارہ کو تاوان والی بات سن کر کوفت ہوئی تھی۔

”پھر۔؟“

”مجھے نہیں پتا۔ میں اب کوئی بات فرض نہیں کرنا چاہتی۔ میں بس یہ چاہتی ہوں کہ اریبہ آجائے۔“ وہ جس طرح تنگ ہو کر بولی تھی اس سے سمیر کو یہی مناسب لگا کہ اس کی ہاں میں ہاں ملا دے۔

”تم ٹھیک کہتی ہو‘ ہمیں صرف اریبہ کی فکر کرنی چاہیے‘ بلکہ میں تو کہوں گا اب تم فکر بھی مت کرو‘ اریبہ ان شاء اللہ جلدی آجائے گی۔“

”اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔“ سارہ نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

”میری زبان مبارک ہی ہے۔“

”اچھا! پھر تو تمہیں چائے پلانی پڑے گی۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”صرف چائے نہیں‘ کچھ کھانے کو بھی۔“ سمیر باقاعدہ پیر پسار کر بیٹھ گیا تھا۔

* * *

اجلال رازی نے بے حسی کا لبادہ تو اوڑھ لیا تھا‘ لیکن یہ وہی جانتا تھا کہ وہ کس کرب سے گزر رہا ہے۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں ایسا موڑ آجائے گا کہ اسے خود اریبہ سے تعلق توڑنے کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔ وہ تعلق جو بڑے ارمانوں سے جوڑا گیا تھا اور اس کے بعد کتنے عہد و پیمان ہوئے تھے۔ اسے ایک ایک بات یاد تھی اور وہ جانتا تھا کہ اریبہ بھی کچھ نہیں بھولی تھی۔ وہ سارے خواب جو اس نے اریبہ کی آنکھوں میں سجائے تھے۔ وہ سب اس نے سینت سینت کر رکھے تھے اور اب جب ان خوابوں کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آیا تھا تو حالات نے کیسا پلٹا کھایا تھا کہ وہ مجبور اور بے بس ہو گیا تھا۔ جانے اس کی قسمت میں ایسی بے بسی کیوں لکھی گئی تھی۔

وہ مصلحتیں نہیں سوچتا تھا‘ اسے خود پر غصہ آتا تھا کہ وہ جو دیار غیر میں بھی اریبہ سے غافل نہیں ہوا تھا۔ یہاں آکر کیسے اسے بھول گیا۔ بس ایک پل کی بھول تھی جس کا خمیازہ اسے عمر بھر بھگتنا تھا۔

”اریبہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔“ جب سے اریبہ کا فون آیا تھا اس کی بے چینی سوا ہو گئی تھی اور ایک مجرمانہ احساس بھی تھا کہ اریبہ نے کتنی آس سے اسے فون کیا ہوگا اور جواب میں وہ کیسا نروٹھا بن گیا تھا۔

”اریبہ! تم زندہ ہو؟“ اس کی سماعتوں میں اپنی ہی آواز کی بازگشت گونجتی تھی اور اس کا دل چاہتا‘ خود کو کسی کھائی میں گرا دے۔

”کیوں کیا میں نے ایسا۔ وہ لڑکی جانے کن اذیتوں سے دوچار ہے اور میں نے مزید اس کا دل چھلنی کر دیا۔ پتا نہیں اب وہ آئے گی بھی کہ نہیں۔۔۔

کیوں نہیں آئے گی۔۔۔ اسے آنا ہے‘ وہ ضرور آئے گی۔“

وہ اب خود سے لڑ رہا تھا۔

زندگی اسے عجیب دوراہے پر لے آئی تھی۔ گو کہ وہ اریبہ سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ سنا چکا تھا، لیکن یہ تو وہی جانتا تھا کہ اس فیصلے نے اس کی جان لے لی تھی۔ کاش! وہ وقت کا پہیہ الٹا گھما سکتا یا اپنی کتاب حیات پر اسے اختیار ہوتا تو وہ چپکے سے چند اوراق یوں پھاڑ ڈالتا کہ جیسے وہ تھے ہی نہیں۔ کسی کو شبہ نہ ہوتا، لیکن وہ بے اختیار تھا۔ کتاب حیات کے وہ اوراق جنہیں وہ پھاڑنا چاہتا تھا' ان پر پھیلی سیاہی خود اسے بڑی بدنما لگتی تھی اور اسے اسی کے ساتھ سمجھوتا کرنا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو خبر بھی ہو۔ اس لیے اس نے اریبہ کا دل توڑ دیا تھا' یہ کہہ کر کہ تم زندہ ہو۔؟ جبکہ اس کی زندگی کے لیے تو وہ اپنی زندگی دان کرنے کو تیار تھا۔ ان تین دنوں میں اس نے اریبہ کے لیے جانے کیا کچھ سوچ ڈالا تھا اور پھر ایک نیا فیصلہ کر کے وہ جانے مطمئن ہوا تھا یا خود کو بہلا رہا تھا۔ بہرحال ابھی اسے خاموش ہی رہنا تھا۔

* * *

شمشیر علی کو تاجور کی طرف سے اطمینان ہوا تو پھر وہ بے صبرا ہو گیا تھا۔ فوراً" تاجور کے پاس جانا چاہتا تھا۔ یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اریبہ کو اغوا کرنے کے جرم میں پھنس سکتا ہے۔ جبکہ اریبہ یہی سوچ رہی تھی۔ گو کہ شمشیر علی کے اس اقدام نے اس پر زندگی تنگ کر دی تھی۔ اس کے باوجود وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ شخص دوبارہ سلاخوں کے پیچھے جائے' کیونکہ ابھی اس میں انسانیت باقی تھی اور وہ ایک انسان کو درندہ نہیں بننے دینا چاہتی تھی۔ جب ہی اس سے متفق نہیں ہو رہی تھی۔ اس وقت وہ بری طرح جھنجلا رہا تھا۔

"آخر تم چاہتی کیا ہو۔ کیوں روک رکھا ہے مجھے اور خود کو بھی؟"

"دیکھو شام! تم سے زیادہ گھر جانے کی جلدی مجھے ہے' لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" اریبہ پر اس کے جھنجلانے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"پھر۔؟" وہ سوالیہ نشان بن گیا۔

"پھر کچھ ایسا سوچو کہ تم پر بھی کوئی بات نہ آئے۔" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ شمشیر علی غور سے اسے دیکھنے لگا۔ تفکر اس کی آنکھوں میں ڈیرہ جمائے بیٹھا تھا۔ تب وہ دھیرے سے پوچھنے لگا۔

"تم پریشان ہو' ڈر رہی ہو گھر جانے سے؟"

"پریشان تو ہوں لیکن گھر جانے سے نہیں ڈر رہی' گھر تو جانا ہے۔" وہ جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی۔ خود ہی چونکی' پھر ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسا کرو' تم سوچو' میں چائے بناتی ہوں۔"

"ایک منٹ!" وہ اسے روک کر پوچھنے لگا۔ "یہ بتاؤ' تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں کیا چاہوں گی۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں اپنے گھر والوں سے کیا کہوں گی' مجھے کس نے کڈنیپ کیا۔ کہاں رکھا' کڈنیپ کرنے والوں کا مقصد کیا تھا۔ میری واپسی پر یہ سب سوال اٹھیں گے' اس لیے مجھے ان سب کے جواب معلوم ہونے چاہئیں۔"

وہ اپنی بات پہ زور دے کر چائے بنانے چلی گئی تو شمشیر علی نے یوں سر ہلایا جیسے سمجھا نہیں' لیکن پھر سوچنے بھی لگا تھا۔

کچھ دیر بعد جب اریبہ چائے لے کر آئی تو وہ دو انگلیوں پہ اپنی پیشانی ٹکا کر سر گرائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے اس کے ذہن میں باقاعدہ کوئی منصوبہ بن رہا ہو۔ اریبہ نے اس خیال سے کہ کہیں اس کی سوچ منتشر نہ ہو۔ احتیاط سے چائے کا مگ اس کے قریب رکھا اور پلٹ کر کرسی پر جا بیٹھی۔

کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے۔ پھر وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"چائے!" اریبہ نے فوراً" کچھ پوچھنے کے بجائے اس کے قریب رکھے مگ کی طرف اشارہ کر دیا۔

"شکریہ۔۔۔ تم چائے بہت اچھی بناتی ہو۔" اس نے چائے کا مگ اٹھالیا، پھر ایک گھونٹ لے کر بولا۔ "بہت یاد آئے گی۔"

"دیکھو! یہ مذاق کا وقت نہیں ہے، اب جو کرنا ہے، جلدی کرو۔" اس نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا۔

"نہ نہ۔۔۔ جلدی کا کام شیطان کا، سکون سے خود بھی چائے پیو اور مجھے بھی پینے دو۔" اس کے اطمینان پر وہ سلگ کر رہ گئی۔ جبکہ شمشیر علی مزے سے چائے پیتا رہا، پھر خالی مگ ایک طرف رکھ کے اپنی نشست کا انداز بدلتے ہوئے کہنے لگا۔

"اچھا تو سنو! میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے، لیکن پہلے یہ بتاؤ تم مجھے اس سارے معاملے سے الگ کیوں رکھنا چاہتی ہو۔ تم کیوں چاہتی ہو کہ کہیں بھی میرا نام نہ آئے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے؟" اس کے چبھتے سوال پر وہ ایک لمحہ کو گڑبڑا گیا۔

"نہیں، میں ایسا کچھ خیال نہیں کر رہا۔"

"پھر اصل بات کرو۔" اریبہ نے جھڑکا۔

"اصل بات۔۔۔ ہاں میں نے سوچا ہے کہ میں تمہیں بے ہوش حالت میں کسی اسپتال میں ایڈمٹ کروا دیتا ہوں، پھر تمہارے فادر کے پاس جا کر کہوں کہ تم مجھے کسی جگہ بے ہوش پڑی ملی تھیں، میں نے تمہیں اسپتال پہنچا دیا۔ اس کے بعد کی صورت حال تم خود سنبھال لینا۔" شمشیر علی نے چند جملوں میں بات ختم کر دی تو وہ جو لمبا چوڑا منصوبہ سننے کی منتظر تھی، اسے دیکھتی رہ گئی۔

"نہیں۔۔۔؟" شمشیر علی یہی سمجھا کہ اسے یہ بات ہضم نہیں ہوئی۔

"نہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے، بالکل ٹھیک ہے۔ اس طرح میرے ڈیڈی پر تمہارا ایک اور احسان ہو جائے گا۔" اس نے کہا تو وہ چڑ کر بولا تھا۔

"میں نے پہلے بھی کوئی احسان نہیں کیا تھا۔"

"میری بات تو وہیں رہ گئی۔ میں کیا بتاؤں گی، کون لوگ تھے۔" اریبہ پھر اس بات پر آگئی تو وہ سر جھٹک کر بولا۔

"یہ سب مجھے نہیں پتا۔ بلکہ تمہیں بھی نہیں پتا۔ یہی کہہ دینا تمہیں کچھ پتا نہیں ہے۔ ویسے بھی جاتے ہی تم پر جرح شروع نہیں ہو جائے گی۔ میرا خیال ہے پہلے تمہیں آرام کرنے دیا جائے گا۔ یوں تمہیں سوچنے کو وقت مل جائے گا۔"

"ہوں۔۔۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"کوئی الجھن ہے؟" قدرے رک کر شمشیر علی نے ٹوکا تو وہ نفی میں سر ہلا کر پوچھنے لگی۔

"پھر کب چلنا ہے؟"

"ابھی تو رات زیادہ ہو گئی ہے، کل دن میں ٹھیک رہے گا، کیونکہ مجھے پھر توصیف صاحب کے پاس ان کے آفس بھی جانا ہو گا۔ ان کا فون نمبر سمجھو، میرے پاس نہیں ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں۔۔۔ یہ نمبر تو تم اب استعمال کرنا بھی مت، بلکہ ابھی اسے ضائع کر دو۔" اس نے کہتے ہوئے خود ہی اس کا سیل فون اٹھالیا اور سم نکال کر دانتوں سے چبانے لگی۔ شمشیر علی خاموشی سے اس کی کارروائی دیکھتا رہا، جب اس نے سم کا کچومر منہ سے نکال کر پھینکا، تب ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ سم میرے نام نہیں تھی۔"

وہ اسے گھورتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں آگئی اور دروازہ بند کرنے کے ساتھ لائٹ بھی بند کر دی اب وہ سو جانا چاہتی تھی تاکہ تھکے ہوئے ذہن کو آرام ملے لیکن نیند جانے کہاں جا چھپی تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر اس کا بدن درد کرنے لگا اور ذہن مزید چیخنے لگا تھا۔ متضاد سوچیں تھیں جن کی ہیبت اسے لرزا رہی تھی۔ گھر جانے کی خوشی کہیں کونے کھدروں میں جا چھپی تھی۔ اسے لگا جیسے وہ گردن تک زمین میں دھنسی ہے اور ادھر ادھر سے نوکیلے پتھر اس کا چہرہ لہولہان کیے دے رہے ہیں۔

"اف!" اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ "کیا سچ مچ میرے ساتھ ایسا ہو گا۔ کیا مجھے اپنی پارسائی کی قسمیں کھانی پڑیں گی۔ اگر اس کے بعد بھی میرا یقین نہ کیا گیا تو۔۔۔"

"نہیں۔" وہ جھٹکے سے اٹھی۔ "میں جانتی ہوں میرے ساتھ کچھ برا نہیں ہوا۔ میرا اندر مطمئن ہے۔ کوئی مانے نہ مانے، میں اپنی صفائیاں پیش نہیں کروں گی۔ میں قسمیں نہیں کھاؤں گی۔ رازی کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔ اگر وہ اپنی محبت میں سچا ہے تو بنا کہے اسے میرا یقین کرنا پڑے گا۔"

ان ہی پریشان کن سوچوں اور اندیشوں میں رات بیت گئی۔ فجر کی اذان کی آواز کہیں دور سے آرہی تھی۔ اس نے بستر چھوڑا اور وضو کر کے جاء نماز پر کھڑی ہو گئی۔ پھر نیت باندھتے ہی اس کی آنکھوں سے ایسی جھڑی لگی کہ نماز کے بعد بھی کتنی دیر وہ سجدے میں گری ہچکیوں سے روتی رہی تھی۔ اس کے اندر کوئی ایک احساس نہیں تھا، بہت سارے احساسات گڈمڈ ہو رہے تھے۔ پھر ایک احساس سب پر حاوی ہو گیا۔ جس نے اسے سجدے سے اٹھا دیا۔ ایک کٹھن مسافت کا احساس تھا، جو بہرحال اسے طے کرنی تھی۔

پھر اجالے کی پہلی کرن اترتے ہی اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ رت جگے، رونے اور ذہنی انتشار کے باعث سر پھٹا جا رہا تھا۔ اپنے تئیں اس نے بہت احتیاط برتی اور کچن میں آکر چائے کا پانی چولہے پر رکھا تھا کہ عقب سے شمشیر علی کی آواز آئی۔

"سنو۔۔۔!" وہ بلا ارادہ اس کی طرف پلٹی تھی اور شمشیر علی جو کچھ کہنا چاہتا تھا، اس کی بے تحاشا سُرخ اور سُوجی ہوئی آنکھیں دیکھتا رہ گیا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے۔" اس نے رخ موڑتے ہوئے کہا تو شمشیر علی سنبھلنے کی کوشش میں ناکام ہو کر کچھ کہے بغیر واپس پلٹ گیا۔ اریبہ کو تعجب نہیں ہوا، نہ ہی جب چائے لے کر اس کے پاس آئی تو کچھ جتایا تھا۔

ایک نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ شمشیر علی چائے کا مگ تھامے گم صم بیٹھا تھا۔ اریبہ نے چائے پیتے ہوئے اسے غور سے دیکھا۔ پھر خود کو بولنے پر آمادہ کر کے کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے شام! یہ جو کچھ ہوا، واقعہ تھا یا حادثہ۔۔۔ اس بات سے قطع نظر کہ میری آئندہ زندگی پر کس طرح اثر انداز ہو گا، تمہارا بہرحال کچھ نہیں بگڑا۔"

شمشیر علی ایک دم اسے دیکھنے لگا تھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ تم آرام سے اپنی زندگی وہیں سے شروع کر سکتے ہو، جہاں سے تم اپنے مقصد سے ہٹے تھے اور دیر بھی مت کرنا۔ تمہاری منزل دور نہیں ہے۔ ایک سال گزرتے پتا بھی نہیں چلے گا، تمہارے خواب کو تعبیر مل جائے گی۔"

"اور تمہارے خواب؟" وہ کہیں دور سے بولا تھا۔

"میرے خواب۔۔۔" اریبہ کے ہاتھوں میں چائے کا مگ لرزا تھا۔ "لڑکیوں کے خواب تو کانچ کی طرح ہوتے ہیں شام! ان کی پائیداری کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ ذرا سی ٹھیس لگے، ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ شاید اسی لیے قدرت نے لڑکیوں کی فطرت میں خاص وصف رکھا ہے۔ خواب ٹوٹ جائیں تو دنیا تیاگ کے بیٹھتی ہیں نہ مرتی ہیں، بس

جیسے جاتی ہیں۔"

"تم بھی کیا بس جیسے جاؤ گی۔" شمشیر علی کی حیرت میں انتہائی غیر یقینی تھی۔

اریبہ نے چونک کر اسے دیکھا، پھر نظریں جھکائیں تو جانے کیسے پلکوں سے دو موتی ٹوٹ کر گر پڑے۔ شمشیر علی بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سنو اریبہ! میں تمہارے خوابوں کی ضمانت نہیں دے سکتا لیکن تمہارے سامنے عہد کرتا ہوں کہ جب تک تم اپنی منزل کو نہیں پہنچو گی شمشیر علی برباد پھرے گا۔ منزل پانا تو دور کی بات، منزل کو جانے والے راستے پر قدم بھی نہیں رکھے گا۔"

"شام۔۔۔" وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔

* * *

دن کے گیارہ بجے تھے۔ توصیف احمد میٹنگ کے بعد اپنے کمرے میں آکر بیٹھے تھے کہ چوکیدار نے آکر شمشیر علی کی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

"سر! مسٹر شمشیر کہہ رہے ہیں، آپ سے بہت ضروری کام ہے۔ وہ آپ کے لیے کوئی پیغام لائے ہیں۔"

"بھیج دو۔" توصیف احمد نے نہ سمجھنے کے انداز میں بھنویں اچکا کر کہا تو چوکیدار فوراً" چلا گیا اور فوراً" ہی شمشیر علی اندر آگیا تھا، جسے دیکھ کر ہی توصیف احمد اسے پہچانے تھے۔ جب ہی بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

"اوہ تم۔۔۔"

"سر وہ۔۔۔" شمشیر علی اچانک خائف ہو گیا تھا۔

"ہاں کہو۔۔۔ چوکیدار بتا رہا تھا تم میرے لیے کوئی پیغام لائے ہو۔" توصیف احمد نے اسے دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

"تو سر۔۔۔ آئی مین، اچھی خبر نہیں ہے، لیکن اب پریشانی کی بات بھی نہیں ہے۔ میں نے انہیں اسپتال پہنچا دیا ہے۔" شمشیر علی جتنا سوچ کر آیا تھا، اسی قدر بے ربط تھا۔

"کسے۔۔۔ کسے اسپتال پہنچا دیا ہے؟" توصیف احمد نہ سمجھنے کے باوجود ٹھٹکے تھے۔

"وہ سر! آپ کی بیٹی۔۔۔"

"میری بیٹی۔۔۔" توصیف احمد ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ "کون سارہ؟"

"سوری سر! میں نام نہیں جانتا۔ وہ جو پہلے بھی بائیک سے گری تھیں۔" وہ اب کافی سنبھل چکا تھا۔

"اریبہ۔۔۔" توصیف احمد کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ سکے۔ "تمہیں کہاں ملی اریبہ۔۔۔ کون سے اسپتال میں ہے، مجھے لے چلو فوراً"۔"

"جی سر! میں آپ کو لینے ہی آیا ہوں، آیئے!" اس نے کہنے کے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا تو توصیف احمد کے اندر جیسے بجلی دوڑ گئی تھی۔ اس سے پہلے باہر نکلے تھے۔

تقریباً" پچیس منٹ بعد بیڈ پر بے سدھ پڑی اریبہ کو دیکھتے ہوئے توصیف احمد کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا اسے اٹھا کر سینے سے لگالیں۔ جانے کیسی کیسی مصیبتیں برداشت کی تھیں ان کی بیٹی نے۔ وہ سوچنا نہیں چاہتے تھے لیکن اریبہ کا غیر معمولی سرخ چہرہ اور بھاری پپوٹے پوری داستان سنا رہے تھے۔ یہ رت جگے اور شدت گریہ کا اعجاز تھا جو، وہ مظلومیت کی تصویر نظر آ رہی تھی۔

"ڈونٹ وری، کچھ دیر میں انہیں ہوش آجائے گا۔" ڈاکٹر اپنے پیشہ ورانہ انداز میں کہہ کر چلا گیا، تب وہ آگے بڑھے، جھک کر اریبہ کی پیشانی چومی، پھر کمرے سے نکل آئے۔

شمشیر علی راہ داری میں بینچ پر بیٹھا تھا۔ توصیف احمد کو آتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تو وہ اس کے پاس آکر پوچھنے لگے۔

"تمہیں کہاں ملی تھی اریبہ؟"

"جی ہائی وے پر۔ میں نے انہیں بے ہوش حالت میں دیکھا تھا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ تب میں انہیں گاڑی میں ڈال کر یہاں لے آیا۔" شمشیر علی اب سہولت سے بول رہا تھا۔

"تھینک یو شمشیر علی! تم نے ایک بار پھر۔۔۔"

"نو سر۔۔۔!" وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ "میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ بحیثیت انسان یہ میرا فرض تھا۔"

توصیف احمد خاموش ہو گئے تو قدرے رک کر وہ پوچھنے لگا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے سر۔۔۔؟"

"ہاں تم جاؤ۔" توصیف احمد چونک کر بولے۔ "اور سنو! میں تم سے دوبارہ ملنا چاہوں گا۔"

"اوکے سر! میں کسی دن آفس آجاؤں گا۔"

"ضرور۔۔۔" توصیف احمد نے خود اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، جسے تھام کر اسے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ پھر وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

توصیف احمد نے کچھ دیر سوچا، پھر اجلال رازی کو فون کر کے فوراً" اسپتال آنے کا کہہ کر اریبہ کے پاس آبیٹھے اور اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر جیسے اسے تحفظ کا یقین دلانے لگے اور شاید یہ ان کا دیا ہوا یقین تھا، جو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"اریبہ میرے بچے!" توصیف احمد فوراً" اس پر جھک گئے۔ "آپ ٹھیک تو ہو بیٹا۔"

اریبہ کی جلتی ہوئی آنکھوں سے پھر لاوا ابل پڑا تھا۔

"نہ نہ بیٹا! رو نہیں۔" توصیف احمد نے اریبہ کی گردن کے نیچے بازو ڈال کر اسے اونچا کر کے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ وہ خود بھی رو رہے تھے۔ آواز بوجھل ہو گئی تھی۔

"میری جان! میرا بیٹا۔۔۔ میں آپ کے پاس ہوں۔ آپ روؤ نہیں۔" وہ اس کی کمر سہلاتے ہوئے کبھی اس کا سر چومتے، کبھی پیشانی اور اریبہ آنسوؤں کے باعث کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔

"پانی۔۔۔ میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔" توصیف احمد کو ایک دم احساس ہوا۔ اریبہ کے حلق میں گولہ اٹک رہا تھا۔ فوراً" خود کو سنبھال کر اٹھے تھے کہ اسی وقت اجلال رازی کمرے میں داخل ہوتے ہی یوں رکا جیسے اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے ہوں۔ جبکہ نظریں اریبہ پر ساکت ہو گئی تھیں۔

"رازی! اریبہ۔۔۔" توصیف احمد عجلت میں اسی قدر کہہ کر باہر نکل گئے اور پانی کی بوتل لے کر واپس آئے تو اجلال اسی طرح کھڑا تھا۔

توصیف احمد کو اس وقت صرف اریبہ نظر آ رہی تھی۔ اجلال رازی کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں گیا۔ فوراً" بوتل کھول کر اریبہ کے منہ سے لگائی، تب وہ چونک کر بیڈ کے قریب آگیا۔

"کہاں تھی اریبہ؟" بے ساختہ سوال تھا۔ توصیف احمد نے نوٹس نہیں لیا، جبکہ اریبہ کے حلق میں پانی بھی اٹک گیا تھا۔ اس نے ابھی تک اجلال کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ سائیڈ میں کھڑا تھا۔

"آپ ڈاکٹر سے ملے چچا جان!" اجلال رازی نے اب موقع کی نزاکت کا احساس کر کے پوچھا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ بس ابھی اریبہ کو گھر لے چلتے ہیں۔" توصیف احمد نے کہا تو گھر کے نام پر اریبہ کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے میں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔" وہ اریبہ پر گہری نظر ڈال کر کمرے سے نکل گیا۔ توصیف احمد نے پانی کی بوتل ایک طرف رکھی پھر جیب سے رومال نکال کر اریبہ کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ صاف کر کے کہنے لگے

"بیٹا! میرے لیے سب سے اہم اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو مجھ سے ملا دیا ہے۔ باقی ساری باتیں بے معنی ہیں۔ آپ اپنے دل پر کوئی بوجھ رکھو نہ پریشان ہو۔ میں گھر میں سب کو اسپیشلی آپ کی مما کو سمجھا دوں گا کہ وہ آپ سے سوال جواب نہ کریں۔ آپ کی مما کا نام میں نے اس لیے لیا ہے کہ وہ حق رکھتی ہیں جبکہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ آپ سے کوئی جواب طلب کرے۔"

"ڈیڈی!" اسے باپ کی شفقت نے پھر رلا دیا تھا۔

* * *

اریبہ سے مل کر پہلے سب روئے تھے۔ یاسمین، سارہ، حماد، بی بی اور تاجور بھی۔ اس کے بعد فضا یکدم بدل گئی تھی۔ جیسے گھنگھور گھٹائیں برسنے کے بعد نہ صرف مطلع صاف ہو جاتا ہے بلکہ ہر شے پر نکھار بھی آ جاتا ہے۔ توصیف احمد نے سوال جواب سے سب کو منع کر دیا تھا اور گو کہ اریبہ بھی یہی چاہتی تھی لیکن وہ معمہ بھی نہیں بنے رہنا چاہتی تھی۔ کب کون کیا پوچھ لے، ہر پل کا دھڑکا خود اسے بھی چین سے نہ رہنے دیتا۔ اس لیے فرضی سہی اسے کوئی کہانی سنانی تھی۔ لیکن فی الوقت اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا اور ابھی وہ قصداً "زیادہ بولنے سے گریز کر رہی تھی کہ کہیں بے دھیانی میں اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو سنبھالنے میں اسے مشکل ہو۔ دوپہر کے کھانے تک سب اس کے پاس موجود رہے پھر یاسمین نے اسے آرام کرنے کو کہا اور خود اسے لے کر اس کے کمرے میں آئی تو وہ بے اختیار رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"مما! میرا ایک سال کا نقصان ہو گیا۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا! شکر ہے اللہ نے کسی بڑے نقصان سے بچا لیا۔" یاسمین کے لہجے میں تشکر واضح تھا۔

"کیا واقعی وہ بڑے نقصان سے بچ گئی ہے۔" اس کی ذہنی رو بھٹکنے لگی تو وہ سر جھٹک کر بیڈ پر آ گئی۔

"ٹھیک ہے بیٹا! اب تم آرام کرو۔" یاسمین نے اس کا گال چھوا پھر پیشانی چوم کر چلی گئی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ احساس اطمینان بخش تھا کہ وہ اپنے گھر میں ہے، پھر بھی سونے کو دل نہیں چاہا اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چاہ رہی ہے۔ ایک بے نام سی کسک دل میں کروٹیں لینے لگی تھی تب وہ اٹھی اور کمرے سے نکل آئی۔ ہمیشہ کی طرح دوپہر خاموش اور سنسان تھی۔ اس نے لاؤنج سے سارے گھر کا جائزہ لیا پھر تاجور کے کمرے سے باتوں کی آواز سن کر ادھر ہی آ گئی۔ تاجور، سارہ سے کہہ رہی تھی۔

"اریبہ باجی آ گئی ہیں۔ اب میرے بھائی بھی مل جائیں گے ناں؟"

"ان شاء اللہ ضرور ملیں گے۔" سارہ نے کہا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "کیا ہوا تم سوئی نہیں۔"

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے سارہ کے پاس آ بیٹھی اور بے اختیار تاجور کا ہاتھ تھام کر بولی تھی۔

"تمہارا بھائی آ جائے گا۔ میں اسے ڈھونڈ لاؤں گی۔"

"نہیں اریبہ باجی! اب آپ کہیں نہ جانا۔" تاجور اس کے پھر کھو جانے کے خیال سے خائف ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرائی پھر سارہ سے مخاطب ہو گئی۔

"سارہ۔ میرے کالج سے کوئی آیا تھا؟"

"ہاں تمہاری فرینڈز آئی تھیں لیکن تم ابھی یہ سب مت سوچو۔" سارہ نے بتانے کے ساتھ ٹوکا بھی لیکن وہ ان سنی کر گئی۔

"کیا کہا تم لوگوں نے میری فرینڈز سے کہ میں کہاں ہوں؟"

"مری۔۔۔۔ آئی مین مما نے ان سے یہی کہا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ڈاکٹر نے چینج کے لیے کہا تو ڈیڈی تمہیں مری لے گئے، جہاں سے تمہاری واپسی تب ہی ہوگی، جب تک مکمل صحت یاب ہو جاؤ گی۔" سارہ نے بتایا تو پھر وہ اس موضوع سے ہٹ کر بولی تھی۔

"اچھا سنو! مجھے سیل چاہیے ابھی۔"

"ابھی مما کا لادوں؟" سارہ نے اب بمشکل خود کو ٹوکنے سے باز رکھ کر پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں عماد سے کہو نیا سیٹ لادے اور سم بھی۔"

"اچھا۔۔۔۔" سارہ اٹھ کر چلی گئی تو وہ تاجور کو دیکھنے لگی۔ بہت بدل گئی تھی تاجور۔ جب وہ اسے اسپتال سے لائی تھی تو بہت کمزور تھی۔ چہرے کی رنگت زرد اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بھی نمایاں تھے اور اب تو اس کے گالوں پر گلاب کھل رہے تھے۔

"شام تو شاید اسے پہچان بھی نہیں سکے گا۔"

وہ سوچ کر مسکرائی اور اس کا دل چاہا ابھی تاجور کو یہ نوید دے کہ اس کا بھائی مل گیا ہے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ شمشیر علی سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ گھر پہنچ کر اسے تاجور کی خیریت سے آگاہ کرے گی اور اسی لیے اس نے موبائل منگوایا تھا۔ آتے ہوئے شمشیر علی نے اسے اپنا پرسنل نمبر بتا دیا تھا۔ جسے یاد کرتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں آگئی اور حماد کا انتظار کرنے لگی، جو ایک گھنٹے بعد آیا تھا۔

"تھینک یو حماد! تمہیں پتا ہے اب سیل فون کے بغیر تو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔" اس نے خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔

"جی آپی! دیکھیں اس سیل فون میں آپ کے لیے سب کچھ ہے۔" حماد پر جوش ہو گیا تھا۔

"ہاں مجھے یہی چاہیے تھا۔ تھینک یو! پتا نہیں میرا آئی ڈی کارڈ کہاں ہے۔" اس سے پہلے کہ حماد اسے موبائل کے سسٹم بتانے کھڑا ہو جاتا وہ کارنر کی دراز میں اپنا آئی ڈی کارڈ تلاش کرنے میں لگ گئی۔

حماد چلا گیا تب اس نے پہلے دروازہ بند کیا پھر سیل فون نکال لیا اور نمبر ایکٹویٹ کروا کر ابتدا شمشیر علی کا نمبر ملا کر کی تھی۔ چند لمحوں بعد شمشیر علی کی محتاط آواز آئی تھی۔

"ہیلو۔۔۔۔!"

"ہاں شام! اریبہ بات کر رہی ہوں۔" اس نے کہا تو شمشیر علی نے فوراً" پوچھا۔

"کیسی ہو کہاں ہو؟"

"ٹھیک ہوں گھر آگئی ہوں۔"

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟"

"نہیں سب ٹھیک ہے اور تاجور بھی ٹھیک ہے۔ میری آمد پر یوں خوش ہو رہی ہے جیسے تم آگئے ہو۔" اس نے سادہ انداز میں جو محسوس کیا تھا، وہی کہہ دیا۔

"اچھا! ہو سکتا ہے اسے تمہارے وجود سے میری خوشبو ملی ہو۔" شمشیر علی کے لہجے میں جانے کیا تھا، وہ خاموش ہو گئی تو قدرے اٹک کر وہ پوچھنے لگا۔

"اریبہ! میں کب ملوں گا اپنی بہن سے؟"

"ابھی کچھ دن صبر کرو شام! کو کہ میں جانتی ہوں اب تمہارے لیے صبر بہت مشکل ہے لیکن جلد بازی کوئی مسئلہ کھڑا کر سکتی ہے۔ تم سمجھ رہے ہوناں۔" اس نے کہا تو شمشیر علی کی سوچ میں ڈوبی آواز ابھری تھی۔

"ہوں۔"

"ٹھیک ہے، پھر بات کروں گی۔" اس نے کمرے کے باہر آہٹ محسوس کرکے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

* * *

اریبہ کی صحیح سلامت واپسی کسی معجزے سے کم نہیں تھی۔ کیونکہ صرف اجلال رازی ہی نہیں، باقی سب بھی اریبہ کا بھیانک تصور لیے بیٹھے تھے۔ لیکن اسے تو کہیں خراش تک نہیں آئی تھی۔ صحت بھی ٹھیک تھی البتہ چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ اجلال اسے دیکھ کر بہرحال بے چین ہو اٹھا تھا۔ اس کی محبت، جس سے دستبرداری کا وہ فیصلہ سنا چکا تھا، سرچڑھ کر بولنے لگی تھی۔ وہ اس تمام عرصے میں متضاد کیفیات میں گھرا رہا۔

کبھی اسے اریبہ پر غصہ آتا کہ وہ بغیر بتائے کیوں چلی گئی تھی۔ کبھی اپنے آپ پر جھنجلاتا کہ اب وہ کیوں اس کی فکر کر رہا ہے۔ کبھی انتہائی پریشان کہ اریبہ نہ ملی تو کیا ہوگا۔۔۔۔

کبھی دل چاہتا کائنات کا چپہ چپہ چھان مارے اور اسے ڈھونڈ نکالے۔

اکثر اس کی محبت میں رویا بھی تھا۔۔۔

یعنی ہر کیفیت میں اریبہ ساتھ تھی اور اب یہ ساری باتیں اریبہ سے کہنے کو اس کا دل مچلنے لگا تھا اور دل یہ بھی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے سامنے بٹھا کر کہہ دے۔

"اریبہ! مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم اتنا عرصہ کہاں رہیں۔ تم پر کیا بیتی کیونکہ میں جان گیا ہوں، قدرت کو میری محبت کا امتحان مطلوب تھا اور میں یقیناً" اس امتحان میں سرخرو ہوا ہوں، جب ہی تو انعام کی صورت تم مجھے لوٹائی گئی ہو۔۔۔ ہاں اریبہ۔۔۔ تم آگئی ہو اب اور مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"

اور اسے لگا جیسے اریبہ اس کے اعتراف پر کھل اٹھی ہو۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہوگئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو راحت جبیں قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں لبنیٰ جدون قیمت: 250 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

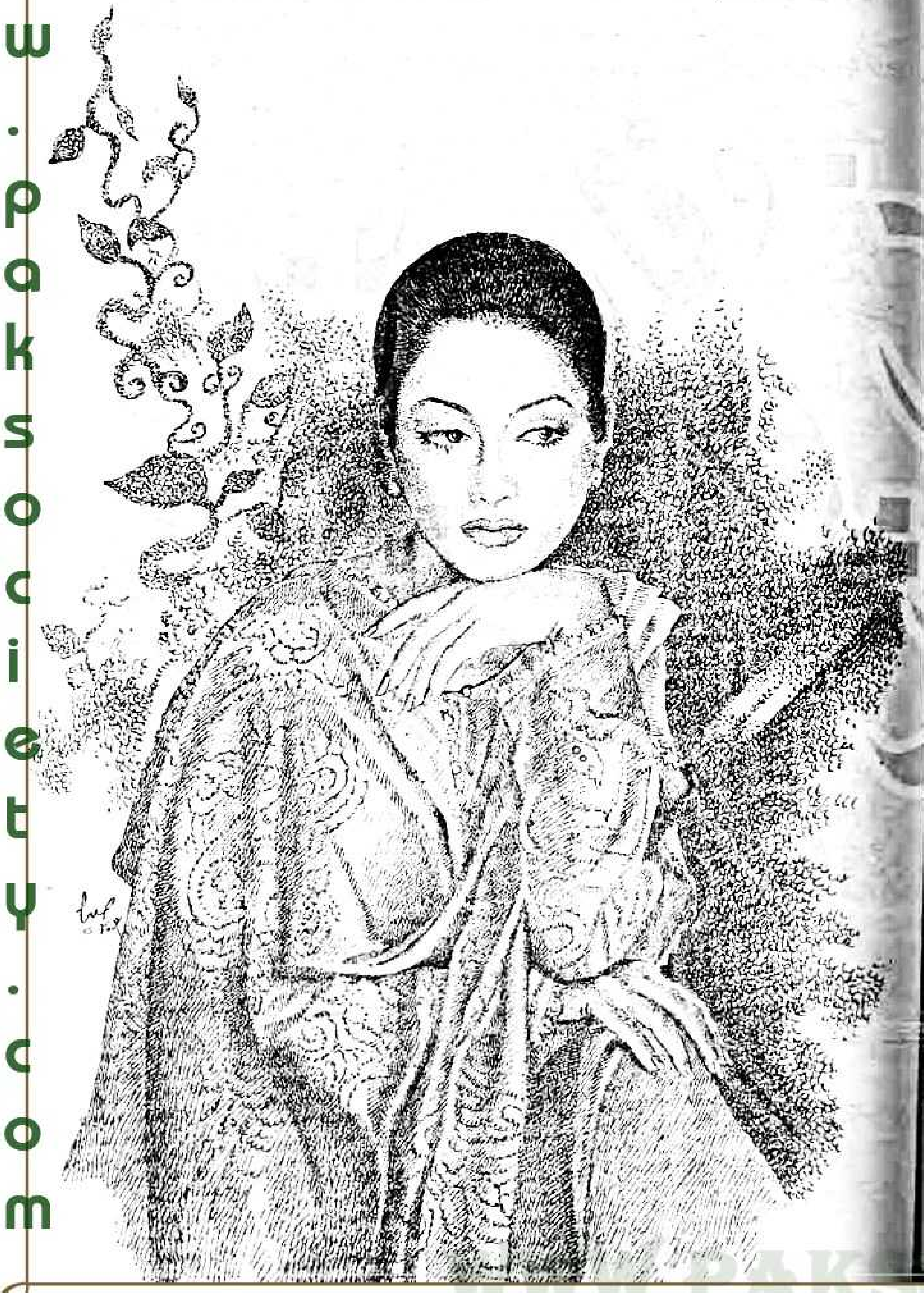

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں، سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقبل بد مزاجی اور بد زبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی، خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ، جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوجاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آتا ہے تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلتا ہے۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اجلال رازی اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے، مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے، تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خود سر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔ مگر سارہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے

رشتے کی بات کرنے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصہ میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کرلیتا ہے۔ شمشیر تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے ہسپتال داخل کروادیتا ہے۔

اریبہ' یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کردیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچالیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی' توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اریبہ ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے۔ اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی' اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔

تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہوجاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جا کر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہوجاتی ہے۔ تاباں کو دیکھ کر شمشیر پچھتاتا ہے اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے اپنے ساتھ چلنے کا کہتا ہے مگر تاباں منع کردیتی ہے۔

یاسمین' اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑجاتی ہے مگر اریبہ دو ٹوک انداز میں منع کردیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال' اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہوجاتا ہے۔

اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر سے بات کرتی ہے مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کرلیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہوجانے پر سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ اجلال ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر' اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

شمشیر علی کو اریبہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ وہ اریبہ سے گریز کرنے لگا۔ شمشیر علی ـ اریبہ کو اپنا سیل فون دے دیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے' رابطہ کرلے۔

اریبہ نے اجلال کو فون کیا' مگر اس نے سرد مہری سے بات کی تو اریبہ نے کچھ بتائے بغیر فون بند کردیا۔

شمشیر علی نے ابراہیم نامی بچے سے اسکیچنگ سیکھ کر تاجور کی تصویر بنائی تو اریبہ اسے دیکھ کر فوراً" پہچان گئی۔ اس نے شمشیر کو بتایا کہ اریبہ اس کے گھر میں حفاظت سے ہے۔ شمشیر اب اریبہ کو واپس پہنچانا چاہتا تھا' لیکن اریبہ نہیں چاہتی کہ کوئی شمشیر علی کو مجرم سمجھے۔ وہ ایک منصوبہ بناتی ہے۔ جس کے تحت شمشیر علی اسے اسپتال میں داخل کرا کے توصیف احمد کو اطلاع کردیتا ہے۔ توصیف احمد اس کے ساتھ اسپتال پہنچے اور اریبہ کو گھر لے آئے۔

اریبہ کو دیکھ کر اجلال کو محسوس ہوا کہ وہ اس کی محبت سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا۔

۱۵

پندرہویں قسط

رات کے کھانے کے بعد اریبہ اپنے کمرے میں آئی تو اس کا سیل فون بج رہا تھا اور کیونکہ یہ نمبر ابھی صرف شمشیر علی کے پاس گیا تھا' اس لیے وہ یہی سمجھی کہ تاجور کے لیے بے قرار ہو کر اس نے فون کیا ہوگا' جب ہی فوراً" کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو.....!"

"کیسی ہو اریبہ.....؟" دوسری طرف اجلال رازی تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی اریبہ شش و پنج میں پڑ کر کچھ بول نہیں سکی۔

"ناراض ہو.....؟" رازی بہت محتاط انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"نہیں! میں سوچ رہی تھی' میرا یہ نیا نمبر تمہارے پاس کیسے آیا؟" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"شام میں سارہ سے لیا تھا۔ کیا نہیں لینا چاہیے تھا؟" رازی نے کہا تو وہ مطمئن ہو کر بات بدل گئی۔

"رازی! مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں اپنے گھر آگئی ہوں۔ ابھی تک خواب سا لگ رہا ہے۔"

"یہ خواب نہیں ہے اریبہ! اس سے پہلے جو گزرا' اسے خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔" رازی کا لہجہ گمبھیر تھا جانے اسے تسلی دے رہا تھا یا وہ خود بھی یہی چاہتا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکی۔

"پتا نہیں بھلا پاؤں گی کہ نہیں۔" وہ آزردگی میں گھر گئی۔

"سنو! تم کسی بات کو خود پر طاری مت کرو۔ کچھ دن آرام کرو' پھر اپنی نارمل روٹین پر آجاؤ۔" رازی نے اس کی ڈھارس بندھائی تو وہ پگھلنے لگی۔

"ایک بات بتاؤ رازی! اس تمام عرصے میں تم نے میرے بارے میں کتنا اور کیا کیا سوچا تھا؟"

"اس وقت میں صرف اتنا کہوں گا اریبہ! کہ ہر سوچ کے اختتام پر میرا دل چاہتا تھا کہ زمین آسمان ایک کردوں اور تمہیں کہیں سے ڈھونڈ نکالوں۔" رازی نے کہا تو وہ ڈوبتے دل کے ساتھ بولی۔

"زندہ یا مردہ؟"

"میری سانسیں چل رہی تھیں۔" رازی کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب ہوائیں تمہاری سانسوں کی مہک لیے آتی تھیں اور تمہاری سانسوں کے ساتھ میری سانسیں جڑی ہیں۔" رازی کی وضاحت پر وہ خاموش ہوگئی۔

"اریبہ! کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے؟" رازی نے پکار کر پوچھا۔

"ہے بھی اور نہیں بھی۔" اس نے کہہ کر موبائل آف کردیا' کیونکہ ابھی اسے اپنی بات کی وضاحت نہیں کرنی

تھی۔ کچھ دیر وہیں کھڑی وہ رازی کی باتوں کو سوچتی رہی' پھر کمرے سے نکل آئی۔ سب لوگ پتا نہیں کہاں تھے سارہ بھی ٹی وی لاؤنج میں نہیں تھی۔

"سارہ شاید مما کے پاس ہوگی۔" وہ سوچتے ہوئے یاسمین کے کمرے میں داخل ہوتے ہی رک گئی۔ یاسمین نماز پڑھ رہی تھیں۔ آتشی دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ اریبہ بے خودی اسے دیکھے گئی۔ ماں کا ایسا روپ تو شاید اس نے خود بھی کبھی تصور نہیں کیا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹا کچھ چاہیے؟" یاسمین نے سلام پھیر کر اریبہ کو دیکھا۔

"نہیں۔" وہ چونک کر بولی۔ "وہ میں سارہ کو دیکھنے آئی تھی۔"

"سارہ ڈرائنگ روم میں ہوگی۔ وہیں نماز پڑھتی ہے۔" یاسمین نے بتایا تو وہ سرہلا کر پوچھنے لگی۔

"آپ نے نماز پڑھ لی مما؟"

"ہاں بیٹا! نماز تو پڑھ لی۔ اب منت کی نفلیں پڑھ رہی ہوں۔ تمہاری سلامتی اور واپسی کی مانی تھیں۔ چلو! پھر پڑھ لوں گی۔ تم آؤ بیٹھو۔" یاسمین کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں مما! میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ آپ اپنی نفلیں پوری کریں۔" وہ کہہ کر وہیں سے پلٹ آئی۔ اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ سست روی سے چلتے ہوئے واپس اپنے کمرے میں آکر بیٹھی تھی کہ سارہ دروازے سے جھانک کر پوچھنے لگی۔

"سو رہی ہو؟"

"نہیں! تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ آجاؤ۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"آتی ہوں۔" سارہ کو اچانک جانے کیا یاد آیا کہ پلٹ کر بھاگی۔ پھر فوراً" واپس بھی آگئی اور اس کے برابر بیڈ پر دھم سے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں! اب سناؤ۔"

"کیا سناؤں؟" وہ بے دھیانی سے بولی۔

"یہی کہ کیسا لگ رہا ہے تمہیں؟ خواب سے جاگی ہو یا ابھی بھی خواب سفر میں ہو۔" سارہ کے ہلکے پھلکے انداز نے اسے مسکرانے پر اکسایا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔

"تمہیں پتا ہے سارہ! میں کسی بات کو خود پر طاری نہیں کرتی۔ جو ہوا سو ہوا۔ ہاں! اگر تم یہ جاننے کو بے چین ہو کہ میرے ساتھ کیا ہوا تو تمہاری بے چینی کم کرنے کو بتا دیتی ہوں۔ ویسے مجھے خود نہیں پتا۔"

"کیا نہیں پتا؟"

"یہی کہ مجھے کس نے کڈنیپ کیا۔ کہاں رکھا اور ان لوگوں کا مقصد کیا تھا۔ یہ سب میں نہیں جان پائی' بلکہ کوئی بھی نہیں جان پایا میرا مطلب ہے' وہاں اور لڑکیاں بھی تھیں اور تمہیں شاید یقین نہ آئے' ہمارے ساتھ برا سلوک نہیں ہوا۔" وہ بہت سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

"سچ اریبہ!" سارہ اس کی آخری بات پر پرجوش ہوگئی۔ "میں یہی دعا کرتی تھی' اللہ تمہیں محفوظ رکھے اور میں اللہ کو تمہاری نیکی کا واسطہ دیتی تھی۔"

"میری نیکی؟" وہ نہ سمجھنے کے انداز میں سارہ کو دیکھنے لگی۔

"ہاں! تمہاری نیکی کام آئی۔ تم بے سہارا تاجور کو اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ یہ نیکی نہیں تو اور کیا ہے؟" سارہ نے کہا تو وہ سر جھکا کر بولی۔

"پتا نہیں۔"

"اچھا خیر! پھر تم وہاں سے نکلیں کیسے؟" سارہ نے پوچھا تو اس کا جواب وہ پہلے ہی سوچ چکی تھی۔

"وہاں سے نکلنا تو ممکن نہیں تھا۔ اس لیے مجھے لگتا تھا جیسے میری زندگی اسی زنداں میں گزر جائے گی۔ لیکن کل وہ لوگ ہمیں شاید کہیں اور شفٹ کر رہے تھے تو راستے میں مجھے موقع ملا اور میں ٹرک سے کود گئی۔ پھر پتا نہیں کون مجھے وہاں سے اٹھا کر اسپتال لے گیا اور پتا نہیں ڈیڈی کو کس نے بتایا۔ خیر شکر ہے میں گھر پہنچ گئی۔" اس نے آخر میں لمبی سانس کھینچی تھی۔

"ہاں! اللہ کا بڑا شکر ہے۔ ہم سب تو اب تقریباً" مایوس ہی ہو چکے تھے۔" سارہ نے کہا' پھر اسے دیکھ کر مسکرائی جواباً" وہ بھی مسکرائی' پھر پوچھنے لگی۔

"اب تم بتاؤ! میری گمشدگی کو یہاں کیا نام دیا گیا؟"

"کوئی نام نہیں دیا گیا۔ قیاس آرائیاں تھیں۔" سارہ نے کندھے اچکا کر یوں سرسری انداز میں کہا' جیسے اب وہ ساری باتیں غیر اہم ہوں اور تھا تو ایسا ہی' لیکن وہ جاننا چاہتی تھی' جب ہی زور دے کر بولی۔

"وہی تو میں جاننا چاہتی ہوں' کیا کیا قیاس آرائیاں ہوئیں؟"

"ایسی وارداتوں پر جو ہوتی ہیں۔ یعنی پہلے یہی سمجھا گیا کہ کڈنیپ کرنے والے رقم کا مطالبہ کریں گے' لیکن جب کوئی فون نہیں آیا تو ڈیڈی نے تمہاری گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی۔ پھر یہ سمجھا جانے لگا کہ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ پتا نہیں تم زندہ بھی ہو کہ نہیں۔ بس ایسی ہی باتیں تھیں۔" سارہ کو اب وہ سب سوچ کر بھی کوفت ہو رہی تھی' جب ہی یوں سرہلایا' جیسے یہ موضوع ختم کرو۔

"کسی کو یہ خیال بھی آیا ہوگا کہ میں کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہوں۔" اس نے بظاہر جتنے آرام سے پوچھا' سارہ اسی قدر اچھلی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟ ایسا کون سوچ سکتا ہے؟ جانتے نہیں ہیں کیا ہم سب تمہیں؟ جو کرنا چاہتی ہو' ڈنکے کی چوٹ پہ کرتی ہو۔"

اریبہ ہنس کر یہ تاثر دینے لگی' جیسے اس نے جان بوجھ کر سارہ کو اکسایا ہو۔

* * *

ساجدہ بیگم اریبہ کی واپسی کا سن کر خاموش بیٹھی تھیں۔ پتا نہیں ان کے پاس کہنے کو کچھ تھا نہیں یا سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس خبر پر ان کا ردعمل کیا ہونا چاہیے۔ جبکہ اجلال رازی' اریبہ کا بتا کر انجان بننے کی کوشش کر رہا تھا' پھر کتنی دیر بعد ساجدہ بیگم بولی تھیں۔

"شکر ہے! بچی گھر آگئی۔ اس کے ماں باپ کے لیے بڑی آزمائش تھی۔ اللہ ایسی آزمائش میں کسی کو نہ ڈالے۔" پھر پوچھنے لگیں۔

"تم کیا کہتے ہو رازی! میں جاؤں اریبہ سے ملنے؟"

"پتا نہیں امی! مجھے نہیں پتا اس موقع پر آپ کو کیا کرنا چاہیے۔" رازی نے دامن بچایا' پھر ساجدہ بیگم کو شش [illegible] دیکھ کر کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے امی ابھی رہنے دیں۔ نہ جائیں آپ۔"

"عجیب مشکل ہے' نہ جاؤں تو بھی باتیں بنیں گی اور چلی جاؤں تب بھی نہیں بخشا جائے گا۔" ساجدہ بیگم اپنے

آپ سے ہی بولی تھیں۔

"جب ہر دو صورت میں باتیں ہی بنتی ہیں تو بس' آپ نہیں جائیں گی۔" رازی کے فیصلہ کن انداز پر ساجدہ بیگم خاموش ہو گئیں' پھر قدرے رک کر پوچھنے لگیں۔

"اچھا! یہ بتاؤ' اریبہ ہے کیسی؟"

"ٹھیک ہے! رات میں نے فون کیا تھا۔ اس وقت اور بہتر لگی۔" رازی نے سیدھے سادے انداز میں بتایا' پھر بھی ساجدہ بیگم ٹھٹک گئیں۔

"تم نے اریبہ کو فون کیا تھا؟"

"جی!" اس نے اثبات میں سرہلایا' پھر ساجدہ بیگم کا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"آپ حیران کیوں ہو رہی ہیں امی؟"

"میں تمہیں سمجھ نہیں پا رہی۔ اریبہ کو فون کرنے کا مطلب؟ کیا تم اس سے منگنی قائم رکھنا چاہتے ہو؟" ساجدہ بیگم کا ذہن یہی بات سوچ سکتا تھا۔

"اوہو امی! اریبہ کو فون کرنے کا یہ مطلب کیسے نکال لیا آپ نے؟" وہ جھنجلا گیا۔

"ایسا سوچیے گا بھی مت۔ میں آپ کو جو فیصلہ سنا چکا ہوں' وہی آخری ہے۔ اریبہ میری چچازاد ہے اور بس۔"

"اچھا تو ناراض کیوں ہو رہے ہو۔ یوں بھی مجھے اس سلسلے میں تم سے بات کرنی تھی۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ عاجز ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بس امی! جو بات ختم ہو گئی۔ اسے بار بار مت دہرائیں۔"

"میں اس بات کو نہیں دہرا رہی۔" ساجدہ بیگم کو غصہ آگیا۔ "تم اپنا فیصلہ سنا کر فارغ ہو گئے۔ اب باقی سب تو مجھے جھیلنا ہے۔ کس کس کو کیا کیا جواب دوں گی' سوچا تم نے؟"

"آپ کیوں جواب دیں گی؟" وہ بے سوچے سمجھے بول کر ایک دم خاموش ہو گیا۔ غالباً" احساس ہو گیا تھا کہ ساجدہ بیگم غلط نہیں کہہ رہیں۔ تب خود پر قابو پا کر کہنے لگا۔

"میرا مطلب ہے امی! آپ ابھی کسی سے کچھ مت کہیں۔ میرا فیصلہ ہے' اسٹینڈ بھی میں ہی لوں گا۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کا وقار مجروح نہیں ہونے دوں گا۔"

ساجدہ بیگم اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ بولنے سے قصداً" خود کو باز رکھا تھا۔

* * *

شمشیر علی کو اریبہ نے گیارہ بارہ بجے کا ٹائم دیا تھا' پھر بھی وہ صبح نو بجے سے ہی فضل کریم کے پاس آبیٹھا اور ہر آنے والی گاڑی کو دیکھ کر یوں چوکنا ہو جاتا' جیسے اس میں سے اریبہ نکلے گی اور فضل کریم جو ہمیشہ اس کی حرکات نوٹ کرتا تھا' پھر ٹوکنا بھی ضرور تھا تو ابھی بھی ٹوک دیا۔

"کیا بات ہے باؤ! کسی کا انتظار ہے؟"

"ہاں ....!" وہ بے اختیار بول کر سنبھل ہی گیا تھا۔ "ایک ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لیا تھا۔ اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"خیر تو ہے کیا تکلیف ہے تجھے؟" فضل کریم نے اس کی صحت کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"دل کو روگ لگ گیا ہے۔" وہ خود ہی محظوظ ہوا تو فضل کریم نے فوراً" ٹوک دیا۔

"توبہ کرو باؤ! ایسی باتیں مذاق میں بھی منہ سے نہیں نکالتے۔ اللہ بچائے ان بیماریوں سے۔"

"ہاں! لیکن میں مذاق نہیں کر رہا۔ ڈاکٹر کو دکھانے ہی آیا ہوں۔ ویسے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ بدہضمی سے بھی دل پر اثر پڑتا ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں فضل کریم کو مطمئن بھی کر دیا۔

"کیا نام ہے ڈاکٹر کا؟" فضل کریم نے پوچھا۔

"ڈاکٹر ابرار احمد۔ دیکھتا ہوں شاید آگئے ہوں۔" وہ فضل کریم کے مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر اٹھ گیا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا سیدھا اسپتال کے کیفے ٹیریا میں آبیٹھا اور دوبارہ اریبہ کو میسج کر کے اپنے وہاں پہنچنے کا بتایا پھر چائے آرڈر کر کے اخبار پڑھنے لگا۔ کسی طرح وقت تو گزارنا ہی تھا۔

تقریباً" ساڑھے گیارہ بجے اریبہ آئی تو وہ اسے دیکھے گیا۔ جبکہ ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔

"ہیلو....!" اریبہ نے سامنے بیٹھ کر اسے متوجہ کیا۔ تب اس نے یوں سرہلایا جیسے اپنی کسی سوچ پر خود کو سرزنش کر رہا ہو۔

"کیا بات ہے' تم حیران ہو' پریشان یا کوئی اور بات؟" اریبہ نے ٹوکا تو نفی میں سرہلا کر پوچھنے لگا۔

"تاجور کیسی ہے؟"

"بہت اچھی.... میرا دل چاہ رہا تھا اسے بھی ساتھ لے آؤں۔" اریبہ کی بات پر وہ بے چین ہو کر فوراً" بولا۔

"لے آتیں۔"

"نہیں شام! ہماری اب تک کی پلاننگ کامیاب رہی ہے۔ اس لیے آگے بھی ہمیں سوچ سمجھ کر چلنا چاہیے۔"

"اب کیا سوچنا ہے؟"

"کیوں؟ تم تاجور سے کیا کہو گے کہ تم اسے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟ جبکہ میں اسے اس اپارٹمنٹ تک لے گئی تھی' جہاں تم رہتے تھے۔ پھر اب وہ صرف تمہاری بہن نہیں ہے کہ تم اسے لے کر چلتے بنو۔" اریبہ اب اپنے اسی اعتماد کے ساتھ بات کر رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا....؟"

"مطلب یہ کہ اس عرصے میں تاجور ہمارے گھر کی فرد بن چکی ہے۔ میں اسے ایسے ہی تمہارے حوالے نہیں کروں گی۔ میرا مطلب ہے' ابھی جہاں تم رہتے ہو۔ وہ جگہ تاجور کے لیے مناسب نہیں ہے۔ تم پہلے اچھی جگہ رہائش کا انتظام کرو' کیونکہ تاجور کو اچھے ماحول کی ضرورت ہے۔" اریبہ کی بات وہ سمجھ رہا تھا۔ پھر بھی پریشان ہو گیا۔

"میں کر لوں گا۔ سب کر لوں گا۔ لیکن اس میں وقت لگے گا۔ جبکہ میرے لیے اب ایک ایک پل کاٹنا مشکل ہے۔ جب تک میں تاجور سے نہیں مل لوں گا' کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"ہاں تو میں تمہیں تاجور سے ملوا رہی ہوں ناں۔" اریبہ نے کہا تو وہ بے تابی سے بولا۔

"کب....؟"

"آج شام میں۔" اریبہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اس کی پل پل بدلتی کیفیت دیکھ رہی تھی۔

"واقعی....؟"

"ہاں! شام میں' جب میں تمہیں اپنے گھر کا ایڈریس سینڈ کروں تو تم آجانا اور سوچ کر آنا کہ تمہیں تاجور سے کیا کہنا ہے۔ جیسے میں نے اپنی بہن کو من گھڑت کہانی سنائی ہے۔ ٹھیک ہے؟" اریبہ بات ختم کر کے جانے کو تیار ہوئی تو وہ ایک دم بول پڑا۔

"بہت مشکل ہے۔ شام تک کا وقت کیسے کٹے گا۔ کہیں اس سے پہلے میری زندگی کی شام نہ ہو جائے۔"

"تم۔۔۔" اریبہ کچھ کہتے کہتے رک گئی اور پر سوچ انداز میں اسے دیکھنے لگی' پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر بولی۔ "چلو! آؤ ابھی چلو میرے ساتھ۔"

"ابھی؟" وہ حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔

اریبہ اسے اشارہ کر کے چل پڑی تو وہ یوں ہی حیران حیران سا اس کے پیچھے آیا تھا۔

پھر تمام راستے وہ یہی سوچتا رہا کہ تاجور سے کیا کہے گا۔ اسے بتائے بغیر وہ کہاں چلا گیا تھا۔ بہت ساری باتیں بلکہ بہانے اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ابھی وہ کسی ایک بات پر قائم نہیں ہوا تھا کہ اریبہ گاڑی روک کر اسے دیکھنے لگی۔

"سنو! کوئی اتنا گنبھیر مسئلہ نہیں ہے۔ معصوم تاجور تمہاری ہر بات کا یقین کر لے گی۔ چلو اٹھو۔" اریبہ کہہ کر گاڑی سے اتر گئی۔

پھر شمشیر علی کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر وہ تیزی سے اندر آئی۔

"سارہ! تاجور!" لابی سے پکارتے ہوئے اریبہ نے پہلے اپنے کمرے میں جھانک کر سارہ کو آنے کا اشارہ کیا' پھر تاجور کے کمرے میں آ گئی۔

"کیا ہوا؟" سارہ فوراً" ہی اس کے پیچھے آ گئی۔

"گڈ نیوز۔۔۔!" وہ سارہ سے کہہ کر تاجور سے مخاطب ہو گئی۔ "تاجور! میں تمہارے لیے خوش خبری لائی ہوں۔ تمہارا بھائی مل گیا ہے۔"

"ہائیں باجی۔" تاجور خوشی اور حیرت کی ملی جلی تصویر بن گئی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہو؟ کہاں ملا اس کا بھائی اور تم نے اسے کیسے پہچانا؟" سارہ نے اسے بازو سے بھینچ کر پوچھا تو وہ تاجور کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"پہلے اسے سنبھالو۔ کہیں بے ہوش ہی نہ ہو جائے۔"

"تاجور!" سارہ نے بھاگ کر تاجور کو کندھوں سے تھام کر بٹھایا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کہنے لگی۔ "دیکھا تمہاری دعائیں کیسے رنگ لائیں۔ تم نے کہا تھا' اریبہ باجی آ گئی ہیں' اب تمہارا بھائی بھی مل جائے گا۔ مل گیا تمہارا بھائی۔"

"باجی!" تاجور اریبہ کو دیکھ کر بس اسی قدر کہہ سکی۔ اس کا دل قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں! بتاؤ اسے کہاں ملا اس کا بھائی۔" سارہ نے اپنا تجسس تاجور سے منسوب کر کے اریبہ کو دیکھا۔

"اسپتال میں۔۔۔ میرا مطلب ہے ابھی اسپتال گئی تھی نا تو وہاں کاؤنٹر پر ایک آدمی تاجور کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ بس پھر تاجور کا نام سنتے ہی میں اس کے پاس چلی گئی۔ پورا انٹرویو لے ڈالا اس کا اور جب یقین ہو گیا کہ وہ تاجور کا بھائی ہے تو اسے اپنے ساتھ لے آئی۔" اریبہ اپنے کارنامے پر خوش ہو رہی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے۔۔۔" سارہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں! شمشیر علی ڈرائنگ روم میں موجود ہے۔ آؤ تاجور!" اریبہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور تاجور کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ جہاں شمشیر علی دروازے پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

"بھائی!" تاجور تڑپ کر بھاگی تھی اور اگلے پل شمشیر علی کے سینے سے لگی مچل مچل کر رو رہی تھی۔ یہی حال شمشیر علی کا تھا۔

اریبہ الٹے پیروں وہاں سے نکل آئی۔ اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ کسی توانا مرد کو ٹوٹ کر روتے دیکھنا دل

گروے کا کام تھا۔

”کیا ہوا، سچ تاجور کا بھائی ہے؟“ سارہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا، پھر آنکھوں کی نمی انگلیوں سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

”بہت رو رہے ہیں دونوں۔ مجھ سے دیکھا نہیں گیا۔ خیر! تم کچھ چائے، کھانے کا انتظام کرو۔“

”وہ تو میں کرتی ہوں۔ تم یہ بتاؤ، کیسا ہے تاجور کا بھائی؟ میرا مطلب ہے، وہ جو کہتی ہے پڑھا لکھا۔“

”ہاں! ایسا ہی ہے۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“ اس نے تصدیق کرنے کے بعد پوچھا تو سارہ تمہید باندھنے لگی۔

”اصل میں تاجور کی زبانی اتنا کچھ سن چکی ہوں کہ ......“

”اچھا! ٹھیک ہے۔ تم چائے لے کر آجانا۔“ اس نے کہتے ہوئے واش روم کا رخ کیا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، پھر کچھ دیر ٹھہر کر ڈرائنگ روم میں آئی تو دونوں بہن بھائی پر سکون ہو چکے تھے۔

”بھائی! یہ اریبہ باجی ہیں۔“ تاجور اسے دیکھتے ہی بتانے لگی۔ ”یہ مجھے اپنے ساتھ لے کر آئی تھیں۔ پھر انہوں نے میرا علاج بھی کیا۔ اب تو میں بالکل ٹھیک ہو گئی ہوں۔“

”ہاں! میں بہت شکر گزار ہوں تمہاری اریبہ باجی کا۔ اچھی مسیحا ہیں۔“ شمشیر علی تاجور سے کہتے ہوئے آخر میں اسے دیکھ کر مسکرایا تو اس نے فوراً آنکھوں سے محتاط رہنے کا اشارہ کیا۔

تب ہی سارہ چائے کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے آگئی۔

”بھائی! یہ سارہ ہیں۔ مجھے اردو اور انگریزی پڑھاتی ہیں۔۔۔ اور پتا ہے بھائی! میں نے قرآن شریف بھی ختم کر لیا ہے۔“ تاجور کی خوشی، جوش اور شوق قابلِ دید تھا۔

شمشیر علی ممنونیت کے احساس میں گھرا باری باری دونوں بہنوں کو دیکھ کر کہنے لگا۔

”میں آپ دونوں کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ میری بہن کو نئی زندگی دی ہے آپ نے اور بالکل ایسی جیسی میں اس کے لیے سوچتا تھا۔ یہ آپ کا مجھ پر ایسا احسان ہے، جو میں کبھی، کسی صورت نہیں اتار سکتا۔“

”ہم نے کوئی احسان نہیں کیا، لیکن آپ ضرور احسان کیجیے گا کہ تاجور کو ہم سے ملواتے رہیے گا۔ کیوں تاجور! آتی رہو گی ناں؟“

سارہ نے شمشیر علی سے کہتے ہوئے تاجور سے پوچھا تو وہ زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگی، جبکہ اریبہ کچھ سٹپٹائی تھی۔ شمشیر علی کو دیکھا پھر سارہ کو مخاطب کر کے بولی۔

”سارہ! تاجور ابھی نہیں جا رہی۔ کیونکہ ابھی ان کے پاس رہائش نہیں ہے۔“

”جی! لیکن میں جلد ہی انتظام کر لوں گا، تب تک آپ کو اعتراض نہ ہو تو تاجور......“ شمشیر علی کو سارہ کے سامنے بات کرنے میں دقت ہو رہی تھی۔

”لیجیے اعتراض کیوں ہو گا۔ میں تو تاجور کے جانے کا سوچ کر ہی پریشان ہو گئی تھی۔ چلو! اچھا ہے، ابھی یہ یہیں رہے گی۔“ سارہ کی بات سن کر تاجور شمشیر علی کو دیکھنے لگی تو وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

”بس تھوڑے دنوں کی بات ہے تاج! پھر میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ ویسے میں نے اریبہ صاحبہ کا نمبر لے لیا ہے۔ اس دوران تمہیں فون کرتا رہوں گا۔“

”ملنے بھی آ سکتے ہیں۔ کوئی پابندی نہیں ہے۔“ اریبہ نے کہہ کر چائے کا کپ اٹھا لیا تو وہ زیرِ لب مسکرانے لگا۔

☆ ☆ ☆

شمشیر علی بہت خوش تھا۔ اس نے اسی روز سے رہائش کے ساتھ فل ٹائم جاب کی تگ و دو شروع کر دی تھی۔ کیونکہ پارٹ ٹائم جاب سے وہ کسی اچھے علاقے میں اپارٹمنٹ نہیں لے سکتا تھا۔ گو کہ سی اے میں ابھی اس کا ایک سال باقی تھا اور اسے یونیورسٹی جوائن کرنے کا خیال بھی آیا تھا، لیکن پھر اس نے سختی سے اس خیال کو جھٹک دیا تھا۔ کیونکہ وہ اریبہ کے سامنے عہد کر چکا تھا کہ جب تک اریبہ اپنی منزل کو نہیں پہنچے گی، وہ اپنی منزل کی طرف جانے والے راستے پر قدم بھی نہیں رکھے گا۔ گو کہ اسے اریبہ کی منزل کا کچھ پتا نہیں تھا، نہ اس کے خوابوں سے آگاہی تھی۔ لیکن اس عرصے میں وہ اتنا ضرور جان گیا تھا کہ اریبہ کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے۔ نہ ہی وہ خوابوں میں رہنے والی لڑکی نظر آئی تھی۔ اس کے باوجود اس کے کچھ خواب تھے، جب ہی تو اس نے کہا تھا۔

”لڑکیوں کے خواب کانچ کی مانند ہوتے ہیں۔ ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ شاید اسی لیے قدرت نے لڑکیوں کی فطرت میں خاص وصف رکھا ہے کہ خواب ٹوٹ جائیں تو دنیا تیاگ کے نہیں بیٹھتی ہیں، نہ مرتی ہیں۔ بس جیے جاتی ہیں۔“

”تم بھی کیا بس جیے جاؤ گی؟“ شمشیر علی نے اس وقت بھی ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا تھا اور جواب میں اریبہ کی پلکوں سے ٹوٹتے موتی اس کے دل میں ترازو ہو گئے تھے۔ تب ہی اس نے عہد کیا تھا اور وہ عہد شکن نہیں تھا۔

بہر حال اس نے جاب کے لیے کئی جگہوں پر درخواست دے دی تھی، لیکن دو ہفتے بعد بھی کہیں سے کال نہیں آئی تھی۔ جس سے وہ خاصا پریشان ہو گیا تھا۔ گو کہ تاجور کا اب کوئی مسئلہ نہیں تھا، بلکہ اس کی طرف سے وہ مکمل مطمئن تھا۔ پھر بھی وہ چاہتا تھا، تاجور کو جلد سے جلد اپنے پاس نہ لے آئے۔ کیونکہ اس کے خیال میں کسی کی مہربانی اور احسان پر تکیہ نہیں کر لینا چاہیے۔ اس لیے وہ بہت جلدی چاہ رہا تھا، لیکن اسی قدر اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

اس وقت وہ ایک جگہ انٹرویو دے کر نکلا تو خاصا بددل ہو رہا تھا۔ کیونکہ انٹرویو کے دوران اس نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ محض خانہ پُری ہے جبکہ جگہ پہلے سے پُر ہو چکی ہے۔ پتا نہیں لوگوں کو محض رعب جھاڑنے کا شوق کیوں ہوتا ہے۔ وہ پراگندہ سوچوں میں گھرا پارکنگ میں اپنی گاڑی کی تلاش میں نظریں دوڑا رہا تھا کہ اپنے قریب گاڑی رکنے پر چونک کر ادھر متوجہ ہوا تھا۔

گاڑی میں پچھلی نشست پر بیٹھے توصیف احمد نے اسی کو دیکھ کر گاڑی رکوائی تھی۔

”السلام علیکم!“ شمشیر علی نے انہیں دیکھتے ہی سلام کیا۔

”وعلیکم السلام۔“ توصیف احمد نے جواب کے ساتھ گاڑی کا دروازہ کھول دیا تو وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔

”کم آن مسٹر شمشیر آئی وانٹ ٹو ٹاک ٹو یو۔“ توصیف احمد نے کہا تو اس نے پہلے پارکنگ میں پھنسی اپنی گاڑی پر نظر ڈالی، پھر ان کے ساتھ بیٹھتے ہی اس کا ذہن جیسے اچانک بیدار ہو گیا تھا اور پہلا خیال یہی آیا کہ توصیف احمد اس سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔

”یہاں جاب کرتے ہو؟“ توصیف احمد نے اس بلڈنگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا، جہاں سے وہ نکلا تھا۔

”نو سر! یہاں میں انٹرویو کے لیے آیا تھا۔“ اس نے صاف گوئی سے بتایا۔

”اس کا مطلب ہے، آج کل جاب لیس ہو۔“ توصیف احمد نے اسے دیکھا اور اس کے جواب دینے سے پہلے ہی کہنے لگے۔ ”میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ میں نے تم سے کہا بھی تھا۔“

اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ یوں جیسے دوبارہ اس آفس میں کام کرنا ممکن نہیں ہے، جہاں وہ پورے اسٹاف کے سامنے گرفتار ہوا تھا۔

”میں سمجھ سکتا ہوں، تم کیوں منع کر رہے ہو۔“ توصیف احمد خود ہی کہنے لگے۔ ”لیکن مجھے تم جیسے محنتی اور ایمان دار شخص کی ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے پاس ایک آدمی بھی بھیجا تھا، لیکن تم شاید وہ اپارٹمنٹ چھوڑ

چکے ہو۔"

"جی.....!" وہ اندر ہی اندر جز بز ہو رہا تھا۔

"ابھی تمہاری رہائش کہاں ہے؟"

"ابھی میرے پاس اپنی رہائش نہیں ہے سر! ایک دوست کے ساتھ رہتا ہوں۔" اس نے مصلحتاً "مبالغہ آرائی" کی۔

"ہوں!" توصیف احمد نے چند لمحے کچھ سوچا' پھر کہنے لگے۔ "ہاں! تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں سائٹ پر اپنے آفس کی نئی برانچ کا آغاز کر رہا ہوں۔ وہاں کے لیے میں تمہیں جاب کے ساتھ رہائش بھی آفر کر رہا ہوں۔ وہاں نیا اسٹاف تم خود اپائنٹ کرو گے۔"

اس نے فوراً" جواب نہیں دیا' البتہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ دونوں ضرورتیں ایک ساتھ پوری ہو رہی تھیں۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارے احسان کا بدلہ اتارنا چاہتا ہوں۔" توصیف احمد جیسے اس کی سوچ پڑھ کر گویا ہوئے تھے۔ "اور نہ ہی تم اسے میری غلطی کی تلافی کی کوشش سمجھنا۔ مجھے واقعی تمہاری ضرورت ہے۔ تمہاری صلاحیتیں میں آزما چکا ہوں۔ کسی نئے آدمی کو میں اتنی بڑی ذمہ داری نہیں سونپ سکتا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو؟"

"جی.....!" اس نے پرسوچ انداز میں ہی اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر کب سے جوائن کر رہے ہو؟"

"جی!" اس نے چونک کر توصیف احمد کو دیکھا۔

* * *

ساجدہ بیگم' امینہ کو ساتھ لے کر توصیف ولا آئی تھیں۔ اریبہ کی گمشدگی ایسا معاملہ تھا کہ ہر ایک اپنے آپ میں شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ تینوں خواتین یعنی ساجدہ بیگم' امینہ اور یاسمین ایک دوسرے سے نظریں ملانے سے بھی کترا رہی تھیں۔ آخر یاسمین ہمت کر کے بولی۔

"اللہ نے بڑا کرم کیا ہے' میری بچی کو مجھ سے ملا دیا۔"

"ہاں! توصیف بھائی کی کوئی نیکی کام آئی ہے۔" امینہ بے ساختہ کہہ گئیں' جس پر ساجدہ بیگم گھبرا کر بات بدل گئیں۔

"ہے کہاں اریبہ؟"

"کمرے میں ہے۔ بلاتی ہوں۔" یاسمین کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔

"دیکھ رہی ہیں بھابھی! یاسمین کو؟ کیسی نیک پروین بننے کی کوشش کر رہی ہے۔" امینہ نے ساجدہ بیگم کو مخاطب کر کے یاسمین کے گھریلو حلیے پر نکتہ چینی کی۔

"اللہ اس کی کوشش کو کامیاب کرے۔ بچوں کے لیے اچھی ماں ہی بن جائے۔" ساجدہ بیگم نے امینہ کی نکتہ چینی کی حوصلہ افزائی نہیں کی' جس پر امینہ منہ بنا کر بولیں۔

"بس کریں بھابھی! یہ عورت سدھرنے والی نہیں ہے۔"

"اچھا! چپ ہو جاؤ۔ آ رہی ہے۔" ساجدہ بیگم نے ٹوک کر کہا۔ تب ہی یاسمین کے ساتھ اریبہ نے آتے ہی خوشی کا اظہار کیا اور لپک کر پہلے امینہ کے گلے لگی' پھر ساجدہ بیگم کی آغوش میں سمٹی تو ہمیشہ والی نرمی گرمی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اسے لگا' جیسے وہ اجنبی بانہوں میں آن سمائی ہو۔

"کیسی ہیں تائی امی آپ؟" اریبہ' ساجدہ بیگم کی بانہوں سے نکل کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"شکر ہے۔ تم ٹھیک ہو؟" ساجدہ بیگم کے لہجے اور نظروں میں بھی ہمیشہ والی اپنائیت نہیں تھی۔

"جی.....!" اریبہ اٹھ کر یاسمین کے پاس بیٹھ گئی اور جیسے خود کو سہارا دینے کے لیے یاسمین کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔ "بہت پریشان ہوئے آپ سب میرے لیے اور دیکھیں! آپ سب کی دعاؤں سے میں زندہ سلامت واپس آ گئی۔ ورنہ مجھے تو بالکل امید نہیں تھی کہ میں پھر کبھی آپ سب کو دیکھ سکوں گی۔"

"بس بیٹا! بھول جاؤ سب۔" یاسمین نے اریبہ کا ہاتھ تھپک کر کہا۔

"میں تو بھول جاؤں مما! لیکن لوگ تو نہیں بھولیں گے' ہے ناں تائی امی؟" اریبہ نے بظاہر سادہ انداز میں کہہ کر ساجدہ بیگم کو مخاطب کیا تو وہ بمشکل سنبھل کر بولیں۔

"لوگوں کا کیا ہے' انہیں تو موضوع ملنا چاہیے۔"

"اور کیا۔ اپنے گریبان میں کوئی نہیں جھانکتا۔" سارہ جانے کب اریبہ کے پیچھے آن کھڑی ہوئی تھی ایک دم بولتے ہوئے سامنے آ گئی۔ تو یاسمین اسے گھور کر بولی۔

"سارہ! جاؤ بوا سے چائے کا کہو۔"

"وہ میں کہہ آئی ہوں۔" سارہ کہتے ہوئے امینہ کے پاس بیٹھ گئی۔ "شکر ہے پھوپھو! آپ آئیں تو۔"

"تمہارے لیے نہیں' میرے لیے آئی ہیں پھوپھو اور تائی امی بھی۔" اریبہ کو ساجدہ بیگم اور امینہ کا لیا دیا انداز بری طرح محسوس ہو رہا تھا' جب ہی اس نے قصداً" سارہ پر جتایا کہ شاید کوئی کہہ دے "ہاں! ہم اریبہ کے لیے آئے ہیں۔ ہمیں اریبہ کی محبت کھینچ لائی ہے۔" لیکن وہ دونوں خاموش تھیں۔

"پتا ہے' سب تمہارے لیے آتے ہیں۔ مجھے تو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔" سارہ نے کہا تو امینہ نے فوراً" اسے گلے لگا لیا۔

"ارے! تم تو میری لاڈلی' میری جان ہو۔"

"میں چائے بھجواتی ہوں مما!" اریبہ اٹھ کر چلی گئی تو یاسمین دل مسوس کر رہ گئی۔

"بس یاسمین بھابھی! اب آپ بیٹیوں کی شادی کا سوچیں..... بیٹیاں عزت' آبرو سے اپنے گھر بار کی ہو جائیں تو ماں باپ بھی سکون سے ہو جاتے ہیں۔"

امینہ کی بات سن کر سارہ اٹھ کر چلی گئی' جبکہ یاسمین کو اپنے دل سے بوجھ سرکتا محسوس ہوا' انکھیوں سے ساجدہ بیگم کو دیکھ کر بولی۔

"ہاں! چاہتی تو میں بھی یہی ہوں۔ دونوں بیٹیوں کے فرض سے سبک دوش ہو جاؤں۔"

"پھر کوئی رشتے ہیں آپ کی نظر میں؟" امینہ جانے کیا سوچ کر آئی تھیں۔ ساجدہ بیگم پریشان ہو گئیں۔

"رشتے؟" یاسمین کو جھٹکا لگا۔ امینہ کو دیکھ کر ناگواری سے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ جو بھی بات ہے' صاف کہو۔ آپ بتائیں ساجدہ بھابھی! امینہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔"

"میں نے کوئی فارسی نہیں بولی یاسمین بھابھی! سیدھی بات کی ہے۔ ظاہر ہے' رشتے ہوں گے تو شادی ہو گی۔" امینہ جانتی تھیں' ساجدہ بیگم سے جواب نہیں بن پڑے گا' جب ہی فوراً" بولیں۔

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں اور میری بیٹیوں کے لیے کمی نہیں ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ موجود ہے۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی بیٹی کا سوچو اور ساجدہ بھابھی! آپ کی بھی بیٹی بیٹھی ہے۔ برا مت مانیے گا۔ اپنے گھروں میں بیٹیاں رکھ کر آپ کو میری بیٹیاں کیوں کھل رہی ہیں؟" یاسمین کوشش کے باوجود خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔

"اللہ نہ کرے! کھلیں گی کیوں؟ بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں اریبہ اور سارہ کی فکر اس لیے ہے کہ توصیف بھائی ساتھ نہیں رہتے۔ باپ کا رعب ہو تو لڑکیاں من مانی نہیں کرتیں۔"

"یہ بات تمہیں اپنے بھائی کو سمجھانی چاہیے تھی۔ اس وقت' جب وہ دوسری کرنے جا رہے تھے۔ تب تو تمہیں توصیف کی بیٹیوں کا خیال نہیں آیا تھا۔" یاسمین بری طرح سلگ اٹھی۔

"یہ تم دونوں کو کیا ہوا ہے؟" ساجدہ بیگم نے گھبرا کر ٹوک دیا۔ "آمنہ! تم خاموش رہو۔ یاسمین نادان نہیں ہے۔ اپنی اولاد کی بہتری سوچ سکتی ہے۔"

یاسمین نے سر جھٹک کر منہ موڑ لیا۔ اس کے چہرے پر غصے کے ساتھ ناگواری واضح تھی۔

"تم ناراض مت ہو یاسمین! آمنہ بھتیجیوں کی محبت میں جو منہ میں آیا کہہ گئی۔ لیکن اس کا کوئی غلط مطلب نہیں تھا۔"

"اس کا جو بھی مقصد تھا' میں بہرحال سمجھ گئی ہوں۔" یاسمین جتا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساجدہ بیگم آمنہ کو دیکھنے لگیں۔

"چلتے ہیں بھابھی!" آمنہ نے ساجدہ بیگم کو مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اٹھتے ہی ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں بھی اٹھا دیا۔

* * *

یاسمین آمنہ کی باتوں سے اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ وہ دونوں صلاح مشورہ کر کے ہی آئی تھیں اور ساجدہ بیگم خود تو نہیں بولیں' لیکن آمنہ کی زبانی کہلوا دیا تھا کہ اریبہ اور رازی کے رشتے کو ختم سمجھا جائے۔ گو کہ واضح الفاظ میں نہیں کہا تھا اور یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ آمنہ اگر صاف لفظوں میں رشتہ ختم کرنے کی بات کرتیں تو یاسمین وجہ بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔

بہرحال اب جب یاسمین پر گھر اور بچوں کی اہمیت واضح ہو چکی تھی تو اس کے لیے اریبہ کی نسبت ٹوٹنا بڑی تکلیف دہ بات تھی۔ صرف اس لیے نہیں کہ اریبہ' رازی سے محبت کرتی تھی' بلکہ اس لیے کہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی اسے سزا مل رہی تھی اور یہ سزا ایسی ختم ہو جانے والی نہیں تھی۔ یاسمین سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے توصیف احمد کو فون کر کے آنے کو کہہ دیا تھا اور جب تک توصیف احمد آ نہیں گئے' وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ کیونکہ وقت نے اسے جو سبق سکھایا تھا' اس سے وہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔ پہلے وہ ذرا ذرا سی بات اریبہ اور سارہ کو بڑھا چڑھا کر بتاتی تھی' مگر اب ایسا نہیں تھا۔ اس نے پہلے توصیف احمد کو آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"ہاں! کیا ضروری بات کرنی ہے؟" توصیف احمد نے آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہی پوچھا۔

"وہ میں آپ کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ آمنہ اور ساجدہ بھابھی آئی تھیں اور آمنہ نے کچھ ایسی باتیں کیں' جس سے مجھے لگا کہ ساجدہ بھابھی' اریبہ اور رازی کی منگنی ختم کرنا چاہتی ہیں۔"

یاسمین نے روانی میں اصل بات کہہ دی۔ توصیف احمد اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔ بولے کچھ نہیں۔ غالباً" سمجھنا چاہ رہے تھے کہ یاسمین کی بات میں کتنی سچائی ہے۔

"ساجدہ بھابھی نے اپنے منہ سے کچھ نہیں کہا' لیکن انہوں نے آمنہ کو ٹوکا بھی نہیں تھا تو اس کا کیا مطلب ہے؟ میں تو یہی سمجھی ہوں کہ آمنہ کے منہ میں ساجدہ بھابھی کی زبان تھی۔" یاسمین اب رک رک کر بولی تھی۔

"ہوں!" توصیف احمد نے غیر محسوس طریقے سے اندر کا دباؤ کم کرنے کے لیے سانس کھینچی تھی۔ اصل میں وہ یاسمین پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے کہ انہیں اس بات سے کتنی تکلیف ہوئی ہے۔ جب ہی بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگے۔

"کیا کہا تھا آمنہ نے؟"

"یہی کہ میری نظر میں رشتے ہوں تو ہمیں اب اریبہ اور سارہ کی شادی کر دینی چاہیے۔" یاسمین توصیف احمد کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ان کی پیشانی پر لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ کوشش کے باوجود ناگواری چھپا نہیں سکے۔

"ہاں! تو کر دیں گے۔ یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ جب ہم مناسب سمجھیں گے' بچیوں کی شادی کر دیں گے۔ آمنہ کو کیا فکر ہے۔"

"یہی میں نے بھی آمنہ سے کہا تھا۔" یاسمین فوراً" کہہ کر خائف ہو گئی تھی' لیکن توصیف احمد نے نوٹس نہیں لیا۔ قدرے رک کر کہنے لگے۔

"دیکھو یاسمین! ہو سکتا ہے تم غلط سمجھی ہو۔ کیونکہ ساجدہ بھابھی یا رازی کی طرف سے کبھی مجھے ایسا نہیں لگا کہ وہ یہ رشتہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ اور اگر فرض کرو! ایسا ہی ہے تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے! ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن اریبہ۔۔۔" یاسمین اچانک رو پڑی۔ آنسو اس روانی سے چھلکے تھے کہ توصیف احمد چند ثانیے کو ساکت ہو گئے تھے۔

"میری اریبہ کا کیا قصور ہے؟ جب اپنے اس سے منہ موڑ رہے ہیں تو غیر۔۔۔" یاسمین ہتھیلیوں سے آنسو صاف کرنے لگی۔

"کوئی منہ نہیں موڑ رہا اور موڑ بھی لیں تو کیا' میری بیٹی کے لیے کمی نہیں ہے۔ تم ابھی سے واویلا مت مچاؤ اور بچیوں کو تو بالکل پتا نہیں چلنا چاہیے۔" توصیف احمد نے قدرے جھلائے انداز میں کہا پھر پوچھنے لگے۔ "ہیں کہاں دونوں؟"

"اپنے کمرے میں ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے! تم فریش ہو کر آ جاؤ۔ میں سارہ سے کہتا ہوں' کھانا لگوا دے۔" توصیف احمد کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے تو یاسمین نے واش روم کا رخ کیا۔

منہ دھونے کے بعد بھی اس کا چہرہ ستا ہوا لگ رہا تھا۔ آنکھیں بھی ہلکی گلابی ہو رہی تھیں۔ بالوں میں برش کرتے ہوئے اس نے اپنا دھیان ادھر ادھر کرنے کی کوشش کی' پھر کمرے سے نکل آئی۔

توصیف احمد' اریبہ کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے ڈائننگ روم کی طرف جا رہے تھے۔ یاسمین کو پہلی بار احساس ہوا کہ یہ شخص اس کے اور اس کے بچوں کے لیے کتنا اہم ہے اور وہ کتنی بدقسمت ہے کہ ہمیشہ اس کی اہمیت سے انکاری رہی اس کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔ جلدی سے پلکیں جھپک کر وہ توصیف احمد اور اریبہ کے پیچھے ڈائننگ روم میں آ گئی۔

"بیٹا! اتنا اہتمام۔۔۔!" توصیف احمد ٹیبل کا جائزہ لیتے ہوئے حیران ہو رہے تھے۔

"ڈیڈی! اتنا اہتمام میں نے تائی امی اور پھوپھو کے لیے کیا تھا' لیکن وہ اتنی جلدی چلی گئیں۔" سارہ نے افسوس سے بتایا۔

"ہاں! آپ کی مما نے بتایا ہے۔" توصیف احمد سرسری انداز میں کہہ کر بیٹھ گئے تو باقی سب نے ان کی تقلید کی تھی۔

* * *

سارہ نے کیونکہ امینہ کو یہ کہتے سنا تھا کہ "یاسمین بھابھی اب آپ بچیوں کی شادی کا سوچیں۔" تو اس سے وہ یہی سمجھی تھی کہ ساجدہ بیگم خاص طور سے اریبہ اور رازی کی شادی کی بات کرنے آئی تھیں اور اس وقت سے وہ مسلسل اریبہ کو چھیڑ رہی تھی۔ پھر توصیف احمد کی آمد کو بھی وہ یہی رنگ دے رہی تھی۔

"اب تو تمہیں یقین آجانا چاہیے اریبہ! تائی امی شادی کی بات کرنے ہی آئی تھیں۔ جب ہی تو ڈیڈی بھی آ گئے اور اتنی دیر کمرے میں بند مما اور ڈیڈی یقیناً" اسی بات پر غور کر رہے تھے۔"

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" اریبہ کا انداز بجھا بجھا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں اور دیکھو! اب تم پڑھائی وڑھائی کا بہانہ مت کرنا۔ اگر تائی امی کی طرف سے جلدی شادی پر اصرار ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ ہے ناں؟" سارہ نے آخر میں اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلائی تھی۔

"پتا نہیں، کیا اچھا ہے کیا برا، مجھے تو تائی امی کا رویہ سمجھ میں نہیں آرہا۔ تمہیں پتا نہیں، کیسے خوش فہمی ہو گئی ہے۔" اریبہ نے آخر ٹوک دیا تھا۔

"یار! میں اس لیے تو وہاں سے اٹھ کر آ گئی تھی، کیونکہ پھوپھو نے شادی کی بات چھیڑ دی تھی۔" سارہ نے زور دے کر کہا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

"تمہاری شادی کی بات چھیڑی ہو گی پھوپھو نے۔"

"اف وہ!" سارہ جھنجلا گئی۔ "اچھا! یہ بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جو تم چاہو گی، وہی ہو گا۔" سارہ نے اتنے یقین سے کہا کہ وہ کتنی دیر اسے دیکھتی رہی، پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں سارہ! اب مجھے لگ رہا ہے، میں اپنی ہستی کا غرور کھو چکی ہوں۔ گو کہ میرا دامن ہر آلودگی سے پاک ہے۔ لیکن میرا یقین کون کرے گا۔۔۔؟ کوئی نہیں۔۔۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو میں چاہوں۔۔۔"

"کسی نے کچھ کہا تم سے۔۔۔؟ رازی بھائی نے؟" سارہ نے اب دھیرے سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔"

"پھر تم اتنی دل برداشتہ کیوں ہو رہی ہو؟" سارہ کو اس کی آزردگی بری طرح محسوس ہو رہی تھی۔

"زندگی نے عجیب مذاق کیا ہے میرے ساتھ۔ توصیف احمد کی بیٹی اریبہ توصیف احمد جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی، وہ یوں بے مایا ہو گئی کہ محبت کے دو بولوں کے لیے اسے جتن کرنے پڑ رہے تھے۔۔۔ "میرے لیے آئی ہیں پھوپھو اور تائی امی بھی۔۔۔" سانپ سونگھ گیا تھا دونوں خواتین کو اور تم پوچھتی ہو، کسی نے کچھ کہا۔۔۔ تم بتاؤ! کیوں نہیں کسی نے کچھ کہا؟ دل رکھنے کو بھی نہیں۔ پھر بھی جو میں چاہوں گی۔۔۔" اریبہ بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔

سارہ کا دل سہم گیا۔

"میں چاہوں، وقت کا پہیہ الٹا چل جائے تو کیا چل جائے گا۔۔۔؟ نہیں نا۔۔۔؟ تو بھول جاؤ اس اریبہ کو جسے من چاہا ملتا تھا۔ اب اریبہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہے۔"

"نہیں اریبہ!" سارہ نے تڑپ کر اس کے ہاتھ تھامے۔

"ایسا مت کہو۔ خدا کی قسم! اگر تم داغ دار تن لیے واپس آتیں، تب بھی تائی امی تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ کیونکہ ان کے پیٹ کی اولادیں وہ نہیں ہیں، جو نظر آتی ہیں۔"

اریبہ اسے دیکھنے لگی مگر بولی کچھ نہیں۔

”ہاں! بلال امریکا میں بیٹھا کیا گل کھلا رہا ہے۔ میں سب جانتی ہوں۔ ثنا کی حرکتیں بھی ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔“ سارہ تنفر سے بولی۔

”اور رازی؟“ اریبہ نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا تھا۔

”وہ بھی تمہارے قابل نہیں ہیں۔“ سارہ نظریں چرا گئی تو اریبہ دکھ سے مسکرائی۔ اس کے خیال میں سارہ اسے بہلا رہی تھی۔

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ تمہارے ساتھ جو ہوا‘ اس میں تمہارا قصور نہیں ہے‘ جبکہ وہاں سب قصوروار ہیں۔“ سارہ نے مزید کہا تو وہ شکستگی سے بولی تھی۔

”سزا تو بے قصوروں کو ہی ملتی ہے ناں!“

”ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔“ سارہ کے روٹھے انداز پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

شمشیر علی نے زیادہ نہیں سوچا تھا۔ بس وہ ایک لڑکی اریبہ توصیف احمد جو اسے اپنے دل کے آس پاس محسوس ہونے لگی تھی تو بس اس سے ایک تعلق قائم رکھنے کی خاطر اس نے توصیف احمد کی آفر قبول کرلی تھی اور پھر اپائنٹمنٹ لیٹر کے ساتھ اپارٹمنٹ کی چابی ملتے ہی وہ سیدھا اریبہ کے پاس آیا تھا۔

اریبہ اس وقت اسپتال میں ڈینگی پیشنٹ کی کیس ہسٹری تیار کررہی تھی۔

”مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ شمشیر علی اسے سارے اسپتال میں ڈھونڈتے ہوئے آخر اس تک پہنچ گیا تھا۔

”ابھی میں فارغ نہیں ہوں۔ دو بجے کے بعد آنا یا فون کرلینا۔“ اریبہ نے بس ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

”دو بجے سے پہلے تو مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔ آئی مین اس شہر سے۔“ اس نے کہا تو اریبہ زچ ہوگئی۔

”اب کہاں جارہے ہو؟“

”یہی بتانا چاہتا ہوں‘ لیکن یہاں نہیں پلیز۔“ اس کے ملتجی انداز پر اریبہ مجبوراً اٹھ کر اس کے ساتھ باہر آگئی

”زیادہ تمہیدیں مت باندھنا۔ جو بتانا ہے جلدی بتاؤ۔“

”پہلے تم بتاؤ! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے یا تم روتی رہی ہو؟“ وہ اس کی آنکھوں میں تیرتی گلابیاں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”شام!“ اریبہ نے ٹوک دیا۔ ”تم صرف اپنی بات کرو۔“

”ہاں ۔۔۔ وہ‘ میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ مجھے اپارٹمنٹ مل گیا ہے اور ہینڈسم جاب بھی۔“ اس نے جتایا تو وہ بے ساختہ بولی تھی۔

”مبارک ہو۔“

”شکریہ! اب یہ بھی سن لو کہ مجھے جاب اور رہائش کی آفر تمہارے ڈیڈی نے کی تھی۔ جو میں نے صرف تمہاری وجہ سے قبول کرلی۔“ دوسری بات وہ بلاارادہ کہہ گیا تھا۔

”میری وجہ سے؟“ اریبہ کے استفسار پر وہ گڑبڑا گیا۔

”ہاں! وہ تاجور جو تم لوگوں سے اتنی مانوس ہوگئی ہے۔ میں نے سوچا تمہارے ڈیڈی کا آفس جوائن کرنے سے مجھے تاجور کو تمہارے ہاں لانے لے جانے میں شاید مسئلہ نہیں ہوگا۔“ وہ سنبھل کر بات بنانے میں بھی کامیاب ہوگیا تھا۔

”ہوں‘ پھر کب سے جوائن کررہے ہو؟“ اریبہ نے اس کی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

”پہلی تاریخ سے اور اس سے پہلے میں چاہتا ہوں۔ تاجور کو ابا سے ملوالاؤں۔“ اس نے کہا تو وہ فوراً بولی تھی۔

”ٹھیک ہے! لیکن تاجور کو وہاں چھوڑ کر مت آجانا۔“

”نہیں! تاجور میرے ساتھ رہے گی۔ یہاں پڑھے لکھے گی اور پھر اس کی شادی بھی یہیں ہوگی۔“ وہ کہہ کر مسکرایا تھا۔

”اچھی بات ہے۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں چاہتا ہوں‘ گھر چلو اور تاجور کو میرے ساتھ روانہ کرو۔ میں اس وقت گاؤں کے لیے نکلنا چاہتا ہوں۔“ اس کی بے تابی دیکھتے ہوئے اریبہ منع نہیں کرسکی۔

”ٹھیک ہے! تم چلو‘ میں ڈاکٹر سے کہہ کر آتی ہوں۔“ اریبہ ہامی بھر کر واپس اندر چلی گئی اور وہ اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔

پھر اریبہ کے آنے پر ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور اریبہ کی گاڑی کے تعاقب میں ڈرائیو کرتے ہوئے اسے لگا جیسے اب اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں رہی۔ وہ کہے گی‘ چلو تو وہ چل پڑے گا۔ وہ کہے گی رکو تو وہ رک جائے گا۔ تقدیر کے ہاتھوں کٹھ پتلی بننے کا مزا اس نے چکھ لیا تھا۔ اب یہ نیا تماشا تھا۔ سینے کے اندر دل چھلانگیں مار رہا تھا اور پہلی بار اس نے دل کو سرزنش نہیں کی تھی۔

اریبہ اپنی گاڑی گیٹ سے اندر لے گئی اور وہ گیٹ پر ہی انتظار کرنے لگا۔ تقریباً“ پندرہ منٹ بعد اریبہ تاجور کو ساتھ لے کر آئی تو اس نے فوراً“ گاڑی سے اتر کر تاجور کو گلے لگایا پھر اریبہ کو دیکھ کر بولا۔

”تھینک یو اریبہ! تم نے مجھے میرے باپ کی نظروں میں سرخرو کرکے ۔۔۔“

”اچھا! بس۔“ اریبہ فوراً“ اسے ٹوک کر تاجور سے بولی۔ ”اپنا خیال رکھنا تاجور!“

”باجی ۔۔۔!“ تاجور اس سے لپٹ گئی۔

”پگلی! تھوڑے دنوں کی بات ہے‘ پھر تم یہیں آؤگی۔“ اس نے تاجور کو پیار کیا۔ پھر اسے گاڑی میں بٹھا کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ گھنے پیڑ سے سورج کی دودھیا کرن زبردستی راستہ بناتی ہوئی اس کے بالوں کو چومنے لگی تھی۔

”اجازت؟“ شمشیر علی نے یوں پوچھا جیسے وہ نہیں کہے گی تو وہ نہیں جائے گا۔

اریبہ اثبات میں سرہلا کر گیٹ سے اندر چلی گئی تب گہری سانس سینے کے اندر دباتے ہوئے اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی زن سے گاڑی بھگادی۔

”بھائی! ابا کو پتا ہے میں آرہی ہوں؟“ تاجور گھر جانے کے خیال سے خوش ہورہی تھی۔

”نہیں۔“ اس نے بے دھیانی میں جواب دیا‘ پھر ایک دم خود کو سنبھال کر کہنے لگا۔ ”میں نے ابا کو فون نہیں کیا۔ اچانک پہنچوگی تو ابا تمہیں دیکھ کر حیران ہوجائیں گے۔ اور دیکھو! ابا کو اور کسی کو بھی یہ مت بتانا کہ میں کہیں چلا گیا تھا اور تم کسی اور کے گھر رہ رہی تھیں۔ بہت برا مانیں گے ابا۔ بس یہی کہنا کہ تمہیں آج ہی اسپتال سے چھٹی ملی ہے۔ میری بات اچھی طرح سمجھ لو‘ ورنہ ابا تمہیں تو نہیں‘ لیکن مجھے ضرور کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیں گے اور پھر کبھی میری شکل بھی نہیں دیکھیں گے۔“

”نہیں بھائی! میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔“ تاجور سہم گئی۔

”ہاں! بس تھوڑے دن ہم وہاں رہیں گے‘ پھر واپس آجائیں گے۔ یہاں مجھے گھر مل گیا ہے۔ اب ہم ساتھ رہیں گے‘ تمہارے لیے میں ٹیچر کا انتظام کردوں گا۔ وہ تمہیں میٹرک کی تیاری کرادے گی۔“ وہ تاجور کو ذہنی طور پر

آنے والے وقت کے لیے تیار کر رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

شام ڈھلے وہ تاجور کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو برآمدے میں بیٹھے ابا پہلی نظر میں تاجور کو پہچان ہی نہیں سکے اور ناگواری سے اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ یہ تو کسے لے آیا ہے لیکن اس سے پہلے ہی تاجور بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

"ابا۔۔۔ ابا! آپ کیسے ہیں؟ میں آپ کو بہت یاد کرتی تھی۔"

"ہائیں۔۔۔!" ابا تاجور کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر دیکھتے ہوئے بولے۔ "اتنی بڑی ہوگئی تو۔ اے پپو کی ماں! ادھر آ دیکھ تاج آئی ہے۔"

"آ گئی۔" اماں کمرے سے نکلتے ہی شمشیر علی کو دیکھ کر رک گئیں۔

"السلام علیکم! کیسی ہو خالہ؟" شمشیر علی نے قصداً "روٹھا انداز اختیار کیا تھا۔

"شکر ہے اللہ کا' جس حال میں رکھے۔ تو بڑے دنوں بعد آیا ہے؟" اماں نے جواب کے ساتھ کہا۔

"ہاں! وہ تاجور کا علاج چل رہا تھا نا۔" اس نے کہتے ہوئے تاجور کو اشارہ کیا تو وہ اماں کی طرف گھوم کر بولی۔

"السلام علیکم خالہ۔۔۔!"

"ہو گیا تیرا علاج؟ کیا تکلیف تھی تجھے؟" اماں تاجور کے چہرے پر کھلتی گلابیاں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھیں۔

"اچھا! بس زیادہ سوال جواب نہ کر۔ تھکے ہوئے آئے ہیں دونوں۔ روٹی شوٹی لا۔" ابا نے اماں کو ٹوک دیا تو شمشیر علی آگے آ کر بولا۔

"نہیں خالہ! روٹی ہم نے راستے میں کھالی تھی۔ البتہ چائے مل جائے تو۔۔۔"

"میں بناتی ہوں چائے۔" تاجور ابھی بھی اماں سے خائف تھی۔

"تو بیٹھ میرے پاس۔ ابھی تو آئی ہے۔" ابا نے تاجور کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا' پھر شمشیر علی سے پوچھنے لگے۔ "تو بتا! نوکری کر رہا ہے یا ابھی بھی بے کار پھر رہا ہے؟"

"بے کار میں کبھی نہیں پھرا ابا! اور اب تو میری ترقی ہوگئی ہے نوکری کے ساتھ گھر بھی مل گیا ہے۔ تھوڑے دنوں کی پریشانی تھی۔ اب اللہ کا شکر ہے' سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ تاجور بھی خوش ہے۔" اس نے تاجور کی خوشی کو خاص طور پر جتایا تھا۔

"ہاں! ادھر تو ہر وقت روتی رہتی تھی تاجور۔" ابا بڑی جلدی برا مان جاتے تھے۔

"روتی نہیں تھی تو خوش بھی نہیں تھی ابا! کیونکہ آپ نے کبھی اس پر توجہ نہیں دی۔ گھٹ گھٹ کر کیا حال ہو گیا تھا اس کا۔ اگر میں کچھ دن اور نہ آتا تو مر گئی ہوتی یہ۔" وہ بھی جتانے سے باز نہیں آیا۔ ابا سر جھٹک کر رہ گئے۔

"جا تاج! چائے لے آ۔ خالہ تو پائے پکانے بیٹھ گئی ہوگی۔" وہ کہہ کر منہ ہاتھ دھونے کے ارادے سے اٹھ گیا۔

پھر چائے پیتے ہی وہ گھر سے نکل آیا' کیونکہ ابا کے ساتھ اس کی بنتی ہی نہیں تھی اور اپنی ماں بھی نہیں تھی جس کے ساتھ وہ حال احوال کرتا۔ اس لیے اندھیرا پھیلنے کے باوجود وہ بے مقصد گلیوں میں پھرتا رہا۔ اب واقعی یہاں کوئی مقصد نہیں تھا۔ نہر والے باغ کا خیال بھی ذہن سے محو ہو گیا تھا' جس کے حسین گوشے میں اس کے خواب دفن تھے۔ وقت کی تیز آندھی اس کا سب کچھ نہیں تو بہت کچھ اپنے ساتھ بہا لے گئی تھی۔ اس وقت وہ کچھ سوچ نہیں رہا تھا' پھر جانے دل پر کیسا بوجھ لیے گھر لوٹا تو صرف تاجور ہی اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔

"کہاں چلے گئے تھے بھائی؟"

"کہیں نہیں۔ بس ایسے ہی۔ تم پریشان کیوں ہو جاتی ہو؟ کھانا وانا کھایا؟" اس نے ٹوک کر پوچھا۔

"جی! آپ کے لیے کھانا لاؤں؟" تاجور احتیاط سے بول رہی تھی کہ کہیں کوئی اٹھ نہ جائے۔

"نہیں! بھوک نہیں ہے۔ تم سو جاؤ۔" اس نے کہا تو تاجور جاتے جاتے رک گئی۔

"بھائی! خالہ کہہ رہی تھیں' اب میں یہیں رہوں۔"

"کیوں؟" اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے' پھر سر جھٹک کر پوچھنے لگا۔ "تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا بھائی سے پوچھ لیں۔" تاجور کے جواب پر اسے پھر غصہ آ گیا۔

"کیوں' تمہاری اپنی کوئی مرضی نہیں ہے؟ میں کہوں گا' رہ جاؤ تو یہیں رہ جاؤ گی؟ سوچو گی نہیں کہ یہاں تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟ پھر خون تھوکو گی؟" اس کے بگڑنے پر تاجور خائف ہو گئی تھی۔

"خبردار! جو خالہ کی باتوں میں آئیں تو۔ ہم کل ہی یہاں سے نکل چلیں گے۔ ابا کو اگر ہماری یاد آئے گی تو خود ہی ہم سے ملنے آ جائیں گے۔ جاؤ سو' مجھے بھی سونے دو۔"

اس نے قصداً "تاجور کو تسلی نہیں دی اور اس کے سہمے ہوئے چہرے سے نظریں چرا کر لیٹ گیا۔ گوکہ ابھی دس ہی بجے تھے' لیکن گاؤں میں سرِشام پھیل جانے والے سناٹے کے باعث یوں لگ رہا تھا جیسے بہت رات بیت گئی ہو۔ اس نے تاجور سے تو غصے میں کہہ دیا تھا کہ کل ہی یہاں سے نکل چلیں گے' لیکن اب اسے یہی ٹھیک لگ رہا تھا۔ وہ صبح ناشتے کے بعد ہی واپسی کا سوچتے ہوئے سو گیا۔

✡ ✡ ✡

پھر صبح کچھ ملی جلی آوازوں سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے غور کیا تو تاباں کی آواز تھی۔

"ہائے بچی تاج! تو تو پہچانی نہیں جا رہی۔ لال لال ہو رہی ہے۔ کیا کھلاتے تھے تجھے شہر والے؟" وہ کان لگا کر سننے لگا کہ تاجور کیا کہتی ہے۔ لیکن وہ بس ہنس رہی تھی۔

"اب تو تو ادھر ہی رہے گی نا؟" تاباں پوچھ رہی تھی۔

"نہیں! بھائی کے ساتھ واپس جاؤں گی۔" تاجور کے جواب پر اسے رات کی باتیں یاد آئیں تو اس وقت جو تاجور کی سہمی شکل دیکھ کر دل میں ملال رہ گیا تھا' وہ جاتا رہا۔

"اوہو! بڑا دل لگ گیا ہے تیرا شہر میں۔ یہاں والے یاد نہیں آتے تجھے؟" تاباں کے پوچھنے پر وہ پھر ادھر متوجہ ہوا تھا۔

"آتے ہیں۔۔۔ سب یاد آتے ہیں۔"

"تو پھر کیوں جا رہی ہے۔۔۔؟ نہ جا۔" تاباں نے کہا تو اب شمشیر علی نے تاجور کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ فوراً" اٹھ کر کمرے سے باہر آتے ہی تاباں پر بگڑ گیا تھا۔

"تم کیا سویرے سویرے الٹی پٹیاں پڑھانے آ گئی ہو میری بہن کو؟ تمہیں اپنے گھر میں کام نہیں ہے کیا؟" تاباں نے یکدم اسے دیکھا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

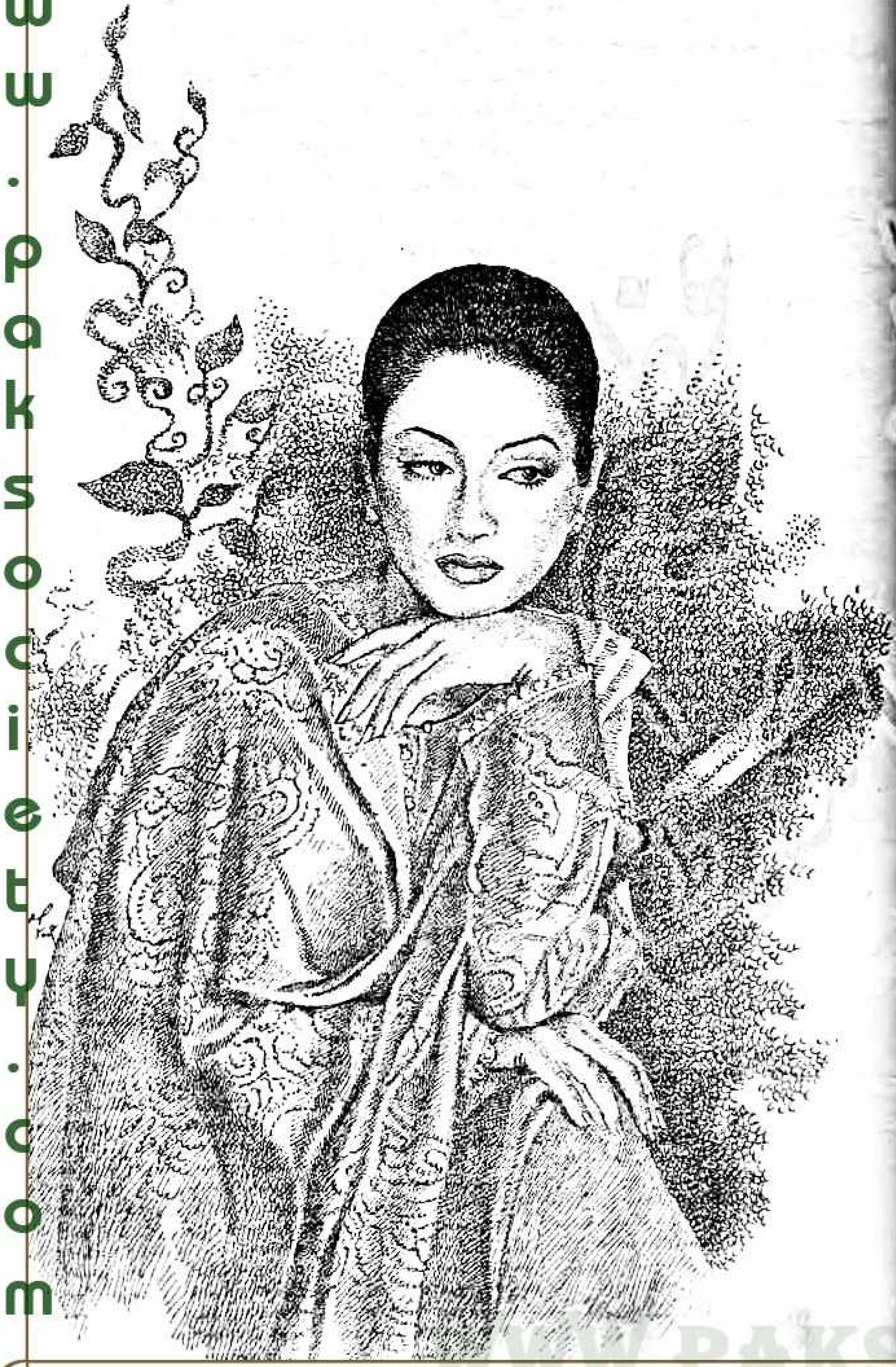

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں' سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی' خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ' جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے' جبکہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد' اجلال رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے۔ یاسمین' اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوجاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آتا ہے تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلتا ہے۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اجلال رازی اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے' مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے' تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خودسر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔ مگر سارہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصہ میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کرلیتا ہے۔

شمشیر‘ تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے اسپتال داخل کروا دیتا ہے۔

اریبہ‘ یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے‘ مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کردیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی‘ اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچالیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی‘ توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے ریک سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اریبہ‘ ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی‘ اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔

تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہوجاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جاکر تاجور کا معلوم کرتا ہے۔ مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے۔ مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہوجاتی ہے۔ تاباں کو دیکھ کر شمشیر پچھتاتا ہے اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے اپنے ساتھ چلنے کا کہتا ہے۔ مگر تاباں منع کردیتی ہے۔

یاسمین‘ اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑجاتی ہے۔ مگر اریبہ دوٹوک انداز میں منع کردیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال‘ اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہوجاتا ہے۔ اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر سے بات کرتی ہے۔ مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے۔ وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کرلیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہوجانے پر سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ اجلال ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

شمشیر علی کو اریبہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ وہ اریبہ سے گریز کرنے لگا۔ شمشیر علی‘ اریبہ کو اپنا سیل فون دے دیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے رابطہ کرلے۔

۱۶

سولہویں قسط

شمشیر علی تاباں کے دیکھنے سے قدرے گڑبڑا گیا تھا۔

”میرا میاں مجھے کسی کام کو ہاتھ ہی نہیں لگانے دیتا۔ روٹی بھی خود پکا کے کھلاتا ہے مجھے۔“ تاباں اسے چڑانے والے انداز میں بولی تھی۔

”وہ تو تمہیں دیکھ کر ہی لگ رہا ہے۔ سامنے چاچا خیرو کی موٹی بھینس ہے ناں۔ ویسی ہوگئی ہو۔“ شمشیر علی نے جل کر اس کے موٹاپے کو نشانہ بنایا تھا۔

”کیوں نہ ہوں‘ کھاتے پیتے گھر کی ہوں پھر خوش رہتی ہوں۔ تیری طرح جلتی کڑھتی نہیں۔“ تاباں اب لڑنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ ”بڑا آیا مجھے موٹی بھینس سے ملانے والا۔ اپنے آپ کو تو دیکھ۔“

”اوہو تاباں! کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ بھائی مذاق کررہے ہیں۔“ تاجور نے پریشان ہو کر تاباں کو خاموش کرانے کی کوشش کی۔

”مذاق کررہا ہے۔ سنبھا کے رکھ اسے۔ مجھے نہیں اچھے لگتے ایسے مذاق۔“ تاباں روٹھے انداز میں بولی تھی۔

”اور کیسے مذاق اچھے لگتے ہیں تمہیں۔ ذرا وہ بھی بتادو۔“ وہ پھر چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

”ہونہہ!“ تاباں نے ناک سکیڑ کر چہرہ دوسری طرف موڑتے ہوئے ناراضی کا اظہار کیا تھا۔

”بھائی! اب آپ کچھ نہیں کہنا۔“ تاجور نے اس کی منت کی۔

”اچھا جاؤ‘ چائے ناشتے کا انتظام کرو پھر ہمیں جانا بھی ہے۔“ وہ تاجور سے کہتے ہوئے صحن میں اتر گیا اور ہینڈ پمپ چلا کر منہ دھونے لگا۔ پھر جب منہ پر صابن لگایا تو ہینڈ پمپ خود ہی چلنے لگا۔ اس نے پہلے دھیان نہیں دیا لیکن پھر منہ پر پانی کا چھپاکا مارتے ہی چونکا تھا۔ ہینڈ پمپ چلاتے ہوئے چوڑیوں کی کھنک اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ پانی کی موٹی دھار کے نیچے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر جیسے بھول گیا تھا۔

”اتنی جلدی کیوں جارہے ہو؟“ تاباں نے دھیرے سے پوچھا تھا۔

”بس اب یہاں دل نہیں لگتا۔“ اس نے کہہ کر ہاتھوں کے پیالے سے پانی اپنے منہ پر اچھالا تھا۔

”کہیں اور دل لگالیا ہے کیا؟“ تاباں اگر چھیڑنے والے انداز میں پوچھتی تو شاید وہ اعتراف کرلیتا۔ لیکن اس کے لہجے میں عجیب سی بے چارگی تھی۔

”ابھی تو نہیں لیکن سوچ رہا ہوں‘ کہیں دل لگا ہی لوں۔“ اس نے کہا تو وہ بے ساختہ بولی تھی۔

”ہٹ کملے! سوچنے سے تھوڑی دل لگتا ہے۔“

”پھر…؟“ وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

”آپ ہی آپ لگ جاتا ہے۔ پتا بھی نہیں چلتا اور جب پتا چلتا ہے پھر دل اپنا نہیں ہوتا۔ پرایا ہو کر بڑے دکھ دیتا ہے۔“ وہ جانے کس خیال میں کھوئی تھی۔ چونکی تو اسے گھور کر بولی۔

”لے ایسے انجان بن رہا ہے جیسے تجھے پتا ہی نہیں۔ پکا بے ایمان ہے تو۔“

وہ ہنستے ہوئے تار سے تولیہ کھینچ کر اندر چلا آیا۔

”تاج! شہر جاتے ہی اپنے بھائی کی شادی کرادینا۔“ تاباں اسے سناتے ہوئے جارہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دروازے سے باہر جاتی تاباں پر الوداعی نظر ڈالی تھی۔

☼ ☼ ☼

اجلال رازی نوٹ کررہا تھا کہ ساجدہ بیگم جب سے توصیف ولا سے ہو کر آئی تھیں‘ پریشان اور اپ سیٹ تھیں۔ پہلے تو وہ اسی انتظار میں رہا کہ وہ خود ہی بتائیں گی کہ وہاں کیا باتیں ہوئیں لیکن جب دیکھا کہ وہ توصیف ولا

کے ذکر سے ہی کترا جاتی ہیں تب اس سے رہا نہیں گیا اور اس وقت فرصت سے ان کے پاس آبیٹھا تھا۔

"ہاں اب بتائیں امی! آپ کو کیا بات پریشان کر رہی ہے؟" اس نے بیٹھتے ہی بلا تمہید پوچھا تھا۔

"میں اب صرف اپنے بچوں کے لیے پریشان ہوں اور کوئی بات نہیں ہے۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"میرے حساب سے جب تم امریکا سے آئے تھے اسی وقت تمہاری شادی ہو جانی چاہیے تھی۔ خیر اب بتاؤ۔ تم نے کیا سوچ رکھا ہے۔ اپنا نہیں تو بہن کا تو سوچو اس کے لیے جو ایک دو رشتے آئے تھے وہ تمہیں پسند نہیں آئے۔ بس رازی، بہت ہو گیا۔ میں اب جلد ثنا کی شادی کرنا چاہتی ہوں اور ساتھ میں تمہاری بھی۔" ساجدہ بیگم اچانک پھٹ پڑی تھیں۔

"بالکل کریں، کس نے منع کیا ہے۔" وہ ساجدہ بیگم کا غصہ کم کرنے کے لیے فوراً "کہہ گیا۔

"کس نے منع کیا ہے۔ تم لوگوں کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ بس اب میں تم لوگوں سے نہیں پوچھوں گی، کل ہی ملنے جلنے والوں سے بات کروں گی۔ متبادل رشتہ مل جائے تو اچھا ہے۔" ساجدہ بیگم کی آخری بات پر وہ اچھل پڑا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی! آپ صرف ثنا کے رشتے کی بات کریں۔"

"اور تم۔۔۔؟" ساجدہ بیگم نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں۔۔۔!" وہ گڑبڑا گیا۔ "میرا مطلب ہے میں پسند کر چکا ہوں۔"

"کون ہے؟" ساجدہ بیگم کا انداز ہنوز تھا۔

"بتاؤں گا ثنا کی بات ہو جائے تو پھر میں بھی بتا دوں گا۔"

"میں کہہ رہی ہوں رازی! میں تم دونوں کی ساتھ ہی شادی کروں گی۔"

"ایسا ہی کیجیے گا امی! ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔" وہ ساجدہ بیگم کے کندھے دبانے لگا تو پھر زیادہ دیر ساجدہ بیگم ناراض نہیں رہ سکیں۔ بولیں تو کچھ نہیں لیکن ان کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا تھا۔ تب وہ دھیرج سے پوچھنے لگا۔

"آپ کو غصہ کس بات پر ہے امی؟" ساجدہ بیگم نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"بتائیں نا امی! جب سے آپ چچا جان کے گھر سے ہو کر آئی ہیں۔ میں آپ کو پریشان دیکھ رہا ہوں، یاسمین آنٹی نے کچھ کہا یا اریبہ نے؟"

"تمہارا وہم ہے۔ وہاں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ ہاں امینہ نے یاسمین سے کہا تھا کہ اب وہ جلدی بیٹیوں کی شادی کر دے۔" ساجدہ بیگم نے اس بات کو سرسری بیان کیا پھر بھی وہ ٹھٹکا تھا۔

"پھر یاسمین آنٹی نے کیا کہا؟"

"کیا کہتی۔ اس نے جس طرح مجھے دیکھا تھا۔ میں پریشان ہو گئی۔ بیٹا! یہ ٹھیک ہے کہ میں خود بھی اریبہ سے تمہاری شادی کے حق میں نہیں ہوں لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ ہمارے مابین رنجش پیدا ہو نہ میں یہ چاہتی ہوں کہ یاسمین تمہاری آس پر اریبہ کو بٹھائے رکھے۔ یہ رشتہ ہم اپنے طور پر ختم کیے بیٹھے ہیں، وہاں بات نہیں پہنچی۔ گو کہ امینہ کی بات سے یاسمین سمجھ تو گئی ہو گی پھر بھی وہ ہم سے تصدیق ضرور چاہے گی۔" ساجدہ بیگم دل گرفتی سے بول رہی تھیں۔

"بیٹا! میں خود بیٹی کی ماں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں توصیف سے کیا کہوں اور کیسے کہوں گی۔ سچ کہوں تو مجھ میں ہمت ہی نہیں ہے۔ امینہ کے ذریعے کہلوا دوں توصیف کو؟" آخر میں انہوں نے سوالیہ نظروں سے رازی کو دیکھا تو وہ، جو اندر اٹھتی ٹیسوں کو دبانے کی سعی میں ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا، آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"پھر؟" ساجدہ بیگم کے صرف ہونٹ ہلے تھے۔

"آپ بہت زیادہ سوچنے لگتی ہیں امی! اتنی ٹینشن نہ لیا کریں۔ آخر میں کس مرض کی دوا ہوں۔ نادان، نا سمجھ نہیں ہوں۔ کسی طریقے سے میں خود ہی یہ معاملہ نمٹا دوں گا، آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

وہ بہت دیر تک انہیں تسلی دیتا رہا تھا پھر جب اپنے کمرے میں آیا تو اس کا اپنا ہی دل احتجاج کر رہا تھا۔

* * *

اریبہ اپنی پرانی ڈگر پر چلنے لگی تھی۔ صبح کالج پھر اسپتال جہاں سے تین چار بجے اس کی واپسی ہوتی تھی تو گھنٹہ بھر آرام کے بعد شام تک وہ یاسمین اور سارہ کے ساتھ رہتی۔ پھر اب وہ کچن میں خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی بی بی کا ہاتھ ضرور بٹاتی تھی اور اس نے سالن بہت اچھا بنایا تھا۔ اس لیے اس وقت سارہ نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"کیا وہاں تم سے کھانا پکوایا جاتا تھا!"

"ہاں صرف کھانا ہی نہیں جھاڑو پونچھا بھی کرتی تھی۔" وہ ہنس کر بولی تھی۔

"واقعی۔۔۔"

"ہاں۔ سچ کہہ رہی ہوں۔"

"اچھا کتنے آدمیوں کا کھانا پکاتی تھیں؟" سارہ نے تجسس سے پوچھا۔

"صرف دو۔" وہ روانی میں کہہ کر سٹپٹا گئی۔ "میرا مطلب ہے اور لڑکیاں بھی تھیں ناں تو سب کو کام سے لگائے رکھنے کی خاطر وہ ہر ایک لڑکی سے دو آدمیوں کا کھانا پکواتے تھے۔"

"کسی خاص ڈش کی فرمائش بھی ہوتی تھی؟" سارہ نے مزید پوچھا تو اب وہ قصداً "چڑ کر بولی۔

"کیا فضول باتیں لے کر کھڑی ہو گئی ہو، چلو جاؤ۔"

"اور جو تم یہاں کھڑی ہو، تمہیں جانا نہیں ہے کیا۔ رازی بھائی پندرہ منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔" سارہ نے جاتے جاتے یاد دلایا تھا۔

"اف! میں تو بھول ہی گئی تھی۔"

وہ چولہا بند کر کے بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی تھی اور جب تک وہ تیار ہوئی رازی بھی آگیا۔ اس نے یاسمین کو جب رازی کا فون آیا تھا تب ہی بتا دیا تھا کہ رازی اسے آؤٹنگ پر لے جانا چاہتا ہے اور یاسمین کی اجازت سے ہی رازی سے ہامی بھری تھی۔ ابھی بھی پہلے اس نے یاسمین کے کمرے میں جھانک کر اپنے جانے کا بتایا پھر باہر آئی تھی۔

رازی نے اسے دیکھتے ہی گاڑی کا دروازہ کھولا تو ایک پل کو اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا پھر یوں خاموش ہو گیا جیسے اب کبھی نہیں دھڑکے گا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟" رازی کو اس کا رکنا محسوس ہوا تھا فوراً "اسے دیکھا تو وہ آہستہ سے نفی میں سر ہلا کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"مجھے آنے میں دیر تو نہیں ہوئی؟" رازی نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے اختصار سے جواب دیا۔۔۔ گاڑی کے اندر خاموشی نے ڈیرا جما لیا جبکہ باہر بلا کا شور تھا۔ ٹریفک کے ازدحام سے نکلنے میں گھنٹہ بھر لگ گیا اور جب وہ ساحل پر بنے سنگی بینچ پر بیٹھے، سورج سرخی مائل نارنجی لبادہ اوڑھ چکا تھا۔ اریبہ کی نظریں اس نارنجی گولے پر ٹھہر گئیں جو دھیرے دھیرے سمندر میں اتر رہا تھا۔

رازی سوچ رہا تھا کہ بات کیسے اور کہاں سے شروع کرے کہ اریبہ نے دھیرے سے اسے پکارا تھا۔

"رازی۔۔۔!"

"ہوں۔۔۔!" وہ اپنی ہی آواز پر چونکا تھا۔

"ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں تم سے، مجھے صرف ہاں یا ناں میں جواب دینا۔ کوئی سوال مت کرنا۔" وہ ہنوز ساکت بیٹھی سامنے نظریں جمائے بولی تھی۔

رازی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خود ہی قیاس کرنے لگا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے۔ جب سمجھ نہیں پایا تو کچھ سوچ کر خود بھی شرط رکھ دی۔

"تم بھی سوال مت کرنا۔"

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی، پھر ذرا سا اثبات میں سر ہلا کر پکار کر پوچھنے لگی۔

"رازی! کیا تم اب بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" رازی نے یکدم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر خود کو سوال کرنے سے روکا تھا ورنہ پوچھنے جا رہا تھا۔ "اب بھی سے کیا مطلب؟"

"بتاؤ رازی! کیا تم اب بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" اس نے پھر پوچھا۔

"ہاں، لیکن کروں گا نہیں۔" ہاں اور نہیں کے درمیان بس ایک پل کا فاصلہ تھا۔ زندگی اس نارنجی گولے کی مانند آخری ہچکی لے کر گہرے پانیوں میں اتر گئی تھی۔

"تم بھی کیا بس جیسے جاؤ گی؟" کوئی اس کے کان میں دھیرے سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا چیخ کر کہے "نہیں" اور پھر رازی کو جھنجوڑ کر پوچھے۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں؟" لیکن ادھر سے بھی سوال نہ کرنے کی شرط تھی۔ وہ اٹھنے کے لیے اپنی توانائیاں مجتمع کرنے لگی۔

رازی کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس نے خود اپنے اجڑنے کا سامان کیا تھا۔

"سنو۔۔۔!" کتنی دیر بعد رازی کی بوجھل آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ "میں جانتا ہوں اریبہ! کتنے سوال تمہارے ذہن کی دیواروں سے سر پٹخ رہے ہیں اور میں یہ نہیں کہوں گا کہ میرے پاس جواب نہیں ہے۔ ہر بات کا جواب ہے لیکن مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم خاموشی سے الگ ہو جائیں۔ شاید محبت کا بھرم رہ جائے۔"

"محبت؟" اریبہ کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

"ہاں میرے دل کا ہر ہر گوشہ ابھی بھی تمہاری محبت سے آباد ہے۔ اس میں کبھی کمی نہیں ہوئی اور محبت تو امتحان لیتی ہی ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ ہمیں کسی بڑے امتحان میں ڈال کر خود کہیں دور نکل بھاگے کیوں نہ ہم اسے یہیں دفن کر دیں۔ کبھی کبھی اس کے مزار پر پھول چڑھانے آجایا کریں گے یا پھر پلٹ کر دیکھیں گے بھی نہیں۔" وہ ٹوٹ کر بول رہا تھا۔ اریبہ کا دل چاہا اپنے کان بند کر لے لیکن اس میں اپنے ہاتھ اٹھانے کی سکت بھی نہیں تھی۔

"اور سنو!" قدرے تاخیر سے وہ پھر بولنے لگا۔ "میں چاہتا ہوں ہماری منگنی ٹوٹنے کا اعلان تمہاری طرف سے ہو۔ اس سے یہ مت سمجھنا کہ میں الزام تمہارے سر رکھنا چاہتا ہوں بلکہ۔"

"بس، بس کرو رازی! خاموش ہو جاؤ۔" وہ ایک ہاتھ سے اپنا چہرہ ڈھانپتے ہوئے بولی تھی۔

رازی نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کرب کی جانے کن منزلوں سے گزر رہا تھا۔ خاموشی ایک بار پھر دیوار بن گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اریبہ جب گھر آئی تو اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اور یہ بھی اچھا ہوا کہ اس وقت یاسمین اور سارہ بھی عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ وہ سیدھی اپنے کمرے میں آتے ہی واش روم میں بند ہو گئی۔ وہ رونا چاہتی تھی۔ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی لیکن آنسوؤں نے دل کا راستہ دیکھ لیا تھا۔ اس نے آئینے میں اپنا دھواں دھواں چہرہ دیکھا تو اسے خود پر ترس آیا۔ تو وہ جلدی جلدی منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر واش روم سے نکل آئی۔

سارہ نماز کا دوپٹہ تہہ کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگی۔

"کیسی رہی آج کی شام۔۔۔؟"

"یادگار۔۔۔!" اس کے اندر کا سناٹا اچانک چھناکے سے ٹوٹا تھا۔ "کوئی ہنسا نہ رویا اور فیصلہ ہو گیا۔"

"کیسا فیصلہ!" سارہ ٹھٹکی۔

"میں نے اور رازی نے ایک دوسرے کو اپنی محبت سے آزاد کر دیا ہے۔ ٹھیک کیا ناں؟" اس نے تصدیق کے لیے سارہ کو دیکھا۔ وہ سانس روکے کھڑی تھی۔

"ہاں سارہ! یہی ٹھیک ہے۔ میں بار بار ٹوٹ رہی تھی۔ پھر میں نے سوچا جس بندھن کی وجہ سے میں بار بار ٹوٹ رہی ہوں میں اس بندھن کو ہی کیوں نہ توڑ ڈالوں اور میں نے توڑ دیا۔ اب درد تو ہو رہا ہے لیکن اس اذیت سے کم جو مجھے تائی امی اور پھپھو کے رویے سے ملی تھی۔"

"رازی بھائی نے احتجاج نہیں کیا؟" سارہ نے سناٹے میں پوچھا تھا۔ اریبہ سے فوری جواب نہیں بن پڑا تو یوں بن گئی جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔

"ضرور کیا ہو گا رازی بھائی نے ضرور احتجاج کیا ہو گا۔" سارہ نے یکدم چیخ کر اریبہ کو بازو سے کھینچا تھا۔ "کیا تھا ناں؟"

"نہیں۔" جیسے کائنات تھم گئی تھی۔ کتنی دیر بعد اسے اپنے بازو پر سارہ کا ہاتھ سرکتا محسوس ہوا تو اس نے جھرجھری لی تھی۔

"تم ہرٹ ہوئی تھیں؟" سارہ ہنوز سناٹے میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں مان ٹوٹ گیا ناں۔۔۔ لیکن اچھا ہی ہوا پتا چل گیا۔ رازی بھی عام سا مرد ہے۔ سطحی سوچ رکھنے والا۔ وہ اپنی ساری زندگی ایک ایسی لڑکی کو دان نہیں کر سکتا جس کی پارسائی مشکوک ہو۔" وہ بولتے ہوئے سارہ کی طرف سے رخ موڑ گئی، پھر ایک دم پلٹی تھی۔

"لیکن تمہیں کیوں افسوس ہو رہا ہے۔ تمہارے خیال میں تو رازی میرے قابل نہیں تھا۔۔۔ ہے ناں۔ یا تم نے مجھے بہلانے کی کوشش کی تھی۔"

"ان ساری باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اریبہ! رازی بھائی نے تم سے محبت کی ہے۔" سارہ عاجز ہو کر بولی۔

"میں نے بھی رازی سے محبت کی ہے۔ میری اولین محبت، میری آنکھوں میں سجنے والا پہلا خواب جس کی قسمت میں شرمندہ تعبیر ہونا نہیں لکھا گیا۔" وہ ہنسنے لگی۔

"کتنی عجیب بات ہے۔ ہم ناکامیوں کو قسمت کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ مل گیا تو ہمارا کمال، نہیں ملا تو قسمت خراب، جب پانے پر شکر نہیں تو کھونے پر شکوہ کیوں۔" وہ رکی، چونکی پھر حیران ہوئی۔

"ارے! مجھے شاید زندگی کا فلسفہ سمجھ میں آ رہا ہے۔"

"نہیں تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ پاگل ہو رہی ہو تم۔ تمہیں خود نہیں پتا تم کیا کہہ رہی ہو کیونکہ تم خود کو بہت بہادر پوز کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ مت کرو ایسی فضول کوششیں۔ محبت کی چوٹ چھپائے نہیں چھپتی۔ میں دیکھ رہی ہوں تمہارے اندر محشر بپا ہے تو تم بھی کر دو محشر بپا۔ کچھ باقی نہ بچے۔" سارہ پھٹ پڑی تھی۔

"تو ابھی کیا بچا ہے؟" اریبہ یکدم ڈھے گئی پھر یوں ٹوٹ کے روئی کہ سارہ کو اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

* * *

شمشیر علی تاجور کو اپنے ساتھ واپس لے آیا تھا۔ اب اس کے اندر پہلے کی طرح یہ خوف نہیں تھا کہ سارا دن تاجور اکیلی کیسے رہے گی۔ شاید اس لیے کہ اب اسے گھر کے ساتھ گھر والوں کا تعاون بھی حاصل تھا۔ پھر سال بھر تاجور اریبہ کے گھر رہ کر کافی سمجھ دار بھی ہو گئی تھی۔ شہری طور طریقے بھی سیکھ گئی تھی۔ پھر بھی وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"دیکھو تاجور! تمہیں گھر میں سارا دن اکیلے رہنا ہو گا اس لیے احتیاط کرنا۔ کسی کے بھی آنے پر بے دھڑک دروازہ مت کھول دینا۔ پہلے پوچھ کر پورا اطمینان کر لینا۔ ویسے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے دیکھا ہے یہاں اچھے لوگ رہتے ہیں۔ آہستہ آہستہ تمہاری بھی دوستی ہو جائے گی پھر تمہارا یہاں دل لگ جائے گا۔"

"میرا دل لگ گیا ہے بھائی!" مجھے یہ گھر اچھا لگ رہا ہے پھر سارہ اور اریبہ باجی بھی تو میرے پاس آئیں گی ناں؟" تاجور نے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"پتا نہیں۔"

"مجھے پتا ہے۔ وہ دونوں مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ جب انہیں پتا چلے گا کہ میں واپس آ گئی ہوں تو وہ ضرور آئیں گی۔ بھائی! آپ بھی مجھے ان کے گھر لے جائیں گے ناں۔ بی بی سے ملنے تو مجھے وہاں جانا پڑے گا۔"

"بی بی کون اریبہ کی امی؟" اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"نہیں بی بی اریبہ باجی کے گھر کچن کا سارا کام کرتی ہیں۔ انہوں نے ہی مجھے قرآن شریف پڑھایا ہے اور مزے مزے کے کھانے بنانے بھی سکھائے ہیں۔ بہت اچھی ہیں بی بی۔" تاجور کے لہجے میں توصیف ولا کے مکینوں کے لیے انسیت چھلک رہی تھی۔

"اور کون کون رہتا ہے وہاں؟" شمشیر علی کو اب دل نے اکسایا تھا۔

"اور بس اریبہ باجی کی امی اور ایک بھائی ہے اور ان کے ابا دوسری بیوی کے گھر رہتے ہیں۔" تاجور نے بتایا تو وہ اچھلا تھا۔

"کیا اریبہ کے ابا نے دو شادیاں کی ہیں؟"

"آپ کو نہیں پتا؟" تاجور نے اس کی لاعلمی پر حیرت کا اظہار کیا۔

"مجھے کیا پتا۔" وہ سنبھل کر کہنے لگا۔ "خیر ہمیں کیا' وہ دو کریں یا چار۔ ہمارے ابا نے بھی تو دو کی ہیں۔"

"اچھا بھائی! آپ اریبہ باجی کو فون کر کے بتائیں ناں کہ میں آ گئی ہوں۔" تاجور کا شوق دیکھتے ہوئے اس نے جیب سے موبائل نکال کر پہلے ٹائم دیکھ کر سوچا کہ اس وقت اریبہ اسپتال میں ہو گی پھر اس کا نمبر ملا کر موبائل تاجور کو تھما دیا۔

"لو تم خود بات کر لو۔"

"السلام علیکم اریبہ باجی!" تاجور بولنا شروع ہوئی تو وہ بظاہر انجان بن کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا آپ سارہ باجی ہو۔ جی میں واپس آ گئی ہوں۔ آپ آئیں گی ناں میرے گھر۔ ہاں میں خود بھائی کے ساتھ آپ کو لینے آ جاؤں گی۔"

تاجور کی باتوں سے وہ خاص جھنجلا رہا تھا۔ کیونکہ جس کے بارے میں وہ سننا چاہتا تھا اس کا ذکر ہی نہیں تھا۔ اس کے سیل پر کال اس کی بہن نے ریسیو کی ہے' وہ خود کہاں ہے۔ سوچتے ہوئے شمشیر علی کا دھیان تاجور کی

سے ہٹ گیا تھا۔ جب ہی اس نے سنا ہی نہیں مزید کیا باتیں ہوئیں۔ جب تاجور نے موبائل اس کے ہاتھ کہا تب وہ چونک کر بولا تھا۔

"ہو گئی بات؟"

"جی سارہ باجی سے بات ہوئی ہے اریبہ باجی تو بیمار ہیں۔"

"اریبہ بیمار ہے۔" وہ بے چین ہوا تھا۔

"جی سارہ باجی بتا رہی تھیں اریبہ باجی کو بہت تیز بخار ہے۔" تاجور اس کی بے چینی سے بے خبر مزید کہنے لی۔ "پتا ہے بھائی! اریبہ باجی بھی کھو گئی تھیں۔ پتا نہیں کہاں چلی گئی تھیں۔ سب گھر والے بہت پریشان تھے بے چاری اریبہ باجی بھی تب سے پریشان رہتی ہیں۔"

"اچھا جاؤ چائے وائے بناؤ۔" اس نے تنگ ہو کر کہا پھر بالکونی میں نکل آیا۔ پہلے بھی وہ اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔ ہی بالکونی اور کمپاؤنڈ میں کھیلتے بچے۔ وہی منظر تھا لیکن زندگی کروٹ بدل گئی تھی۔

"شام! اس بات سے قطع نظر کہ یہ حادثہ یا واقعہ میری زندگی پر کس طرح اثر انداز ہو گا تمہارا بہرحال کچھ نہیں گڑا۔" اریبہ کی بات یاد آنے پر اس کا دل مزید بوجھل ہو گیا۔

"ایسا کیا کروں میں کہ تمہارا ابھی کچھ نہ بگڑے۔"

* * *

ساجدہ بیگم کو اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر رازی سمجھ گیا کہ ضرور کوئی خاص بات ہو گی جب ہی یہ کہنے سے گریز کیا کہ "آپ کیوں آ گئیں امی! مجھے بلا لیا ہوتا" اور نہ ہی جاننے کے لیے عجلت دکھائی تھی۔ ساجدہ بیگم آرام سے بیٹھ گئیں تب بھی وہ کوئی سوال اٹھانے کے بجائے کہنے لگا۔

"بلال کا فون آیا تھا امی! پیسوں کا تقاضا کر رہا تھا۔"

"کیوں۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ جب تک وہاں رہے گا تم اسے پیسے بھیجو گے؟ وہ خود کچھ نہیں کرے گا جیسے تم کر رہے تھے؟" ساجدہ بیگم نے کہا۔

"کرنا تو بلال کو بھی چاہیے اور میں اس سے کہتا بھی ہوں لیکن پتا نہیں وہ کیا سوچے ہوئے ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں بولا تھا۔

"اگر تمہیں کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا بیٹا! تو واپس بلا لو اسے۔" ساجدہ بیگم کے لہجے میں فکرمندی محسوس کر کے اسے اس موضوع سے ہٹنا پڑا۔

"دیکھوں گا۔ آپ سنائیں سب ٹھیک ہے ناں۔"

"ہاں ٹھیک ہی ہے۔ آج دن میں توصیف آئے تھے۔" ساجدہ بیگم نے بتایا تو وہ ٹھٹک گیا۔

"چچا جان۔۔۔ خیریت؟"

"اب کیا بتاؤں بیٹا! برسوں کا ناتا ٹوٹ رہا ہے۔ دکھ تو ہو گا۔"

"چچا جان نے کیا کہا؟" اس نے بے صبری سے ٹوکا تھا۔

"وہی تمہاری اور اریبہ کی بات کر رہے تھے' کہہ رہے تھے مجھے اب یہ رشتہ مناسب نہیں لگ رہا۔ آپ جہاں چاہیں رازی کی شادی کر دیں۔ پھر معذرت بھی کر رہے تھے۔" ساجدہ بیگم آزردگی سے بول رہی تھیں۔

"میں نے کہا تھا ناں اریبہ کی باتوں سے یاسمین سمجھ گئی ہو گی پھر اس نے توصیف سے کہا ہو گا۔ جب ہی وہ خود آ کر منع کر گئے ہیں۔"

رازی چپ ہو گیا۔ یوں بھی اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"گو کہ یہ اچھا ہوا کہ بات ادھر سے ختم ہو گئی لیکن ان دو گھروں کے درمیان جو خلیج حائل ہو گئی ہے، اس کا مجھے افسوس ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ خاندان بھر میں تمہارے باپ اور چچا کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ یاسمین کی بد اخلاقی اور بد سلوکی کے باوجود بھی ان بھائیوں میں معمولی سی رنجش نہیں ہوئی اور اب۔۔۔" ساجدہ بیگم کی آواز بھرا گئی۔

"اب بھی رنجش نہیں ہوگی امی!" رازی نے بے چین ہو کر ساجدہ بیگم کے ہاتھ تھام لیے۔ "ایک رشتہ ٹوٹ جانے سے سارے رشتے نہیں ٹوٹ گئے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ جس طرح ہمارے دلوں میں چچا جان کی محبت اور احترام میں کمی نہیں آئی، اسی طرح چچا جان کی شفقت میں بھی کمی نہیں آئے گی۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" ساجدہ بیگم دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگیں۔

"اور بھی کچھ کہا چچا جان نے؟"

"نہیں زیادہ باتیں نہیں کیں توصیف نے۔ ہاں! تمہاری طرح وہ بھی یہی کہہ رہے تھے کہ یہ رشتہ ختم ہو جانے سے ہمارے آپس کے تعلقات میں ان شاء اللہ فرق نہیں آئے گا۔"

"ان شاء اللہ! بس اب آپ دل پر بوجھ نہ رکھیں۔ کچھ دنوں میں سب بھول بھال جائیں گے اس سارے قصے کو۔" وہ ساجدہ بیگم کو تسلی دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلیں اب آپ آرام کریں۔"

"اچھا وہ بلال کا تم کیا کرو گے۔ ابھی پندرہ دن پہلے ہی تو تم نے اسے پیسے بھجوائے تھے، پھر اب ایسی کیا ضرورت آن پڑی ہے اسے۔" ساجدہ بیگم نے پھر وہی موضوع چھیڑ دیا جس سے وہ بچنا چاہ رہا تھا اور اب پچھتایا بھی کہ اس نے کیوں بتایا کہ بلال پیسوں کا تقاضا کر رہا ہے۔

"میں اس وقت مصروف تھا امی! اس لیے بلال سے تفصیلی بات نہیں ہو سکی تھی۔ صبح میں پھر فون کر کے معلوم کروں گا اس سے۔" اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے پھر مجھے بتانا ضرور۔" ساجدہ بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جی۔"

"اور ہاں!" ساجدہ بیگم کو جیسے اچانک کچھ یاد آیا تھا۔ "میں نے ثنا کے لیے خواجہ صاحب کی بیگم سے کہا تھا۔ انہوں نے ایک دو رشتے بتائے ہیں۔"

"پھر۔۔۔؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اس اتوار کو آئیں گے وہ لوگ۔ تم گھر پر ہی رہنا اور دیکھو اب اس بات کو سرسری مت لینا۔ تمہارے والد نہیں ہیں، جو میں بے فکری سے بیٹھی رہوں۔ میری زندگی میں تم سب کے گھر آباد ہو جائیں، تب مجھے سکون ملے گا۔" ساجدہ بیگم کی غیر معمولی سنجیدگی پر وہ خاموش ہو گیا تھا۔

* * *

تین دن کے بخار نے اریبہ کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ چہرہ ستا ہوا اور آنکھوں میں ویرانیوں نے ڈیرے جما لیے تھے۔ اسے دیکھ کر یاسمین کا کلیجہ پھٹنے لگتا تھا اور یہ احساس کہ اس کے گناہوں کی سزا اس کی بیٹی کو مل رہی ہے، اسے اور تڑپاتا تھا۔ سارہ اپنی جگہ پریشان تھی، اور اریبہ گم صم جیسے اب اسے کچھ نہیں کہنا کچھ نہیں سننا۔

اس وقت بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ ساکت بیٹھی تھی۔ یاسمین کچھ دیر پہلے اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھی اور اب اس کی جگہ سارہ آ بیٹھی تھی۔

"اریبہ! تمہاری خاموشی مجھے مار ڈالے گی۔ کچھ بولو خدا کے لیے۔ تم نے سنا ابھی مما کیا کہہ رہی تھیں۔ ڈیڈی ازی کو منع کر آئے ہیں۔ تمہارے فیصلے پر مہر ثبت ہو گئی ہے۔ پھر بھی اگر تم کہو تو میں رازی بھائی سے بات کروں؟"

اریبہ کے چہرے پر بے چینی پھیل گئی۔ بولی کچھ نہیں۔

"میں رازی بھائی کو یقین دلاؤں گی کہ تم پر کوئی آنچ نہیں آئی۔" سارہ اب قدرے جھجکی تھی۔ اریبہ نے ایک س کا ہاتھ تھام لیا۔

"نہیں سارہ! فیصلہ ہو گیا ناں، اب کوئی بات نہیں ہوگی۔"

"کیوں نہیں ہوگی۔ جب تم سہہ نہیں سکتیں تو پھر یہ روگ مت پالو۔ رازی بھائی عام مردوں کی طرح نہیں ہیں۔ تم انہیں سچ بتاؤ گی تو وہ تمہارا یقین کریں گے، کیونکہ وہ تمہیں دل سے چاہتے ہیں۔" سارہ اس کا ہاتھ دبا کر رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں، پھر بھی نہیں۔" اس کے حتمی انداز پر سارہ خاموش ہو گئی تو وہ قدرے رک کر کہنے لگی۔

"تم میری وجہ سے پریشان ہو رہی ہو ناں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا، بخار تھا اتر گیا۔ اب میں ٹھیک ہوں۔ بس بخار کے بعد کی کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔ ایک دو دن میں یہ بھی نہیں ہوگی۔"

"اچھا۔۔۔!" سارہ کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہوئی تھی۔

"ہاں، اب یہ موضوع ختم ہو جانا چاہیے۔ دوبارہ اس پر بات مت کرنا۔" وہ کہہ کر اپنا سیل فون اٹھا کر چیک کرنے لگی، پھر سارہ کو دیکھ کر پوچھا۔ "تاجور کا فون آیا تھا؟"

"ہاں، پرسوں آیا تھا۔ اس وقت تمہیں ہوش نہیں تھا۔ میں نے اس کا فون اٹینڈ کیا تھا۔"

"کیا کہہ رہی تھی، ٹھیک تو ہے ناں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ بھائی کے ساتھ واپس آ گئی ہے۔ تمہاری بیماری کا سن کر پریشان ہو گئی تھی۔" سارہ نے بتایا تو اریبہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولی۔

"تم نے میرا کیوں بتایا اسے؟"

"ظاہر ہے، وہ پوچھ رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا۔ تمہیں بخار ہے۔"

"اچھا جاؤ۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے لیکن میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔" اس نے سارہ کو اٹھانے کی غرض سے کہا۔

"پھر کیا کھاؤ گی؟" سارہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ ہلکا پھلکا، ایسا کرو سینڈوچ بنا دو، ساتھ چائے بھی۔"

"اچھی بات ہے۔" سارہ چلی گئی تب اس نے شمشیر علی کو کال ملائی تھی۔

"کہاں ہو تم!" شمشیر علی نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔ اس کے لہجے میں عجیب سی تھکن تھی، جسے جانے کب سے اسے ڈھونڈتا پھر رہا ہو۔

"میں ہوں، تم کیوں مجھے کال کر رہے تھے؟" اس نے روکھے پن سے پوچھا۔ وہ اپنے موبائل پر اس کی آٹھ دس مس کال دیکھ چکی تھی۔

"کیوں کر رہے تھے کیا مطلب۔۔۔ میں تمہیں کال نہیں کر سکتا؟" شمشیر علی نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے صاف منع کر دیا تو ادھر وہ خاموش ہو گیا۔

"دیکھو شام! وہ قدرے رک کر گویا ہوئی۔ "تمہارا کام ہو گیا ناں اب تم مجھے فون مت کرنا۔ تاجور کے بہانے

سے بھی نہیں۔ میں تمہیں گھر کا نمبر سینڈ کردوں گی۔ تاجور کو جب بات کرنی ہو۔ گھر کے نمبر پر کال کرے۔ سن رہے ہو ناں۔"

"اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" شمشیر علی نے اس کی ساری بات سن کر نہ کوئی سوال اٹھایا، نہ جواب دیا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ ضبط سے بولی تھی۔

"لیکن تمہاری آواز ٹھیک نہیں لگ رہی اور تم اسپتال بھی نہیں جارہیں۔ کیوں؟" شمشیر علی نے جلدی سے پوچھا کہ کہیں وہ فون بند نہ کردے اور اس نے واقعی جواب دینے کے بجائے سیل آف کردیا تھا۔

* * *

اریبہ سے بات کرکے شمشیر علی کی بے چینی بجائے کم ہونے کے مزید بڑھ گئی تھی۔ اس لیے نہیں کہ اریبہ نے اسے فون کرنے سے منع کردیا تھا بلکہ اسے یہ خیال ستا تا تھا کہ گمشدگی کے بعد اب کہیں اس پر زندگی تنگ تو نہیں ہوگئی۔ جیسا کہ اس نے خود کہا تھا۔

"تم نادان نہیں ہو، جانتے ہوگے کہ لڑکی اگر ایک رات بھی گھر سے باہر رہے تو پھر لوگ اسے کس نام سے پکارتے ہیں۔"

گوکہ اب شمشیر علی کے اختیار میں کچھ نہیں تھا لیکن وہ اس لڑکی اریبہ کو رسوا نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس کی عزت و آبرو کا وہ خود محافظ تھا۔ یہ صرف وہی جانتا تھا اور وہی اس کی گواہی دے سکتا تھا۔ لیکن اریبہ کچھ بتائے تب ناں، وہ تو اب بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ فون کرنے سے بھی منع کردیا تھا تو پھر اس نے فون تو نہیں کیا لیکن اسپتال کے چکر ضرور لگاتا تھا، پھر پورے پندرہ دن بعد اریبہ نظر آئی تو وہ اس کے سامنے جم کر کھڑا ہوگیا۔

"تم نے کہا تھا کہ تاجور اب صرف تمہاری بہن نہیں ہے کہ تم اسے لے کر چلتے بنو۔"

"پھر۔!" اریبہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔

"پھر یہ کہ تم بھی میرے لیے اجنبی نہیں ہو کہ میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں۔" اس نے کہا تو اریبہ غصے سے لیکن دبی آواز میں بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب میری وجہ سے اگر تم پر کوئی آنچ آرہی ہے تو بتاؤ۔" اس کی بات پر اریبہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

"کیا کروگے تم۔ کیا کرسکتے ہو۔ ساری دنیا اگر مجھ پر انگلیاں اٹھائے گی تو کاٹ دوگے سب کی انگلیاں؟"

"صرف انگلیاں ہی نہیں گردنیں بھی اڑا دوں گا۔" اس کا لہجہ ہنوز مضبوط تھا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا اور سن لو! اول تو مجھے کسی ایسی صورت حال کا سامنا نہیں اور اگر ہوا بھی تو میں خود نمٹ سکتی ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ سمجھے تم!" اریبہ نے سلگ کر کہا اور آگے بڑھنا چاہتی تھی کہ اس نے پھر راستہ روک لیا۔

"میں جانتا ہوں تم بہت بہادر ہو لیکن اب یہ صرف تمہارا معاملہ نہیں ہے۔"

اریبہ دانتوں پر دانت جما کر تیکھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو وہ ہلکے ہلکے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ صرف تمہارا معاملہ نہیں ہے۔ اس لیے آئندہ غلطی سے بھی یہ مت کہنا کہ تم کون ہوتے ہو میرے ذاتی معاملے میں دخل دینے والے۔ سمجھیں تم!"

اریبہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا کہ وہ فوراً "شہادت کی انگلی اٹھا کر بولا۔

"جب تم زبردستی میرے دل پر قابض ہوسکتی ہو تو میں بھی زبردستی کرسکتا ہوں۔"

"شٹ اپ۔!" اریبہ اسے دھکیل کر تیزی سے آگے بڑھ گئی تو وہ چند لمحے اسی طرح کھڑا رہا پھر کچھ سوچ کر وہاں سے نکلا تو سیدھا آفس آگیا۔

اسے توصیف احمد کا نیا آفس جوائن کیے ایک ہفتہ ہوگیا تھا اور وہ بہت مطمئن تھا۔ توصیف احمد نے جس طرح اس پر اعتماد کیا تھا تو وہ بھی اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے لگن سے کام کررہا تھا۔ پھر اب تو ایک لگن بھی تھی جو اسے توصیف احمد کی نظروں میں خاص مقام حاصل کرنے پر اکساتی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا کہ وہ انگیج ہے یا اس کے دل میں پہلے ہی کوئی جگہ بنا چکا ہے۔ اس وقت اس نہج پر سوچتے ہوئے وہ پریشان ہوگیا تھا اور اس روز جب تاجور اریبہ کے بارے میں بتا رہی تھی کہ وہ کھو گئی تھی سب لوگ بہت پریشان تھے تو وہ ٹوک کر اس کے پاس سے ہٹ گیا تھا لیکن اب وہ سب جاننا چاہتا تھا۔ جب ہی شام جب وہ گھر آیا تو اس نے تاجور کو پاس بٹھالیا اور کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد پوچھنے لگا۔

"تمہاری اریبہ باجی کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہیں۔ کل میں نے فون کیا تھا اریبہ باجی سے بھی بات کی تھی۔" تاجور نے سادگی سے بتایا۔

"اچھا وہ جو اس دن تم نے بتایا تھا کہ اریبہ کھو گئی تھی تو پھر جب واپس آئی تھی تو اس کے گھر والوں نے کچھ کہا تھا اس کو ڈانٹا تھا، سختی کی تھی؟" وہ تاجور کی سمجھ کے مطابق بات کررہا تھا۔

"نہیں ڈانٹا تو نہیں تھا۔ سب خوش تھے۔"

"اور خاندان کے لوگ کیا باتیں کرتے تھے جب اریبہ گھر نہیں آئی تھی؟"

"پتا نہیں بھائی! میں تو اپنے کمرے میں رہتی تھی، مجھے اریبہ باجی نے منع کیا تھا کہ میں کسی کے سامنے نہ آؤں، اس لیے جب کوئی آتا تھا تو میں کمرے سے نہیں نکلتی تھی۔"

"اچھا کرتی تھیں۔" وہ یہی کہہ سکا، پھر پوچھنے لگا۔ "اریبہ نے تمہارے بارے میں اپنے امی ابا کو کیا بتایا تھا؟"

"یہی کہا تھا کہ وہ میرا علاج کررہی ہیں۔"

"انہوں نے کچھ کہا نہیں؟"

"نہیں اریبہ باجی بہت اچھی ہیں نا، انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ سب پیار کرتے ہیں ان سے۔ بھائی! آپ مجھے کب لے کر جائیں گے ان کے گھر۔؟" تاجور کو اچانک اس گھر کی یاد ستانے لگی تھی۔

"لے جاؤں گا۔ اریبہ کی شادی میں لے جاؤں گا۔" اس نے بظاہر بے نیازی سے کہا تو تاجور منہ پھلا کر بولی۔

"نہیں بھائی! ان کی شادی تو پتا نہیں کب ہوگی۔"

"منگنی ہوگئی؟" اصل میں تو یہی جاننا چاہتا تھا۔

"ہاں۔" تاجور نے انجانے میں اسے شاک پہنچایا تھا پھر وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔

* * *

ہمیر پھر سارہ سے شاکی ہو رہا تھا۔

"تم ایسی کیوں ہوگئی ہو سارہ! پہلے تو ذرا ذرا سی بات پر مجھے فون کرتی تھیں، اب اتنی بڑی بڑی باتیں چھپا جاتی ہو۔ کیوں؟"

"کیا چھپایا ہے میں نے تم سے؟" خلاف توقع سارہ بہت پرسکون تھی۔

"اریبہ اور رازی بھائی کی منگنی ٹوٹ گئی۔" ہمیر نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ سارہ بول پڑی۔

"ایسی باتیں تو جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں۔ تمہیں بھی اسی روز پتا چل گیا ہوگا، جب ڈیڈی تائی امی کو منع

کر آئے تھے' پھر میں کیا بتاتی۔ ہاں! اگر تمہیں اس خبر کی سچائی پر شبہ تھا تو تم مجھ سے تصدیق چاہتے۔ اس انتظار میں کیوں رہے کہ میں تمہیں فون کر کے کہوں سمیر تم نے جو سنا' سچ ہے۔ یہ کوئی خوشی کی بات تو نہیں تھی۔"

"اب میں کیا کہوں؟" سمیر واقعی لاجواب ہو گیا۔

"کچھ مت کہو۔۔۔ نہ اب' نہ آئندہ کبھی۔ پتا نہیں' آگے قسمت میں کیا لکھا ہے۔" سارہ نے کہا تو سمیر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔ تم بتاؤ تمہاری جاب کا کیا ہوا؟" سارہ نے بات کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔

"جاب۔۔۔ ہاں کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ تین چار جگہ اپلائی کر چکا ہوں۔ صرف ایک جگہ سے انٹرویو کال آئی تھی۔ اس کے بعد ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ دعا کرو۔"

"تم ڈیڈی سے کیوں نہیں کہتے؟ وہ اگر اور کہیں نہیں تو اپنے آفس میں۔۔۔"

"امی بھی یہ ہی کہتی ہیں۔" سمیر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔

"پھر۔۔۔؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"پھر یہ کہ میں پہلے خود کوشش کرنا چاہتا ہوں۔"

"یعنی جب ہر طرف سے مایوس ہو جاؤ گے' تب ڈیڈی سے کہو گے؟" سمیر ہنسنے لگا تو وہ چڑ کر بولی۔

"یوں کیوں نہیں کہتے کہ تمہیں وقت ضائع کرنے کا شوق ہے۔"

"بالکل نہیں۔" وہ فوراً" سیدھا ہو بیٹھا۔ "میں نے کب وقت ضائع کیا ہے؟ جیسے ہی تم میرے دل میں سمائیں' میں نے اسی وقت تم سے اعتراف کیا تھا' جبکہ تم۔۔۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" اس نے ٹوک دیا۔

"یہ فضول باتیں نہیں' میری زندگی کا سوال ہے۔ تمہارے بدلتے رویوں کے باوجود میں نے کبھی پیچھے ہٹنے کا سوچا بھی نہیں۔ الٹا میرا دل تاویلیں گھڑتا رہا کہ تم اریبہ کی وجہ سے پریشان ہو' جب ہی ایسے بی ہیو کر رہی ہو۔ ایسا ہی تھا نا؟" آخر میں سمیر نے تصدیق چاہی تو وہ جز بز ہو کر بولی۔

"نہیں۔"

"پھر۔۔۔؟" سمیر کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

"پھر یہ کہ میں نے تمہارے کہنے پر بہت بار تمہارے بارے میں سوچا' لیکن مجھے کوئی نیا احساس نہیں ملا تو اس کا یہی مطلب ہوا نا کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔۔۔ اور یہ اچھا ہی ہے' کیونکہ اریبہ کی محبت کا انجام دیکھنے کے بعد میرا محبت پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔" سارہ اپنے ناخن دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔" سمیر سلگ گیا۔

"نہیں! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ باقی تمہاری مرضی مانو نہ مانو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو سمیر نے لپک کر اس کی کلائی تھام لی۔

"مان لوں گا۔ مجھے دیکھ کر بات کرو۔"

"کیا بات؟ اب اور کیا سننا چاہتے ہو؟" وہ اپنی کلائی چھڑانے کی سعی کرنے لگی۔

"میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔" سمیر نے دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ پکڑ کر اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں! نہیں ہے۔ مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"پھر کس سے ہے؟" سمیر کے دونوں ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ تب وہ اسے دھکیل کر پیچھے ہٹ گئی۔

"کسی سے نہیں۔"

"تھینک گاڈ' تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔" سمیر نے گہری سانس کھینچ کر کہا۔

"بے کار کی باتیں ہیں۔ کسی کی جان نہیں نکلتی۔ اپنی یک طرفہ محبت پر بھروسا مت کرو۔ لے ڈوبے گی نہیں۔" وہ اب تنفر سے بولی۔ سمیر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ یاسمین کو آتے دیکھ کر اس سے مخاطب ہو گیا۔

"السلام علیکم آنٹی!"

"وعلیکم السلام! تم کب آئے؟" یاسمین نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"جی! کچھ دیر ہوئی۔۔۔" سمیر نے کہا تو یاسمین سہولت سے گویا ہوئی۔

"تو بیٹا! تمہیں پہلے مجھے سلام کرنے آنا چاہیے تھا۔ میں یہ پسند نہیں کرتی کہ تم باہر ہی باہر میری بیٹیوں سے مل کر چلتے بنو۔ اگر حماد اس طرح تمہارے گھر صرف طیبہ سے مل کر چلا آئے تو تمہیں کیسا لگے گا؟"

سمیر یکدم سناٹے میں آگیا۔

"برا مت ماننا بیٹا! جو بات اپنے لیے ناپسند ہو' دوسرے کے لیے بھی اسی انداز سے سوچنا چاہیے۔ اب جاؤ! آئندہ خیال رکھنا۔" یاسمین نے بڑے پیار سے اسے دن میں تارے دکھا دیے تھے۔ جب وہ چلا تو اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

سارہ چاہ کر بھی اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکی تھی۔

* * *

اریبہ کے مزاج میں چڑچڑا پن عود کر آیا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر الجھنے لگی تھی۔ اسے خود بھی احساس تھا' لیکن وہ کیا کرتی۔ دل پر جو سانحہ گزرا تھا۔ اس کے بعد کسی بات' کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ گھر میں بھی اکھڑی اکھڑی رہتی تھی۔ یاسمین اور سارہ اس کی کیفیت سمجھتی تھیں۔ جب ہی اسے ٹوکتی نہیں تھیں۔ بس اس کی ہاں میں ہاں ملاتیں' لیکن کالج اور ہاسٹل میں اس کے ساتھی اب اس سے کترانے لگے تھے' اور یہ نہیں تھا کہ اسے پرواہ نہیں تھی۔ وہ خود عاجز تھی۔ کوشش بھی کرتی کہ اگر وہ کوئی بھی بات برداشت نہیں کر پا رہی تو جواب میں خاموشی اختیار کرے اور کبھی تو وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتی' ورنہ ہتھے سے اکھڑ جاتی۔

کسی وقت غیر جانب داری سے سوچنے بیٹھتی تو سب ہی بے قصور نظر آتے اور سارا کھیل قسمت کے کھاتے میں چلا جاتا۔ اور شاید یہ ہی سچ تھا کہ اس کا اور رازی کا جوڑ لکھا ہی نہیں گیا تھا۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہتی تو کبھی دل روٹھے بچے کی طرح دبک کر بیٹھ جاتا اور کبھی بدک جاتا۔ پھر اسی طرح اس کا مزاج بھی بدلتا تھا۔ اس وقت بھی یاسمین کی گود میں سر رکھے عاجزی سے کہہ رہی تھی۔

"مما! دعا کریں۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا۔ سب بھول جاؤں اور میرے دل کو قرار آجائے۔"

"میں دعا کرتی ہوں بیٹا! میری ساری دعائیں تمہارے لیے ہیں۔ تم بھی نماز پڑھو۔ دل کا سکون نماز میں ہے۔"

یاسمین اس کے بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"میں کیا کروں' میرا نماز میں دل نہیں لگتا۔" وہ اپنی بے بسی پر خود بھی کڑھ رہی تھی۔

"پھر بھی پڑھو۔ اللہ ضرور تمہارا دل اپنی طرف پھیر دے گا۔ اپنی طرف بڑھنے والی کوششوں کو اللہ کبھی نظرانداز نہیں کرتا۔ مجھے دیکھو۔" یاسمین یکدم خاموش ہوئی' پھر ہمت کر کے کہنے لگی۔

"میں بھٹکی ہوئی روح تھی۔ پھر بھی اللہ نے میری پکار سن لی۔ مجھے مایوس نہیں کیا۔ اور تم نے تو بیٹا! کوئی گناہ نہیں کیا۔"

"پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی محسوس کر کے یاسمین تڑپ گئی۔

"صرف تمہارے ساتھ نہیں بیٹا! ہر ایک کو اللہ کسی نہ کسی آزمائش میں ضرور ڈالتا ہے اور پھر نکالتا بھی وہی ہے۔ انسان کی کوئی اوقات نہیں ہے۔ اس لیے ہمیشہ اللہ سے مدد مانگو۔"

وہ یاسمین کی گود سے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی تو یاسمین اس کی پیشانی چوم کر بولی۔

"کچھ وقت گزرنے دو۔ پھر تم خود جان جاؤ گی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا، وہ اچھا تھا یا برا۔"

"پتا نہیں مما! ابھی تو مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ پھر یاسمین کی گود میں سر رکھنا چاہتی تھی کہ سارہ کی آواز پر ادھر متوجہ ہو گئی۔

سارہ کاریڈور میں جانے کس سے بات کر رہی تھی۔

"شاید کوئی آیا ہے۔" یاسمین نے بھی آواز سن لی تھی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سارہ کے ساتھ تاجور سامنے آگئی۔

"کون ہے بیٹا۔" یاسمین نے پوچھا تو وہ دروازے میں آکر بولی۔

"السلام علیکم آنٹی!"

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہو بیٹا؟" یاسمین نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی آنٹی! آپ کیسی ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ سارہ! بٹھاؤ اپنی دوست کو۔ کچھ خاطر مدارت کرو۔" یاسمین کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آؤ! میرے کمرے میں چلو۔" اریبہ، سارہ کو اشارہ کر کے اپنے کمرے میں آگئی۔ تاجور کو دیکھتے ہی اسے شمشیر علی کی بات یاد آئی تھی۔

"جب تم زبردستی میرے دل پر قابض ہو سکتی ہو تو میں بھی زبردستی کر سکتا ہوں۔"

"اریبہ باجی!" وہ تینوں اریبہ کے کمرے میں آئیں تو تاجور اس سے لپٹ گئی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ قصداً" مسکرائی۔

"پھر آپ میرے گھر کیوں نہیں آئیں؟ میں اتنا یاد کرتی ہوں آپ کو۔"

"اچھا! اتنا یاد کرتی ہو اور آئی اب ہو، اتنے دنوں بعد؟ یہ ہے تمہاری محبت۔" اریبہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی جتا دیا۔

"اللہ، نہیں باجی! میں تو روز بھائی سے کہتی ہوں، مجھے آپ کے پاس لے آئیں اور آپ کو بھی اپنا گھر دکھا دیں۔"

"مجھے پتا ہے تمہارا بھائی۔۔۔" اریبہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ یکدم خاموش ہو گئی۔ پھر سارہ سے بولی۔

"سارہ! جاؤ پہلے اسے بی بی سے ملوا دو۔ بہت پوچھتی ہیں اس کا۔"

"ہاں چلو تاجور! بی بی سے مل لو۔" سارہ اس خیال سے کہ کہیں اچانک اریبہ کا موڈ خراب نہ ہو جائے تاجور کو لے کر چلی گئی۔

ساجدہ بیگم کو ثنا کی شادی کی فکر تو تھی، لیکن اتنی نہیں۔ یہ ہی سوچتی تھیں کہ جب اللہ کو منظور ہوگا۔ لیکن جب سے یاسمین نے ان کے منہ پر کہہ دیا تھا کہ بیٹی تو آپ کے گھر میں بھی بیٹھی ہے تو یہ بات ان کے دل پر ایسی لگی [illegible] کہ اس کے بعد انہیں اور کچھ سوچنا ہی نہیں تھا۔ [illegible] یہ ہی فکر [illegible] رازی کی جلد سے جلد [illegible] گھربار کا کر دیں۔ شاید اس لیے کہ یاسمین کی فطرت سے واقف تھیں۔ جانتی تھیں کہ وہ اپنی بیٹیوں کا یا اپنا دفاع کرنے کی خاطر دوسروں پر تہمت دھرنے سے ذرا نہیں جھجکے گی اور ساجدہ بیگم میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ ایسا کوئی اوچھا وار سہہ سکیں۔ یوں بھی عورت کے سر پر بیوگی کی چادر ہو تو وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتی ہے۔

بہرحال دو دن پہلے ثنا کو کچھ لوگ دیکھنے آئے تھے۔ بظاہر ساجدہ بیگم کو اس رشتے میں کوئی خامی نظر نہیں آرہی تھی، لیکن چونکہ بالکل غیر لوگ تھے، اس لیے وہ آنکھ بند کر کے اعتماد بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے اجلال رازی کو پوری چھان بین کرنے کو کہا تھا اور پھر ان سے زیادہ صبر بھی نہیں ہوا۔ اس وقت رازی آفس سے آکر بیٹھا ہی تھا کہ وہ پوچھنے لگیں۔

"پھر معلوم کیا تم نے، کیسے لوگ ہیں؟"

"جی! لڑکے کے بارے میں معلوم کیا ہے۔ اتفاق سے وہ جس بینک میں ملازم ہے، وہاں کا منیجر میرا جاننے والا ہے اور وہ لڑکے کی تعریف کر رہا تھا۔ اخلاق، کردار کا اچھا ہے۔ محنتی بھی ہے۔" رازی غالباً" خود مطمئن ہو چکا تھا، جب ہی اس کے لہجے میں ہر طرح کا اطمینان جھلک رہا تھا۔

"اور گھر والے۔۔۔؟" ساجدہ بیگم نے پوچھا۔

"گھر والوں سے تو آپ مل چکی ہیں امی! اور مجھ سے زیادہ آپ سمجھ سکتی ہیں۔ ان کی بات چیت سے آپ نے کیا اندازہ لگایا؟" رازی نے الٹا ان سے پوچھا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"ایسا کریں امی! آپ ابھی کوئی فیصلہ نہ کریں۔ پہلے ان کا گھر اور گھر کا ماحول دیکھ لیں، پھر جب تک آپ کا دل مطمئن نہ ہو، سوچیں بھی نہ۔" رازی نے کہا تو ساجدہ بیگم اسی پُرسوچ انداز میں اسے دیکھے گئیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ جلد بازی نہ کریں۔ یوں بھی ابھی ثنا کی عمر ہی کیا ہے۔"

"لڑکیوں کی یہ ہی عمر ہوتی ہے شادی کی۔" ساجدہ بیگم نے فوراً" سخت لہجے میں کہا۔

"آپ بہتر جانتی ہیں۔" وہ زچ انداز میں کہہ کر اٹھنے لگا تھا کہ ساجدہ بیگم نے روک دیا۔

"بیٹھو ابھی۔۔۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"جی۔۔۔!" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو قدرے رک کر ساجدہ بیگم کہنے لگیں۔

"ثنا کا تو ٹھیک ہے۔ میں گھر بار دیکھ کر فیصلہ کروں گی۔ ساتھ میں، میں چاہتی ہوں تمہاری بات بھی ڈال دوں۔ تاکہ پھر دونوں کی ساتھ شادی کر سکوں۔"

"ہاں! لیکن۔۔۔" وہ اندر سے پریشان ہو گیا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ بتاؤ! تم نے کہاں لڑکی پسند کی ہے؟" ساجدہ بیگم اس وقت اپنے ازلی رعب سے پوچھ رہی تھیں۔

"بتا دوں گا امی! آپ پہلے۔۔۔"

"میں نے کہا نا، دونوں کے معاملات ساتھ ساتھ طے ہو جائیں گے۔ بتاؤ! کون ہے؟" ساجدہ بیگم کے تحکمانہ اصرار پر وہ جزبز ہو کر بولا۔

"آپ جانتی ہیں اسے۔۔۔"

"نام بتاؤ۔۔۔؟"

"سارہ۔۔۔" رازی کی اپنی سانسیں رک گئی تھیں۔

"سارہ۔۔۔؟ یاسمین کی بیٹی؟" ساجدہ بیگم کے وجود میں جیسے چنگاریاں بھر گئی تھیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں‘ سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی‘ خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ‘ جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے‘ جبکہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایازاد‘ اجلال رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے۔ یاسمین‘ اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوجاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آتا ہے تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلتا ہے۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اجلال رازی اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے‘ مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے‘ تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خودسر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔ مگر سارہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

—۱۷—

سترھویں قسط

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصہ میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کرلیتا ہے۔

شمشیر، تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے اسپتال داخل کروا دیتا ہے۔

اریبہ، یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کر دیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی، اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچا لیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی، توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے ریک سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اریبہ، ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی، اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔

تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جا کر تاجور کا معلوم کرتا ہے۔ مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے۔ مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہو جاتی ہے۔ تاباں کو دیکھ کر شمشیر پچھتاتا ہے اور ان کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے اپنے ساتھ چلنے کا کہتا ہے۔ مگر تاباں منع کر دیتی ہے۔

یاسمین، اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑ جاتی ہے۔ مگر اریبہ دوٹوک انداز میں منع کر دیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال، اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہو جاتا ہے۔ اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر سے بات کرتی ہے۔ مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے۔ وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کر لیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہو جانے پر سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ اجلال ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

شمشیر علی کو اریبہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ وہ اریبہ سے گریز کرنے لگا۔ شمشیر علی، اریبہ کو اپنا سیل فون دے دیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے رابطہ کر لے۔

اریبہ نئے نمبر سے شمشیر علی سے رابطہ کرتی ہے اور تاجور کو اس سے ملوا دیتی ہے مگر فی الحال شمشیر اسے اپنے ساتھ نہیں لے جاتا کیونکہ اس کے پاس نہ گھر ہے نہ نوکری۔ راستے میں اسے توصیف احمد ملتے ہیں۔ اریبہ کے حوالے سے وہ دوبارہ شمشیر علی کے ممنون ہو چکے ہیں۔ وہ شمشیر کو نئی برانچ کے لیے اچھی پوسٹ پر آفر دیتے ہیں۔ شمشیر ان کی پیش کش قبول کر لیتا ہے۔ آفس کی طرف سے اسے گھر مل جاتا ہے تو وہ تاجور کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

"تم ہوش میں تو ہو رازی! پتا بھی ہے کیا کہہ رہے ہو جس گھر کی ایک بیٹی نے...؟"

"امی پلیز..." اس میں شاید یہ سب سننے کا حوصلہ نہیں تھا۔ ایک دم ٹوک کر بہت تیزی سے وہ کمرے سے نکل گیا۔ لیکن ہمیشہ صبر و ضبط کا مظاہرہ کرنے والی ساجدہ بیگم بالکل ہی آپے سے باہر ہو چکی تھیں۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ میں مر کر بھی دوبارہ اس دروازے پر نہیں جاؤں گی۔ تم کسی بھول میں مت رہنا۔" ساجدہ بیگم رازی کو سنانے کی غرض سے چلا چلا کر بول رہی تھیں۔ جب ہی ثنا بھاگی آئی۔

"کیا ہوا امی! کیا ہو گیا ہے؟ اتنا چلا کیوں رہی ہیں؟"

"پوچھو اس سے جا کر جو میری عمر بھر کی سنبھالی عزت خاک میں ملانے پر تلا ہے۔ ارے پہلے کیا کم ذلت اٹھانی پڑی ہے جو اب مزید..." ساجدہ بیگم کی آواز پھٹ گئی تھی۔ غصے میں وہ یہ بھی بھول گئیں کہ کس سے بات کر رہی ہیں۔ ثنا جسے گھریلو معاملات میں بولنے کی وہ اجازت نہیں دیتی تھیں ہمیشہ اس کی آواز دبا دیتیں۔ اب اسی سے کہہ رہی تھیں۔

"مجھے پتا تھا یاسمین ضرور کوئی چکر چلائے گی۔ اور دیکھو! کیسا چکر چلایا ہے۔ اریبہ نہیں تو سارہ۔ وہ عورت ہر صورت مجھے اپنے در پر جھکانا چاہتی ہے۔"

"بات کیا ہے امی! مجھے اصل بات تو بتائیں۔" ثنا ساجدہ بیگم کے غصے سے متوحش تھی۔

"افسوس تو اپنی اولاد پر ہے۔" ساجدہ بیگم اپنا بولے گئیں۔ "سب جانتے ہوئے بھی اس کے چکر میں آگیا۔ یہ بھی نہیں سوچا لوگ کیا کہیں گے۔"

"اوفوہ امی! ہوا کیا ہے۔" ثنا اب جھنجلا گئی تھی۔

"تمہارا بھائی کہہ گیا ہے، سارہ سے شادی کرے گا۔" ساجدہ بیگم نے دانت پیس کر بتایا تو ثنا بھی اچھل پڑی۔

"کیا سارہ... نہیں امی! رازی بھائی ایسا نہیں کہہ سکتے۔ ضرور آپ کے سننے میں غلطی ہوئی ہوگی۔"

"بہری نہیں ہوں میں۔ جا کر کہہ دو اس سے، میرے جیتے جی یہ ممکن نہیں ہے۔"

"اچھا آپ غصہ نہ کریں، آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو جائے گا۔ میں آپ کو ٹیبلٹ دیتی ہوں۔"

ثنا کے اپنے اندر تنفر آمیز کھلبلی مچ گئی تھی لیکن اس نے پہلے ساجدہ بیگم کو سنبھالا۔ انہیں سکون کی دوائی دے کر کتنی ہی دیر ان کا سر دباتی رہی اور جب وہ سو گئیں تو لائٹ بند کر کے کمرے سے نکل آئی اور کیونکہ ابھی رات کا کھانا نہیں کھایا گیا تھا، سو اسی بہانے وہ کھانے کی ٹرے لے کر رازی کے کمرے میں آگئی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" رازی اس کے ہاتھوں میں ٹرے دیکھتے ہی بولا تھا۔

"تھوڑا سا کھا لیں بھائی! امی بھی بغیر کھائے پیے سو گئی ہیں۔" ثنا نے قصداً ساجدہ بیگم کا بھوکا سونا جتایا تھا۔

"میں بھی سو رہا ہوں۔ تم جاؤ۔" رازی کے روٹھے پن سے وہ مزید اصرار کی ہمت نہیں کر سکی۔ مایوس ہو کر پلٹ تو آئی لیکن اسے چین نہیں آیا۔ اسی وقت امینہ کے گھر فون کر ڈالا اور جب سمیر کی آواز سنی تو اس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"چہ... چہ تمہارے لیے بری خبر ہے۔"

"تم سے کسی اچھی خبر کی توقع کی بھی نہیں جا سکتی۔ خیر بری خبر سناؤ۔" سمیر نے اس کی خصلت جتا کر کہا۔

"سن سکو گے؟" ثنا اب مزا لے رہی تھی۔

سمیر خاموش رہا تو خود ہی کہنے لگی۔

"اچھا دل تھام کر سنو! تم جس کے پیچھے بھاگتے ہو اس نے رازی بھائی کو پھانس لیا ہے۔"

سمیر ابھی بھی کچھ نہیں بولا۔ غالباً "اس" کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہیلو۔۔۔ آئیک وئیک تو نہیں ہو گیا تمہیں۔ خود کو سنبھالو کزن! یاسمین آنٹی کی بیٹیاں ایسی ہی ہیں۔ پہلے اریبہ اب سارہ۔۔۔ اِدھر تمہیں چکر دے رہی تھی اُدھر رازی بھائی پر ڈورے ڈال رہی تھی۔" ثنا دل جلانے والے انداز میں بول رہی تھی کہ سمیر چیخ پڑا۔

"بکواس بند کرو۔ شرم نہیں آتی تمہیں۔ کم از کم اپنے بھائی کا ہی خیال کر لو۔"

"برا لگا ناں! یہی سچ ہے سمیر! اور اس سچ نے امی پر کیا قیامت توڑی ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ پہلی بار۔۔۔ زندگی میں پہلی بار میں نے امی کو چلاتے ہوئے دیکھا ہے۔ رازی بھائی پر چلا رہی تھیں' جو کہہ گئے ہیں سارہ سے شادی کریں گے۔ سن رہے ہو ناں! رازی بھائی نے یوں ہی تو نہیں کہہ دیا ہو گا۔ جا کر پوچھو اپنی سارہ سے کیا جادو کیا ہے اس نے میرے بھائی پر اور تم مجھ سے کہہ رہے ہو شرم نہیں آتی۔۔۔ ارے شرم دلانی ہے تو پہلے اپنی سارہ کو لاؤ۔۔۔ گھومے تمہارے ساتھ اڑاتی رہی اور شادی رازی بھائی سے کرے گی۔ ہونہہ!"

ثنا نے دل کے پھپھولے پھوڑ کر فون پٹخ دیا تھا۔

* * *

اریبہ مسلسل شمشیر علی کے میسجز نظر انداز کر رہی تھی' جو اسے ملنے پر اصرار کر رہا تھا۔ کتنے دنوں سے اس کی ایک ہی رٹ تھی۔ "میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" اریبہ تنگ آ گئی تھی اور اب تو اس کا میسج پڑھتی بھی نہیں تھی۔ نام دیکھتے ہی ڈیلیٹ کر دیتی۔ ایک بار بھی اس نے یہ نہیں سوچا کہ آخر وہ کیوں ملنا چاہتا ہے۔ شاید اس لیے کہ شمشیر علی کو جب کوئی بات کہنی ہوتی تھی' وہ خود ہی اسے اسپتال میں ڈھونڈتے ہوئے آ جاتا تھا۔ اریبہ کے لاشعور میں یہی بات تھی کہ کوئی ضروری بات ہو گی تو اسی طرح آ جائے گا لیکن اس بار جانے کیا بات تھی کہ وہ آنے کے بجائے اسے بلا رہا تھا۔ اریبہ کی طرف سے جواب نہ ملنے پر بھی اس کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے شاید کوئی دھمکی دی تھی' جس سے اریبہ مرعوب تو نہیں ہوئی البتہ طیش میں ضرور آ گئی تھی اور اس کا مزاج ٹھکانے لگانے کا سوچ کر ہی جہاں اس نے بلایا' وہیں پہنچ گئی۔

"تم کیوں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑے ہو شام! کیا چاہتے ہو؟" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا تو جواباً وہ انتہائی عاجزی سے بولا تھا۔

"تمہاری مدد۔ پلیز میری مدد کرو میں بہت مشکل میں ہوں۔"

"کک۔۔۔ کیا ہوا ہے۔ اب کیا مشکل آن پڑی ہے۔" اریبہ یک لخت جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"میں۔۔۔ میں خود کو معاف نہیں کر پا رہا۔ مجھے یہ احساس کچوکتا ہے کہ انتقامی آگ میں اندھا ہو کر میں نے ایک لڑکی کی زندگی تباہ کر دی۔" وہ ہنوز عاجز تھا لیکن اریبہ پھر سلگ گئی تھی۔

"تو اس سلسلے میں میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں۔" تیکھا چبھتا لہجہ تھا۔

"تم شاید میری بات کو مذاق سمجھ رہی ہو۔ یہ مذاق نہیں ہے اریبہ! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے کسی پل چین نہیں ہے اور تب تک چین نہیں ملے گا جب تک مجھے یہ یقین نہ مل جائے کہ وہ شخص جو تمہاری زندگی کا ساتھی بننے جا رہا ہے' اس کی نظروں اور دل میں تمہارا آج بھی وہی مقام ہے۔ جو ہمیشہ سے تھا۔"

شمشیر علی جانے ایسا ہی محسوس کر رہا تھا یا اس کے منہ سے کچھ سننا چاہتا تھا۔ اریبہ چند لمحے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی پھر چہرہ موڑ کر گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی۔ جانے کون سی جگہ' کون سا مقام تھا کہ نہ زمین نظر آ رہی تھی نہ آسمان۔ اسے لگا جیسے وہ بیچ بیچ درمیان میں کہیں معلق ہو گئی ہو۔ شمشیر علی اس کے چہرے پر نظریں جمائے اپنی بات کا جواب تلاش کرتے ہوئے الجھ گیا۔

"دیکھو شام!" کتنی دیر بعد وہ اسے دیکھ کر کہنے لگی۔ "جب میرے دل کی عدالت نے تمہیں بری کر دیا تھا تو تمہیں اسی وقت مطمئن ہو جانا چاہیے تھا۔ اس کے بعد میرے ساتھ جو بھی ہوا' یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تم آخر کیوں زبردستی خود کو انوالو کر کے مجھے پریشان کر رہے ہو جبکہ میں یہ بھی کہہ چکی ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا بھی تو میں خود نمٹ سکتی ہوں۔ تم خدا کے لیے میرے بارے میں مت سوچو۔"

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میرا دل' میرا ذہن تمہاری طرف سے ہٹتا ہی نہیں ہے۔ میں کوئی بھی کام کر رہا ہوتا ہوں تم میرے ساتھ ہوتی ہو۔ کبھی بے اختیار میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے روکتی ہو۔ کبھی تنبیہی نظروں سے گھورتی ہو۔ کبھی مسکرا کر سراہتی ہو اور کبھی جب میں کسی کام میں خود کو زبردستی مصروف رکھتا ہوں تو چوری چوری دیکھتی ہو۔۔۔ بتاؤ! میں کہاں کہاں تم سے نظریں چراؤں؟" وہ جذبات میں بہہ رہا تھا۔

اریبہ کو خود احساس نہیں تھا کہ وہ اس پر سے نظریں ہٹانا بھول گئی ہے۔

"اور تمہیں صرف اپنی کہی باتیں یاد رہتی ہیں۔ میری کسی بات کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ میں نے کہا تھا' جہاں تمہاری منزل ہو گی وہاں سے میرا سفر شروع ہو گا اور میں اپنی بات سے پھرتا نہیں' کبھی نہیں۔ میرا یقین کرو! میں تمہیں پریشان نہیں کر رہا بلکہ میں تمہیں ہر پریشانی سے نکالنا چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے میں تمہارا کچھ نہیں لگتا لیکن کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ہم کسی اجنبی کے سامنے بھی اپنا دل کھول کر رکھ دیتے ہیں۔" وہ سانس لینے کو رکا تھا کہ اریبہ نے دھیرے سے پوچھ لیا۔

"کیا سننا چاہتے ہو تم!" شمشیر علی ابھی الفاظ ڈھونڈ رہا تھا کہ وہ کہنے لگی۔

"میں تمہارے سامنے روؤں۔ مظلومیت کی تصویر بن جاؤں۔۔۔ یہی چاہتے ہو ناں تم تو سنو! یہ ممکن نہیں ہے شمشیر علی۔۔۔! روئی تو میں اس شخص کے سامنے بھی نہیں' جسے میری زندگی کا ساتھی بننا تھا۔"

"تھا؟" شمشیر علی کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا تھا۔

"شاید وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ میں اس کے سامنے رو رو کر اپنی پارسائی کی قسمیں کھاؤں' پھر التجا کروں کہ مجھے اپنا لے۔ کوئی فرق نہیں اس میں اور تم میں۔ تم سب ایک جیسے ہو۔ تمہیں میری بربادی کا احساس نہیں بلکہ تم مجھے روتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہو' اس کے بعد مجھے تسلی دے کر تم مطمئن ہو جاؤ گے۔ بس یہ ہے تمہارا مسئلہ۔"

اس کی تاسف بھری نظریں جن میں ملامت بھی تھی شمشیر علی کے دل میں ترازو ہو گئیں۔ وہ اپنی صفائی دے کر مزید خود کو گرانا نہیں چاہتا تھا۔ جب ہی کچھ توقف کے بعد کہنے لگا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے اس موضوع کو چھیڑنا ہی نہیں چاہیے۔ تم اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہو جبکہ میں غلطی پر غلطی کیے جا رہا ہوں۔ یہ جو دل ہے ناں۔" وہ اپنے دل کے مقام پر شہادت کی انگلی مار کر بولا۔ "یہ بڑی نامراد شے ہے۔ رسوا کر کے ذلیل کر کے رکھ دیتا ہے۔ بہرحال میں تمہاری کسی بات کو جھٹلاؤں گا نہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ میرا مسئلہ کچھ اور ہے۔"

اریبہ اب کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ اس لیے پرس میں سے سیل فون نکال کر چیک کرنے لگی۔

"ہاں وہ ایک بات کہنی تھی تم سے۔" شمشیر علی نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے اچانک کچھ یاد آیا ہو۔ اریبہ سیل فون سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں پتا ہے تاجور کتنی سادہ ہے۔ شاید تم نے یا تمہاری بہن نے اس سے کہا ہو گا کہ تم اس کے پاس آتی رہو گی تو اسے بہت انتظار رہتا ہے تم دونوں کا۔ حالانکہ میں اسے سمجھاتا ہوں کہ کسی کے پاس فالتو وقت نہیں ہے لیکن وہ مانتی نہیں۔ الٹا کہتی ہے آپ کو نہیں پتا اریبہ باجی اور سارہ باجی مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔"

"ٹھیک کہتی ہے تاجور۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں چلتی ہوں اور ہاں! تم تاجور کو ہم سے بدگمان کرنے کی

فضول کوشش ترک کردو۔"

"اچھی بات۔" وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن اریبہ تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

* * *

سمیر کو جب سے ثنا نے فون پر یہ بتایا تھا کہ رازی نے سارہ سے شادی کرنے کا کہا ہے' تب سے وہ بے حد پریشان تھا اور چاہتا تھا کہ جا کر سارہ سے پوچھے یہ سب کیا ہو رہا ہے لیکن جس انداز میں یاسمین نے اسے تنبیہہ کی تھی اس کے بعد توصیف ولا جانا تو دور کی بات' اس کی فون تک کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ پھر سارہ نے پڑھائی بھی چھوڑ دی تھی' جو وہ اس سے کالج میں مل سکتا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کرے۔ امینہ سے وہ یوں بات نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اسے ثنا پر اعتبار بھی نہیں تھا۔ اکثر یہ خیال آتا کہ ہو سکتا ہے ثنا نے جلاپے میں یہ شوشا چھوڑا ہو لیکن اس خیال پر بھی وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ پاتا۔ یہی سوچتا کہ ثنا اپنی طرف سے اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتی۔ اس وقت وہ متضاد سوچوں میں گھرا سارہ کو کوس رہا تھا جس نے یاسمین کے غیر اخلاقی رویے کے بعد اس سے معذرت کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے سارہ کو' وہ ایسی تو نہیں تھی۔" اس کی ہر سوچ کا اختتام اسی بات پر ہوتا تھا۔

ابھی بھی وہ سارہ کی بے حسی پر کڑھ رہا تھا۔ پھر آخر ہمت کر کے اسے فون کر ڈالا گو کہ اکثر سارہ ہی فون اٹھاتی تھی پھر بھی وہ خائف تھا اور جب تک اس کی آواز نہیں سن لی' اس کی سانسیں بحال نہیں ہوئی تھیں۔

"سمیر بات کر رہا ہوں۔" وہ بہت محتاط انداز میں بولا تھا۔

"کیسے ہو سمیر! پھپھو کیسی ہیں؟" سارہ کا لہجہ ہر احساس سے عاری تھا۔

"یاسمین آنٹی کہاں ہیں؟" اس نے سارہ کی بات کا جواب ہی نہیں دیا۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔ تمہیں ان سے بات کرنی ہے؟" سارہ نے پوچھا تو وہ سلگا ضرور لیکن ضبط سے بولا۔

"نہیں تم سے۔"

"اب کیا بات ہے؟" سارہ کے نزدیک گویا ہر بات ختم ہو چکی تھی۔

"رازی بھائی کا کیا معاملہ ہے؟" اس نے فوراً" پوچھا۔

"رازی بھائی کا کون سا معاملہ؟" سارہ نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سنا ہے اب رازی بھائی تم سے شادی کرنے کا کہہ رہے ہیں۔" سمیر کا سارا دھیان سارہ کی طرف تھا اور ادھر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

"بتاؤ سارہ! اس بات میں کتنی سچائی ہے؟" سارہ کی خاموشی نے اس کے اندر آگ لگا دی تھی۔ "بتاؤ سارہ! تم چپ کیوں ہو گئیں۔ اگر یہ سچ ہے تو بتاؤ کیا تم رازی بھائی سے شادی کر لو گی؟"

"نہیں! میں رازی بھائی تو کیا کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی اور تمہیں یہ بات کہی کس نے؟" سارہ نے غصے سے پوچھا۔

"ثنا نے۔ لیکن مجھے اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔"

"جب ہی مجھ سے تصدیق کر رہے ہو؟" سارہ کے چبھتے طنز پر اسے بھی غصہ آ گیا۔

"تم سمجھتی کیا ہو اپنے آپ کو۔ شکر کرو تم سے پوچھ رہا ہوں۔ اگر رازی بھائی سے پوچھتا اور وہ تصدیق کر دیتے تو پھر بتاؤ تم کیا جواب دیتیں۔"

"رازی بھائی کے کسی بھی معاملے میں میں جواب دہ نہیں ہوں۔ سمجھے تم!"

سارہ نے کہہ کر فون پٹخ دیا تھا اور سمیر کو بھی مزید کچھ نہیں کہنا تھا لیکن اس کی تشفی اب بھی نہیں ہوئی تھی جب ہی کچھ سوچ کر امینہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

* * *

ساجدہ بیگم اس دن کے بعد سے رازی سے بات نہیں کر رہی تھیں اور اپنی ناراضی کا واضح اظہار وہ اپنے کمرے تک محدود ہو کر کر رہی تھیں۔ ناشتے کھانے کے وقت بھی وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلتی تھیں۔ کتنے دن ہو گئے تھے۔ اس دن کے بعد سے انہوں نے ثنا سے بھی اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔ رازی کی بے حسی مزید تکلیف دے رہی تھی۔ کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ان کی ناراضی پر وہ خاموش ہو کر بیٹھ رہتا۔ فوراً" ان کے آگے پیچھے پھرنے لگتا تھا اور جب تک انہیں منا نہ لیتا چین سے نہیں بیٹھتا تھا۔ اب جانے اس نے اپنے دل میں کیا ٹھان لی تھی کہ ان کے کمرے میں جھانک بھی نہیں رہا تھا۔ صبح ناشتا کیے بغیر آفس چلا جاتا اور واپسی میں سیدھا اپنے کمرے کا رخ کرتا۔ شاید وہ بھی اس طرح اپنی بات منوانا چاہتا تھا۔ ساجدہ بیگم سمجھ رہی تھیں' جب ہی انہیں زیادہ تکلیف ہو رہی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رازی نے سارہ سے شادی کا کیسے سوچ لیا اور اس پر اتنا اٹل کیسے ہو گیا کہ اپنی ماں کی ناراضی کی بھی پروا نہیں رہی۔ کم از کم انہیں رازی سے ایسی توقع نہیں تھی۔

اسی وقت امینہ آئیں تو ساجدہ بیگم انہیں رازی کا نیا شوشا بتاتے ہوئے رو پڑیں۔

"بتاؤ امینہ! کیا یہ جان بوجھ کر خود کو ذلیل کروانے والی بات نہیں ہے؟ یاسمین کو تو چھوڑو توصیف بھی برا مانیں گے اور یہ نہیں کہ رازی یہ باتیں نہیں سمجھتا ہو گا۔ سب سمجھتے ہوئے بھی اس نے منہ پھاڑ کر سارہ کا نام لے دیا۔"

"وہی تو۔ میں بھی کہوں بھابھی! رازی کی مت ماری گئی ہے کیا۔ چار سال اریبہ سے منگنی رہی' اس کی محبت کا دم بھرتا رہا اور اب اسی کی بہن کو بیاہ لانا احمقانہ ہی نہیں گھٹیا پن بھی ہے۔ آپ نے یہ بات کہی نہیں رازی سے؟"

"ارے اس نے میری بات سنی کہاں۔ بس اپنی کہہ کر چلا گیا اور اس دن سے میرا سامنا بھی نہیں کر رہا۔ کرے گا بھی تو میں کیا کر لوں گی۔ ابھی آئے تو تم پوچھنا اس سے۔ آخر اس نے ایسا سوچا کیسے اور یہ بھی کہہ دینا' میں مر جاؤں گی لیکن سارہ کے لیے اس گھر میں نہیں جاؤں گی۔" ساجدہ بیگم کا ڈپریشن ان کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا۔

"اچھا آپ زیادہ دل پر نہ لیں بھابھی! میں بات کرتی ہوں رازی سے اور سمجھاؤں گی بھی۔" امینہ نے انہیں تسلی دی۔

"ہاں امینہ! مجھ میں اب برداشت کی طاقت نہیں ہے۔ سوچ سوچ کر لگتا ہے میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

ساجدہ بیگم پھر روہانسی ہو گئیں۔

"اللہ نہ کرے بھابھی! اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ اپنے بچوں کی خوشیاں دکھائے۔" امینہ' ساجدہ بیگم کی پریشانی اپنے دل پہ محسوس کر رہی تھیں۔ انہیں گلے لگانا چاہتی تھیں کہ رازی کے آنے پر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"السلام علیکم پھپھو!" رازی امینہ کو دیکھ کر یوں رکا تھا جیسے ان کا جواب سنتے ہی آگے بڑھ جائے گا۔

"خوش رہو' ٹھیک تو ہو۔ تم تو آتے ہی نہیں۔ کبھی یاد بھی نہیں آتی میری۔" امینہ نے رازی کی عجلت دیکھتے ہوئے بات بڑھائی تھی۔

"آؤں گا پھپھو!" رازی کہہ کر آگے بڑھا تھا کہ امینہ نے فوراً" ٹوک دیا۔

”جا کہاں رہے ہو بیٹھو۔ میں تم سے ملنے ہی آئی ہوں۔“

”جی!“ رازی اپنی حرکت پر نادم ہو کر بیٹھ گیا۔ ”کس کے ساتھ آئی ہیں پھپھو؟“

”سمیر چھوڑ کر گیا ہے لیکن جاؤں گی تمہارے ساتھ۔ کوئی بہانہ مت کرنا۔“ امینہ نے پہلے سے جتا دیا۔

”لیجیے پہلے کب بہانہ کیا ہے پھپھو!“

”اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ۔ تم نے ماں کو کیوں پریشان کر رکھا ہے؟“ امینہ تو خیر سوچ کر بیٹھی تھیں لیکن رازی کے لیے یہ بات غیر متوقع تھی کیونکہ ساجدہ بیگم گھر کی باتیں کبھی کسی کے سامنے نہیں کرتی تھیں۔ اس لیے وہ جز بز ہو کر ایک نظر انہیں دیکھ کر بولا۔

”میں کہاں پریشان کر رہا ہوں پھپھو!“

”تو اور کون کر رہا ہے۔ سارہ سے شادی کی بات کس نے کی ہے؟“ امینہ نے بغیر گھمائے پھرائے صاف لفظوں میں پوچھا تو رازی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

”کوئی گناہ تو نہیں کیا میں نے پھپھو! مجھ سے امی نے میری پسند پوچھی تھی اور میں نے بتا دی۔ اب آگے ان کی مرضی۔ یہ میری پسند کا خیال کریں نہ کریں۔ میں زبردستی نہیں کر رہا۔ اس لیے انہیں بھی زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔۔۔ ٹھیک ہے امی کو سارہ پسند نہیں ہے تو نہ سہی۔ لیکن پھر میری شادی کا خیال بھی چھوڑ دیں۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا! بات پسند ناپسند کی نہیں ہے۔ سارہ گھر کی بچی ہے ہمیں پسند کیوں نہیں ہوگی۔ لیکن اب یہ ممکن نہیں ہے۔“ امینہ نے سٹپٹا کر بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

”کیوں ممکن نہیں ہے۔ پھپھو! بنا آگے بات کیے آپ لوگوں نے کیسے سوچ لیا کہ یہ ممکن نہیں ہوگا۔“

”آگے بات کرنا آسان نہیں ہے۔ چلو اگر ہم آگے بات کریں اور وہاں سے توصیف بھائی اور یاسمین نے منع کر دیا پھر؟“ امینہ نے پوچھتے ہوئے ساجدہ بیگم کا ہاتھ دبا کر گویا انہیں بھی پوری بات سننے پر آمادہ کیا۔

”میرا خیال ہے چچا جان اور یاسمین آنٹی بھی سارہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔“ رازی کے جواب نے ساجدہ بیگم کو ششدر کر دیا۔

”تمہارا مطلب ہے سارہ بھی یہی چاہتی ہے؟“ امینہ اپنی جگہ حیران اور غیر یقین تھیں۔

”پتا نہیں۔ مجھے سارہ کا نہیں پتا۔“ وہ تنگ آ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”امی! آپ خوامخواہ میرا تماشا بنوا رہی ہیں۔ مجھے نہیں کرنی شادی۔“ اس نے خفگی سے کہا اور فوراً کمرے سے نکل گیا۔

”سن لیا۔ ساری باتیں طے ہو جاتی ہیں اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوتی۔“ ساجدہ بیگم نے رازی کے جاتے ہی کہا۔

”ہوں!“ امینہ سوچتے انداز میں بولیں۔ ”مجھے تو یہ بھی یاسمین کی چال لگ رہی ہے بھابھی!“

”اب بتاؤ۔ میں کیا کروں۔“ ساجدہ بیگم حد درجہ فکر مند تھیں۔

”ابھی کچھ نہ کریں۔ آپ بس خاموش رہیں۔ میرا مطلب ہے ابھی رازی پر شادی کا دباؤ نہ ڈالیں۔ آپ جتنا کہیں گی وہ اسی قدر ضد میں آئے گا۔ اس لیے ابھی یہ شادی بیاہ کی باتیں رہنے دیں۔“

امینہ کی بات پر ساجدہ بیگم خاموش ہو گئیں۔

* * *

اریبہ اس وقت اسپتال سے جلدی فارغ ہو گئی تھی تو اکیڈمی جانے کا سوچ کر اس نے گاڑی اسی راستے پر ڈال دی لیکن پھر اچانک اس کا موڈ بدل گیا یا شاید سامنے بنے اپارٹمنٹس کی پیشانی پر جانا پہچانا نام دیکھ کر اسے کچھ خیال

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رزیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook
fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

آگیا اور اس نے گاڑی وہیں پارک کر دی اور سیکنڈ فلور پر آ کر پہلے اطراف کا جائزہ لیا پھر مطلوبہ دروازے پر بیل کا بٹن دبا دیا۔ اندر سے تاجور کی آواز آئی تھی۔

”کون۔۔۔؟“

”اریبہ۔۔۔!“ اس نے اپنا نام بتایا تو دروازہ فوراً ہی کھلا اور اگلے پل تاجور مارے خوشی کے اس سے لپٹ گئی۔

”اریبہ باجی! مجھے یقین تھا‘ آپ ضرور آئیں گی۔“

”اچھا اندر تو آنے دو۔“ تاجور کی محبت نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

”ہاں آئیں ناں۔ میں تو روز آپ کا انتظار کرتی ہوں۔ سارہ باجی نہیں آئیں۔“ تاجور نے اس کے عقب میں دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں میں اسپتال سے آرہی ہوں۔“ وہ تاجور کے ساتھ اندر آگئی۔

”اچھا پھر میں آپ کے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔ بھوک لگی ہوگی نا آپ کو۔“ تاجور کہہ کر تیزی سے جانے لگی تھی کہ اریبہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”نہیں تاجور! میں ابھی کھانا نہیں کھاؤں گی۔“

”کیوں نہیں باجی! مجھے پتا ہے آپ کالج سے آکر کھانا کھاتی ہیں۔ آپ بیٹھیں۔ میں بس ابھی گرم کر کے لاتی ہوں۔“ تاجور نے اتنے مان سے کہا کہ پھر وہ منع نہیں کر سکی۔

”اچھا بس زیادہ کچھ مت لانا۔“ وہ کہہ کر بیٹھ گئی۔

تاجور کچن میں چلی گئی تو وہ سارے کا جائزہ لینے لگی۔ یہاں بھی غیر ضروری سامان کی بھرمار نہیں تھی۔ جب ہی دو کمروں اور لاؤنج پر مشتمل اپارٹمنٹ خاصا کشادہ لگ رہا تھا۔ اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی اس بورڈ پر جا ٹھہریں جس پر شمشیر علی اسکیچ بناتا تھا۔ ابھی بھی اس پر دھندلا سا خاکہ نظر آرہا تھا۔ وہ بلا ارادہ اٹھ کر بورڈ کے پاس آن کھڑی ہوئی اور اس خاکے کو غور سے دیکھنے لگی لیکن سمجھ میں نہیں آیا۔ پنسل اٹھا کر وہ کچھ کرنا چاہ رہی تھی کہ موبائل کی ٹون نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ وہ پنسل رکھ کر دوبارہ اسی جگہ آ بیٹھی اور بیگ سے موبائل فون نکال لیا۔ اسکرین پر سمیر کا نام تھا‘ اس نے یس کیا۔

”ہاں سمیر!“

”تم کہاں ہو اریبہ؟“ سمیر نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

”ابھی گھر پر نہیں ہوں۔ تم کہو کیا بات ہے؟“ اسے سمیر کا انداز مشکوک لگا۔

”بات بہت اہم ہے اریبہ! فون پر نہیں کر سکتا۔“ سمیر نے کہا تو وہ ٹھٹکی لیکن رسان سے بولی۔

”اچھا ٹھیک ہے تم گھر پہنچو میں بھی تھوڑی دیر میں آجاؤں گی۔“

”سوری اریبہ! میں تمہارے گھر نہیں آسکتا۔ تم پلیز مائنڈ مت کرنا ہم کہیں باہر مل لیتے ہیں۔“

سمیر نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ اگر منع کرتی تو مزید الجھتی رہتی۔ اس لیے ہامی بھر کر موبائل آف کر دیا اور ٹیبل پر رکھی کھانے کی ٹرے دیکھنے لگی۔ حقیقتاً اب اس کا کھانے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن تاجور کا دل بھی رکھنا تھا۔ پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکالے اور ان پر شوربہ ڈال کر کھاتے ہوئے تاجور سے پوچھنے لگی۔

”کیا کرتی ہو سارا دن؟“

”گھر کے کام۔ کھانا پکاتی ہوں‘ صفائی کرتی ہوں‘ کپڑے دھوتی ہوں‘ بھائی کے آنے سے پہلے سارے کام کر لیتی ہوں۔“ تاجور شوق سے بتانے لگی۔

اچھی بات ہے۔“ اگر سمیر کا فون نہ آتا تو وہ مزید کچھ دیر تاجور کے ساتھ ضرور رہتی —— اس کی معصوم سنتی کچھ مشورے بھی دیتی لیکن اب اس کا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا تھا‘ اس لیے جلدی سے پلیٹ کے چاول کیے اور تاجور سے معذرت کے ساتھ دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے نکل آئی تھی۔

سمیر کو اس نے پارک ٹاور آنے کا میسج کیا اور تقریباً بیس منٹ بعد وہ پارک ٹاور کے فوڈ کارنر میں سمیر کے سامنے بیٹھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔

”آئی ایم سوری! میں نے تمہیں زحمت دی۔“ سمیر نے کہا تو اس نے فوراً ٹوک دیا۔

”تم اصل بات کہو۔“

”اصل بات۔“ سمیر بہت پریشان نظر آنے لگا‘ جیسے اسے الفاظ نہ مل رہے ہوں۔ پھر بمشکل رک رک کر گویا ہوا۔

”اصل بات کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ میں سارہ کو پسند کرتا ہوں بلکہ دل سے چاہتا ہوں اسے اور بارہا اس کے سامنے اعتراف بھی کر چکا ہوں۔“

”پھر۔۔۔؟“ اریبہ کے لیے جیسے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔

”پھر یہ کہ۔۔۔“ سمیر کچھ کہتے کہتے رکا پھر اسے دیکھ کر بولا۔ ”تم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔ تم بھی تو جانتی ہوگی کہ ابھی نئی بات کیا ہوئی ہے۔“

”نئی بات؟“ اس نے سوچا پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔ ”نہیں مجھے کسی نئی بات کا علم نہیں ہے تم بتاؤ۔“

”میں۔ مجھے بتاتے ہوئے عجیب سا لگ رہا ہے۔ تم سارہ سے پوچھو‘ اس کا اور رازی بھائی کا کیا چکر ہے۔“ سمیر نے کہا تو اس کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔

”سارہ اور رازی؟“ پل میں جانے کب کب کے منظر اس کی نظروں میں گھوم گئے تھے۔

”ہاں۔ رازی بھائی کا کہنا ہے کہ وہ شادی کریں گے تو صرف سارہ سے ورنہ کسی سے نہیں اور کبھی نہیں۔“ سمیر اس کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہا تھا‘ پھر بھی خود کو یہ کہنے سے روک نہ پایا۔ اور وہ جیسے قوت گویائی کھو چکی تھی۔

”یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا اریبہ! سارہ میری محبت ہے اور رازی بھائی کو کسی کی محبت پر ڈاکا ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔ ہم سب ان کا احترام کرتے ہیں تو انہیں بھی اپنے مرتبے کا خیال کرنا چاہیے۔“ سمیر اب غصے میں بول رہا تھا۔

اریبہ کو پتا بھی نہیں چلا‘ کب اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا تھا‘ جسے دیکھ کر سمیر ایک دم خاموش ہو گیا‘ پھر قدرے رک کر کہنے لگا۔

”بہت گری ہوئی حرکت کر رہے ہیں رازی بھائی۔ چار سال تمہاری محبت کا دم بھرتے رہے اور تمہارے ساتھ ایسا کیا ہوا کہ انہوں نے نظریں تو پھیریں ہی مزید تمہیں زک پہنچانے کی خاطر تمہاری بہن کو بہکا دیا۔ خدا کی قسم ایسا تو کوئی اپنے دشمن کے ساتھ بھی نہیں کرتا ہوگا۔“

”اور سارہ۔۔۔ سارہ کو تم کیا کہو گے؟“ وہ جیسے درد کے صحرا میں تنہا کھڑی تھی۔

”سارہ نادان ہے۔ وہ رازی بھائی کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئی ہوگی۔“ سمیر نے کہا تو وہ دکھ سے مسکرائی‘ پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

”نادان سارہ نہیں تم ہو۔ خیر اس بحث میں پڑنے کے بجائے یہ بتاؤ‘ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”تم سارہ کو سمجھاؤ پلیز۔ وہ رازی بھائی کی باتوں میں نہ آئے۔“ سمیر نے کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر محض اس کا دل رکھنے کی خاطر بولی تھی۔

"کوشش کروں گی۔"

* * *

شمشیر علی ہاتھ منہ دھو کر دسترخوان پر آکر بیٹھا ہی تھا کہ تاجور خوش ہو کر بولی۔

"پتا ہے بھائی! آج اریبہ باجی آئی تھیں۔"

"اریبہ آئی تھی؟" وہ حیران ہوا۔

"جی۔ میں نے کہا تھا نا اریبہ باجی ضرور آئیں گی اور انہوں نے پھر آنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ سچ بھائی! انہیں دیکھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں بتا نہیں سکتی۔"

تاجور کی خوشی اپنی جگہ شمشیر علی خود بھی خوش گوار احساس میں گھر گیا تھا۔

"کب آئی تھی اریبہ۔"

"دوپہر میں اسپتال سے ادھر ہی آگئی تھیں۔"

"اچھا۔ پھر تم نے کیا خاطر مدارت کی اس کی؟" شمشیر علی کا بظاہر سرسری انداز تھا، ورنہ اصل میں تو وہ سب کچھ جاننا چاہتا تھا اور یہ بھی کہ اب بس اسی کا ذکر ہوتا رہے۔

"کھانا کھلایا تھا لیکن انہوں نے بہت تھوڑا سا کھایا، اصل میں کوئی فون آگیا تھا اس لیے انہیں جلدی جانا پڑا۔ ورنہ میں انہیں رات تک روکتی۔" تاجور کو اب اریبہ کے جلدی جانے کا افسوس ہو رہا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" وہ بلا ارادہ پوچھ گیا۔

"پتا نہیں کہہ رہی تھیں، ضروری جانا ہے، پھر آؤں گی۔"

"چلو کچھ دیر کو ہی سہی وہ آئی تو۔" وہ اتنی بات کہہ کر سٹپٹا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا بھائی! کھانا تو کھالیں۔" اس کے اٹھنے پر تاجور کا دھیان اس کی بات سے ہٹ گیا تھا۔

"بس کھالیا۔ چائے پیوں گا۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کا دل چاہا اریبہ کو تھینکس کا میسج کرے اور اس نے موبائل فون اٹھایا بھی لیکن پھر رک گیا۔ اسے اپنی بات یاد آگئی تھی۔

"میں غلطی پر غلطی کر رہا ہوں۔" اور واقعی اسے احساس ہوا تھا کہ اسے اتنی جلدی اریبہ کے سامنے اپنی محبت کا اعتراف نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جانے اسے کن حالات کا سامنا تھا۔ بے اعتباری کی فضا میں سانس لیتی وہ ابھی کہاں کسی کا اعتبار کرے گی۔ اسے اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے جب اس کی آنکھوں میں چبھی ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں تحلیل ہو جائیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ اریبہ کا دھیان بٹے اور وہ بجائے اس کا دھیان بٹانے کے الٹا اس سے ایسی باتیں کرتا تھا جس سے یقیناً" اس کے زخموں پر مزید ضرب پڑتی ہوگی، جب ہی تو وہ تلملا جاتی تھی۔ بہرحال اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا تو پھر اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اب اسے نہیں تنگ کرے گا۔ گو کہ اب خود سے کیے اس عہد پر قائم رہنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ کیونکہ اریبہ بری طرح اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔ ہر نئے دن کے آغاز پر اسے لگتا اریبہ کو دیکھے بغیر اس کا دن نہیں کٹ سکتا اور ہر رات اس رات میں ڈھل جاتی جب وہ اس کے تخت پر بے خبر سو رہی تھی۔ حقیقتاً" اس کا اب کہیں کسی بات میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایسی بے قراری تو اس وقت بھی نہیں تھی، جب وہ تاباں کو سوچتا تھا۔ تاباں سے ملنے کے لیے تو باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی پڑتی تھی کہ سمسٹر سے فارغ ہو جائے گا تب جائے گا اور اب پہلی ترجیح اریبہ تھی۔ باقی ساری باتیں اس کے بعد آتی تھیں اسی قدر اب وہ مجبور بھی ہو گیا تھا۔ لیکن مایوس نہیں تھا۔ پھر آج اریبہ کی آمد نے اس کی امیدوں کو نئی جلا بخش دی تھی۔ منزل دور ضرور تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ وہ راستے میں تھک کر بیٹھ جاتا۔

* * *

سارہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ کوریڈور سے آتی اریبہ کی آواز سن کر رک گئی۔ اریبہ یاسمین سے کہہ رہی تھی۔

"مما! مجھ سے مت چھپائیں۔ مجھے بتائیں جب تائی امی اور امینہ پھپھو آئی تھیں تو انہوں نے آپ سے سارہ کی بات کی تھی؟"

"سارہ کی بات؟" یاسمین کا انداز نا سمجھنے والا تھا جبکہ ادھر سارہ کو اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں سارہ کی بات۔ تائی امی نے سارہ کے لیے رازی کا پروپوزل دیا تھا نا؟" اریبہ یقین سے پوچھ رہی تھی۔

سارہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا، پھر بھی وہ تیزی سے پلٹ کر بے آواز قدموں سے بھاگتے ہوئے کمرے میں آئی، پھر واش روم میں بند ہو گئی۔ اس کے سینے میں سانس اٹک گئی تھی۔ بند دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے وہ کتنی دیر سہمی ہوئی کھڑی رہی۔ اتنی جلدی یوم حساب آگیا تھا اور یہ تو آنا ہی تھا۔ وہ کب سے اس دن کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی اور کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا، جیسے وہ آنکھ بند کر کے پل صراط سے گزر جائے گی، لیکن اب پل صراط کے تصور سے ہی اس پر ہیبت طاری ہو گئی تھی۔

"یا اللہ! میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ تو سب جانتا ہے۔ میری لاج رکھ میرے رب۔"

آنسو ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ اس نے شدت سے آرزو کی آندھی، طوفان کی، جو اسے کہیں دور اڑا لے جائے۔ یا زمین ہی پھٹ جائے۔ کچھ تو ہو۔ وہ اپنی ماں بھائی کا سامنا کیسے کرے گی۔

"اریبہ!" اس کے ہونٹوں پر سسکی ابھری۔ پھر اس نے واش بیسن کا نل پورا کھول کر پانی کے ساتھ سارے آنسو بہا ڈالے، پھر بھی دل ٹھہرنے نہیں دیا۔ لیکن اب جو ہو سو ہو۔ وہ ہاتھوں سے چہرہ تھپتھپاتے ہوئے واش روم سے نکل آئی۔ اریبہ ابھی کمرے میں نہیں آئی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے اور یاسمین کے درمیان کیا باتیں ہو رہی ہوں گی۔ اس نے سوچا تکیے میں منہ چھپا کر سو جائے۔ لیکن کب تک چھپے گی۔

"کل جو ہونا ہے، وہ آج ابھی ہو جائے۔" اس نے اپنے دل کو باور کرایا، پھر بیڈ کے سرہانے کمر ٹکا کر بیٹھ گئی اور اپنے سامنے میگزین کھول لیا۔ وہ یہ تاثر دینا چاہتی تھی جیسے وہ بہت دیر سے اسی طرح بیٹھی ہے۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز پر بھی وہ بظاہر متوجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا پورا وجود آنکھ بن گیا تھا اور وہ اریبہ کی ایک ایک حرکت دیکھ رہی تھی۔

اریبہ اپنی رائٹنگ ٹیبل پر ادھر ادھر ہاتھ مار رہی تھی۔ دراز کھولے، بند کیے، پھر اس کی طرف سے پیٹھ موڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ تب اس نے ترچھی نظروں سے اریبہ کو دیکھتے ہوئے پکار کر پوچھا۔

"اریبہ! ابھی تم مما سے کیا کہہ رہی تھیں؟"

اریبہ کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ اچھل کر اس کی طرف گھومی۔

"کیا واقعی تائی امی میرا پروپوزل لائی تھیں؟" اس نے سہمے دل کے ساتھ پوچھا۔

اریبہ ابھی بھی کچھ نہیں بولی۔ چبھتی نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" وہ مزید خائف ہو گئی۔

"دیکھ رہی ہوں، تمہارے کتنے روپ ہیں۔" اریبہ کے سلگتے لہجے میں طنز کے ساتھ اچانک استہزاء شامل ہو گیا۔ "واہ سارہ! تم نے تو کمال کر دیا۔ مجھے رازی کی محبت کا یقین دلاتے دلاتے خود یقین کر بیٹھیں تو پھر رازی

میرے قابل نہیں رہا۔ یہ ہی کہا تھا نا تم نے کہ رازی تمہارے قابل نہیں ہے؟"

"ہاں! میں نے کہا تھا تو اس کا یہ مطلب کیسے لے لیا تم نے کہ میں۔۔۔"

"تو پھر کیا مطلب تھا تمہارا۔۔۔ بتاؤ۔" اریبہ کو خود پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔ "رازی تم سے شادی کرنا چاہتا ہے، کیوں؟"

"مجھے کیا پتا۔ رازی بھائی سے پوچھو۔" سارہ نظریں چرا گئی۔

"اس سے بھی پوچھ لوں گی۔ پہلے تم بتاؤ! تم کیا چاہتی ہو۔ تم بھی رازی سے شادی کرنا چاہتی ہو؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" سارہ چیخ پڑی۔ "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ میں ایسا کیوں چاہوں گی۔ رازی نے اگر ایسا کوئی شوشا چھوڑا ہے تو تم مجھے کیوں گھسیٹ رہی ہو؟ میں نے کبھی رازی کو ایسی نظر سے نہیں دیکھا، نہ کبھی سوچا۔ ہمیشہ تمہاری نسبت سے اسے جانا۔ وہ اگر تمہارا نہیں ہوا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھے الزام دو۔ میں لعنت بھیجتی ہوں رازی پر۔"

سارہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ فوری طور پر اریبہ کی سمجھ میں نہیں آیا، کیا کرے۔ وہ سارہ کا یقین کر بھی رہی تھی اور نہیں بھی۔

"کہہ دو مما سے اگر تائی امی نے اس سلسلے میں کوئی پیش رفت کی ہے تو صاف منع کر دیں انہیں۔ میں مر جاؤں گی، لیکن رازی سے شادی نہیں کروں گی۔ انہوں نے ایسا سوچا کیسے۔" سارہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

اریبہ نے اس وقت مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اسے روتے ہوئے چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی۔

سارہ کا رونا بند نہیں ہوا۔ اسے اب رازی پر غصہ آ رہا تھا۔

* * *

کتنے دن ہو گئے تھے۔ اریبہ اور سارہ کے درمیان بات چیت بند تھی۔ سارہ نے اپنا کمرا بھی الگ کر لیا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کیا سوچتی تھیں اور دونوں میں کون صحیح تھا، کون غلط، یہ تو یاسمین بھی نہیں جانتی تھی۔ لیکن وہ دونوں بیٹیوں کے درمیان کشیدگی کو بری طرح محسوس کر رہی تھی۔ اس نے الگ الگ دونوں کو سمجھانے کی کوشش بھی کی کہ جب ساجدہ بیگم کی طرف سے ایسی کوئی بات ہوئی ہی نہیں تو وہ کیوں ناراض ہو رہی ہیں۔ اس وقت وہ اریبہ سے یہ ہی کہہ رہی تھی، جس پر وہ تنفر سے بولی۔

"تائی امی نے نہیں کہا، لیکن رازی تو کہہ رہا ہے نا۔"

"تو بیٹا! اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟"

"کیا ہوتا ہے۔۔۔ مما! آپ کے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں ہے۔ ایک شخص چار سال مجھ سے منسوب رہا اور اب وہ آپ کی دوسری بیٹی کا نام لے رہا ہے۔ آپ کو تو چاہیے اس کا منہ توڑ دیں، کیونکہ اس کا مقصد مجھے ٹارچر کرنا ہے۔" اریبہ کا ہتھے سے اکھڑنا فطری تھا۔

"میں سمجھتی ہوں بیٹا! اور یہ ہی تمہیں سمجھانا چاہتی ہوں کہ تم رازی کو اس کے مقصد میں کامیاب مت ہونے دو۔۔۔ اور رہی اس کا منہ توڑنے کی بات تو میں اس سے بھی زیادہ کر سکتی ہوں۔ لیکن مجھے پہلے اپنے گھر کو دیکھنا ہے۔ میرا گھر مضبوط ہو گا، تب ہی میں دشمنوں کا منہ توڑ سکوں گی۔" یاسمین میں جانے اتنا ضبط کہاں سے آ گیا تھا، دھیمے سے بول رہی تھی۔

"پھر تم یہ کیوں نہیں سوچ رہیں بیٹا! کہ رازی کی اس بکواس سے سارہ کا کیا تعلق۔ تم سارہ سے کیوں ناراض ہو۔"

"مجھے نہیں پتا۔ بس مجھے لگتا ہے سارہ اور رازی کے درمیان کچھ ہے۔ اور میں آپ کو بتا رہی ہوں، اگر میرا شک صحیح نکلا تو پھر میں خود یہاں سے چلی جاؤں گی ہمیشہ کے لیے۔" اریبہ محض دھمکی نہیں دیتی تھی، جب ہی یاسمین پریشان ہو گئی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا! تم اپنی بہن پر شک کر رہی ہو؟"

"بہن کو شرم نہ آئی میری محبت پر ڈاکا ڈالتے ہوئے؟" اریبہ تنک کر بولی۔

"نہیں بیٹا! تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ کم از کم میں سارہ کے بارے میں ایسی کسی بات کا یقین نہیں کر سکتی۔ وہ تو اتنے چھوٹے دل کی ہے کہ۔۔۔"

"چھوٹے دل والے ہی ایسی نیچ حرکتیں کرتے ہیں مما!" اریبہ نے یاسمین کی پوری بات سنی ہی نہیں۔ "سارے جہاں کا درد سارہ کے دل میں ہے، یہ تو آپ مانتی ہیں نا۔ ہر ایک کی ہمدرد بن جاتی ہے، پھر ہمدردی کیا گل کھلاتی ہے، یہ بھی آپ جانتی ہوں گی۔"

"بس کرو بیٹا! تم بہت بدگمان ہو رہی ہو۔ غصے اور بدگمانی میں ایسی باتیں کر رہی ہو، جو تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" یاسمین نے ٹوک کر افسوس سے کہا۔

"میں انسان ہوں مما! مجھے کسی ایسی مسند پر مت بٹھائیں، جہاں میں پتھر کی مورت بن جاؤں اور میں آپ کو بتاؤں، یہ اب کی بات نہیں ہے۔ سارہ جانے کب سے ہماری آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے۔" اریبہ کسی طرح قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

"اچھا! تم۔۔۔" یاسمین کچھ کہتے کہتے نہ صرف چونکی بلکہ ٹھٹکی بھی تھی۔ پھر ایک دم اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھی اور کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگی۔ اریبہ کچھ سمجھ نہیں پائی۔

"کیا ہوا مما۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔" یاسمین کھڑکی بند کر کے واپس پلٹتے ہوئے بولی۔ "مجھے لگا یہاں کوئی تھا۔"

"مالی ہو گا۔" اریبہ بے نیازی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں! شاید وہ ہی تھا۔" یاسمین نے اپنا خدشہ ظاہر نہیں کیا اور سرسری انداز میں کہہ کر وارڈروب کھول لی۔ صرف اس لیے کہ اریبہ پھر نہ سارہ کی بات لے بیٹھے۔ اس کی بدگمانی دیکھتے ہوئے یاسمین اب اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اچھا مما! میں ذرا ڈیڈی کے پاس جا رہی ہوں۔" اریبہ نے جاتے ہوئے کہا تو یاسمین ایک دم پریشان ہو گئی۔

"اریبہ۔۔۔"

"فکر مت کریں۔ ڈیڈی سے سارہ کی بات نہیں کروں گی۔" اریبہ اس کی پکار سے سمجھ کر کہتے ہوئے چلی گئی۔

یاسمین نے بمشکل خود کو روکے رکھا اور جب اریبہ کی گاڑی جانے اور گیٹ بند ہونے کی آواز سن لی تب اس نے وارڈروب بند کی اور اپنے خدشے کی تصدیق کے لیے سارہ کے کمرے میں آ کر اسے دیکھنے لگی۔

سارہ خاصے مگن انداز میں کچھ گنگناتے ہوئے اپنا سوٹ پریس کر رہی تھی۔

"سارہ۔۔۔!" یاسمین کے پکارنے پر سارہ چونک کر بولی۔

"جی مما۔۔۔"

"بیٹا! تم ابھی لان میں گئی تھیں؟" یاسمین نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

"نہیں مما! کیوں کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں، بس مجھے فیل ہوا تھا جیسے تم وہاں ہو۔" یاسمین کا انداز ہنوز تھا۔

"اچھا!" سارہ محظوظ ہوئی۔ "آپ مجھے ڈرا تو نہیں رہیں مما!"

یاسمین نے مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

✲ ✲ ✲

اریبہ نے گیٹ پر رازی کی گاڑی دیکھ کر چاہا کہ واپس پلٹ جائے، لیکن پھر کچھ سوچ کر اندر آئی تو رازی توصیف احمد کے ساتھ بیٹھا نظر آیا۔

"السلام علیکم!" اس نے سلام کیا تو آواز پر رازی چونکا ضرور لیکن اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا، جبکہ توصیف احمد خوش ہوگئے۔

"وعلیکم السلام! کیسا ہے میرا بیٹا؟"

"بالکل ٹھیک۔" وہ کوشش سے کھلکھلائی اور رازی کو نظرانداز کرکے توصیف احمد کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگی۔ "میں آپ کی بزنس میٹنگ میں مخل تو نہیں ہوئی ڈیڈی۔"

"نہیں بیٹا! آپ بتاؤ گھر میں سب ٹھیک ہیں؟" توصیف احمد نے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"جی! بس سارہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے رازی کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ شاید سارہ کے نام پر اس کے چہرے پر کوئی داستان رقم ہوجائے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔

"کیا ہوا۔ یوں ہی بخار ہے یا کوئی اور تکلیف؟" توصیف احمد نے پوچھا تو اس کی نظریں پھر رازی کی طرف اٹھ گئیں۔

"بخار تو نہیں ہے ڈیڈی! شاید کوئی اور تکلیف ہے۔"

"تو بیٹا! ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھایا؟"

"میں خود ڈاکٹر ہوں ڈیڈی! لیکن سارہ اپنی تکلیف بتائے تب نا۔ وہ تو کچھ بتاتی ہی نہیں ہے۔ ویسے مما لے گئی تھیں اسے ڈاکٹر کے پاس۔" اس نے رازی پر جتا کر توصیف احمد کو تسلی بھی دے ڈالی۔

"پھر کیا بتایا ڈاکٹر نے؟"

"ڈاکٹر نے کہا، سوچتی زیادہ ہے۔ اسے مصروف رہنے کی ضرورت ہے۔ مجھے بھی یہ ہی لگتا ہے ڈیڈی۔ آپ اسے سمجھائیں، پھر سے کالج جوائن کرلے۔ گھر بیٹھ بیٹھ کر خبطی ہوگئی ہے۔"

"ہوں! یہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا! سارہ کو پڑھائی نہیں چھوڑنی چاہیے۔ میں سمجھاؤں گا اسے۔" توصیف احمد نے اس کی تائید کی تو وہ بے اختیار بولی۔

"نہ سمجھے تو آپ فوراً اس کی شادی کردیں۔" پھر اسی طرح بے اختیار رازی کو مخاطب کرگئی۔ "کیوں رازی! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

رازی ایک نظر اس پر ڈال کر توصیف احمد کو دیکھنے لگا تو اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی بوندیں دیکھ کر وہ ہنس پڑی۔

"ارے ہم تو یوں بوکھلا گئے رازی! جیسے میں تمہاری شادی کی بات کررہی ہوں۔ ویسے اڑتے اڑتے مجھ تک یہ خبر پہنچ چکی ہے کہ تم۔۔۔"

"چچا جان!" رازی نے گھبرا کر توصیف احمد کو مخاطب کرلیا۔ "وہ میں نے آپ کو ثنا کے رشتے کا بتایا تھا نا تو انہوں نے وہاں ہامی بھرلی ہے۔"

"اچھا! یہ تو اچھی بات ہے۔" توصیف احمد نے خوشی کا اظہار کیا، پھر اریبہ کو وہاں سے اٹھانے کی غرض سے

بولے۔ "بیٹا! اپنی آنٹی سے چائے کا کہہ دو۔"

"او سوری! میں آنٹی سے ملنا تو بھول گئی۔" وہ کہتے ہوئے فوراً اٹھ کر اندر خالدہ کے پاس آگئی۔

"السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں آپ؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ تم سناؤ بڑے دنوں بعد آئیں۔" خالدہ اس کی آمد پر کچھ نہ کچھ قیاس کرنے لگی تھیں۔

"ہاں! بس۔ پڑھائی کا جو نقصان ہوا ہے، وہ ہی پورا کرنے میں لگی ہوئی ہوں۔"

"ہاں! تمہارا تو سال ضائع ہوگیا ہے۔" خالدہ بے ساختہ کہہ گئیں۔

"شکر ہے آنٹی! صرف ایک سال ضائع ہوا ہے۔ آگے زندگی ضائع ہونے سے بچ گئی۔" اس کا اشارہ رازی کی طرف تھا اور خود اسے اچانک احساس ہوا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس کے لیے یہ ہی ٹھیک ہے۔ وہ کیوں دل کے اجڑنے کا ماتم کررہی ہے۔

"ارے! تم بیٹھو نا۔۔۔" خالدہ نے کہا تو وہ چونک کر بولی۔

"بس آنٹی! میں چلتی ہوں اور ہاں! ڈیڈی چائے کا کہہ رہے ہیں۔ بھجوا دیجیے۔"

"تم بھی بیٹھو نا۔ چائے تو پی لو۔" خالدہ نے اخلاقاً اسے روکنا چاہا۔

"پھر آؤں گی آنٹی! خدا حافظ۔" وہ کھڑے کھڑے وہیں سے باہر نکل آئی۔ اچانک دل اچاٹ ہوگیا تھا۔

"مما ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ مجھے رازی کو اس کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دینا چاہیے۔ وہ مجھے ٹارچر کرنا چاہتا ہے۔ مجھے اپنی ذات میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے۔ نان سینس۔۔۔ میں بتاؤں گی اسے کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑا اور سارہ۔" اس کی سوچوں کو بریک لگ گئی۔ ساتھ ہی اس نے گاڑی کو بھی بریک لگادیے تھے۔

پھر شاپنگ مال کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے بہت کچھ سوچ ڈالا۔ اس کے بعد روشنیوں کی چکاچوند میں اس کا نہ صرف دھیان بٹا، بلکہ وہ شوق سے خصوصاً سارہ کے لیے شاپنگ میں مصروف ہوگئی۔

"کیا ہوا، جو سارہ کی رازی کے ساتھ انڈراسٹینڈنگ ہوگئی ہے۔ اگر سارہ خوش ہے تو مجھے اس کی خوشی کا خیال کرنا چاہیے۔"

وہ خود کو یہ ہی باور کراتے ہوئے سارہ کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے سوٹ، میک اپ کی کچھ چیزیں اس کے بعد میچنگ جیولری دیکھ رہی تھی کہ اسے لگا، جیسے وہ کسی کی نظروں کے حصار میں آگئی ہو۔ اچانک دل دھڑکا تھا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا، لیکن ایسا کوئی نظر نہیں آیا، جو اس پر نظریں جمائے کھڑا ہو۔ تب وہ سر جھٹک کر پھر جیولری کی طرف متوجہ ہوئی تھی کہ سماعتوں پر دستک ہونے لگی۔

"اور کبھی جب میں زبردستی خود کو کسی کام میں مصروف رکھتا ہوں تو چوری چوری دیکھتی ہو۔"

"اسٹوپڈ!" وہ دھیرے سے بڑبڑائی پھر جیولری پیک کرواکر دکان سے نکلی ہی تھی کہ شمشیر علی سامنے آگیا۔

"ہیلو۔۔۔!" اریبہ جواباً "ہیلو" بھی نہیں کہہ سکی۔ وہ حیران تھی کہ ابھی تو اس کا خیال آیا تھا اور وہ آن موجود

"کیسی ہو۔۔۔ مجھے دیکھ کر حیران ہورہی ہو؟" شمشیر علی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔

"کیوں؟"

"پلیز! یہاں کھڑے کھڑے سوال، جواب مت شروع کردو۔ میں وہاں چائے پینے جارہی ہوں۔ تمہیں پینی ہو تو آجاؤ۔" وہ کہہ کر اپنے شاپرز سنبھالتی تیز قدموں سے فوڈ کارنر پر آگئی۔

اور یہ کیسے ممکن تھا کہ شمشیر علی اس کی بات رد کردیتا۔ ورنہ حقیقت تب بھی اسے آنا ہی تھا۔

"تھینک یو! مجھے بڑا اچھا لگا۔" وہ چائے آرڈر کر کے اس کے سامنے بیٹھتے ہی بولا۔

"تھک گئی۔" وہ اس کی بات ان سنی کر گئی۔

"حیرت ہے۔ میرا مطلب ہے میں نے تو سنا ہے لڑکیاں شاپنگ کرتے ہوئے کبھی نہیں تھکتیں۔ تم اتنی سی شاپنگ سے تھک گئیں؟" شمشیر علی نے اس کے تین چار شاپرز کی طرف اشارہ کیا۔

"سنو! مجھے سکون سے چائے پینے دو۔" اس نے چائے کا کپ اٹھایا۔ پھر گھونٹ لے کر پوچھنے لگی۔

"تم یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں! میری گاڑی یہاں سامنے بند ہو گئی تھی۔ مکینک کے حوالے کر کے خود یہاں چلا آیا۔ شاید اسی طرح تم سے ملاقات ہونی تھی۔" وہ بتا کر مسکرایا۔

"چلو! اب یہاں تک آ ہی گئے ہو تو تاجور کے لیے کچھ لے لو۔" اس نے کہا تو وہ تائیدی انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"ہاں! سوچ رہا ہوں کیا لوں۔ تم نے کیا لیا ہے؟"

"میں نے یہ ساری شاپنگ اپنی بہن سارہ کے لیے کی ہے۔"

"اچھا! سارہ خود نہیں آئی؟" شمشیر علی نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں! وہ ناراض ہے اور یہ سارے جتن اسے منانے کے ہیں۔" وہ انجانے میں اس مانوس اجنبی کے ساتھ کچھ باتیں شیئر کرنے لگی تھی اور جب وہاں سے اٹھی تو اسے لگا جیسے جانے کب سے نامعلوم شکنجے میں جکڑا اس کا دل آزاد ہو گیا ہو۔

"ٹھیک ہے! شام پھر ملیں گے۔" اسے پتا بھی نہیں چلا وہ آس کی ڈور خود اس کے ہاتھ میں تھما آئی تھی۔

واپسی میں اسے ہر جگہ ٹریفک جام ملا۔ یوں بمشکل پندرہ منٹ کا فاصلہ ایک گھنٹے میں طے ہوا۔ وہ واقعی چکرا گئی تھی۔ جب ہی اسے گیٹ پر کھڑی ایمبولینس نظر نہیں آئی۔ وہ چوکیدار کو متوجہ کرنے کے لیے ہارن بجانا چاہتی تھی کہ ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی میں یاسمین انتہائی پریشانی کے عالم میں گیٹ سے نکل کر ایمبولینس کی طرف بھاگی تھی۔

"مما!" وہ پہلے سمجھی نہیں، لیکن جب یاسمین کے بیٹھتے ہی ایمبولینس کو جاتے دیکھا تب وہ بھی پریشان ہو کر گاڑی سے اتری اور پہلے ایمبولینس کے پیچھے بھاگنا چاہا، پھر ایک دم پلٹ کر بھاگتے ہوئے اندر آئی۔

"مما۔۔۔ سارہ۔۔۔ سارہ۔" وہ اونچی آواز میں پکار رہی تھی کہ بی بی نے آ کر اس کے کندھے تھام لیے۔

"کیا ہوا ہے بی بی۔ ایمبولینس میں کون گیا ہے؟"

"وہ بیٹا۔۔۔ وہ۔۔۔" بی بی کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔

"بتائیں بی بی! کیا ہوا ہے؟" اس نے چیخ کر بی بی کو جھنجوڑ ڈالا۔

"وہ بیٹا۔۔۔ سارہ۔۔۔"

"ہاں سارہ۔۔۔ سارہ کہاں ہے؟" وہ حواس کھونے لگی۔

"سارہ نے اپنی کلائی کی رگ کاٹ لی۔۔۔" بی بی بتاتے ہوئے رونے لگیں۔

"نہیں۔" اریبہ کو اپنے پیروں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

باب
دھیرے دھیرے حرار
لے گئی ہم مما اسے

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ ' جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے ' جبکہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد ' اجلال رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے۔ یاسمین ' اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوجاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

وہ اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے ' مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے ' تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خودسر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے ' مگر وہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصہ میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کرلیتا ہے اور تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے اسپتال داخل کروادیتا ہے۔

اریبہ ' یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے ' مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کردیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی ' اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچالیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی ' توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اریبہ ' ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی ' اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔ تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہوجاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جاکر تاجور کا معلوم کرتا ہے ' مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے۔ مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہوجاتی ہے۔

یاسمین ' اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑ جاتی ہے۔ مگر اریبہ دو ٹوک انداز میں منع کردیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال ' اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہوجاتا ہے۔ اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر [illegible] اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے [illegible] رہا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کرلیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہوجانے پر سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ اجلال ' ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

شمشیر علی کو اریبہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ وہ اریبہ کو اپنا سیل فون دے دیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے رابطہ کرلے۔ اریبہ اجلال کو فون کرتی ہے ' مگر وہ سرد مہری سے بات کرتا ہے تو اریبہ کچھ بتائے بغیر فون بند کردیتی ہے۔ شمشیر علی نے ابراہیم نامی بچے سے اسکیچنگ سیکھ کر تاجور کی تصویر بنائی تو اریبہ اسے دیکھ کر فوراً ''پہچان گئی۔ اس نے شمشیر کو بتایا کہ اریبہ اس کے گھر میں حفاظت سے ہے۔ شمشیر اب اریبہ کو واپس پہنچانا چاہتا تھا ' لیکن اریبہ نہیں چاہتی ہے کوئی شمشیر علی کو مجرم سمجھے۔ وہ ایک منصوبہ بناتی ہے۔ جس کے تحت شمشیر علی اسے اسپتال میں داخل کرا کے توصیف احمد کو اطلاع کردیتا ہے۔ توصیف احمد اس کے ساتھ اسپتال جاتے ہیں اور اریبہ کو گھر لے آتے ہیں۔

اریبہ کو دیکھ کر اجلال کو محسوس ہوا کہ وہ اس کی محبت سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا مگر پھر ساجدہ بیگم سے سارہ سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کردیتا ہے۔ وہ ناراض ہوجاتی ہیں۔ ثنا ' سمیر کو فون پہ بتادیتی ہے۔ وہ سارہ سے پوچھتا ہے ' پھر جواب نہ پاکر اریبہ کو بتادیتا ہے۔ اریبہ ' سارہ سے ناراض ہوجاتی ہے۔ اریبہ اپنے والد کے دفتر میں اجلال سے اشاروں ' کنایوں میں اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ اجلال کے چہرے کے تاثرات سے اسے جواب مل جاتا ہے۔ سارہ حالات سے خوف زدہ ہو کر خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

اٹھارویں قسط

''بیٹا! تم خود کو سنبھالو۔ آؤ۔ یہاں بیٹھو۔'' بی بی نے اریبہ کو صوفے پر بٹھایا پھر اس کے لیے پانی لے آئیں اور گلاس اس کے منہ سے لگادیا۔ لیکن ایک گھونٹ ہی اس کے حلق میں اٹک گیا تھا۔ وہ گلاس دھکیل کر بی بی کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ وحشت کے ساتھ بے شمار سوال تھے۔

''پتا نہیں بیٹا! کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں کھانے کا پوچھنے سارہ کے کمرے میں گئی تو وہ۔۔''

''زیادہ خون بہا ہے بی بی؟'' اسے اپنے جسم سے روح کھنچتی محسوس ہورہی تھی۔

''ہاں! میں صاف کرتی ہوں۔'' بی بی اٹھنے لگیں کہ اس نے ان کی کلائی تھام لی۔ اس کی اپنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ جاکر دیکھے اور وہ کچھ سوچ بھی نہیں رہی تھی۔ کیونکہ ذہن بالکل ماؤف ہوچکا تھا۔

''بیٹا! اللہ خیر کرے گا۔ تم حوصلہ پکڑو۔'' بی بی کو اس کی فکر لاحق ہوگئی۔ کبھی اس کی پیٹھ سہلاتیں ' کبھی کندھے دباتیں۔ پھر گلاس اٹھا کر اس کے ہونٹوں سے لگادیا۔

''لو! پانی پیو۔ شاباش! ہمت کرو۔''

''یہ سب کیا ہورہا ہے بی بی؟'' وہ یکلخت ٹوٹ گئی۔ بی بی کے کندھے پر سر رکھ کر سسک پڑی۔

بی بی نے اسے رونے دیا۔ کبھی کبھی رونا زندگی کے لیے کتنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے ٹھنڈے وجود میں دھیرے دھیرے حرارت دوڑنے لگی تھی۔ پھر وہ اچانک متحرک ہوگئی۔

''کہاں لے گئی ہیں مما اسے؟ میرا سیل فون۔'' اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارا اور یاد آنے پر بھاگ کر گاڑی میں سے اپنا بیگ اٹھا لائی۔ پھر سیل فون نکال کر یاسمین کا نمبر ملایا۔

دوسری طرف بیل جارہی تھی۔ لیکن کال ریسیو نہیں ہوئی۔ وہ پریشان ہوگئی۔

''مما فون نہیں اٹھا رہیں۔'' اس نے روہانسی ہو کر بی بی کو دیکھا۔

''پتا نہیں بیٹا! یاسمین فون لے کر گئی ہے کہ نہیں۔ اتنی پریشانی میں گئی ہے۔'' بی بی نے کہا تو اس نے یاسمین کے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔

یاسمین کا سیل فون سامنے ہی رکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ توصیف احمد کو فون کرنے کا خیال آیا لیکن پھر اس نے سوچا ' پہلے سارہ کا کمرا صاف کردے۔ کیونکہ یاسمین کا پتا نہیں تھا کہ وہ کون سے اسپتال گئی

ہے اور توصیف احمد اس کی کال پر یقینا" یہیں آتے۔ اب اس کا ذہن جس تیزی سے سوچنے لگا تھا' اسی تیزی سے وہ سارہ کے کمرے میں آتے ہی پھر سن ہوگئی تھی۔ فرش پر خون کا بڑا سا گول دائرہ بن گیا تھا۔ بیڈ کی چادر بھی رنگین ہوگئی تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا سارہ؟" اس کا دل اب دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ بے جان قدموں کو گھسیٹتے ہوئے وہ آگے بڑھی اور بیڈ سے چادر کھینچ کر فرش پر۔۔۔ خون پر ڈال دی اور خود پیچھے صوفے پر ڈھے گئی۔ عجیب بے بسی تھی اور بے انتہا خاموشی۔ کہیں سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ تب اچانک اس کے سیل فون نے محشر بپا کردیا۔ اسے یہی لگا تھا وہ اپنی جگہ سے اچھلی تھی۔ پھر جھپٹنے کے انداز میں سیل فون اٹھایا۔

"ہیلو۔۔۔!"

"اریبہ بیٹا! میں۔۔۔" یاسمین کی آواز نے ہی اس کے اندر بجلی بھردی تھی۔

"مما! مما! کہاں ہیں آپ؟ سارہ کیسی ہے؟ مما سارہ ٹھیک ہے نا؟ اسے کچھ ہوا تو نہیں؟" وہ ٹوٹ کر رو رہی تھی۔

"بیٹا! بیٹا' ریلیکس۔ سارہ ٹھیک ہے۔" یاسمین نے اسے تسلی دی۔

"مما! سارہ نے ایسا کیوں کیا؟"

"پتا نہیں بیٹا! تم کچھ مت سوچو۔ میں نے تمہارے ڈیڈی کو فون کردیا ہے۔ وہ آتے ہوں گے۔ تم بس اپنا خیال رکھو۔" یاسمین اس کے رونے سے پریشان ہوگئی تھی۔

"آپ کون سے اسپتال میں ہیں مما! میں بھی آرہی ہوں۔"

"نہیں بیٹا! تم ابھی مت آؤ۔ مجھے تمہاری حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ خود کو سنبھالو بیٹا۔ سارہ کے پاس میں ہوں نا اور دیکھو! حماد کو ابھی کچھ مت بتانا۔ ٹھیک ہے؟ میں پھر فون کروں گی۔"

یاسمین نے اپنی بات کہہ کر فون بند کردیا۔ تو وہ جو چلا کر کہنا چاہتی تھی کہ میں بس ابھی آؤں گی اس کی آواز حلق میں ہی دب گئی۔

* * *

یاسمین انتہائی پریشانی کے عالم میں اسپتال کی لابی میں ٹہل رہی تھی۔ کیونکہ ڈاکٹرز نے ابھی تک کوئی امید نہیں دلائی تھی۔ اریبہ کو جھوٹی تسلی دے کر وہ اور مضطرب ہوگئی تھی۔ پھر جب توصیف احمد کو آتے دیکھا تو وہ بنچ پر ڈھے گئی۔ حقیقتاً" اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

توصیف احمد تیز قدموں سے آرہے تھے۔ لیکن جب یاسمین کے ساتھ بیٹھے تو انہیں لگا کہ جیسے اب وہ اس عورت سے کوئی سوال نہیں کرسکتے' نہ اسے الزام دے سکتے ہیں۔ اریبہ کی گمشدگی کے بعد سے یاسمین میں جو تبدیلی آئی تھی' اس سے وہ خاصی سنجیدہ لگنے لگی تھی کہ توصیف احمد کو بات کرنے سے پہلے سوچنا پڑ رہا تھا۔ پھر شام میں ہی ان کی اریبہ کے ساتھ سارہ سے متعلق بات ہوئی تھی۔ اریبہ نے کہا تھا کہ سارہ سوچتی زیادہ ہے اور گھر بیٹھ بیٹھ کر خبطی ہوگئی ہے۔ اس لیے کتنی ہی دیر وہ یاسمین کو بس دیکھتے رہے۔ جس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اسے ذرا بھی چھیڑا گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی اور واقعی ایسا ہی تھا۔ یاسمین کے حلق میں گولا سا اٹکا تھا۔ جبکہ زبان خشک ہوگئی تھی۔

"سارہ کیسی ہے؟" توصیف احمد کی آواز بوجھل تھی۔

یاسمین نے بہت ہلکے سے کچھ یوں جنبش دی جیسے پتا نہیں۔ ساتھ ہی ایمرجنسی روم کی طرف اشارہ کیا۔ توصیف احمد اس طرف دیکھنے لگے۔

"کتنے دنوں سے سارہ ڈسٹرب لگ رہی تھی۔ پوچھنے پر کچھ بتاتی ہی نہیں تھی۔" کتنی دیر بعد یاسمین اپنی ساری توانائیاں یکجا کرکے گویا ہوئی۔ "یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا توصیف! میری بچیاں فالتو نہیں ہیں کہ جب جس کا جو دل چاہے کہہ دے۔"

"ابھی کس نے کیا کہا ہے؟" توصیف احمد نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔ لیکن ساجدہ بھابھی کے گھر سے کوئی بات ہوئی ضرور ہے' جو اریبہ اور سارہ تک بھی پہنچی ہے اور دونوں ہرٹ ہوئی ہیں۔ پچھلے کئی دنوں سے اریبہ اور سارہ کی بات چیت بند ہے۔" یاسمین ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ "کوئی معمولی بات نہیں ہوسکتی۔ آپ خود سوچیں' کسی معمولی بات پر سارہ اپنی جان پر کھیل سکتی ہے کیا؟"

توصیف احمد کچھ بول نہیں سکے تو یاسمین کا ہاتھ تھپک کر اسے حوصلہ دینے لگے۔ تب ہی ایمرجنسی روم کا دروازہ کھلنے پر یاسمین ایک دم اٹھنے لگی۔ لیکن توصیف احمد نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خود اٹھ کر ڈاکٹر کے پاس چل پڑے۔

یاسمین کا دل ڈوبنے لگا۔ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر جتنی دعائیں یاد تھیں' اس کی زبان پر جاری ہوگئیں۔ وہ بہت زور زور سے ہل رہی تھی۔ کتنی دیر بعد اپنے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس کرکے اس نے ایک دم سر اونچا کیا۔

توصیف احمد اثبات میں سر ہلا رہے تھے۔

"ٹھیک ہے نا میری بچی؟ ٹھیک ہوجائے گی نا؟" یاسمین کے آنسو روانی سے چھلک رہے تھے۔

"ان شاء اللہ!" توصیف احمد اپنی جیب سے رومال نکال کر یاسمین کو دیتے ہوئے بولے۔ "خطرہ ٹل گیا ہے۔"

"شکر ہے۔ میں اسے دیکھ سکتی ہوں؟"

"نہیں! ابھی ڈاکٹر منع کر رہے ہیں۔ تم بیٹھو اور خود کو سنبھالو۔ میں بلڈ کا انتظام کرتا ہوں۔" توصیف احمد نے کہا تو یاسمین پھر پریشان ہوگئی۔

"بلڈ۔۔۔؟"

"ہاں! کافی خون بہہ گیا ہے۔ اسپتال میں ضرورت کے مطابق نہیں ہے۔ کہیں اور سے انتظام کرنا پڑے گا۔"

"میں۔۔۔ میرا بلڈ چیک کرائیں۔ میں اپنا سارا خون دے دوں گی۔" یاسمین بے چین ہوگئی۔

"تمہاری اپنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ تم بیٹھو آرام سے اور فکر مت کرو۔ انتظام ہوجائے گا۔ ریلیکس۔۔۔ ریلیکس۔" توصیف احمد نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھایا' پھر اسے جوس منگوا کر دیا۔

جوس پینے سے یاسمین قدرے پرسکون ہوگئی۔ تب اسے اریبہ کا خیال آیا۔ وہ بہت رو رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا توصیف احمد آئیں گے تو وہ انہیں گھر بھیج دے گی۔

* * *

اریبہ کو اک پل چین نہیں تھا۔ کئی بار اس نے سوچا کہ وہ تمام اسپتالوں کے ایمرجنسیز میں فون کرکے معلوم کرے کہ سارہ کہاں ہے اور پھر اس کے پاس پہنچ جائے۔ لیکن رات زیادہ ہوگئی تھی۔ پھر شہر کے حالات بھی ایسے نہیں تھے کہ وہ اکیلی نکل جاتی۔ گو کہ اس کا دل یہ ہی چاہ رہا تھا اور وہ ہمت کر بھی لیتی۔ لیکن پھر یاسمین اور توصیف احمد کی ناراضی کا خیال کرکے وہ خود کو روکے ہوئی تھی۔ گیارہ بجے تک تو بی بی اس کے ساتھ رہیں۔ پھر اس نے خود

ہی انہیں سونے بھیج دیا اور حماد کو اس نے یہ کہہ کر اطمینان دلا دیا تھا کہ کمزوری کے باعث مما سارہ کو ڈرپ لگوانے گئی ہیں۔ کاش! ایسا ہی ہوتا۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ پھر کوئی پاس بھی نہیں تھا کہ کچھ دیر کو دھیان ادھر ادھر ہوتا۔ اتنے بڑے گھر میں وہ اس وقت اکیلی پھر رہی تھی۔ حماد اور بی بی کا ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا۔ دونوں سو چکے تھے اور اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ذہن اس بری طرح چیخ رہا تھا کہ لگتا تھا' پھٹ جائے گا۔ یاسمین کا دوبارہ فون بھی نہیں آیا تھا۔ وہ بار بار اپنا سیل فون اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ اس وقت اسے لگا کہ اگر اس نے کسی سے بات نہیں کی تو سچ مچ اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

پھر اس نے کچھ سوچ کر ہی شمشیر علی کا نمبر ملایا تھا۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی پھر شمشیر علی کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔

"ہیلو۔۔۔!"

"کتنے آرام سے سو رہے ہو تم۔ تمہیں نیند کیسے آجاتی ہے؟ میرے سامنے تو بہت بنتے ہو کہ میں بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔ مجھے کسی پل چین نہیں ہے۔ جھوٹ بولتے ہو نا تم۔ ڈراما کرتے ہو میرے سامنے۔" وہ چھوٹتے ہی بلاتوقف شروع ہو گئی تھی۔ کہیں کا غصہ کہیں نکل رہا تھا۔

شمشیر علی پہلے بوکھلایا۔ پھر پریشان ہو گیا۔ نیند بھک سے اڑ گئی۔

"اریبہ! کیا ہوا ہے؟ سب خیریت ہے نا؟"

"اب تم اپنی خیر مناؤ شمشیر علی! خدا کی قسم' اگر میری بہن کو کچھ ہوا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" اس کا ضبط جواب دے چکا تھا۔ وہ چلا کر بات کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے! جان سے مار دینا مجھے۔ لیکن خدا کے لیے یہ تو بتاؤ! ہوا کیا ہے؟ تمہاری بہن کہاں ہے؟" وہ بھی چلایا تھا۔

"مر رہی ہے میری بہن اور مجھے نہیں پتا کہاں ہے۔" وہ رو پڑی۔

"اریبہ۔۔۔!" شمشیر علی عاجز ہو گیا۔ "اریبہ! تم اصل بات بتاؤ گی تو میں کچھ کر سکوں گا۔ تم پلیز! رومت۔ مجھے بتاؤ' کہاں ہے سارہ۔۔۔؟"

"مجھے نہیں پتا۔ سارہ نے اپنی کلائی کی نس کاٹ لی تھی۔ مما اسے اسپتال لے گئی تھیں۔ مجھے نہیں پتا' وہ کس حال میں ہے۔" وہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔

"اچھا! میں پتا کرتا ہوں۔ میں پتا کرتا ہوں اریبہ! تم رومت۔ سن رہی ہو نا۔ میں تمہیں تھوڑی دیر میں فون کرتا ہوں۔" شمشیر علی نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

* * *

شمشیر علی کے ذہن میں کئی سوال اٹھ رہے تھے کہ سارہ نے ایسا کیوں کیا اور اریبہ اس کا ذمہ دار اسے کیوں ٹھہرا رہی ہے۔ لیکن یہ وقت ان باتوں کو سوچنے اور الجھنے کا نہیں تھا۔ اسے پہلے سارہ کی خیریت معلوم کرنی تھی اور اسے بھی پہلا خیال یہ ہی آیا کہ وہ اسپتالوں کی ایمرجنسیز میں فون کر کے سارہ کے بارے میں معلوم کرے۔ لیکن اس خیال پر وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکا۔ کیونکہ اس طرح وہ سارہ تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ پہنچ بھی جاتا تو جواز کیا پیش کرتا کیونکہ توصیف احمد کی وہاں موجودگی یقینی تھی۔ توصیف احمد کا خیال آنے پر ہی اس کا ذہن تیزی سے سوچنے

لگا تھا اور پھر اس نے توصیف احمد کو ہی فون کر ڈالا۔

"لیس۔۔۔!" توصیف احمد کی بے دھیانی سے ظاہر تھا کہ وہ پریشان ہونے کے ساتھ کہیں مصروف بھی ہیں۔

"سر! میں شمشیر علی بات کر رہا ہوں۔" وہ بہت سنبھل کر بولا۔

"ہاں کہو۔۔۔" اب توصیف احمد کا انداز عجلت لیے ہوئے تھا۔

"ایکسکیوزمی سر! میں نے کچھ دیر پہلے آپ کی گاڑی دیکھی تھی۔ سوچا، معلوم کرلوں کہ آپ۔۔۔؟" وہ اندھیرے میں تیر چلاتے ہوئے خائف ہو گیا تھا۔

"ہاں! میں ہی تھا۔ آئی مین میری گاڑی چوری نہیں ہوئی۔" توصیف احمد نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"سر! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے۔ میں آجاتا ہوں آپ کے پاس۔۔۔"

توصیف احمد نے فوراً جواب نہیں دیا تھا۔ غالباً سوچ میں پڑ گئے تھے۔ جبکہ شمشیر علی کا سارا دھیان ان کی طرف تھا۔

"ہاں شمشیر۔۔۔!" چند لمحوں بعد توصیف احمد کی آواز آئی تھی۔ "آسکو تو آجاؤ۔ میں یہاں اسپتال میں ہوں۔"

"کون سے اسپتال میں سر؟" وہ الرٹ ہو گیا اور ان کی بات سن کر بولا۔

"اوکے سر! بس ابھی آرہا ہوں۔" اس نے سیل فون رکھ کر جلدی سے کپڑے بدلے پھر تاجور کو اٹھا کر اس سے کہنے لگا۔

"تاج! میں ایک ضروری کام سے جارہا ہوں۔ تم اکیلے ڈرنا مت۔۔۔"

"بھائی! اس وقت۔۔۔" تاجور پریشان ہو گئی۔

"ہاں! اسی وقت جانا ضروری ہے۔ گھنٹے دو گھنٹے میں آجاؤں گا۔ تمہیں اگر ڈر لگے تو مجھے فون کرلینا۔ چلو! دروازہ بند کرلو۔" تاجور اٹھ کر اس کے ساتھ دروازے تک آئی تو وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر بولا۔

"ویسے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم سو جانا۔"

"آپ کسی اور شہر تو نہیں جارہے بھائی؟" تاجور کا خدشہ زبان پر آگیا۔

"نہیں! کسی اور شہر کیوں جاؤں گا۔ کہا نا ایک دو گھنٹے میں آجاؤں گا۔ چلو، دروازہ بند کر کے سو جاؤ۔ شاباش۔"

اس نے تاجور کی پیشانی چومی اور مسکرا کر اسے حوصلہ دیا۔ پھر جب دروازہ بند ہو گیا۔ تب وہ تیزی سے سیڑھیاں اترا۔

رات کے اس پہر سڑکیں سنسان تھیں۔ جب ہی وہ پندرہ منٹ سے بھی پہلے توصیف احمد کے سامنے کھڑا تھا۔

"سر! سب ٹھیک ہے نا۔۔۔؟"

"ہاں! وہ میری بیٹی۔۔۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" توصیف احمد شش و پنج میں تھے۔

"کیا ہوا سر! کوئی سیریس بات تو نہیں ہے؟" وہ خود کو احتیاطوں کے کڑے پہروں میں مقید کر کے آیا تھا۔

"نہیں! اب تو۔۔۔" توصیف احمد نے اس قدر کہا تھا کہ نرس ان کے پاس آکر کہنے لگی۔

"سر! مزید بلڈ کی ضرورت پڑے گی۔ صبح سے پہلے انتظام کرلیں۔"

توصیف احمد نے اثبات میں سر ہلا کر نرس کو جواب دیا۔ پھر شمشیر علی کو دیکھنے لگے۔ اصل میں انہوں نے اسی لیے اسے بلایا تھا۔ پہلے تو وہ اجلال رازی کو ہر معاملے میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ جس سے ان کی ڈھارس بندھی رہتی تھی۔ رازی کو وہ حقیقتاً "بیٹوں کی طرح دایاں بازو سمجھتے تھے اور اس نے بھی انہیں کبھی مایوس نہیں کیا تھا۔ لیکن یہاں وہ رازی کو بلانے سے قصداً "گریز کر رہے تھے۔ ایک تو اریبہ سے رشتہ ختم کرنے پر وہ کچھ محتاط ہو گئے تھے۔ دوسرے ابھی یاسمین نے کہا تھا کہ ساجدہ بیگم کے گھر سے کوئی بات ہوئی ہے۔ جس سے ان کی بیٹیاں دکھی ہوئی ہیں۔ اس لیے انہیں رازی کا خیال آیا بھی تو انہوں نے جھٹک دیا تھا اور اب خود ان میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ مزید بلڈ کے لیے بھاگ دوڑ کرتے۔

"آپ بیٹھیں سر! میں دیکھتا ہوں۔"

شمشیر علی نے خود ہی ان کا مسئلہ اور ضرورت سمجھتے ہوئے انہیں لے جا کر یاسمین کے ساتھ بٹھایا پھر پہلے ڈاکٹر سے مل کر سارہ کی حالت معلوم کی۔ سارہ کا بلڈ گروپ جو اتفاق سے اس کے بلڈ گروپ سے مل گیا تو پھر اس نے کچھ نہیں سوچا۔ فوراً "خون دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب بیڈ پر لیٹا تو جیب سے سیل فون نکال کر اریبہ کا نمبر ملایا۔

"ہاں شام۔۔۔!" ادھر اریبہ جیسے منتظر بیٹھی تھی۔

"ڈونٹ وری! سارہ ٹھیک ہے۔" اس نے اتنے آرام سے کہا کہ وہ سلگ گئی۔

"تمہیں کیسے پتا۔۔۔؟"

"میں اسپتال میں موجود ہوں اور ڈاکٹر سے ساری رپورٹ لے کر تمہیں بتا رہا ہوں۔ خود سے نہیں کہہ رہا۔ چاہو تو اپنے ڈیڈی سے پوچھ لو۔" وہ ابھی بھی آرام سے بولا۔

"شٹ اپ۔۔۔!" اریبہ نے لائن کاٹ دی تو وہ ہنسنے لگا۔ سامنے سے توصیف احمد آرہے تھے۔ انہیں دیکھ کر بھی اس نے اپنی ہنسی چھپانے کی کوشش نہیں کی یا شاید بھول گیا تھا۔

"کیا ہوا شمشیر علی۔۔۔؟" توصیف احمد نے دور ہی سے اس کی رگوں سے خون بوتل میں منتقل ہوتے دیکھ لیا تھا جب ہی اس کے ہنسنے پر متعجب تھے۔

"کچھ نہیں سر! بس عادتاً "ہنس رہا ہوں۔" وہ بے ساختہ کہہ گیا۔

"عادتاً"۔۔۔؟" توصیف احمد کے ایک لفظ میں سوالیہ نشان موجود تھا۔ اب وہ بوکھلا کر بات بنانے کی کوشش کرنے لگا۔

"سر! وہ۔۔۔ بچپن میں جب مجھے چوٹ لگتی تھی اور کہیں سے خون نکل آتا تھا تو میں اپنی ماں کو پریشانی سے بچانے کی خاطر ہنسنے لگتا تھا۔ کیونکہ سر میری ماں خون دیکھ کر بہت پریشان ہو جاتی تھیں۔"

"لیکن تم۔۔۔ آئی مین! تمہیں بلڈ بینک سے معلوم کرنا چاہیے تھا۔" توصیف احمد نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

"سر! آپ معلوم کر چکے تھے نا! جب آپ کو نہیں ملا تو پھر مجھے کہاں سے ملتا؟ پھر یہ تو اچھا ہے سر! کہ میرا گروپ مل گیا۔ ورنہ جانے کہاں کہاں بھاگنا پڑتا۔"

توصیف احمد اس پر سے نظریں ہٹا کر اس بوتل کو دیکھنے لگے جس میں اس کا خون جمع ہو رہا تھا۔ ان کے پاس اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔ لیکن ان کے چہرے پر احسان مندی کا تاثر شمشیر علی واضح دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اریبہ اب اپنے آپ پر جھنجلا رہی تھی کہ اسے پہلے ہی توصیف احمد کو فون کرنے کا خیال کیوں نہیں آیا۔ وہ بس یہ ہی سوچتی رہی کہ یاسمین اپنا سیل فون گھر چھوڑ گئی ہے۔ لیکن اس میں اس کا قصور بھی نہیں تھا۔ پریشانی میں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ بہرحال جب توصیف احمد سے بات کر کے اور ان کے اطمینان دلانے پر اس کا تڑپتا مچلتا دل ٹھہر گیا۔ تب اسے چائے کی شدید طلب ستانے لگی۔ ذہن سے بوجھ اترا تو سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔

اس نے پہلے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ پھر کچن میں آگئی۔ چائے بنانے تک اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ چائے پیتے ہی ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن گیا۔ لیکن کسی ایک سوچ پر اس کی گرفت نہیں ہو پا رہی تھی۔ اسے لگا جیسے ہر بات اس کے لیے معمہ ہے۔ جسے حل کرتے کرتے اس کی زندگی تمام ہو جائے گی۔ پھر بھی وہ اندھیرے میں رہے گی۔

کوئی ایسی بات ہے جو رشتوں کا تقدس پامال کر رہی ہے اور وہ شاید سارہ جانتی ہے۔ لیکن وہ راز کیوں بن گئی ہے۔ اس کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتی۔ سوچتے ہوئے وہ پھر الجھنے لگی تو اس نے سر جھٹک دیا اور وضو کر کے جاء نماز بچھالی۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔

نماز سے جہاں اسے سکون ملا۔ وہیں نیند بھی مہربان ہو گئی۔ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ وہیں جاء نماز پر ہی سو گئی۔

پھر بی بی نے اسے اٹھایا تھا۔ وہ اسے بیڈ پر سونے کا کہہ رہی تھیں۔ لیکن وہ یکلخت بیدار ہو گئی۔

"نہیں بی بی! مجھے اسپتال جانا ہے۔ آپ جلدی سے چائے بنا دیں۔"

"بیٹا! سارہ کیسی ہے؟" بی بی بہت فکر مند تھیں۔

"پتا نہیں بی بی! جا کر دیکھوں گی تو پتا چلے گا۔" اس نے کہتے ہوئے وارڈ روب کھول لی اور اپنا سوٹ نکال کر واش روم میں بند ہو گئی۔

پھر تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ سارہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ سارہ آنکھوں پر بازو رکھے جانے سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔ یاسمین نے اشارے سے اسے سارہ کو چھیڑنے سے منع کیا تو وہ یاسمین کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر آگئی۔

"ہوش آیا سارہ کو۔؟"

"ہاں! صبح ہوش میں آئی ہے۔ لیکن بیٹا! ڈاکٹر نے اس سے کوئی بھی بات کرنے سے منع کیا ہے۔ تم ابھی اس سے کچھ مت پوچھنا۔" یاسمین نے کہا تو وہ فوراً" بولی۔

"میں سمجھتی ہوں مما! اور اب مجھے سارہ سے کچھ پوچھنا بھی نہیں۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ یاسمین ٹھٹک گئی۔

"بیٹا۔!"

"آپ گھر جائیں مما!" اس نے یاسمین کو بولنے نہیں دیا۔ "بہت تھک گئی ہوں گی آپ اور ہاں! ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"تمہارے ڈیڈی کو میں نے ابھی گھر بھیجا ہے۔" یاسمین نے بتایا تو وہ کہنے لگی۔

"آپ بھی ڈیڈی کے ساتھ چلی جاتیں۔ میں آ تو رہی تھی۔ خیر! اب میں سارہ کے پاس ہوں۔ آپ جائیں مما! دو تین گھنٹے کی نیند لے لیں۔ ورنہ بیمار پڑ جائیں گی۔"

"نہیں پڑتی بیمار اور میں صبح یہاں دوسرے بیڈ پر سو گئی تھی۔ البتہ تمہارے ڈیڈی نہیں سوئے تھے۔ جب ہی میں نے زبردستی انہیں بھیجا ہے۔ میں ٹھیک ہوں بیٹا!" یاسمین کسی طرح جانے پر آمادہ نہیں ہوئی تو وہ خاموش ہو گئی۔ پھر کمرے میں آ کر چپ چاپ سارہ کو دیکھے گئی۔ سارہ کا ایک بازو ہنوز آنکھوں پر دھرا تھا۔ دوسرے ہاتھ پر ڈرپ لگی تھی۔ عقب سے یاسمین نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تب اس نے چونک کر یاسمین کو دیکھا تھا۔

"میں ابھی آتی ہوں مما۔!" وہ یاسمین کا بیٹھنے کا اشارہ نظر انداز کر کے بولی اور تیزی سے باہر نکل آئی۔

اس وقت وہ کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ اس کی نظروں میں سارہ کی آنکھوں پر رکھا بازو تھا جس کی صرف کلائی پر بندھی بینڈیج پر سرخ خون نظر آ رہا تھا۔ باقی رنگت سفید لٹھے کی مانند ہو رہی تھی۔ جس نے اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر دی تھیں۔ اس نے ٹائم دیکھ کر ہی گاڑی ساجدہ بیگم کے گیٹ پر روکی تھی۔ اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے اور اجلال رازی کچھ دیر میں آفس کے لیے نکلنے والا تھا۔ اس نے رازی کے نکلنے کا انتظار نہیں کیا اور سیدھی اندر چلی آئی۔

کچن سے نکل کر آتی ثنا نے اسے دیکھا تو اس کی پیشانی پر پڑ گئے۔ حد درجہ ناگواری کا اظہار تھا۔

"رازی کہاں ہے؟" اس نے ثنا کی سکڑی پیشانی دیکھ کر ہی تیکھے لہجے میں پوچھا تھا۔

"کیوں۔؟" ثنا بھی کم نہیں تھی۔

"یہ تم رازی سے پوچھنا کہ اریبہ کیوں آئی تھی۔ تمہارے کیوں کا جواب وہ دے گا۔" وہ زہر خند سا کہہ کر تیزی سے رازی کے کمرے کی طرف بڑھی اور پھر دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تو اجلال رازی جو آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر حیرت میں گھر گیا۔

"تم۔ میرا مطلب ہے، سب ٹھیک ہے نا؟"

"ٹھیک۔!" اس کے لہجے میں حد درجہ کڑواہٹ گھل گئی تھی۔ "جو گیم تم کھیل رہے ہو رازی! اس میں سب ٹھیک کیسے ہو سکتا ہے۔ میں یا سارہ، ہم دونوں میں سے کسی ایک کو تو مرنا ہی ہے۔ تم بتاؤ۔ کسے مرنا چاہیے۔ مجھے یا سارہ کو۔؟"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو اریبہ! ہوش میں تو ہو۔؟" رازی نے بہت ضبط سے اسے ٹوکا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی رازی! جب ایک شخص ایک ہی وقت میں دو سگی بہنوں کے ساتھ فلرٹ کر رہا ہو تو پھر وہ یہی چاہتا ہے کہ دونوں میں سے ایک مر جائے تاکہ دوسری کے ساتھ وہ دنیا دکھاوے کو شادی کر لے۔ کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ تمہیں اریبہ اور سارہ ایک ساتھ مل جائیں۔" اریبہ اب چوہے بلی کا کھیل ختم کرنا چاہتی تھی۔

رازی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر اس کی پیشانی پر گہری لکیر کھنچ گئی تھی۔

"میں تمہاری بات کا کیا جواب دوں اریبہ۔! اگر تم اپنی حیا نیلام کر آئی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں کی غیرت کو للکارتی پھرو۔"

"تم۔!" وہ سناٹے میں آگئی۔

"ہاں میں اور صرف میں ہی نہیں سارا زمانہ تھوک رہا ہے تم پر۔ اتنے دن جانے کس کس کے ساتھ رہی ہو' کیا کرتی رہی ہو۔ اس کے بعد بھی آفرین ہے تم پر کہ ہاتھ میں آئینہ لیے پھرتی ہو۔ ارے پہلے اپنی صورت دیکھو پھر کسی اور کو آئینہ دکھانا۔ سمجھیں تم۔"

اجلال رازی نے ایک جھٹکے میں اسے پاتال میں دھکیل دیا تھا۔ وہ کتنی دیر نفی میں سر ہلاتی رہی پھر اس کی آواز پاتال سے ہی آئی تھی۔

"نہیں۔ کیسے سمجھ سکتی ہوں میں۔ کھرے کھوٹے کی پہچان ہوتی تو سمجھ پاتی کہ تمہارا اصل چہرہ کیا ہے۔ تم جو محبت کے صرف دعوے کرنا جانتے ہو۔ تمہاری لغت میں لفظ بھروسا اور اعتماد ہے ہی نہیں اور اعتماد نہیں ہے تو محبت کیسے ہوگی۔ واقعی تف ہے مجھ پر لیکن تم سن لو رازی!"

اس کی آواز اچانک تیز ہو گئی۔

"تم سارہ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ سارہ میری بہن ہے' میں اسے تمہارے ہاتھوں کھلونا نہیں بننے دوں گی۔ سمجھے تم۔"

وہ اپنی بات کہہ کر جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے پلٹی تھی کہ رازی نے ایک ہی جست میں اس کا راستہ روک لیا۔

"رکو اریبہ! تم بھی سنتی جاؤ۔ سارہ اور میرے بیچ مت آؤ۔ تم اگر اسے اپنی ضد بناؤ گی تو بہت بڑی غلطی کرو گی۔"

"شٹ اپ رازی۔!" وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔ "یہ میری ضد نہیں اپنی ماں جائی کے ساتھ محبت ہے جو میں اسے تم جیسے شخص سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ آئندہ اپنی زبان پر سارہ کا نام مت لانا۔ ہٹو سامنے سے۔"

"تم کیا سمجھتی ہو۔ جو تم چاہو گی ہمیشہ وہی ہو گا۔ نہیں اریبہ! تم اپنا وقار' اپنا اعتبار اور اپنی بات منوانے کا حق سب کھو چکی ہو۔ تمہاری لیے اب یہی بہتر ہے کہ تم خاموش تماشائی بن جاؤ۔ ورنہ ہر قدم پر منہ کی کھاؤ گی۔"

"یہ تو وقت بتائے گا کہ کون منہ کی کھاتا ہے۔" وہ اسے دھکیل کر نکلنا چاہتی تھی لیکن رازی نے اس کی کلائی پکڑ کر پیچھے کی طرف موڑ دی یوں کہ اس کی پشت رازی کے سینے سے جا لگی تھی۔

"کوئی بھی مرد ایک مشکوک کردار لڑکی کو بیوی نہیں بنا سکتا' ہاں وقت گزاری کی بات الگ ہے۔" اس نے نفرت انگیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"اف۔!" اس نے پورا زور لگا کر خود کو اس کی گرفت سے نکالا اور اس کی طرف گھوم کر انتہائی تاسف سے بولی۔

"تم اتنا گر سکتے ہو۔" وہ تنفر سے بولی۔

"ٹھیک کہا تھا سارہ نے تائی امی کی اولادیں وہ نہیں ہیں جو نظر آتی ہیں اور تم۔ تم کبھی میرے قابل تھے ہی نہیں۔ نفرت ہے مجھے تم سے۔ شدید نفرت۔ سنا تم نے میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔" وہ غصے سے کانپ رہی تھی۔ رازی نے ایکدم پورا دروازہ کھول دیا۔

"تم جا سکتی ہو۔"

"ہونہہ۔!" وہ انتہائی تنفر اور حقارت سے سر جھٹک کر کھلے دروازے سے نکل آئی اور تیز قدموں سے باہر کی طرف بڑھی عقب سے ساجدہ بیگم پکارتی رہ گئیں۔

"اریبہ۔ اریبہ رکو بیٹا۔"

وہ اب کہاں رکنے والی تھی۔ اسے تو یہ بھی پتا نہیں تھا کہ اسے رکنا کہاں ہے۔

* * *

رازی جانتا تھا کہ وہ کمرے سے نکلے گا تو ساجدہ بیگم اس کے انتظار میں کھڑی ہوں گی۔ صرف یہ پوچھنے کے لیے کہ اریبہ آئی تھی۔ کیا کہہ رہی تھی اور وہ ان سوالوں کے لیے تیار تو تھا لیکن جواب نہیں دے سکتا تھا اور کمرے میں بند رہ کر منہ چھپانا بھی نہیں چاہتا تھا جس سے ساجدہ بیگم کے شک کو تقویت ملے۔ اس لیے خود کو نارمل ظاہر کرنے کے ساتھ اس نے خود پر عجلت بھی سوار کر لی تھی اور یوں کمرے سے نکلا جیسے بہت لیٹ ہو رہا ہو۔

"رازی!" واقعی ساجدہ بیگم موجود تھیں اسے دیکھتے ہی پکارا۔

"امی! میں پہلے ہی بہت لیٹ ہو گیا ہوں۔ واپس آ کر بات کروں گا۔" وہ کہتے ہوئے رکے بغیر سیدھا باہر نکل آیا۔ پھر آفس پہنچتے ہی اس نے سارہ سے بات کرنے کی غرض سے توصیف ولا فون کیا تو ادھر سے بی بی نے فون اٹھایا تھا۔

"بی بی! سارہ کو فون دیں۔" اس نے بی بی کی آواز سنتے ہی کہا۔

"سارہ تو ابھی اسپتال میں ہی ہے۔" بی بی نے بتایا تو وہ چکرا گیا۔

"اسپتال میں؟ خیریت؟ کیا ہوا ہے بی بی؟"

"آپ کو نہیں پتا؟ سارہ نے کل اپنی کلائی کی نس کاٹ لی تھی۔ تب سے اسپتال میں ہے۔ میں تو خود بہت پریشان ہوں۔ پتا ہی نہیں چل رہا کیا حال ہے بچی کا۔" بی بی بولے جا رہی تھیں اور وہ جیسے سن کر بھی نہیں سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دائرے بننے لگے۔ جن میں کبھی اریبہ کا چہرہ ابھرتا تھا اور کبھی سارہ کا۔

"او مائی گاڈ!" اس نے ریسیور رکھ کر دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"جو گیم تم کھیل رہے ہو رازی! اس میں سب ٹھیک کیسے ہو سکتا ہے۔ میں یا سارہ۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو تو مرنا ہی ہے۔ تم بتاؤ! کسے مرنا چاہیے؟ مجھے یا سارہ کو؟"

اریبہ کی آواز کی بازگشت اس کے کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور اسپتال جانے کا سوچ کر گاڑی کی چابی اٹھائی تو سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں جائے۔ سارہ جانے کون سے اسپتال میں تھی۔ بی بی سے پوچھنا فضول تھا اور توصیف احمد کا خیال آنے پر وہ خائف ہو گیا تھا کہ انہوں نے اسے بتانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔

"کہیں سارہ نے تو۔" وہ سوچتے ہوئے دہل گیا۔ حقیقتاً "اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ تقدیر نے پانسا پلٹ دیا تھا۔ ایک بار اریبہ انگوٹھی واپس کر گئی تھی۔ تب سب اس کے ساتھ تھے اور اب وہ تنہا تھا۔ شاید قدرت نے اس کے لیے یہ ہی سزا منتخب کی تھی۔ سزا کاٹے بنا اس کا گناہ معاف ہونے والا نہیں تھا۔ وہ یہ ہی سوچ رہا تھا۔ پھر ساری ہمتیں یکجا کر کے بھی توصیف احمد کو فون کرتے ہوئے اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

"یس۔!" توصیف احمد کا "یس" بے دھیانی لیے ہوئے تھا۔

"چچا جان! آپ کہاں ہیں؟" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" توصیف احمد کے لیے دیے انداز پر وہ مزید کمزور پڑ گیا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہو گئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"وہ۔ میں نے ابھی گھر فون کیا تھا تو معلوم ہوا سارہ۔"

"ہاں! سارہ ٹھیک ہے۔" توصیف احمد نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔

"کون سے اسپتال میں ہیں آپ؟ میں آرہا ہوں۔"

"نہیں بیٹا! ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے نکلنے والے ہیں۔"

"اچھا! میں پھر گھر آجاؤں گا۔" اس نے ہمت کرکے کہا۔ لیکن ادھر سے سلسلہ منقطع ہوچکا تھا۔ اس نے ڈھیلے ہاتھ سے ریسیور چھوڑ دیا۔ اب اسے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ دیر پہلے اریبہ پر اچھالا جانے والا کیچڑ خود اس پر آن گرا ہو۔ اسے اپنے وجود سے گھن آنے لگی تھی۔

* * *

شمشیر علی اتنا کمزور نہیں تھا کہ دو بوتل خون دے کر نڈھال ہو جاتا۔ بس کچھ کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ بہرحال رات خون دینے کے بعد وہ تاجور کی وجہ سے گھر چلا آیا تھا۔ پھر صبح تگڑا ناشتا کرکے آفس بھی آگیا۔ لیکن اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ بہت مشکل سے اس نے کچھ ضروری کام نمٹائے۔ پھر سارہ کی خیریت معلوم کرنے اسپتال چلا آیا۔ اصل میں تو اس کا دھیان ادھر ہی لگا ہوا تھا۔ یہ خیال بھی تھا کہ اگر مزید خون کی ضرورت ہوگی تو وہ کہیں سے انتظام کردے گا۔ کیونکہ رات اس نے توصیف احمد کو خاصا کمزور دیکھا تھا اور وہ ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ بھی کرسکتا تھا۔

"تم کیسے ہو شمشیر علی؟ ابھی تمہیں آرام کرنا چاہیے تھا۔" توصیف احمد نے اسے دیکھتے ہی کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں سر! اور اس لیے آیا ہوں کہ اگر مزید بلڈ کی ضرورت ہو تو۔"

"او نو نو۔ اللہ کا شکر ہے، میری بیٹی اب کافی بہتر ہے۔"

"سر! کچھ اور چاہیے تو بتائیے میں لا دیتا ہوں۔"

"ہاں!" توصیف احمد سوچنے لگے۔ اسی وقت اس نے یاسمین کو کمرے سے نکلتے دیکھ کر چہرہ دوسری طرف موڑا تھا کہ ٹھٹک گیا۔ ادھر سے اریبہ آرہی تھی۔ اس نے دور ہی سے دیکھ لیا۔ اریبہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے پھر بھی وہ تیز چل رہی تھی اور اسی تیزی سے آکر وہ توصیف احمد کے سینے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

"اریبہ!" توصیف احمد پریشان ہوگئے۔ "کیا ہوا بیٹا؟"

"کیا ہوا میری بچی کو؟" یاسمین جو شمشیر علی کی وجہ سے کمرے سے نکلتے ہی رک گئی تھی تیزی سے آگے آئی۔

"اریبہ! کیا ہوا بیٹا، کہاں چلی گئی تھیں تم؟" یاسمین اریبہ کو اپنی طرف کھینچنے لگی۔

شمشیر علی کو اپنی وہاں موجودگی کھلنے لگی تو وہ غیر محسوس طریقے سے دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ پھر دیوار سے لگ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ جو بہت مضبوط نظر آئی تھی اس وقت بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ جانے بہن کی وجہ سے رو رہی تھی یا کوئی اور بات۔

"کوئی اور بات۔" شمشیر علی کے دل پر بوجھ آن گرا۔ اور جو بھی بات ہوگی اس کا ذمہ دار وہ ہوگا۔

اس لڑکی پر ساری قیامتیں میری وجہ سے ٹوٹ رہی ہیں اور شاید اب اس کی ہمت جواب دے گئی ہے، جو دھڑلے سے کہتی آرہی تھی کہ میرے ساتھ جو بھی مسئلہ ہوگا، میں خود نمٹ لوں گی، لیکن اب یہ تھک گئی ہے

شاید۔ کیا میں نے اس کے ساتھ اتنا برا کیا ہے؟ وہ اریبہ کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں خود سے بولے جارہا تھا۔

توصیف احمد اریبہ کو اپنے ساتھ لگائے کمرے میں لے گئے۔ پھر کمرے کا دروازہ بند ہوگیا تو اسے وہاں رکنا مناسب نہیں لگا۔ دل پر ایک اور بوجھ لیے وہ اسپتال سے نکل آیا۔ آفس میں پہلے ہی کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا' اس لیے اس نے گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔ اسے اریبہ کا رونا بری طرح محسوس ہورہا تھا اور وہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ اب جب اس کی بہن کافی بہتر ہے تو پھر وہ کیوں رو رہی تھی۔ اسے گزری شام یاد آئی۔ جب وہ شاپنگ مال میں اس کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس وقت اریبہ نے بتایا تھا کہ اس نے ساری شاپنگ اپنی بہن سارہ کے لیے کی ہے۔ سارہ اس سے ناراض ہے اور یہ اسے منانے کے جتن ہیں۔

"ایسی بھی کیا ناراضی کہ سارہ نے اپنی جان پر کھیلنے کی سعی کر ڈالی۔" وہ سوچتے ہوئے الجھنے لگا اور ایسے ہی الجھے ذہن کے ساتھ اس نے کمپاؤنڈ میں گاڑی پارک کی' پھر اترتے ہوئے اس نے دیکھا تاجور بالکونی میں کھڑی تھی۔ اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا' لیکن جب سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کی نظر سامنے والے اپارٹمنٹ کی بالکونی میں کھڑے لڑکے پر پڑی تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ وہ لڑکا اشاروں میں بات کر رہا تھا اور اس طرف تاجور تھی۔

"یااللہ!" اس نے دیوار کا سہارا نہ لیا ہوتا تو یقیناً" ڈھے جاتا۔ اسے اب پتا چلا تھا' دوسروں پر ٹوٹنے والی قیامتوں کا درد سننا کتنا آسان ہوتا ہے۔ خود پر بیتے تو سہا نہیں جاتا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے دیکھا تھا' اریبہ کے قدم ڈگمگا رہے تھے' پھر بھی وہ تیز چل رہی تھی اور وہ مرد تھا۔ اس کے قدم اٹھ کے نہیں دے رہے تھے۔ بمشکل ایک ہاتھ سے دیوار اور دوسرے ہاتھ سے ریلنگ کا سہارا لے کر وہ خود کو گھسیٹتے ہوئے اوپر آیا تو دل چاہا ماسٹر کی سے دروازہ کھول کے ایک دم تاجور کے سر پر جا کھڑا ہو۔ مگر اس کے بعد سر اٹھا کر چلنا اتنا ہی مشکل ہوتا۔

قدرت بھی انسان کو کیا' کیا دکھاتی ہے۔ تاجور کی جگہ کوئی اور ہوتی تو یہ نظارہ اس کے لیے دلچسپ ہوتا۔ اب تو روح پر آریاں چل رہی تھیں۔ چابی جیب میں رکھ کر اس نے بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن اس پر صدیاں بیت گئی تھیں۔

"بھائی! آپ جلدی آگئے؟" تاجور اپنی فطری معصومیت سے بولی۔

"کیوں' نہیں آنا چاہیے تھا؟" وہ بے اختیار کہہ گیا۔

"کیوں نہیں بھائی! میں تو دعا کر رہی تھی کہ آپ آجائیں' میں نے آپ کی پسند کا لوکی گوشت پکایا ہے۔" تاجور نے کہا تو وہ کوشش کے باوجود اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ معصومیت مسخ ہو کر کتنی بھیانک ہوجاتی ہے' اس میں دیکھنے کا یارا نہیں تھا۔

"کھانا نکالوں بھائی؟" تاجور نے اس کی خاموشی محسوس نہیں کی۔

"ابھی نہیں۔" وہ کہہ بالکونی میں آگیا۔ سامنے اب وہ لڑکا موجود نہیں تھا۔

"کیا ہوا بھائی؟" تاجور کی اب سہمی ہوئی آواز آئی تھی۔ وہ جواب دیے بغیر پلٹ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کے بدن میں شرارے بھر گئے تھے۔ لیکن ہمیشہ سے اس کی عادت تھی کہ وہ غصے میں بات نہیں کرتا تھا۔ اس لیے اس نے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا۔

* * *

اجلال رازی ساجدہ بیگم کو خالدہ کے پاس چھوڑ کر چلا گیا تھا اور جانے اس نے سارہ کے بارے میں انہیں کیا بتایا تھا کہ وہ پریشان ہوگئی تھیں۔ دل کے ہاتھوں مجبور تھیں۔ گھریلو رنجشیں اور ناچاکیاں اپنی جگہ' وہ کسی کا برا

نہیں سوچتی تھیں۔ اس لیے سارہ کا سن کر وہ رازی سے یہ تو نہیں کہہ سکیں کہ انہیں اسپتال لے جائے۔ اس لیے نہیں کہ توصیف احمد نے انہیں اطلاع نہیں دی تھی' بلکہ انہیں یہ خیال تھا کہ شاید توصیف احمد اس واقعے کو چھپانا چاہتے ہیں' جب ہی وہ خالدہ کے پاس آگئی تھیں کہ توصیف احمد سے بھی یہیں ملاقات ہوجائے گی۔

"کیا ہوا ہے سارہ کو؟" انہوں نے خالدہ سے پوچھا تو اس کی تشویش الگ تھی۔

"پتا نہیں آپا! رات توصیف بس اتنا کہہ کر گئے تھے کہ سارہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پھر صبح گھنٹے دو گھنٹے کے لیے آئے تھے' پھر وہیں چلے گئے' مجھے تو لگ رہا ہے آپا! یاسمین اب ان ہی بہانوں سے توصیف کو اپنی طرف کھینچنا چاہ رہی ہے۔"

"ہوسکتا ہے' لیکن یہ بھی سچ ہے کہ سارہ کو کچھ ہوا ہے' وہ اسپتال میں ہے۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو خالدہ ناگواری سے بولی۔

"اچھا' ان لڑکیوں کو اسپتال راس آگیا ہے کیا' کبھی ایک جاتی ہے کبھی دوسری۔"

"بس اللہ رحم کرے۔" ساجدہ بیگم نے خالدہ کی کیفیت سمجھتے ہوئے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا۔

"آپ اسپتال سے آرہی ہیں کیا؟" خالدہ نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ اب اسپتال جانے کی میری ہمت نہیں ہے۔ مریضوں کو دیکھ دیکھ کر میری اپنی حالت غیر ہوجاتی ہے اور توصیف ولا میں جانا نہیں چاہتی' اس لیے تمہارے پاس آئی ہوں کہ توصیف سے یہیں سارہ کی خیریت معلوم کرلوں گی۔" ساجدہ بیگم نے طریقے سے بات بنادی تھی۔

"دیکھیں توصیف کو کب فرصت ملتی ہے۔" خالدہ بہت شاکی ہورہی تھی۔

"اچھا۔۔۔ تم نہ دل برا کرو۔ یاسمین کچھ بھی کرے' کوئی بھی حربہ استعمال کرے' توصیف اس کی طرف لوٹنے والے نہیں ہیں' بس بچیوں کی وجہ سے مجبور ہیں۔ ظاہر ہے اولاد ہے وہ بھی بیٹیاں' جب تک اپنے گھر بار کی نہیں ہوجاتیں توصیف آرام سے نہیں ہوسکتے۔" ساجدہ بیگم نے خالدہ کو تسلی دیتے ہوئے سمجھایا تو وہ جل کر کہنے لگی۔

"اپنے گھر بار کی۔۔۔ آپا! اب کون کرے گا ان لڑکیوں سے شادی۔ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ دیکھیے گا' بیٹھی رہیں گی ساری زندگی ماں کے کلیجے سے لگ کر اور نہ خود چین سے رہیں گی' نہ ہمیں رہنے دیں گی۔"

"اللہ سے خیر مانگو خالدہ! لڑکیوں میں خدانخواستہ کوئی عیب نہیں ہے۔" ساجدہ بیگم نے ٹوک کر کہا۔

"عیب نہیں ہے' عزتیں گنوا بیٹھی ہیں۔ اس سے بڑا عیب اور کیا ہوگا۔"

"اچھا بس چپ ہوجاؤ۔ کم از کم تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔" ساجدہ بیگم نے ٹوک کر کہا۔

ساجدہ بیگم پریشان ہوگئی تھیں' شاید اس لیے کہ رازی ابھی بھی سارہ سے شادی پر بضد تھا۔

"مجھے تو اب اپنے بچوں کی فکر ہورہی ہے آپا! پتا نہیں یاسمین۔۔۔" خالدہ جانے کیا کہنے جارہی تھی کہ توصیف احمد کو آتے دیکھ کر ایک دم خاموش ہوگئی۔ جبکہ توصیف احمد' ساجدہ بیگم کو دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔

"السلام علیکم!" خاصا نروٹھا انداز تھا۔

"کیسی طبیعت ہے سارہ کی؟" ساجدہ بیگم سلام کا جواب دینا بھول گئیں۔

"جی۔۔۔ اب تو بہتر ہے۔" توصیف احمد کو جیسے ناچار وہیں بیٹھنا پڑا تھا۔

"شکر ہے۔ ابھی کہاں اسپتال میں ہے؟"

"نہیں۔۔۔ دوپہر میں ہی گھر آگئی تھی۔" توصیف احمد جیسے بادل نخواستہ جواب دے رہے تھے۔

"تو مجھے پتا ہوتا تو میں وہیں چلی جاتی' تم نے بتایا بھی نہیں۔" ساجدہ بیگم نے طریقے سے شکوہ بھی کر ڈالا۔

"بس بھابھی جان! اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں تھی۔ آپ ناحق پریشان

ہوتیں۔" توصیف احمد ان پر اپنی پریشانی ظاہر نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔

"ہوا کیا تھا؟"

"بس وہ کچن میں سبزی کاٹ رہی تھی تو نس پر چھری لگ گئی۔ نس کٹنے سے کافی خون بہہ گیا تھا۔"

"اوہ۔!"

"خالدہ چائے۔۔ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" توصیف احمد غالباً" اس موضوع سے بچنے کی خاطر اٹھ کر چلے گئے۔

"بس آپا! اب کوئی بات مت کیجئے گا۔" خالدہ نے بھی توصیف احمد کا روٹھا انداز محسوس کر کے کہا' پھر کچن میں جانے لگی تھی کہ ساجدہ بیگم اسے روک کر بولیں۔

"خالدہ! ڈرائیور سے کہو مجھے گھر چھوڑ آئے۔"

"کیوں آپا! رات کا کھا کر جایئے گا۔"

"نہیں۔۔ گھر میں بیٹا اکیلی ہے' رازی بھی پتا نہیں کب آئے گا۔" ساجدہ بیگم اب یہاں آکر پچھتا رہی تھیں۔ انہیں ہرگز امید نہیں تھی کہ توصیف احمد اس طرح ملیں گے۔

"پھر بھی آپا! چائے تو توصیف کے ساتھ پی لیں' نہیں تو وہ برا مانیں گے۔" خالدہ کی بات ٹھیک تھی۔ ساجدہ بیگم خاموش ہو گئیں لیکن جب توصیف احمد نے چائے اپنے کمرے میں ہی منگوالی' تب انہوں نے خالدہ کا بھی خیال نہیں کیا اور چائے پیے بغیر ہی چلی آئیں۔

ادھر رازی ان کے فون کے انتظار میں بیٹھا تھا' انہیں دیکھ کر اچنبھے میں گھر گیا۔

"آپ کیسے آئی ہیں امی؟"

"خالدہ کا ڈرائیور چھوڑ گیا ہے۔" ساجدہ بیگم رازی کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھیں۔

"کیوں۔۔ میرا مطلب ہے آپ مجھے فون کر دیتیں۔ میں تو انتظار میں بیٹھا تھا۔"

"ہاں مجھے پتا ہے' تم اسی انتظار میں بیٹھے تھے' لیکن کوئی ضرورت نہیں تھی وہاں جانے کی توصیف کو بلانا ہوتا تو رات میں ہی نہیں بلا لیتے۔ جب وہ نہیں چاہ رہے تو۔۔" ساجدہ بیگم مزید منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگیں۔

"کیا نہیں چاہ رہے چچا جان! کچھ کہا ہے انہوں نے آپ سے' بتائیں نا امی؟" رازی ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"کیا بتاؤں' تمہیں خود سمجھ لینا چاہیے' ہر معاملے میں سب سے پہلے تم ہی بلائے جاتے تھے' اب نہیں بلائے گئے تو سمجھ لو کہ صرف تمہارا اور اریبہ کا رشتہ ہی ختم نہیں ہوا' باقی رشتے بھی ختم ہو گئے۔"

ساجدہ بیگم نے ناراضی سے کہہ کر ایک طرح سے رازی کو یہ بھی باور کرانا چاہا کہ وہ سارہ کا خیال دل سے نکال دے اور وہ نادان نہیں تھا' ان کا اشارہ سمجھ کر ہونٹ بھینچ گیا' کیونکہ یہ بحث کا وقت نہیں تھا۔

* * *

"تمہیں تو پتا ہے سارہ! میں کتنی پاگل ہوں ہمیشہ سے' غصے میں میری مت ماری جاتی ہے' پھر میں کچھ نہیں دیکھتی' کچھ نہیں سوچتی' ایسے ہی عالم میں' میں نے تمہیں جانے کیا کچھ کہہ دیا تھا' مجھے معاف کر دو۔" اریبہ' سارہ کے پاس انتہائی نادم بیٹھی تھی۔

"لیکن تمہیں یہ بھی تو پتا ہے کہ میں تم سے کتنا پیار کرتی ہوں' جان دیتی ہوں تم پر' پھر تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟ قسم سے تمہیں کچھ ہو جاتا تو تم سے پہلے میں مر جاتی۔" سارہ کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں تو وہ اس کا ہاتھ چوم کر بولی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook
fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

"رونا مت، ورنہ میں تم سے زیادہ روؤں گی۔" سارہ پلکیں جھپکنے لگی۔

"میں سمجھ گئی ہوں، سب کو پورے خاندان کو ہمارا گھرانہ کھٹکتا ہے۔ اس لیے جس کا بس چلتا ہے یہاں چنگاری پھینک دیتا ہے کہ ہم میں باہمی محبت اور اتفاق نہ رہے، ایسا ہی ہے نا؟" اس نے اپنی بات کی تصدیق چاہی تو سارہ نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور تم نے ٹھیک کہا تھا، تائی امی کی اولادیں وہ نہیں ہیں جو نظر آتی ہیں، بالکل ٹھیک کہا تھا تم نے، پتا نہیں میں کیوں نہ سمجھی رازی، رازی، رازی، اف، مجھے اب اپنے آپ پر غصہ آ رہا ہے، میں اس شخص کے خواب دیکھتی تھی جو سچ تو یہ ہے میری نفرت کے قابل بھی نہیں۔ یہ محبت کے بلند بانگ دعوے کرنے والا کہتا ہے کہ میں اتنا عرصہ جانے کس کس کے ساتھ رہی ہوں، یہ ہے اس کی سوچ۔" اریبہ کیونکہ جذبات میں مسلسل بولے جا رہی تھی، اس لیے وہ بات بھی کہہ دی جو اگر وہ اپنے آپ میں ہوتی تو کبھی نہ کہتی۔

"یہ... یہ تم سے رازی بھائی نے کہا؟" سارہ کو اس کی آخری بات سے شدید دھچکا لگا تھا۔

"ہاں... اور بھی بہت کچھ کہا۔" وہ آزردگی میں گھر گئی تھی۔ "اور اس کی دیدہ دلیری دیکھو، اس کے بعد بھی وہ اس گھر سے ناتا جوڑنا چاہتا ہے۔ میں نہیں تو تم، نہیں سارہ! تم اتنی ارزاں نہیں ہو کہ رازی کی خواہش کی بھینٹ چڑھ جاؤ، ایسا تو میں کبھی ہونے نہیں دوں گی۔"

"اریبہ...!" سارہ نے پریشان ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ایسی باتیں مت کرو، تم اگر چاہتی ہو میں زندہ رہوں تو بھول جاؤ سب اور یہ یقین رکھو کہ میں بھی رازی سے اتنی ہی نفرت کرتی ہوں جتنی کہ تم، بلکہ شاید تم سے بھی زیادہ۔"

اریبہ نے سارہ کا ہاتھ دبا کر اثبات میں سر ہلایا، پھر اس موضوع سے ہٹتے ہوئے اپنے لہجے میں اشتیاق سمو کر کہنے لگی۔

"اچھا ہاں سارہ! تمہیں پتا ہے تمہاری رگوں میں کس کا خون دوڑ رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" سارہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

"مطلب یہ کہ اسپتال میں جب تمہارے لیے بلڈ کی ضرورت پڑی تو شمشیر علی نے اپنا خون دیا تھا۔" اریبہ نے بتایا تو سارہ کو نام سے یاد نہیں آیا۔

"شمشیر علی!" وہ سوالیہ نظروں سے اریبہ کو دیکھنے لگی تھی۔

"تاجور کا بھائی۔"

"اوہ... وہ وہاں کیسے آ گیا؟" سارہ نے اب سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ڈیڈی کے آفس میں ہوتا ہے نا، تو شاید ڈیڈی نے ہی اسے بلایا ہوگا، مجھے بھی مما سے پتا چلا ہے۔" اریبہ نے بتایا تو سارہ مسکرا کر رہ گئی۔

"ویسے سارہ! ایک بات ہے، تمہیں بہت شوق تھا نا کہ تمہارا بڑا بھائی ہوتا، جسے تم بھائی جان کہتیں، تو اللہ نے تمہاری خواہش پوری کر دی ہے، شمشیر علی سے تمہارا خون کا رشتہ بن گیا ہے، اب اسے بھائی جان کہہ کر اپنا شوق پورا کر لینا۔" اریبہ بہت محظوظ ہو کر بول رہی تھی، سارہ کو ہنسی آ گئی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی، چلیں گے تاجور کے پاس، شمشیر علی کا شکریہ بھی ادا کریں گے اور تم تاجور سے بھی مل لینا۔"

سارہ نے ہنس کر سر ہلایا۔

"گڈ... ایسے ہی ہنستی رہا کرو۔" اریبہ نے پیار سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا تو وہ اس کے گلے لگ گئی۔

"تم بہت اچھی ہو اریبہ!"

* * *

شمشیر علی سچ مچ ڈھے گیا تھا۔ اس کے لیے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی، تین دن ہو گئے تھے، وہ آفس بھی نہیں جا رہا تھا اور مستقل تو وہ تاجور کے پہرے پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ کیا کرے، تاجور کو واپس ابا کے پاس چھوڑ آئے، لیکن وہاں بھی تو وہ محفوظ نہیں تھی۔

"پھر کیا کروں؟" سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہو گیا تھا اور اسے تاجور کی اب ہر حرکت مشکوک لگنے لگی تھی۔ اچھا بھلا انسان شک میں مبتلا ہو کر کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ پھر یہاں محض اس کا شک نہیں تھا۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اس کے بعد آنکھیں بند نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ تاجور کو تنبیہہ کیسے کرے، اس مقام پر اسے اپنی اماں شدت سے یاد آنے لگی تھی۔ مائیں ہی بیٹیوں کی محافظ ہوتی ہیں۔ وہ یہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا تھا۔

"میں اپنے ہاتھوں سے تاجور کا گلا دبا دوں گا۔" اس کا ڈپریشن حد سے سوا ہو گیا تھا، تین دنوں سے وہ مسلسل ایک ہی بات سوچ رہا تھا اور اب اسے لگا جیسے اس کا یہی حل ہے۔

"ہاں... میں تاجور کو بے آبرو نہیں ہونے دوں گا۔ مار ڈالوں گا اسے۔" اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا، تب ہی تاجور آ کر بولی تھی۔

"بھائی! آٹا ختم ہو گیا ہے۔"

اس نے سن کر بھی جیسے نہیں سنا تھا، سرخ آنکھوں سے تاجور کو دیکھے گیا۔

"بھائی...!" تاجور اس کی سرخ آنکھوں سے ڈر گئی۔ "کیا ہوا ہے بھائی، آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے۔"

"ہاں... ادھر آؤ۔" اس نے بلایا تو تاجور اس کے پاس آ گئی۔

"سر دبا دوں بھائی!"

"نہیں، بیٹھو۔" اس نے تاجور کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے بٹھا لیا اور دوسرا ہاتھ پہلے اس کے سر پر رکھا، پھر آہستہ آہستہ گردن تک لے آیا۔

تاجور کچھ الجھ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں مرنے سے ڈر تو نہیں لگتا۔" اس نے پوچھا تو تاجور روہانسی ہو گئی۔

"لگتا ہے بھائی! بہت ڈر لگتا ہے۔"

"کیوں... مرنا تو ہے، سب کو مرنا ہے، میں بھی مر جاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے بھائی! اللہ آپ کو میری عمر لگا دے، آپ ہمیشہ جئیں۔" تاجور رونے لگی۔

تب ہی ڈور بیل جھنجھنا اٹھی، تو وہ ایک دم تاجور کو چھوڑ کر اٹھ گیا اور جا کر دروازہ کھولا تو اریبہ اور سارہ کھڑی تھیں، وہ پریشان ہو گیا۔

"آپ...؟"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نگہت عبداللہ

میرے عشق لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے' جبکہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد اجلال رازی سے ہو چکی ہے' جو اعلا تعلیم کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے۔ یاسمین' اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہو جاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

وہ اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے' مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے' تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خود سر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے' مگر وہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصہ میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کر لیتا ہے اور تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے اسپتال داخل کروا دیتا ہے۔

اریبہ، یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے، مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کر دیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی، اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں گمن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈراتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچا لیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی، توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اریبہ، ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی، اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔ تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جا کر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے۔ مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہو جاتی ہے۔

یاسمین، اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑ جاتی ہے۔ مگر اریبہ دو ٹوک انداز میں منع کر دیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال، اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہو جاتا ہے۔ اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں یمیر سے بات کرتی ہے۔ مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آ جاتی ہے۔ وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کر لیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہو جانے پر سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ اجلال، ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

شمشیر علی کو اریبہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ وہ اریبہ کو اپنا سیل فون دے دیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے رابطہ کر لے۔

اریبہ اجلال کو فون کرتی ہے، مگر وہ سرد مہری سے بات کرتا ہے تو اریبہ کچھ بتائے بغیر فون بند کر دیتی ہے۔ شمشیر علی نے ابراہیم نامی بچے سے اسکیچنگ سیکھ کر تاجور کی تصویر بنائی تو اریبہ اسے دیکھ کر فوراً" پہچان گئی۔ اس نے شمشیر کو بتایا کہ اریبہ اس کے گھر میں حفاظت سے ہے۔ شمشیر اب اریبہ کو واپس پہنچانا چاہتا تھا، لیکن اریبہ نہیں چاہتی ہے کوئی شمشیر علی کو مجرم سمجھے۔ وہ ایک منصوبہ بناتی ہے۔ جس کے تحت شمشیر علی اسے اسپتال میں داخل کرا کے توصیف احمد کو اطلاع کرتا ہے۔ توصیف احمد اس کے ساتھ اسپتال جاتے ہیں اور اریبہ کو گھر لے آتے ہیں۔

اریبہ کو دیکھ کر اجلال کو محسوس ہوا کہ وہ اس کی محبت سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا مگر پھر ساجدہ بیگم سے سارہ سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ وہ ناراض ہو جاتی ہیں۔ شاہمیر کو فون پہ بتا دیتی ہے۔ وہ سارہ سے پوچھتا ہے، پھر جواب نہ پا کر اریبہ کو بتا دیتا ہے۔ اریبہ، سارہ سے ناراض ہو جاتی ہے۔ اریبہ اپنے والد کے دفتر میں اجلال سے اشاروں کنایوں میں اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ اجلال کے چہرے کے تاثرات سے اسے جواب مل جاتا ہے۔ سارہ حالات سے خوف زدہ ہو کر خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

۱۹

انیسویں قسط

"السلام علیکم!" اریبہ کو اس کی آنکھوں کی سرخی بہت کچھ یاد دلا گئی تھی۔

"وعلیکم السلام! آیئے۔" وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ دونوں اندر آ گئیں تو دروازہ بند کر کے اس نے انہیں وہیں لاؤنج میں بیٹھنے کو کہا۔

"تاجور کہاں ہے؟" اریبہ نے بیٹھنے سے پہلے پوچھا تو وہ بے اختیار کہہ گیا۔

"وہ رو رہی ہے۔"

"رو رہی ہے کیوں؟"

"بس ابی میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو وہ پریشان ہو گئی۔" اس کے بتانے پر اریبہ نے بے اختیار پوچھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

وہ سٹپٹا کر سارہ کو دیکھنے لگا۔ تب اریبہ کو احساس ہوا کہ وہ احتیاط بھول گئی ہے۔

"سوری! میرا مطلب ہے۔ آپ تو واقعی بیمار لگ رہے ہیں۔ سارہ کو بلڈ دینے سے یہ حالت ہوئی ہے آپ کی؟" اریبہ نے کہتے ہوئے سارہ پر نظر ڈالی۔

"جی! ابی نہیں۔"

"میں تاجور کو دیکھ لوں۔" سارہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اریبہ بھی اس کے ساتھ جانے لگی تھی کہ شمشیر علی نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"شام!" اریبہ اسے ٹوکنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑا۔

"میری بات سنو۔ اگر تاجور کی زندگی بن کر آئی ہو تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

"کیا مطلب؟" اریبہ پوری اس کی طرف گھوم گئی۔

"ہر بات کا مطلب نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو پوچھا نہیں جاتا۔ بس تم تاجور کو لے جاؤ۔ وہ یہاں رہی تو مر جائے گی۔ میں مار ڈالوں گا اسے اور خود بھی مر جاؤں گا۔" وہ انتہائی عاجز ہو کر بول رہا تھا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو؟ مجھے بتاؤ! ہوا کیا ہے؟" اریبہ ٹھٹکی ضرور تھی۔

لیکن اسی پر بگڑ گئی۔

"بتاؤں گا۔ سب بتاؤں گا۔ ابھی تم بتاؤ۔ تاجور کو اپنے پاس رکھ سکتی ہو کہ نہیں؟" شمشیر علی کے ذہن پر ایک ہی بات سوار تھی۔

اریبہ فوراً" جواب نہیں دے سکی تو تاجور کے کمرے میں چلی گئی۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ اس لڑکی کو مشکل میں ڈال رہا ہے۔ یہ واقعی بھاری ذمہ داری تھی۔ پہلے کی بات اور تھی۔ تاجور بیمار تھی تو اس نے اپنی [illegible] طور پر اسے اپنے گھر رکھ لیا تھا۔ اب وہ اپنے گھر والوں سے کیا کہے گی۔ وہ خود کو ملامت کرنے لگا کہ وہ لڑکی ہو کر ہر معاملہ سے خود نمٹ رہی تھی۔ اس کے پوچھنے پر بھی نہیں بتاتی تھی اور وہ کیا مرد تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر گھبرا جاتا تھا۔

"لیکن یہ ذرا سی بات نہیں ہے۔" وہ خود ہی اپنا دفاع بھی کرنے لگا۔ پھر کمرے کی طرف دیکھا۔ جہاں دونوں بہنیں تاجور کی دلجوئی کر رہی تھیں۔

"تاج! مہمانوں کو چائے نہیں پلاؤ گی؟" اس نے وہیں سے پکار کر کہا۔ پھر بالکونی میں نکل آیا۔

شام ابھی نہیں اتری تھی۔ جب ہی کمپاؤنڈ سنسان تھا۔ اس کی نظریں سامنے والے اپارٹمنٹ کی بالکونی سے بھی آگے کھلے دروازے سے اندر کچھ تلاش کرنے لگیں۔ لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔ بس پردہ کسی کسی وقت لہرا جاتا تھا۔ جیسے کوئی وہاں آجا رہا ہو۔ گزشتہ تین دنوں سے وہ بس یہی دیکھ رہا تھا۔

"بھائی! چائے بن گئی ہے۔" عقب سے تاجور نے کہا تو وہ اندر آتے ہوئے بولا۔

"صرف چائے؟"

"ہاں! بس ہم چائے ہی پئیں گے۔ مزید کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔" اریبہ نے کہتے ہوئے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ سارہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

"آپ کیسی ہیں سارہ؟" وہ بیٹھتے ہوئے سارہ سے پوچھنے لگا۔

"بہت اچھی اور بہت خوش۔" سارہ سے پہلے اریبہ بول پڑی۔ "خوش اس لیے ہے کہ اسے آپ کی صورت بڑا بھائی مل گیا ہے۔ بہت شوق تھا اسے کہ کوئی بڑا بھائی ہوتا۔ جسے بھائی جان کہتی۔ اسے بلڈ دے کر آپ اس کے بھائی جان ہو گئے کہ نہیں؟"

"بالکل ہو گیا۔" وہ کتنے دنوں بعد مسکرایا تھا۔

"مبارک ہو سارہ!" وہ سارہ کے گھورنے پر بھی باز نہیں آئی تھی۔ "گھر جا کر مجھے مٹھائی بلکہ سوئیٹ ڈش بنا کر کھلانا۔"

"ہاں! تم گھر تو چلو۔" سارہ نے دانت پیس کر کہا تو اس نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ پھر یوں جیسے اچانک یاد آیا ہو کہنے لگی۔

"ہاں شمشیر! اگر آپ اجازت دیں تو ہم تاجور کو اپنے ساتھ لے جائیں؟"

"جی!" شمشیر علی اس اچانک بات کے لیے تیار نہیں تھا۔

"یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تاجور یہاں اکیلی ہوتی ہے۔ وہاں سارہ اس کے ساتھ ہو گی۔ پھر سارہ اسے پڑھا بھی رہی تھی۔ کیوں تاجور! تمہیں سارہ کا پڑھایا ہوا یاد ہے یا بھول گئی ہو؟"

اریبہ نے توجیہہ پیش کرتے ہوئے تاجور سے پوچھا تو وہ فوراً" بولی۔

"سب یاد ہے باجی!"

"دیکھا! کتنی ذہین ہے تاجور۔ اسے ضرور پڑھنا چاہیے۔" وہ پھر شمشیر علی سے مخاطب ہو گئی تھی۔

"ہاں! لیکن۔" وہ اسی قدر کہہ کر تاجور کو دیکھنے لگا۔ اریبہ سمجھ کر تاجور سے پوچھنے لگی۔

"چلو گی نا تاجور؟"

"جی! لیکن پھر جلدی آجاؤں گی۔ بھائی کے لیے کھانا پکانا ہوتا ہے ناں!" تاجور نے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

"کھانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ خود پکالیں گے یا باہر سے کھالیں گے۔ تم بس اب پڑھنے پر دھیان دو۔"

"ہاں تاجور! یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تمہیں پڑھنا چاہیے۔"

شمشیر علی نے اریبہ کی تائید کرتے ہوئے گویا اسے تاجور کو لے جانے کا اشارہ بھی دے دیا تھا اور پھر ایک پل کو یوں آنکھیں بند کیں۔ جیسے بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہو۔

* * *

ساجدہ بیگم چاہتی تھیں اور انہوں نے رازی سے بھی کہا تھا کہ ثنا کے ساتھ ساتھ وہ اس کی شادی بھی کریں گی۔ لیکن اب یہ ممکن نہیں لگ رہا تھا۔ کیونکہ رازی اپنی بات پر اڑا ہوا تھا کہ وہ سارہ سے شادی کرے گا۔ جبکہ ادھر ثنا کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے۔ یوں ساجدہ بیگم نے فی الحال رازی کی شادی ملتوی کر دی کیونکہ وہ اگر رازی کی بات مان بھی لیتیں۔ تب بھی اس روز جو توصیف احمد کا رویہ انہوں نے دیکھا تھا اس سے وہ ابھی ان کے پاس سوالی بن کر نہیں جا سکتی تھیں اور ثنا کی شادی میں انہیں نظر انداز کرنا بھی ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں پر انہیں اپنی بردباری کا بھرم رکھنا تھا۔ اس لیے جس روز ثنا کے سسرال والے تاریخ رکھنے آنے والے تھے تو انہوں نے آمنہ اور اس کے شوہر کے ساتھ توصیف احمد اور یاسمین کو بھی بلاوا دے دیا تھا۔ یاسمین تو نہیں آئی۔ لیکن توصیف احمد عین وقت پر خالدہ کے ساتھ آ گئے تھے۔ شاید بھتیجی کا معاملہ تھا۔ اس لیے وہ خوش بھی نظر آ رہے تھے اور انہوں نے ہی سارے معاملات خوش اسلوبی سے طے کیے۔ پھر جاتے ہوئے ساجدہ بیگم اور رازی سے یہ بھی کہہ گئے تھے کہ کہیں بھی ان کی ضرورت پڑی تو بلا جھجک انہیں بلا لیں۔

"اس روز چچا جان سارہ کی وجہ سے پریشان تھے۔ جب ہی آپ کو ان کا رویہ عجیب سا لگا ہو گا۔" رات میں رازی، ساجدہ بیگم کے دل پر چھائی کدورتیں دور کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"ہو سکتا ہے۔" ساجدہ بیگم اب اس بات کو اہمیت نہیں دینا چاہتی تھیں۔

"اور امی! آپ کو یاسمین آنٹی کو گھر جا کر دعوت دینی چاہیے تھی۔ وہ شاید اس لیے نہیں آئیں کہ آپ نے انہیں بس فون کر دیا تھا۔" رازی اب اپنی غرض سے مغلوب ہو کر بول رہا تھا۔ ساجدہ بیگم خوب سمجھتی تھیں۔

"میں نے سب کو فون کیا تھا۔ کسی کو گھر جا کر دعوت نہیں دی۔"

"ہاں! لیکن یاسمین آنٹی۔۔۔"

"یاسمین آسمان سے اتری ہے کیا؟" ساجدہ بیگم بگڑ گئیں۔ "مجھے اس کے آنے نہ آنے سے فرق نہیں پڑتا۔ ہاں! اگر توصیف نہ آتے تب میں ضرور سوچتی کہ شاید مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔"

رازی خاموش ہو گیا تو وہ کہنے لگیں۔

"اور یہ تم کیا باتیں لے بیٹھے ہو؟ تمہیں اب صرف ثنا کی شادی کی فکر کرنی چاہیے۔ سارے انتظام تم ہی کو کرنے ہیں۔"

"ہاں! بتا دیں۔ کیا کیا کرنا ہے۔ بلکہ ایسا کریں لسٹ بنا دیں۔ لیکن کپڑے اور جیولری میرے کھاتے میں مت

ڈالے گا۔۔۔ یہ عورتوں کے کام ہیں۔۔۔ البتہ فرنیچر کے لیے کل میں ثنا کو ساتھ لے جاؤں گا۔۔۔ وہ پسند کر لے گی۔"

رازی کو احساس ہو گیا تھا کہ اسے اصل کام پر توجہ دینی چاہیے۔

"ہاں! یہ تم نے ٹھیک کہا۔ پہلا کام فرنیچر ہی کا ہو جائے۔ کیونکہ وقت کم ہے۔" ساجدہ بیگم تائید کرتے ہوئے کہنے لگیں۔ "باقی سامان کی میں صبح لسٹ بنا دوں گی۔"

"پھر جیولری وغیرہ کا کیا کریں گی آپ؟ میرا مطلب ہے اکیلے تو آپ بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔" رازی قدرے فکرمند ہو گیا۔

"اکیلی کیوں؟ ثنا ساتھ ہو گی۔ تم ڈرائیور بھیج دینا۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ پر سوچ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"ہوں۔۔۔ پھر بھی امی! آپ خالہ آنٹی کو بھی ساتھ لے لیجیے گا۔"

"کہہ دوں گی خالدہ سے۔ آجائے گی تو اچھی بات ہے۔ نہیں تو کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے! پھر آپ صبح لسٹ بنا دیجیے گا۔" رازی اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جاتے جاتے بولا۔

"اور ہاں! ثنا سے کہہ دیجیے گا۔ کل دوپہر میں میں اسے فرنیچر کے لیے لے جاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

رازی اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ساجدہ بیگم اسی وقت اپنا زیور نکال کر دیکھنے لگیں۔

* * *

تاجور کو اپنے گھر رکھنے کا اب بھی اریبہ کے پاس ٹھوس جواز موجود تھا کہ وہ سارہ کی تنہائی کے خیال سے تاجور کو لائی ہے۔ سارہ اس کے ساتھ مصروف رہے گی تو اس کا دھیان بھی بٹا رہے گا۔ وہ خود بھی ان دنوں سارہ کا بہت خیال رکھتی تھی اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنی پڑھائی کو ایک طرف رکھ دیا تھا۔ اس لیے کہ اسے سارہ زیادہ عزیز تھی۔ وہ کالج یا ہاسپٹل میں ایک دو ضروری لیکچرز اٹینڈ کرتی اور جلدی گھر آجاتی۔ پھر وہ سارہ کے ساتھ ہی رہتی۔ اسے آؤٹنگ پر بھی لے جاتی اور اب تو تاجور بھی ساتھ تھی۔ یوں کتنے دن گزر گئے۔ جب اسے سارہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا کہ اب وہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرے گی۔ تب وہ شمشیر علی کے پاس آئی تھی۔

شمشیر علی اسے دیکھ کر محتاط انداز میں مسکرایا۔ پھر اس کے پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے خیال میں تاجور اور سارہ بھی آرہی ہوں گی۔

"کوئی نہیں ہے میرے ساتھ۔ میں اکیلی آئی ہوں۔" وہ اس کے دیکھنے سے سمجھ گئی۔

"اچھا!" وہ سامنے سے ہٹ گیا۔ اریبہ اندر آگئی۔ تب وہ دروازہ بند کر کے بولا۔

"تمہیں اکیلے نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"کیوں؟" اریبہ یہی سمجھی تھی کہ وہ تاجور کو نہ لانے پر خفا ہو گا۔ لیکن وہ نظریں چرا کر بولا۔

"کیونکہ میں اکیلا رہتا ہوں۔"

اریبہ ایک نظر اسے دیکھ کر آرام سے بیٹھ گئی۔ وہ جھنجلا گیا۔

"تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آئی؟ تم جاؤ یہاں سے۔"

"یہ تم میرے لیے کہہ رہے ہو یا اپنے لیے؟ میرا مطلب ہے، مجھے تو تم سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو سکتا۔ میں جب جس وقت چاہوں، تمہارے پاس آسکتی ہوں۔" وہ بہت سیدھے سادے انداز میں بولی تھی۔ پھر بھی شمشیر علی کو لگا جیسے وہ اس پر کچھ جتا رہی ہے یا جتانے آئی ہے۔ جب ہی جزبز ہو کر بات بدل گیا۔

"چائے پیو گی؟"

"ہاں!" اس نے ہامی بھر کر میز سے میگزین اٹھا لیا اور اس کے صفحے الٹنے لگی۔ یوں جیسے اب وہ چائے پینے کے بعد ہی کچھ کہے گی۔

شمشیر علی نے چند لمحے رک کر اسے دیکھا۔ پھر کچن میں چلا گیا۔

وہ آرام سے میگزین کے صفحے الٹتی رہی۔ جب شمشیر علی نے چائے کا مگ اسے متوجہ کرنے کی غرض سے آواز کے ساتھ میز پر رکھا۔ تب اس نے میگزین ایک طرف رکھ دیا اور چائے کا مگ اٹھا کر کہنے لگی۔

"بیٹھ جاؤ شمشام! اور دیکھو! مجھے کوئی کہانی گھڑ کر مت سنانا۔ سچ بتاؤ گے تو فائدے میں رہو گے۔"

"کیا مطلب؟" وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

"میں تاجور کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ تم کیوں اسے اور خود کو مارنے کی بات کر رہے تھے؟ کیا ہوا تھا؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

شمشیر علی اس سے کچھ چھپا نہیں سکتا تھا اور بتاتے ہوئے بھی عجیب سا لگ رہا تھا۔ پھر بھی اس نے اصل بات بتا دی۔ جسے سن کر وہ بے اختیار گردن موڑ کر بالکونی کی طرف دیکھنے لگی۔ جہاں سے کمپاؤنڈ کے دوسری طرف بنے اپارٹمنٹس کی بالکونیاں نظر آرہی تھیں۔

"پہلے میں نے سوچا تھا کہ میں تاجور کو ابا کے پاس چھوڑ آؤں۔" شمشیر علی نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"نہیں! وہ ہمارے گھر میں ٹھیک ہے۔۔۔ خوش ہے۔"

"ہاں! میری اس سے بات ہوتی ہے تو وہ یہی کہتی ہے کہ اسے وہاں اچھا لگتا ہے۔ لیکن اریبہ! تمہارے گھر والے کیا سوچیں گے؟ تم نے کیا کہا ہے اپنے پیرنٹس سے؟" شمشیر علی نے پوچھا تو وہ قصداً" بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولی۔

"کچھ نہیں! میرے پیرنٹس زیادہ سوال جواب نہیں کرتے۔"

"پھر بھی انہوں نے پوچھا تو ہو گا کہ یہ لڑکی دوبارہ کیسے آگئی؟"

"ہاں! پوچھا تھا اور میں نے کہہ دیا کہ میں اسے سارہ کی وجہ سے لے آئی ہوں۔ کیونکہ سارہ کا بھی اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ سارہ اور تاجور کی اچھی دوستی ہے۔" اریبہ نے اس موضوع کو ختم کرنا چاہا تو وہ بھی خاموش ہو گیا۔ پھر قدرے ٹھہر کر بولا۔

"اب میں تم سے کچھ پوچھوں؟"

"یہی پوچھو گے ناں کہ سارہ نے خودکشی کی کوشش کیوں کی تھی؟" اریبہ نے فوراً" کہا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"نہیں! بلکہ تم جو مجھے اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھیں۔ تو کیوں؟ میں نے کیا کیا تھا؟" شمشیر علی اس پر نظریں جمائے پوچھ رہا تھا۔ جب ہی وہ مشکل سے بات بنا سکی تھی۔

"کچھ نہیں! میں اس وقت پریشان اور غصے میں تھی۔ پتا نہیں تم سے کیا کیا کہہ گئی تھی۔ تمہارا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اور ہاں! تم تاجور کی طرف سے پریشان مت ہونا۔۔۔ اور نہ ہی اس معصوم لڑکی کے لیے تمہارے دل میں برا خیال آنا چاہیے۔ اصل میں ساری خرابی

اس معاشرے اس ماحول کی ہے۔ اچھی بھلی سمجھ دار لڑکیاں بہک جاتی ہیں۔ تاجور تو پھر معصوم ہے۔"

"اس کی معصومیت سے ہی تو میں ڈر گیا تھا۔ اس روز اگر تم نہ آجاتیں تو جانے کیا ہو جاتا۔ میں تمہارا کس طرح شکریہ ادا کروں اریبہ! تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔" شمشیر علی نے احسان مندی سے مغلوب ہو کر کہا۔

"احسان تو تم نے بھی مجھ پر بہت کیے ہیں۔" وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"طنز کر رہی ہو؟" شمشیر علی کو اس کی اچانک افسردگی اپنے دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں! یہ سب سے بڑا سچ ہے۔" وہ جانے لگی تھی کہ شمشیر علی قدم بڑھا کر اس کے سامنے آگیا۔

"تو پھر یہ بھی بتا دو کہ کیا ہماری ساری زندگی ایک دوسرے پر احسان کرنے میں گزر جائے گی؟"

وہ سمجھنے اور نہ سمجھنے کے درمیان کھڑی اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہم ایک دوسرے کی ضرورت نہیں بن چکے... ؟ تو پھر کیوں نہ احسان کا راستہ چھوڑ کر حقوق و فرائض کی راہ اپنا لیں؟" وہ اس کی کھلی آنکھوں میں دیکھ کر بولا پھر ایک دم اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اریبہ!"

اریبہ نے آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا تھا۔ لیکن اس نے گرفت مضبوط کر لی۔

"میں جانتا ہوں، میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ تم زندگی میں جن آسائشوں کی عادی ہو، شاید میں وہ بھی تمہیں نہیں دے سکتا۔ اس لیے میں کوئی دعوا نہیں کروں گا۔ بس میں جو ہوں، جیسا ہوں، مجھے اپنا لو۔ مجھ پر، میری زندگی پر ترس کھاؤ اریبہ! میں اب تنہا نہیں چل سکتا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ تمہارے بغیر نہیں چل سکتا۔" وہ اونچا پورا مرد اس کے سامنے بکھر رہا تھا۔

"تم صرف میری محبت ہی نہیں، میری زندگی بن چکی ہو۔ ایک بار کہہ دو کہ تم میری ہو۔ پھر چاہے انتظار کی سولی پہ چڑھا دو۔ میں ملن کی آس میں قیامت تک جی لوں گا۔ کہہ دو اریبہ! کہہ دو، تم میری ہو۔۔۔"

اریبہ کے دل نے چپکے سے انگڑائی لی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ مگر پھر ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ کیونکہ اس کا ہاتھ شمشیر علی کی گرفت میں تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑو شام! مجھے جانے دو۔" اس نے کہا تو شمشیر علی اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑتے ہوئے مسکرایا تھا کہ اس نے ہمیشہ کی طرح جھٹکے سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑایا تھا۔ اس کے لہجے میں التجا تھی اور انسان التجا وہاں کرتا ہے جہاں بے بس ہو جاتا ہے۔ گویا اس کے جذبوں کے سامنے وہ ہار گئی تھی۔ جانے شمشیر علی خوش فہم ہو گیا تھا یا یہی سچ تھا۔

* * *

رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔ سارہ اور تاجور کے کمرے سے باتوں کی آوازیں آنا بھی بند ہو گئی تھیں اور وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ ان آوازوں کے باعث وہ سو نہیں پا رہی تو ایسا نہیں تھا۔ بلکہ وہ جو مسلسل شمشیر علی کی نفی کرتی آرہی تھی، اس نے جیسے ایک دم خود کو منوانے کی ٹھان لی تھی یا اس کا اپنا دل "نہ نہ" کی تکرار کرتے کرتے تھک گیا تھا۔

"کیا ہم ایک دوسرے کی ضرورت نہیں بن چکے؟ تو پھر کیوں نہ احسان کا راستہ چھوڑ کر حقوق و فرائض کی راہ اپنا لیں، میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اریبہ!"

"شادی۔" اس کے دل میں نئے سرے سے امنگیں سر ابھارنے لگیں۔

"اوہوں!" اس نے دل کو سرزنش کرنے کی کمزور سی سعی کی۔

"تم صرف میری محبت ہی نہیں، میری زندگی بن چکی ہو ایک بار کہہ دو کہ تم میری ہو۔ پھر چاہے انتظار کی سولی پر چڑھا دو۔ میں ملن کی آس میں قیامت تک جی لوں گا۔" وہ اس کی سماعتوں سے دل تک پورے استحقاق سے دستک دے رہا تھا۔

"شام!" اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ محبت کی پہلی شرط یا پہلا تحفہ آنسو، جو اس کی آنکھوں سے دل تک کو غسل دے کر گزشتہ سارے نشان مٹا رہے تھے۔

اور اس رات کی سحر ہمیشہ سے زیادہ اجلی اور ایسے رنگوں سے سجی تھی جسے صرف وہ محسوس کر سکتی تھی۔ وہ ان لمحوں کو اب کھونا نہیں چاہتی تھی۔ جب ہی فجر کی نماز سے فارغ ہو کر لان میں نکل آئی۔ نیلے آسمان پر کہیں کہیں رنگ جھلک رہا تھا۔ لان کے چکر لگاتے ہوئے اسے لگا۔ جیسے اس کے قدم بہک رہے ہیں۔ وہ پاؤں رکھتی کہیں تھی، پڑتا کہیں تھا۔ عجیب سرور کا عالم تھا۔ اس کا دل چاہا، کھلکھلا کر ہنسے اور وہ اس خواہش کو دبانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ لیکن سارہ کو آتے دیکھ کر اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔ کھلتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔ جب ہی سارہ نے محظوظ اور مشکوک انداز میں ٹوکا تھا۔

"کیا بات ہے؟ نئی نئی لگ رہی ہو۔"

"میں بھی؟" اس نے بے اختیار پرشوق حیرت کا اظہار کیا۔ "میرا مطلب ہے، مجھے تو ہر شے نئی لگ رہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، تم نے نئے آنے والے کے لیے دل کا دروازہ کھول دیا ہے۔" سارہ نے مسکرا کر کہا تو وہ سٹپٹا گئی۔

"کیا مطلب؟"

"مجھ سے مطلب پوچھنے کے بجائے تم بتاؤ! وہ کون ہے؟" سارہ نے اتنے یقین سے پوچھا کہ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ تم مجھ سے کچھ چھپا نہیں سکتیں۔ کیونکہ تمہارا چہرہ کھلی کتاب ہے۔ محبت، نفرت، پھر محبت... ہے ناں؟" سارہ نے کہتے ہوئے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلا ڈالی۔

"پاگل ہو تم، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ اپنی جھینپ مٹانے کو بگڑ گئی۔

"اچھا! پھر میں بھائی جان سے کہہ دوں گی کہ اس لڑکی پر وقت ضائع نہ کریں۔" سارہ نے کہا تو فوراً "اسے یاد نہیں آیا۔

"کون بھائی جان؟"

ارے واہ! خود تم نے تو اسے میرا بھائی جان بنایا اور اب کون بھائی جان۔"

"اف سارہ! تم۔" وہ چکرا گئی۔

"جناب! میں اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہوں۔" سارہ کھلکھلائی۔ پھر اس کے تیور بھانپ کر بھاگ گئی۔

اریبہ کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ وہ جھنجلا گئی۔

* * *

فطری بات تھی کہ اریبہ جب سے غائب ہوئی تھی تو اس کے بعد ہر گمانی، ناگہانی کا ذمہ دار خود کو قرار د وہ یہ ہی سوچتی کہ اگر وہ شروع سے اچھی بیوی، اچھی ماں ہوتی تو اس کی اولاد کے ساتھ ایسا نہ ہوتا۔ ادھ سے ثنا کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی، یاسمین کا احساس جرم اور بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ ثنا سے پہلے اریبہ کو اس بہو بننا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ ثنا کی شادی کا سن کر اسے تکلیف ہوئی تھی یا وہ حسد محسوس کر رہی تھی۔

بس اسے احساس ہوتا تھا کہ اس نے اپنی اولاد کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ رشتوں کی اہمیت سمجھانے کے بجائے ہمیشہ انہیں متنفر کرتی رہی۔ جس کا خمیازہ اسے ہی نہیں، اس کی اولاد کو بھی بھگتنا پڑا۔ پہلے اریبہ کی منگنی ٹوٹی پھر اریبہ اور سارہ کے درمیان رنجش، اس کے بعد سارہ کی اپنی جان لینے کی کوشش یاسمین کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سوچتی، شاید اللہ نے اسے معاف نہیں کیا۔ ابھی وہ ایک صدمے سے سنبھلتی ہے کہ دوسرا دھچکا آن لگتا ہے اور گو کہ اب سب ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا۔ سارہ پہلے کی طرح خوش اور ساتھ مصروف نظر آتی تھی۔ اریبہ بھی زیادہ وقت گھر پر رہتی، دوسری طرف توصیف احمد نے بھی اپنی روٹین بنا لی تھی کہ وہ روزانہ شام سات آٹھ بجے تک آجاتے، رات کا کھانا یہیں سب کے ساتھ کھاتے پھر چائے پینے تک تینوں بچوں کے ساتھ ان کی دن بھر کی سرگرمیوں پر باتیں کرتے پھر چلے جاتے۔ یہ ان کا روزانہ کا معمول بن گیا اور اب یاسمین کو توصیف احمد کا آنا کھلتا بھی نہیں تھا بلکہ جب تک وہ موجود رہتے، اس کے سارے ڈر خوف کہیں کونے کھدروں میں جا چھپتے اور ان کے جاتے ہی وہ پھر خائف ہو جاتی تھی۔ عجیب بے سکونی تھی، وہ نماز میں لیتی اس کے سجدے طویل ہونے لگے۔ رو رو کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتی اور اللہ تو ہے ہی مہربان، معاف کر دیتا ہے۔ جب ہی معافی کے ساتھ اللہ نے یاسمین کو وہ کچھ یاد دلایا تھا جس کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔

''اماں ــــ ابا ــــ!'' رات کے تیسرے پہر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی تو پھر تین دن اسے اپنے بستر پر لیٹنا نصیب نہیں ہوا۔ پوری پوری رات وہ کسی بھٹکی روح کی طرح چکراتی پھرتی تھی۔ سارے جرم معاف ہو گئے تھے لیکن اپنے ماں باپ کے ساتھ جو سلوک اس نے روا رکھا تھا، شاید اللہ کے ہاں اس کی معافی نہیں تھی۔ اس کے لیے پہلے اسے اپنے ماں باپ کو منانا تھا۔ اتنے برس بیت گئے تھے۔ جانے اب وہ کہاں کس حال میں تھے، اسے کچھ پتا نہیں تھا اور اس تمام عرصے میں اسے کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ سے ضدی رہی تھی۔ اس گھر سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے جو ماں سے کہا تھا کہ وہ کبھی پلٹ کر اس گھر کی طرف نہیں دیکھے گی، صرف اس لیے کہ ابا نے شہباز درانی کو مسترد کر کے اسے توصیف احمد کے ساتھ بیاہ دیا تھا، پھر اس نے نہ باپ کے فیصلے کو دل سے قبول کیا اور نہ ہی کبھی پلٹ کر اس گھر کی طرف ــــ دیکھنا تو دور کی بات سوچا بھی نہیں اور اب پچھلے تین دنوں سے وہ صرف یہی سوچ رہی تھی کہ وہ کون سی گلی تھی، جس کے نکڑ پر ایک گھنا پیڑ تھا۔

ماضی خواہ کتنا بدصورت ہو، اپنے اندر ایسی کشش رکھتا ہے کہ انسان کو آسمانوں سے کھینچ لاتا ہے۔ وہ بے حد مضطرب ہو گئی تھی لیکن وقت اسے جس موڑ پر لے آیا تھا، اب وہ ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف اپنے دل کی نہیں مان سکتی تھی اور دل یہ چاہ رہا تھا کہ وہ اڑ کر اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائے۔

''یاسمین!'' توصیف احمد نے اس کا اضطراب محسوس کرتے ہوئے اسے پکارا۔

''جی!'' وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے، خاصی ڈسٹرب لگ رہی ہو۔ اریبہ بھی کہہ رہی تھی تم کچھ دنوں سے پریشان ہو۔ کیا پھر کوئی بات ہوئی ہے، بچوں کی طرف سے۔'' توصیف احمد نے رسان سے پوچھا تھا۔

''نہیں۔ اللہ کا شکر ہے، بچوں کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔''

''پھر؟'' توصیف احمد ہونٹوں سے سگار نکال کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

''بس وہ۔ میں کچھ دنوں کے لیے اپنے اماں ابا کے پاس جانا چاہ رہی ہوں، لیکن سمجھ میں نہیں آرہا کیسے جاؤں۔'' اس نے کہا تو توصیف احمد کتنی دیر تک اسے دیکھتے رہ گئے۔ غالباً سوچ رہے تھے کہ اتنے برسوں بعد اسے اپنے والدین کا خیال کیسے آیا۔

''بچے گو کہ سمجھ دار ہیں۔ لیکن اب میرے اندر ڈر سا بیٹھ گیا ہے۔ میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی۔'' وہ توصیف احمد کی نظروں سے جز بز ہو کر بولی تھی۔

''ہوں۔'' توصیف احمد کتنی دیر تک پر سوچ انداز میں اثبات میں سر ہلاتے رہے پھر آہستہ سے بولے۔

''بچوں کی فکر مت کرو۔ ان کے پاس میں ہوں۔ تم جانا چاہتی ہو ضرور جاؤ۔ بلکہ تمہیں ضرور جانا چاہیے۔''

''جی۔'' توصیف احمد نے آخر میں جس طرح زور دے کر کہا اس سے اس کا احساس جرم سوا ہو گیا تھا۔

''کب جانا چاہتی ہو؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ بے اختیار کہہ گئی۔

''ابھی ــــ''

''ابھی۔ نہیں رات کا سفر ٹھیک نہیں ہے۔ صبح فجر کے بعد نکلو تو دوپہر کے بعد پہنچ جاؤ گی اور اکیلے مت جانا، میں ڈرائیور بھیج دوں گا۔'' توصیف احمد نے خود ہی اس کا پروگرام سیٹ کر دیا۔

''ٹھیک ہے، میں تیاری کر لیتی ہوں۔ اریبہ اور سارہ کو بھی بتا دوں۔'' یاسمین اٹھ کھڑی ہوئی پھر ایک دم خیال آنے پر کہنے لگی۔ ''اور ہاں ڈرائیور کو راستہ سمجھا دیجیے گا۔''

''اچھی بات ہے۔ میں بھی چلتا ہوں۔ بچوں سے کہہ دینا۔ فکر نہ کریں۔ تم آرام سے جانا۔'' توصیف احمد پھر اسے تسلی دے کر چلے گئے تو وہ سارہ کو پکارتے ہوئے اریبہ کے کمرے میں آگئی۔

''جی مما!'' سارہ اس کے پیچھے آگئی تھی۔

''بیٹا!'' وہ باری باری اریبہ اور سارہ کو دیکھ کر بولی۔ ''میں صبح تمہاری نانو کے پاس جا رہی ہوں۔''

''نانو کے پاس؟'' اریبہ اور سارہ دونوں حیران ہوئی تھیں۔

''ہاں بیٹا! میں نے غلط کہا تھا کہ میرا کوئی نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں کسی کی نہیں ہوئی۔ یہ اس سے بڑا المیہ ہے کہ سب کے ہوتے ہوئے میں نے خود کو تنہا کر دیا۔'' یاسمین اپنی غلط بیانی پر اب بہت نادم تھی۔

''نانو کہاں رہتی ہیں مما! یہیں کراچی میں؟'' سارہ نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''نہیں ان کا گھر صادق آباد میں ہے۔ میں صبح نکلوں گی تو دوپہر تک وہاں پہنچوں گی۔''

''مما! ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں نا۔'' سارہ نے اشتیاق سے کہا تو یاسمین اس کا گال چھو کر بولی۔

''ضرور چلنا بیٹا! ابھی میں ہو آؤں پھر نیکسٹ ٹائم ساتھ چلیں گے، ٹھیک ہے اریبہ!''

''جی مما!'' اریبہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا کیونکہ وہ بہت کچھ جان چکی تھی۔

''اچھا بیٹا! میں کچھ تیاری کر لوں پھر مجھے صبح جلدی اٹھنا ہے۔ ان شاء اللہ فجر پڑھتے ہی نکل جاؤں گی۔''

''کیسے جائیں گی مما؟'' اریبہ نے پوچھا۔

''گاڑی سے۔ میرا مطلب ہے تمہارے ڈیڈی نے کہا ہے وہ ڈرائیور بھیج دیں گے۔ وہ لے جائے گا۔'' یاسمین دونوں کو مطمئن کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

* * *

پریکٹیکل کے دوران ہی سمیر کی کال آنے لگی تھی۔ اس وقت تو اریبہ نے اپنا سیل فون آف کر دیا تھا پھر فارغ ہو کر اسپتال سے نکلی تب اس نے موبائل آن کیا تو سمیر کے تین چار ٹیکسٹ آئے ہوئے تھے۔ آخری میں اس نے لکھا تھا کہ وہ سنڈریلا میں اس کا انتظار کر رہا ہے۔ اریبہ نے کچھ سوچ کر گاڑی اسی راستے پر ڈال کچھ ہی دیر میں سمیر کے پاس پہنچ گئی۔

سمیر بے حد پریشان بیٹھا تھا۔

"اب کیا ہوا ہے؟" اریبہ نے سمیر کی پریشان شکل دیکھتے ہی پوچھا۔

"کچھ نہیں اور کچھ ہونا بھی نہیں چاہیے۔" سمیر نے کہا تو وہ قدرے چڑ کر بولی۔

"دیکھو میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔ تمہیں جو بھی کہنا ہے صاف کہو۔"

"مجھے کہنا نہیں' پوچھنا ہے۔" سمیر اس کے مزاج سے واقف تھا' جب ہی فوراً" اصل بات پر آگیا۔

"تمہاری رازی بھائی سے بات ہوئی؟ میرا مطلب ہے وہ جو سارہ سے شادی کا کہہ رہے ہیں تو تم نے اس سلسلے میں کیا کیا؟"

"تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟" وہ الٹا سمیر سے پوچھنے لگی۔

"تم سارہ کو تو سمجھا سکتی ہو۔"

"سارہ خود سمجھ دار ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ مر تو سکتی ہے۔ لیکن رازی سے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی اور شا تم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ سارہ اپنی جان لینے کی کوشش بھی کر چکی ہے۔" اس نے بتایا تو سمیر پریشان ہوگیا۔

"کیا؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا کیا تھا سارہ نے؟"

"اس بات کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔" وہ جو بات سوچ کر آئی تھی' اسی طرف آگئی۔

"میرا پروگرام؟" سمیر کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"ہاں اگر سچ مچ سارہ سے محبت کرتے ہو' اس سے شادی کرنا چاہتے ہو تو آگے بڑھو۔ صرف باتیں کرنے سے شادی نہیں ہو جاتی۔" وہ اب سمیر کو جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں' میں نے امی سے بات کی ہے اور تمہیں تو پتا ہے امی سارہ کو کتنا چاہتی ہیں۔ وہ خوش ہیں لیکن ان کا ہے کہ یاسمین آنٹی نہیں مانیں گی۔" سمیر نے در پردہ اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ اریبہ فوراً" کچھ نہیں بولی تو وہ پوچھنے لگا۔

"تم کیا کہتی ہو۔ میں بھیجوں امی کو؟"

"نہیں' میرا خیال ہے پہلے مجھے مما سے بات کر لینے دو۔" اس نے کہا تو سمیر فوراً" بولا۔

"ہاں' میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ پہلے تم یاسمین آنٹی کو کنوینس کرو پھر میں آگے بڑھوں۔"

"ٹھیک ہے مما آجائیں تو پھر میں ان سے بات کروں گی۔"

"آجائیں' مطلب؟ یاسمین آنٹی کہاں ہیں؟"

"وہ آج صبح ہی صادق آباد کے لیے روانہ ہوئی ہیں۔ وہاں ان کا میکہ ہے۔" وہ بتا کر ٹائم دیکھنے لگی۔

"صادق آباد۔" سمیر نے یوں کندھے اچکائے جیسے وہ نہیں جانتا۔

"ٹھیک ہے سمیر! پھر جو بھی بات ہوگی میں تمہیں بتا دوں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سنو۔ سارہ کیسی ہے؟" سمیر نے پوچھا تو وہ قدرے حیران ہوئی۔

"کیوں' تمہاری اس سے بات نہیں ہوئی؟"

"نہیں' وہ میرا فون ہی ریسیو نہیں کرتی۔" وہ شاکی انداز میں بولا۔

"کوئی بات ہوئی ہے آئی مین! تم دونوں کے درمیان لڑائی جھگڑا؟"

"نہیں' بس اپنے آپ ہی وہ ناراض ہو جاتی ہے۔"

"ہاں' بس موڈی ہے۔ ویسے ابھی وہ ٹھیک ہے۔ میں اس سے کہوں گی تمہیں فون کرلے او کے۔"

اس نے مسکرا کر سمیر کو جیسے سہارا دیا تھا پھر گھر آنے تک وہ سمیر اور سارہ کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ سمیر میں بظاہر کوئی برائی نہیں تھی پھر تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ اب اپنے پیروں پر بھی کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کے خیال میں سارہ کے لیے نہایت موزوں تھا۔ وہ یاسمین کو اس رشتے کے حق میں ہموار کر سکتی تھی اور وہ ضرور کرے گی بلکہ رازی کا گھمنڈ توڑ سکے۔ وہ جو کہہ رہا تھا کہ مجھے سارہ سے شادی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

"ہونہہ!" رازی کی بات سوچ کر اس نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔ اس وقت وہ کاریڈور سے اندر داخل ہو چکی تھی اور سیدھی اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی کہ لاؤنج سے آتی سارہ کی آواز سن کر رک گئی۔

سارہ فون پر بات کر رہی تھی۔ اس نے سکون سے انتظار کیا۔ جب سارہ فون رکھ کر پلٹی تب پوچھنے لگی۔

"پہنچ گئیں مما؟"

"نہیں! کہہ رہی تھیں پندرہ بیس منٹ میں پہنچ جائیں گی۔" سارہ بتا کر کہنے لگی۔ "سچ اریبہ! مجھے تو بہت شوق ہو رہا ہے نانو سے ملنے کا۔ کاش! مما مجھے اپنے ساتھ لے جاتیں۔"

"لے جائیں گی۔ کہا تو ہے مما نے نیکسٹ ٹائم لے جائیں گی۔ چلو اب تم جلدی سے کھانا لگاؤ میں چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ سارہ کا کندھا تھپک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

* * *

وسط مئی کی جھلسا دینے والی دوپہر تھی' جب ہی ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ گو کہ بیس بائیس سالوں میں بہت کچھ بدل چکا تھا لیکن راستے وہی تھے اور گلی کے نکڑ پر پیڑ بھی تھا۔ جسے دیکھتے ہی یاسمین سیدھی ہو بیٹھی اور جب ڈرائیور نے توصیف احمد کے بتائے ہوئے مکان کے سامنے گاڑی روکی تو یاسمین کی سانسیں بھی رک گئی تھیں۔ کائی مائل بوسیدہ دروازے کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

"بیگم صاحبہ! گھر آگیا۔" ڈرائیور نے کہا لیکن اس نے سنا بھی نہیں۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ پھر ڈرائیور نے اتر کر اس کے لیے دروازہ کھولا تب بھی اسے کچھ پتا نہیں چلا۔ وہ جیسے خواب کی حالت میں گاڑی سے اتر کر ادھ کھلے دروازے میں داخل ہوئی تھی مگر ڈیوڑھی میں ہی رک گئی۔ سامنے چھوٹا سا صحن جس میں چنی اینٹیں اپنی اصلی رنگت کھو چکی تھیں اور جو اس وقت براہ راست سورج کے نشانے پر تھا۔ اس نے دھندلائی آنکھوں سے بائیں جانب بنے کمرے کی طرف دیکھنا چاہا لیکن اسے کچھ نظر نہیں آیا۔

"اماں!" اس نے گھبرا کر پکارا تھا۔

"کون ہے؟ اندر آجاؤ۔" اماں کی آواز نے جیسے اس کے اندر نئی روح پھونک دی تھی۔ پلک جھپکتے ہی وہ صحن پار کر کے کمرے میں داخل ہوتے ہی رک گئی۔

اماں کھردری چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں پنکھا بہت دھیرے دھیرے حرکت کر رہا تھا۔

"اماں!" یاسمین نے تڑپ کر چارپائی کے پائنتی ننگی زمین پر گھٹنے ٹیکتے ہی اماں کے پاؤں پکڑ لیے اور اگلے پل وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"ارے کون ہے۔" اماں کو اٹھ کر بیٹھنے میں وقت لگا پھر اپنے پیروں سے لپٹی عورت ان کی پہچان میں آسکی۔

"ہائیں! یہ تو رو کیوں رہی ہے۔ کون ہے بتا تو؟"

"اماں! اپنی بیٹی کو نہیں پہچانتیں۔ میں ہوں یاسمین۔ یاسمین۔" یاسمین نے اماں کے پیروں سے سر کیا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"یاسمین!" فرط جذبات سے اماں کی آواز بھرا گئی۔ مزید کچھ بولا ہی نہیں گیا تو اس کی طرف بانہیں پھیلا دیں۔

"اماں!" یاسمین فوراً" اٹھ کر ان کی بانہوں میں سما گئی۔ "اماں! مجھے معاف کر دیں۔ مجھے معاف کر دیں اماں! میں نے آپ کو بہت دکھ دیے ہیں۔"

"تو تو خوش ہے نا؟" اماں کی بات نے اس کا دل چیر کے رکھ دیا۔

"خوش؟" وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"بول نا تو خوش ہے نا میں اور تیرے ابا بھی اللہ سے بس ایک تیری خوشی ہی مانگتے رہے ہیں اور تو کچھ نہیں مانگا۔" اماں کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"کچھ اور مانگا ہوتا اماں! کچھ اور مانگا ہوتا۔" اس کے رونے میں شدت آگئی۔ "خوشیاں نصیب والوں کو راس آتی ہیں۔ مجھ جیسے بدنصیب سنبھال نہیں پاتے۔"

"یہ تو کیا کہہ رہی ہے بچی؟" اماں پریشان ہو گئیں تو وہ فوراً" ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑ کر بولی۔

"کچھ نہیں۔" پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "ابا کہاں ہیں؟"

"ابا!" اماں نے گہری آہ کھینچی۔ "تیرے ابا تو کب کے رخصت ہو گئے۔" اس کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔

"ہاں! آٹھ سال ہو گئے۔ بہت یاد کرتے تھے تجھے۔"

"یا اللہ!" اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ "مجھے آنے میں اتنی دیر ہو گئی۔"

"تیرے بچے ٹھیک ہیں۔ بیٹیاں بیٹا۔ تین بچے ہیں نا تیرے؟" اماں نے کہا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"آپ کو کیسے پتا اماں کہ میرے تین بچے ہیں؟"

"توصیف نے بتایا تھا۔" اماں کے سیدھے سادے جواب نے اسے ششدر کر دیا۔

"توصیف نے؟"

"ہاں پہلے تو بہت آتا تھا توصیف۔ پھر پتا نہیں کوئی بات بری لگی یا کیا ہوا۔ وہ بھی ادھر کا راستہ بھول گیا۔ خیر اللہ خوش رکھے۔ تیرے ساتھ تو اچھا ہے نا؟"

"جی!" وہ نظریں چرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لے۔ میں نے یہ تو پوچھا نہیں کہ تو کس کے ساتھ آئی ہے۔" انہیں اب یاد آیا "اور تجھے گرمی بھی لگ رہی ہوگی۔ چل بیٹھ میں تیرے لیے ٹھنڈا پانی لے کر آتی ہوں۔"

"میں لے لوں گی پانی" آپ بیٹھی رہیں۔" اس نے اماں کو اٹھنے سے روک دیا پھر پوچھنے لگی۔

"آپ نے کھانا کیا کھایا؟"

"گرمی سے بھوک کہاں لگتی ہے۔ بس سویرے ناشتا کر کے بیٹھی ہوں۔" اماں کا جواب سنتے ہی وہ تیزی سے باہر نکلی تھی۔

* * *

تقریباً" ڈیڑھ دو گھنٹے بعد یاسمین واپس آئی تو اس کے پیچھے بڑے بڑے شاپرز اٹھائے ڈرائیور کو آتے دیکھ کر اماں جو یاسمین کے اچانک چلے جانے سے پریشان بیٹھی تھیں نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھنے لگیں۔

یاسمین نے ڈرائیور سے ہی سب سامان رکھوایا پھر اسے جانے کا کہہ کر اپنی قمیص کے دامن سے خود کو ہوا دیتے ہوئے بولی۔

"توبہ اماں! یہاں اتنی گرمی پڑتی ہے۔"

"تو یہ سب کیا اٹھا لائی ہے؟" اماں ابھی تک حیران بیٹھی تھیں۔

"بس اب آپ یہاں نہیں رہیں گی۔ میرے ساتھ چلیں گی۔" جس طرح اماں نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا اسی طرح وہ بھی ان سنی کر گئی تھی۔

اماں منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئیں۔

"میں پہلے نہا لوں پھر کھانا کھاتے ہیں۔" یاسمین پسینے میں شرابور تھی۔ جلدی سے بیگ کھول کر اپنے کپڑے نکالے لیکن پھر رکھ دیے۔ اس بلا کی چبھتی ہوئی گرمی میں کاٹن لان پہننا محال تھا کہاں ریشمی۔ بیگ بند کر کے اس نے اماں کا ٹرنک کھول لیا جس میں گنتی کے تین جوڑے رکھے تھے۔ وہ ہلکا جوڑا نکال کر کمرے سے نکل آئی۔

دھوپ کی شدت میں اب کچھ کمی آئی تھی۔ اس نے ہینڈ پمپ سے پانی کی بالٹی بھر تو لی لیکن پھر بالٹی باتھ روم تک لے جانا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔"

وہ جھنجلائی پھر بالٹی دھکیل کر کپڑوں سمیت وہیں ہینڈ پمپ کے نیچے بیٹھ گئی اور ٹھنڈا شفاف پانی سر پر ڈالتے ہی وہ اچانک بہت پیچھے چلی گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں تیزی آگئی۔ پانی کے بھر بھر ڈول خود پر بہائے پھر ایک ہاتھ سے ہینڈ پمپ چلاتے ہوئے کتنی دیر وہ پانی کی موٹی دھار کے نیچے بیٹھی رہی۔ روح تک میں ٹھنڈک اتر آئی تھی اور جب اس نے اماں کا جوڑا پہنا تو اسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ ٹخنوں سے کافی اونچی شلوار اور ایسے ہی اونچا ڈھیلا ڈھالا کرتا۔

"یاسمین!" اسے لگا جیسے ابا پکارتے ہوئے اندر آئے ہوں۔ یہی وقت تھا اور وہ اسی جگہ کھڑی تھی' جب ابا نے اندر آتے ہوئے اسے پکارا تھا۔ ان کے پیچھے توصیف احمد تھے' جو اسے دیکھ کر ڈیوڑھی میں ہی رک گئے تھے۔ اس کی نظریں ڈیوڑھی کی طرف اٹھ گئیں اور دل نے شدت سے آرزو کی کہ کاش وہ وقت لوٹ آئے۔

"یاسمین!" اندر سے اماں نے پکارا تب وہ چونکنے کے ساتھ ہی تیزی سے اندر آئی تھی۔

"جی اماں۔"

"پھر کہاں چلی گئی تھی؟"

"کہیں نہیں اماں! نہا رہی تھی۔" وہ کہہ کر پھر تیزی سے پلٹی اور کچن سے دو چار پلیٹیں اٹھا لائی۔ پھر ان کے پاس بیٹھ کر شاپر میں سے کھانا نکالا اور اپنے ہاتھ سے نوالے بنا کر انہیں کھلاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اماں! گھر کا راشن پانی کیسے چلتا ہے؟"

"اللہ دیتا ہے۔" اماں نے اطمینان سے کہا۔

"اللہ تو دیتا ہے لیکن وہ اوپر سے تو نہیں پھینکتا کوئی ذریعہ بناتا ہے۔ ابا کے بعد کون خیال کر رہا ہے آپ کا؟" وہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں پوچھ رہی تھی لیکن اس کے اندر عجیب پکڑ دھکڑ مچی تھی۔

"پتا نہیں بچی! مجھے تو ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو ڈاکیا چھ سات ہزار دے جاتا ہے۔ کہتا ہے اماں تمہارا منی آرڈر آیا

ہے اور پیسے تھما کر چلتا بنتا ہے۔" اماں نے بتایا تو وہ حیران ہو گئی۔

"کون بھیجتا ہے۔ آپ نے کبھی ڈاکیا سے پوچھا نہیں؟"

"لے۔ کتنا پوچھتی ہوں۔ کبھی کسی کا نام لیتا ہے کبھی کسی کا۔ میں تو جانتی بھی نہیں۔" اماں یوں بتا رہی تھیں جیسے اب ان کے لیے یہ بات کوئی معنی نہ رکھتی ہو جبکہ ابتدا میں وہ بھی اس طرح حیران ہوئی تھیں جیسے اب یاسمین بیٹھی تھی۔

"کوئی رسید وغیرہ۔ میرا مطلب ہے ڈاکیا نے کبھی آپ کو کوئی پرچی بھی دی؟"

"ہاں کبھی دیتا ہے۔ کبھی نہیں دیتا۔ چل اب تو کھانا کھا کیا پڑتالیں کرنے بیٹھ گئی ہے۔" اماں نے ٹوکتے ہوئے یاسمین کے ہاتھ سے نوالہ لے کر اسی کے منہ میں ڈال دیا۔

"بس ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ پانی سے نوالہ نگل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پہلے تربوز کاٹ کر پلیٹ اماں کے سامنے رکھی پھر لکڑی کا چھوٹا سا صندوق جس میں ابا کے ضروری کاغذات اور شاید اب اماں بھی کاغذ وغیرہ ڈالنے لگی تھیں کھول کر اس میں رسید تلاش کرنے لگی۔ اس کا تجسس فطری تھا۔ جلد ہی اس کے ہاتھ منی آرڈر کی رسید آ گئی جس پر بھیجنے والے کا نام نعیم احمد لکھا تھا۔

"نعیم احمد!" ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ وہ ذہن پر زور دینے لگی۔ نام کچھ سنا سنا لگ رہا تھا اور پھر ایک دم اسے یاد آ گیا۔

نعیم احمد توصیف احمد کے آفس میں کیشیئر تھا۔

* * *

"سنو! بھائی جان آئے ہیں۔" سارہ نے اریبہ کے کمرے میں جھانک کر اسے اطلاع دی تو وہ چونک کر بولی۔

"شمشیر علی۔ وہ کیوں آیا ہے؟"

"کیونکہ یہاں اس کی بہن رہتی ہے بلکہ اب دو بہنیں۔ لیکن بہنوں کا تو سمجھو بہانہ ہے اصل میں وہ تم سے۔"

"سارہ!" اس کے ٹوکنے پر سارہ ہنسنے لگی۔

"جاؤ۔ تاجور کو ملوا دو اس سے۔" وہ انجان بننے کی کوشش میں ناکام ہونے لگی تو بیڈ کا دراز کھول کر اس میں ہاتھ مارنے لگی۔

"تاجور باتھ لے رہی ہے اور تمہیں پتا ہے۔ میں کسی سے بات نہیں کر سکتی لہٰذا اپنے مہمان کو تم ہی نمٹاؤ۔"

سارہ کہہ کر وہیں سے پلٹ گئی تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ شام اتر رہی تھی توصیف احمد کسی بھی وقت آ سکتے تھے اور جانے شمشیر علی کو یہاں دیکھ کر وہ کیا سمجھیں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ تیزی سے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی اور آتے ہی ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

شمشیر علی اور توصیف احمد ساتھ ساتھ اندر آ رہے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں :-

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook
fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بد مزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ جیٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جبکہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوجاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

وہ اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے، مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے، تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خودسر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے مگر وہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصے میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کرلیتا ہے اور تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے اسپتال داخل کروادیتا ہے۔

اریبہ' یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے' مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کردیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی' اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچالیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی' توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اریبہ' ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی' اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔ تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہوجاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جاکر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے۔ مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہوجاتی ہے۔

یاسمین' اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑ جاتی ہے۔ مگر اریبہ دوٹوک انداز میں منع کردیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال' اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہوجاتا ہے۔ اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر سے بات کرتی ہے۔ مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے۔ وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کرلیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہوجانے پر سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ اجلال' ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

شمشیر علی کو اریبہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ وہ اریبہ کو اپنا سیل فون دے دیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے رابطہ کرلے۔ اریبہ اجلال کو فون کرتی ہے' مگر وہ سردمہری سے بات کرتا ہے تو اریبہ کچھ بتائے بغیر فون بند کردیتی ہے۔ شمشیر علی نے ابراہیم نامی بچے سے اسکیچنگ سیکھ کر تاجور کی تصویر بنائی تو اریبہ اسے دیکھ کر فوراً" پہچان گئی۔ اس نے شمشیر کو بتایا کہ اریبہ اس کے گھر میں حفاظت سے ہے۔ شمشیر اب اریبہ کو واپس پہنچانا چاہتا تھا' لیکن اریبہ نہیں چاہتی ہے کوئی شمشیر علی کو مجرم سمجھے۔ وہ ایک منصوبہ بناتی ہے۔ جس کے تحت شمشیر علی اسے اسپتال میں داخل کرا کے توصیف احمد کو اطلاع کردیتا ہے۔ توصیف احمد اس کے ساتھ اسپتال جاتے ہیں اور اریبہ کو گھر لے آتے ہیں۔

اریبہ کو دیکھ کر اجلال کو محسوس ہوا کہ وہ اس کی محبت سے کبھی دستبردار نہیں ہوسکتا مگر پھر ساجدہ بیگم سے سارہ سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کردیتا ہے۔ وہ ناراض ہوجاتی ہیں۔ ثنا' سمیر کو فون پہ بتادیتی ہے۔ وہ سارہ سے پوچھتا ہے' پھر جواب نہ پاکر اریبہ کو بتادیتا ہے۔ اریبہ' سارہ سے ناراض ہوجاتی ہے۔ اریبہ اپنے والد کے دفتر میں اجلال سے اشاروں' کنایوں میں اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ اجلال کے چہرے کے تاثرات سے اسے جواب مل جاتا ہے۔ سارہ حالات سے خوف زدہ ہو کر خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

۲۰

بیسویں قسط

اریبہ نے چاہا کہ وہیں سے واپس پلٹ جائے لیکن اسی پل توصیف احمد کی نظر اس پر پڑی تھی۔ تب ناچار اسے رکنا پڑا۔

"السلام علیکم ڈیڈی!"

"وعلیکم السلام کیسی ہو بیٹا؟" توصیف احمد کا مخصوص انداز تھا۔

"جی۔" اس کی نظریں بلا ارادہ شمشیر علی کی طرف اٹھ گئیں۔

"بیٹا! یہ شمشیر علی ہے۔" توصیف احمد تعارف کرانے جارہے تھے کہ وہ بول پڑی۔

"جی ڈیڈی! میں جانتی ہوں انہیں۔ مجھے انہوں نے ہی اسپتال پہنچایا تھا۔" وہ بہت اعتماد سے بولی۔

"لیکن آپ یہ نہیں جانتی ہوں گی کہ جو لڑکی آپ کے زیر علاج رہی ہے' وہ اس کی بہن ہے۔" توصیف احمد نے کہا تو وہ ذرا سا ہنس کر بولی۔

"یہ بھی جانتی ہوں ڈیڈی! ابھی کچھ دن پہلے ہی مجھے پتا چلا ہے اور ابھی غالباً" یہ اپنی بہن سے ملنے آئے ہیں۔" اریبہ نے کہتے ہوئے شمشیر علی کو دیکھا تو اس نے یوں آہستہ سے نفی میں سر ہلایا جیسے۔ بہن سے نہیں تم سے۔ وہ جھینپ گئی۔

"آپ بیٹھیں' تاجور ابھی آرہی ہے۔"

"ہاں' بیٹھو شمشیر علی! میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" توصیف احمد نے کہا پھر جاتے جاتے اریبہ سے پوچھنے لگے۔

"آپ کی مما کا فون آیا بیٹا؟"

"جی ڈیڈی! مما خیریت سے پہنچ گئی ہیں۔"

"ہوں۔" توصیف احمد آگے بڑھ گئے تب وہ شمشیر علی کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا کہا ہے تم نے ڈیڈی سے؟"

"سب کچھ۔ اسیری سے رہائی تک کی ساری داستان سنا ڈالی پھر کہا مجھے اپنی غلامی میں لے لیں۔" اس کی آنکھوں میں چھپی شرارت محسوس کرکے وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"ڈیڈی نے کہا ہو گا منہ دھو رکھو۔"

"نہیں، وہ بخوشی تیار ہو گئے جب ہی تو میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئے اور ابھی جاتے جاتے مجھے اشارہ کر گئے ہیں کہ تم سے بات کر لوں۔ بلکہ بات تو میں کر چکا ہوں۔ اب تمہارا جواب چاہتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اطمینان سے بیٹھ گیا۔

اریبہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ شمشیر علی کے انداز اور اطمینان نے اسے مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ واقعی سوچنے والی بات تھی توصیف احمد اسے رہائشی خطے میں کیوں لے آئے تھے۔

"کیا سوچنے لگیں۔ میرا تو خیال تھا تم ہر پہلو سے سوچ چکی ہو گی اور اس انتظار میں ہو گی کہ کب میرا سامنا ہو اور تم۔"

"بس خاموش ہو جاؤ۔" وہ اس کی شوخی پر بند باندھ کر اٹھی اور پھر تاجور کو اس کے پاس بھیج کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

* * *

سمیر نے مصلحتاً اریبہ سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ سارہ کے لیے امینہ سے بات کر چکا ہے۔ گو کہ اس کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں تھا لیکن جس طرح سارہ قریب آتے آتے دور ہوتی جا رہی تھی اس سے وہ پریشان ہو گیا تھا اور اپنے طور پر ہی اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ پہلے سارہ سے اقرار کروا لے پھر امینہ سے بات کرے گا اور سارہ پہلے تو اس کی باتوں کو مذاق میں اڑاتی تھی اور اب تو بات ہی نہیں کرتی تھی۔ اس کے خیال میں وہ نادان تھی اور رازی کے بہکاوے میں آ گئی تھی۔ بہر حال اب جب اریبہ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ خالی باتیں کرنے کے بجائے عملی طور پر آگے بڑھے تو اسے کچھ اطمینان ہوا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اریبہ اپنی بات منوانا جانتی ہے اور وہ یاسمین کو اس کے حق میں ہموار کر لے گی اس لیے وہ اس وقت امینہ کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"امی! وہ ایک بات کہنی ہے۔" اس نے کہا تو امینہ اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ہاں کہو کیا بات ہے؟"

"وہ امی! میں سارہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ رکا ضرور لیکن صاف لفظوں میں اپنی بات کہہ کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"سارہ سے!" امینہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"سارہ اچھی ہے امی!" اس نے کہا تو امینہ ایک دم اسے دیکھ کر بولیں۔

"ہاں تو میں کب کہہ رہی ہوں اچھی نہیں ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے بھی تمہارے لیے یہی سوچ رکھا تھا۔"

"سچ امی!" وہ خوش ہو گیا۔

"ہاں۔ لیکن بیٹا! میں سوچتی ہوں یاسمین ہمارے خاندان میں نہیں رچی بسی تو پتا نہیں بیٹیوں کو بیاہنے دے گی کہ نہیں۔ اریبہ کا بھی دیکھو رشتہ ختم کروا کے ہی دم لیا ہے اس نے۔" امینہ کا خدشہ غلط نہیں تھا۔

"ان باتوں کو چھوڑیں امی! آپ میری بات کریں اور آپ یاسمین آنٹی سے نہیں توصیف ماموں سے بات کریں۔" سمیر نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"توصیف بھائی بھی یاسمین کی مرضی کے بغیر نہیں چلیں گے کیونکہ یاسمین ماں ہے۔ شادی بیاہ کے معاملات توصیف بھائی اکیلے طے نہیں کر سکتے۔" امینہ قدرے مایوسی سے بولی تھیں۔

"تو ٹھیک ہے یاسمین آنٹی آ جائیں تو پھر آپ۔"

"یاسمین کہاں سے آ جائے؟" امینہ نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"وہ اپنے میکے گئی ہیں۔" سمیر نے بتایا تو وہ اچھل پڑیں۔

"یاسمین! کون سا میکہ۔ ہم نے تو آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔ توصیف بھائی بیاہ کر لائے تھے اسے، جہاں سے پھر نہ کوئی اسے پوچھنے آیا نہ اس کے منہ سے کسی کا نام سنا۔"

"یہ سب میں نہیں جانتا۔" وہ اکتا کر بولا۔

"ہاں تم بس سارہ کو جانتے ہو۔" امینہ اپنی دھن میں کہہ گئیں۔

"سارہ کو آپ بھی جانتی ہیں امی! وہ آپ کا خون ہے اور آپ کو اپنے خون پر بھروسا ہونا چاہیے۔" اس نے کہا تو امینہ خاموش ہو گئیں۔

"پھر آپ بات کریں گی ناں توصیف ماموں اور یاسمین آنٹی سے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ ضرور کروں گی۔ آگے جو اللہ کو منظور۔ کب تک آئے گی یاسمین!" امینہ نے ہامی بھر کر پوچھا۔

"پتا نہیں۔ میرا خیال ہے ثنا کی شادی تک تو آ جائیں گی۔"

"ہاں ثنا کی شادی میں اب کچھ ہی دن ہیں۔" ساجدہ بیگم نے کہا پھر ایک دم کچھ یاد آنے پر بولیں۔

"سنو! رازی بھی تو شادی کے لیے سارہ کا نام لے رہا تھا۔"

"رازی بھائی کا دماغ خراب ہے۔" سمیر ایک دم جذباتی ہو گیا تھا۔

"ہیں ہیں!" امینہ سمیر کی گستاخی پر سرزنش کرنے لگیں۔ "تمہارے برابر ہے رازی جو تم اس طرح بات کر رہے ہو۔"

"میرے برابر ہوتے تو مزا چکھا دیتا۔ آپ خود سوچیں امی! اریبہ سے منگنی توڑنے کے بعد رازی بھائی کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ سارہ کا نام لیں۔"

"اچھا تمہیں اس معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ساجدہ بھابھی خود رازی کی اس بات سے نالاں ہیں۔" امینہ نے نرم پڑتے ہوئے کہا تو وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

* * *

ابھی اتنی زیادہ رات نہیں ہوئی تھی لیکن چھوٹے شہروں میں عشا کے بعد ہی سناٹا چھا جاتا ہے۔ یاسمین نے صحن میں دو چارپائیاں ڈال دی تھیں اور اب اماں کے ساتھ لیٹی تھی۔ طویل مدت بعد وہ تاروں بھرا آسمان دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا جیسے تارے بھی اسے دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپک رہے ہوں۔ کتنی دیر تاروں کے ساتھ خاموش شکوے ہوتے رہے۔ پھر ایک تارہ ٹوٹنے پر اس نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا جیسے بچپن میں چھپایا کرتی تھی اور اسی طرح گھبرا کر پکارا تھا۔

"اماں۔"

"ہاں!" اماں غنودگی میں تھیں۔

"اماں! تارہ ٹوٹا ہے۔" اس کی سہمی آواز اماں کی بوڑھی کھلکھلاہٹ میں دب گئی۔

"ارے پگلی! ابھی بھی ڈرتی ہے۔"

"ابھی بھی۔" وہ ہاتھ نیچے کھسکا کر اماں کو دیکھنے لگی۔ "کیا میں پہلے بھی ڈرتی تھی۔"

ے سمجھایا نہیں۔" اماں نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے بھی پلٹ کر دیکھا ہی نہیں تھا۔

"یاسمین!" کتنی دیر بعد اماں نے اسے پکارا تو اس کے منہ سے ہوں کی آواز نکلی تھی۔

"جب تو بیاہ کر چلی گئی تھی تو میں تیرے ابا کے ساتھ بہت لڑی تھی کہ اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے پر تیرے ابا بہت آرام سے کہتے تھے۔ یاسمین ابھی کم عقل ہے۔ اسے کھوٹے کھرے کی پہچان نہیں ہے۔ جب سیانی ہو گی تب اسے پتا چلے گا کہ میں نے ٹھیک کیا ہے یا غلط۔" اماں کہہ کر خاموش ہو گئیں تو تاروں کی مدھم روشنی میں یاسمین ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"جب سال پر سال گزرے تو میں پریشان ہو گئی۔ اللہ سے پوچھتی' میری یاسمین کب سیانی ہو گی۔ اسے کب کھوٹے کھرے کی پہچان ہو گی۔ وہ کب آ کر کہے گی کہ اس کے ابا نے ٹھیک کیا تھا۔" اماں پھر اپنے آپ بول کر خاموش ہو گئیں تو وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"ابا نے ٹھیک کیا تھا اماں!"

"پھر تو نے آنے میں دیر کیوں کر دی؟" اماں کی آواز میں کرب سمٹ آیا تھا۔

"کیونکہ میں ٹھیک کو غلط ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے ساتھ بہت ظلم کیا اماں! بہت ظلم کیا۔" وہ اعتراف کرتے ہوئے رو پڑی۔

"ابا نے میرے لیے خوش بختی کا در کھولا تھا لیکن میں بدبخت اپنے ہاتھوں سے در بند کرتی رہی۔ میں نے سب کچھ پا کر بھی کھو دیا اماں۔۔۔ سب کھو دیا۔ شوہر کی محبت بچوں کا اعتماد میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں بالکل خالی ہاتھ ہوں۔" اس کے رونے میں شدت آئی۔

"یہ تو کیا کہہ رہی ہے بیٹی؟" اماں لرز گئی تھیں۔

"ہاں اماں! میں نے آپ کو ابا کو اپنے لیے ترسایا تو اللہ نے میری قسمت میں بھی ترسنا لکھ دیا ہے۔ میرے بچے میرے سامنے ہیں لیکن میں انہیں نظر بھر کر دیکھ نہیں سکتی۔ میری لغزشوں نے ہمارے بیچ دیوار کھڑی کر دی ہے۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"یاسمین۔۔۔ یاسمین!" اماں اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگیں۔ "توصیف تو کہتا تھا۔ تو بہت خوش ہے۔"

"ہاں میں اسے جلا کر خوش ہوتی تھی۔ اس کی نفی کر کے خوش ہوتی تھی۔ اسے میں نے کوئی خوشی نہیں دی۔ پھر بھی اس نے مجھے برداشت کیا۔ وہ انسان نہیں فرشتہ ہے اماں! ابا نے مجھ پر نہیں اس فرشتے پر ظلم کیا تھا۔ میں اس کے قابل نہیں تھی اور میں نے اس کے قابل بننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ میں بہت بری ہوں اماں! میں بہت بری ہوں۔ مجھے اللہ معاف نہیں کرے گا۔"

"نہ نہ بیٹی! ایسا نہ کہہ۔" اماں نے یاسمین کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔

"چل! چپ کر مجھے اور دکھ نہ دے۔"

"بہت دکھ دیے ہیں نا میں نے آپ کو۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"چل بس چپ کر۔" اماں نے پھر ٹوکا۔

"پہلے آپ مجھے معاف کر دیں۔ دل سے معاف کریں مجھے۔" وہ اماں کے دونوں ہاتھ تھام کر منت کرنے لگی۔

"ہاں ہاں چپ کر جا کچھ نہیں ہوا۔ معافی مانگنی ہے تو توصیف سے مانگ۔ اسے خوش رکھ۔ سکھ دے اسے۔ خوش ہو گا تو اللہ بھی خوش ہو گا تجھ سے۔ تیرا سائیں ہے۔ سائیں کو ناراض نہ کر۔" اماں بولے جا رہی تھیں اور توصیف احمد کے سامنے جھکنے کے تصور سے یاسمین کا دل بیٹھنے لگا تھا۔

* * *

گہری نیند سے اچانک اریبہ کی آنکھ کھلی تھی۔ نا سمجھی کے عالم میں وہ اپنے آس پاس دیکھنے لگی۔ گمان ہو رہا تھا کہ شاید کسی نے اسے اٹھایا ہے۔ لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے سیل فون اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ یہ غفلت کا وقت تھا۔ لیکن وہ یوں بیدار ہوئی تھی۔ جیسے ہمیشہ سے اس کا یہی معمول رہا ہو۔ وہ پہلے حیران ہوئی۔ پھر اس کا دھیان یاسمین کی طرف چلا گیا۔ شاید اس کے لاشعور میں یہ بات تھی کہ گھر میں یاسمین نہیں ہے۔ اس لیے اسے خیال رکھنا ہے۔ جب ہی اس نے فوراً" دوبارہ سونے کی کوشش نہیں کی اور لحاف سے نکل آئی۔ پھر پہلے حماد کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے سارہ کے کمرے کا رخ کیا تھا کہ لابی سے آتی آواز پر اس کے قدم رک گئے۔

"نہیں رازی! آپ سمجھ نہیں رہے۔" سارہ رازی کو جانے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اریبہ نے اس وقت کچھ نہیں سوچا۔ تیزی سے پلٹ کر سٹنگ روم میں آئی اور بہت احتیاط سے کارڈلیس کا بٹن دبا کر کان سے لگا لیا۔

"میں سمجھتا ہوں سارہ!" رازی کہہ رہا تھا۔ "جب تک اریبہ کی شادی نہیں ہو جاتی۔ میری پیش رفت کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ تم یہی کہنا چاہتی ہو ناں! کہ اریبہ کی شادی تک انتظار کروں۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے! لیکن یہ میں تمہیں بتا دوں کہ اریبہ کی شادی ہو گئی۔ تب بھی وہ ہمارے رشتے میں رکاوٹ ضرور ڈالے گی۔ ابھی بھی وہ رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔"

رازی نے کہا تو جہاں سارہ خاموش ہوئی' وہاں اریبہ کے اندر محشر برپا ہو گیا تھا۔ آنکھیں بھی دھندلا گئی تھیں۔ "رکاوٹ؟" اس نے کارڈلیس رکھ دیا اور خود کو گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں آتے ہی بیڈ پر ڈھے گئی۔ وہ اپنی نظروں میں بے وقعت ہو گئی تھی۔

"اور کتنے زخم لگنے باقی ہیں۔ کبھی بدکردار ٹھہرائی جاتی ہوں' کبھی رکاوٹ۔ سارہ بھی یہی سمجھتی ہے۔ میں اس کے اور رازی کے درمیان رکاوٹ ہوں۔۔۔ نہیں۔"

وہ تکیے میں منہ چھپا کر سسک پڑی۔ دکھ اپنی ماں جائی پر تھا' جو مسلسل اس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی تھی اور اب وہ اس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ جانے وہ اپنے ساتھ کیا کر ڈالے۔

"اپنے ساتھ کیوں سارہ! مجھے مار ڈالو۔۔۔ مجھے مار ڈالو۔" اس کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

صبح وہ ناشتا کیے بغیر گھر سے نکل آئی۔ کیونکہ اپنی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر وہ خود خائف ہو گئی تھی اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں سارہ کے استفسار پر وہ پھٹ نہ پڑے۔

اس لیے اسپتال پہنچ کر اس نے پہلے چائے پی۔ پھر ڈاکٹر کاشف سے مختلف مریضوں کی چارج شیٹ لے کر جنرل وارڈ میں آ گئی۔ وہ خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا ذہن بار بار بھٹک رہا تھا۔ تب اس خیال سے کہ کہیں دوائیں دینے میں اس سے غلطی نہ ہو جائے' وہ بقیہ کام اپنی ساتھی ڈاکٹر پر ڈال کر گھر چلی آئی۔

"ارے! میں ابھی تمہیں فون کرنے والی تھی۔" سارہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"خیریت۔۔۔؟" وہ جو سیدھی اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی' رک گئی۔

"ہاں! وہ تائی امی کا فون آیا تھا۔ ثنا کی مایوں ہے۔ تائی امی کہہ رہی تھیں' ہم ضرور آئیں۔ کیا خیال ہے چلنا چاہیے؟" سارہ نے جتا کر پوچھا تو وہ بلاارادہ فوراً" بولی تھی۔

"تم چلی جانا۔۔۔"

"میں اکیلی۔۔۔" سارہ نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"اکیلی کیوں؟ میرا خیال ہے ڈیڈی بھی اپنی فیملی کے ساتھ جائیں گے۔ تم ڈیڈی کے ساتھ چلی جانا۔ ہمیں کچھ جتایا نہیں تھا۔ پھر بھی سارہ خفگی تھی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ میں نہیں چاہتی تائی امی یہ سمجھیں کہ ہمارا گھرانہ اب ان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ تو ہے کہ مما یہاں نہیں ہیں۔ ورنہ وہ بھی ضرور جاتیں۔" اس نے کہا تو سارہ نے پھر اصرار کیا۔

"تم بھی چلو ناں۔"

"میں چلوں گی۔ میرا مطلب ہے ثنا کی شادی پر جاؤں گی، ٹھیک؟" اس نے سارہ کو مزید کچھ کہنے کا موقع نہ دیا اور اپنے کمرے میں آگئی۔

اس پر عجب سی بے بسی طاری ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی ذات بالکل بے معنی ہو کر رہ گئی ہو۔ سوچ بھی نہیں پا رہی تھی۔ بس ایک لفظ اس کے ذہن پر مسلسل ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

"رکاوٹ۔۔۔ رکاوٹ۔"

کان بند کرتی تو در و دیوار چیختے ہوئے لگتے۔ تب ہی شام سے کچھ پہلے وہ گھر سے نکل آئی تھی۔ رش ڈرائیو کرتے ہوئے اسے پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دنیا کی آخری حد پار کر جائے گی۔ جانے کہاں کہاں بھٹکتے ہوئے جب اس نے گاڑی کو بریک لگائے تو خود سمجھ نہیں پائی کہ طویل مسافت کے بعد یہاں کیسے آگئی۔

سامنے شمشیر علی کا اپارٹمنٹ تھا۔

کچھ دیر وہ شش و پنج میں رہی۔ پھر گاڑی سے اتر کر اس نے بہت تیز قدموں سے کمپاؤنڈ پار کیا۔ لیکن سیڑھیاں چڑھتے ہوئے آپ ہی آپ اس کے قدم سست پڑ گئے۔ کیونکہ ذہن میں اچانک کسی سوچ نے جگہ بنائی تھی۔ خود پر گرفت کرتے ہوئے اس نے بیل کا بٹن جب دبا دیا تو پہلے "کون؟" کی آواز آئی۔ پھر دروازہ کھل گیا۔

"تم!" شمشیر علی نے حسب عادت پہلے اس کے عقب میں نظر دوڑائی۔ پھر سامنے سے ہٹ گیا۔

اریبہ نے اندر داخل ہو کر جب دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ تب ایک دم اس کی طرف پلٹی تھی۔

"سنو! میں آگئی ہوں۔ پہلے تم مجھے لے گئے تھے۔ اب میں خود آئی ہوں۔ مجھے لے چلو کہیں بہت دور۔ جہاں کسی کی رسائی نہ ہو۔۔۔ لے چلو شام! مجھے لے چلو۔ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتی۔ مجھ پر سے یہ الزام ہٹا دو۔" وہ کیا کہہ رہی تھی۔ شمشیر علی سمجھ کر بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔

"اریبہ۔۔۔!"

"بس شام! میں بہت تھک گئی ہوں۔ میں ٹوٹنا نہیں چاہتی۔ مجھے ٹوٹنے سے بچا لو تم۔ تم مجھ سے شادی کرلو گے ناں؟ اس روز تم نے بھی کہا تھا۔ تم سیریس تھے ناں؟ مذاق تو نہیں کر رہے تھے؟" وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔ شمشیر علی نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے صوفے پر بٹھایا۔ پھر اس کے لیے پانی لے آیا۔

"اریبہ! تم جھکنے کے لیے نہیں جھکانے کے لیے پیدا کی گئی ہو۔" شمشیر علی نے کہتے ہوئے اس کے پیروں کے پاس گھٹنے ٹیک دیے تو اس نے صوفے کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ ایسا مان کون اسے دے سکتا تھا۔

"کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔" وہ پلکوں کے در کھول کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر ایک دم اٹھ کر جانے لگی تو شمشیر علی پکار کر بولا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں :۔

✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
✧ مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook
fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

"اریبہ! میری بات سنو۔"

"ابھی کچھ مت کہو شام! میں پھر آؤں گی۔ ہاں پھر آؤں گی۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

* * *

وہ کمرے میں بار بار سارہ کا آنا جانا محسوس کر رہی تھی۔ لیکن قصداً" اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی اور کتاب پر یوں نظریں جمائے رکھیں جیسے بہت ضروری لیکچرز ذہن نشین کر رہی ہو۔ جب سارہ نے اسے پکارا تب اس نے چونکنے کی ایکٹنگ کی تھی۔

"ہاں۔۔۔!"

"تم بھی چلو ناں اریبہ۔۔۔!" سارہ یہ بات کتنی بار کہہ چکی تھی۔ وہ ان سنی کر کے سارہ کو سرتاپا دیکھ کر بولی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔"

"میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں۔" سارہ عاجز ہو کر بولی تھی۔

"میں نے کہا ناں شادی میں چلوں گی ابھی تم جاؤ۔ ڈیڈی آ گئے کیا؟" اس نے کہہ کر پوچھا۔

"آ رہے ہیں۔ ابھی فون آیا تھا۔ گھر سے نکل چکے ہیں۔"

"بس تو تم جاؤ اور دیکھو کوئی میرا پوچھے تو کہہ دینا کہ۔" وہ سوچنے لگی کیا کہے۔

"کہہ دوں گی اریبہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔" سارہ نے جل کر کہا۔ لیکن اس نے فوراً" تائید کی۔

"ہاں! یہ ہی کہنا۔ اب جاؤ پلیز! میں ڈسٹرب ہو رہی ہوں۔"

سارہ ناراض ناراض سی چلی گئی۔ تب اس نے کرسی کی پشت سے کمر ٹکا لی۔ اس کے ذہن میں مختلف سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ لیکن اس وقت وہ صرف ایک بات سوچنا چاہتی تھی۔ وہ جو شمشیر علی سے شادی کا کہہ آئی تھی۔ کیا صرف فرار کی خاطر یا جیسا کہ شمشیر علی نے کہا تھا۔

"کیا ہم ایک دوسرے کی ضرورت نہیں بن سکتے؟"

"فرار۔۔۔ ضرورت۔۔۔" وہ ان ہی دو باتوں میں الجھ رہی تھی کہ سیل فون کی ٹون نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ اسکرین پر یاسمین کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً" کال لی تھی۔

"السلام علیکم مما!"

"وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو؟" یاسمین کی آواز سن کر اس کا دل بھر آیا۔

"میں ٹھیک ہوں مما! آپ کو مس کر رہی ہوں۔" اس نے کہا تو یاسمین پیار سے بولی۔

"میری جان! ابھی تو مجھے دو دن ہی ہوئے ہیں۔"

"تو کیا آپ کا بہت زیادہ دن وہاں رہنے کا پروگرام ہے؟" اس نے فوراً" پوچھا۔

"میں کیا بتاؤں بیٹا! اصل میں تمہاری نانی اماں اکیلی ہیں۔ انہیں بھی نہیں چھوڑنا چاہتی۔ اور تم لوگوں کا خیال بھی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔" یاسمین کی بے بسی اس کی آواز سے ظاہر تھی۔

"تو مما! آپ نانی اماں کو ساتھ لے آئیں ناں۔"

"میں تو یہ ہی چاہ رہی ہوں بیٹا! اور تمہاری نانی اماں سے بھی کہہ رہی ہوں۔ لیکن وہ مان ہی نہیں رہیں۔ اچھا تم بتاؤ! سارہ اور حماد کیسے ہیں۔ تمہیں تنگ تو نہیں کر رہے؟" یاسمین نے خود ہی بات بدل دی۔

"نہیں مما! سارہ ابھی ڈیڈی کے ساتھ تائی امی کی طرف گئی ہے ثنا کی مایوں میں۔" اس نے بتایا تو یاسمین نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"تم نہیں گئیں؟"

"پھر مما! آپ کب تک آئیں گی؟" اس نے یاسمین کی بات کا جواب نہیں دیا۔

"آ جاؤں گی بیٹا! جلدی آ جاؤں گی۔ ٹھیک ہے۔"

"جی۔۔۔ نانی اماں کو میرا سلام کہیے گا۔ میں پھر ان سے بات کروں گی۔ اللہ حافظ۔" وہ سیل فون رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دھیان بٹ گیا تھا پھر بھوک بھی لگ رہی تھی۔ وہ کمرے سے نکل کر تاجور کو پکارتے ہوئے ڈائننگ لاؤنج میں آ گئی۔

"کھانا لگا دوں بیٹا!" بی بی اسی انتظار میں بیٹھی تھیں۔

"جی بی بی!" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تب تاجور آتے ہوئے بولی۔

"میں نماز پڑھ رہی تھی باجی!"

"اچھا بیٹھو۔" اس نے بلا ارادہ اپنے سامنے اشارہ کیا تو تاجور وہیں بیٹھ گئی۔

"بھائی سے بات ہوتی ہے؟" تاجور کو دیکھتے ہی اسے شمشیر علی کا خیال آیا تھا۔

"جی۔۔۔!"

"کیا باتیں کرتے ہیں وہ تم سے؟" اس کے اندر اچانک تجسس جاگ اٹھا تھا۔

"حال چال پوچھتے ہیں۔ پڑھائی کا پوچھتے ہیں' پھر کہتے ہیں۔" تاجور رک کر چپ ہو گئی۔

"کیا کہتے ہیں؟" اس کے تجسس میں اشتیاق بھی شامل ہو گیا تھا۔

"کہتے ہیں وہ اب اپنی شادی پر ہی مجھے اپنے پاس لے جائیں گے۔" تاجور کی شرمیلی ہنسی پر وہ محظوظ ہو کر پوچھنے لگی۔

"اچھا! کب کر رہے ہیں تمہارے بھائی شادی؟"

"پتا نہیں باجی! میں تو دعا کرتی ہوں' جلدی بھائی کی شادی ہو۔" تاجور نے کہا تو وہ اس کی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے بولی۔

"تو پھر دلہن ڈھونڈو نا بھائی کے لیے۔"

"میں ڈھونڈوں۔" تاجور کے لیے جیسے یہ بات ناممکن تھی۔

"ہاں تو اور کون ڈھونڈے گا۔" اس نے کہتے ہوئے سالن کی ڈش ایک طرف رکھی پھر تاجور کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ تم اپنے بھائی کے لیے کیسی دلہن لانا چاہتی ہو؟"

"میں۔۔۔!" تاجور اسے دیکھ کر جھجک گئی۔

"بتاؤ ناں؟" وہ جانے کیا جاننا چاہتی تھی۔

"آپ برا تو نہیں مانیں گی باجی؟" تاجور نے پوچھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"بالکل نہیں۔ تم بتاؤ۔"

"وہ میں۔ میں سوچتی ہوں آپ۔۔۔ آپ جیسی۔" تاجور نے ابھی بھی جھجک کر بتایا تو وہ اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔

"آپ کو برا لگا باجی؟" تاجور خائف ہو گئی۔

"نہیں! کھانا کھاؤ۔" وہ تاجور کو کھانے کی طرف متوجہ کر کے خود بھی کھانے میں مصروف ہو گئی تھی۔

* * *

سارہ بشا کی مایوں میں آکر پریشان ہوگئی تھی۔ ایک طرف رازی تھا دوسری طرف سمیر اور دونوں ہی جیسے موقع کی تلاش میں تھے کہ کہیں وہ اکیلی مل جائے۔ بہانے بہانے سے اس کے پاس بھی آرہے تھے۔ اور سارہ وہ دونوں میں سے کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جب ہی دونوں کی نظروں کے پیغام نظرانداز کرتے ہوئے وہ امینہ کے پاس بیٹھ گئی۔ جس پر آتے جاتے ایک دو لڑکیوں نے اسے ٹوکا بھی کہ وہ کیا مہمانوں کی طرح بیٹھ گئی ہے۔ گو کہ اسے خود بھی عجیب سا لگ رہا تھا لیکن وہ کیا کرتی۔ عجیب مشکل میں پھنس گئی تھی۔

"کیا ہوا بیٹی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" امینہ نے اسے چپ چپ دیکھ کر پوچھا۔

"جی پھوپھو! بس یہاں آتے ہوئے پیر مڑ گیا تھا۔ اسی میں درد ہو رہا ہے۔ ٹھیک سے چلا بھی نہیں جا رہا۔" اسے بروقت بیٹھنے کا بہانہ سوجھ گیا تھا۔

"ارے کہیں موچ تو نہیں آگئی۔ دکھاؤ۔" امینہ نے تشویش ظاہر کرتے ہوئے اس کا پیر دیکھنا چاہا تو اس نے گھبرا کر پاؤں سمیٹ لیے۔

"نہیں پھوپھو! موچ نہیں ہے۔"

"پھر بھی گھر جا کر آیوڈیکس کی مالش کر لینا۔"

"جی۔!"

"اچھا یہ یاسمین بھابھی سنا ہے، میکے گئی ہوئی ہیں۔" امینہ کے انداز میں عجیب سی کھوج تھی۔

"جی! آپ نے کس سے سنا ہے پھوپھو؟" اس نے ناگواری چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"سمیر بتا رہا تھا۔" امینہ نے کہا تو وہ حیران ہوئی۔

"سمیر۔ سمیر کو کس نے بتایا، میرا مطلب ہے۔" وہ بات بنانے جا رہی تھی، کہ ساجدہ بیگم نے امینہ کو پکار لیا۔

"آؤ امینہ! رسم شروع کرو۔" امینہ اٹھ کر چلی گئیں تو وہ "سمیر کو کیسے پتا" سوچنے میں یہ بھول ہی گئی کہ وہ کن نظروں سے بچنے کی خاطر امینہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ جب سمیر اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تب چونکنے کے ساتھ وہ اٹھ کر جانے لگی تھی کہ سمیر اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے لان کے آخری کونے میں لے آیا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" وہ بری طرح سلگ گئی تھی۔

"اور جو تم کر رہی ہو، وہ کیا ہے؟" سمیر نے اسی کے انداز میں کہا تھا۔

"کیا کر رہی ہوں میں؟" اس نے جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑائی تھی۔

"تم۔ تم اریبہ کی محبت پر ڈاکا ڈال رہی ہو۔" سمیر نے ملامت بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں ڈال رہی ہوں پھر؟" وہ بجائے نادم ہونے کے تنک کر بولی تو اس کی دیدہ دلیری پر سمیر چکرا گیا تھا۔

"تم تو بالکل ہی احساس سے عاری ہو گئی ہو سارہ! یا پھر میں ہی تمہیں غلط سمجھا تھا۔ تم کیا شروع سے ایسی ہی تھیں؟ بے حس، بے مروت۔" سمیر انتہائی تاسف سے بولتے ہوئے یکدم تیز ہو گیا۔ "ارے چور بھی سنا ہے سات گھر چھوڑ دیتے ہیں۔ تم نے تو انہیں بھی مات دے دی۔ اپنے ہی گھر میں نقب لگاتے ہوئے تمہارا دل نہیں کانپا؟"

"نہیں۔!" وہ ہٹ دھرمی پر اتر آئی تھی۔ سمیر کا دل چاہا اس کا منہ نوچ لے۔ ضبط کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، بمشکل ایک لفظ کہہ سکا۔

"تم۔!"

"ہاں میں۔ میں، بہت بری ہوں۔ یہی نا۔ ہوں میں بری۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ کوئی مرے جیے مجھے

فرق نہیں پڑے گا۔ بس یا اور کچھ بھی سننا چاہتے ہو؟" وہ سلگ سلگ کر بول رہی تھی۔

سمیر ہونٹ بھینچے اسے دیکھے گیا۔ ایسی سفاک تو وہ کبھی نہیں تھی۔

"یہاں ہر شخص کو اپنی پڑی ہے۔ پھر میں کیوں نہ اپنا سوچوں اور مجھے اپنے لیے جو ٹھیک لگے گا میں وہی کروں گی۔ سمجھے تم۔" وہ سمیر کو سناٹے میں چھوڑ کر تیز قدموں سے اس طرف آگئی جہاں توصیف احمد، خالدہ کے ساتھ بیٹھے تھے۔

"چلیں بیٹا؟" توصیف احمد نے سارہ کو دیکھ کر پوچھا تو خالدہ کہنے لگی۔

"توصیف! میں یہیں رکوں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر میں سارہ کو لے کر جا رہا ہوں۔" توصیف احمد اٹھ کھڑے ہوئے پھر ساجدہ بیگم کو اپنے جانے کا بتایا تو وہ سارہ سے رکنے پر اصرار کرنے لگیں۔ لیکن وہ اریبہ کے اکیلے ہونے کا بہانہ کر کے توصیف احمد کے ساتھ آگئی۔ اور چونکہ خالدہ وہیں رک گئی تھی اس لیے اس نے پہلے توصیف احمد کا سلیپنگ سوٹ نکال کر انہیں دیا پھر پانی کا جگ اور دودھ کا گلاس ان کے بیڈ روم میں رکھ کر اپنے کمرے میں جاتے ہوئے اس نے یونہی اریبہ کے کمرے میں جھانک کر دیکھا اور اسے ٹہلتے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"تم سبق یاد کر رہی ہو یا کوئی مسئلہ درپیش ہے؟"

"سبق یاد کر رہی تھی۔" اریبہ نے کہا تو سارہ شعر پڑھتے ہوئے اندر آگئی۔

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

"تم جلدی نہیں آگئیں، میرا مطلب ہے مایوں مہندی وغیرہ میں تو کافی ہلا گلا رہتا ہے۔" اریبہ نے اس کے شعر پر کوئی تاثر دیے بغیر کہا۔

"ہاں تھا ہلا گلا لیکن میں ڈیڈی کی وجہ سے آگئی۔" سارہ کو باتیں بنانے میں کمال حاصل ہو گیا تھا۔

"ڈیڈی کی وجہ سے؟" اریبہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اصل میں خالدہ آنٹی کو وہیں رکنا تھا۔ اور ڈیڈی میری وجہ سے بیٹھے تھے، بے چارے بور ہو رہے تھے اس لیے میں ہلا گلا چھوڑ کر ڈیڈی کے ساتھ آگئی۔" سارہ نے بتا کر طویل جمائی لی۔

"ڈیڈی اب کہاں ہیں؟" اریبہ نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں۔ میں نے دودھ وغیرہ ان کے کمرے میں رکھ دیا ہے۔ اور اب میں سونے جا رہی ہوں۔ تم بھی سو جاؤ۔ باقی سبق کل یاد کر لینا۔"

"کل تو امتحان ہے۔" اریبہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔ سارہ نے محسوس ضرور کیا لیکن چھیڑنے سے باز رہی اور شب بخیر کہہ کر اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

* * *

"یاسمین! تجھے اپنے بچے یاد نہیں آرہے؟" اماں نے یاسمین کو مگن دیکھ کر پوچھا۔

"آتے ہیں یاد آتے ہیں اماں! بچے بھی مجھے یاد کر رہے ہیں۔" یاسمین اماں کا مقصد سمجھ کر بولی تھی۔

"پھر تو اتنے آرام سے کیسے بیٹھی ہے؟" اماں نے پوچھا تو وہ قصداً" آہ بھر کر بولی۔

"آرام سے تو نہیں ہوں اماں۔۔۔!"

"تو پھر جا اپنے گھر۔ بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑتے۔ زمانہ خراب ہے۔ خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو۔" اماں

نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"یہی میں بھی سوچتی ہوں اماں! لیکن اب میں آپ کو یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔" یاسمین اپنے دل میں ٹھان چکی تھی کہ انہیں ساتھ لے کر ہی جائے گی۔

"کیوں ضد کرتی ہے یاسمین! میرا آخری وقت چل رہا ہے۔ مجھے ادھر ہی دفن ہونا ہے تیرے ابا کے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے جب وقت آئے گا۔ تو ابا کے ساتھ ہی دفن ہو جائیے گا' ابھی تو چلیں۔ کیا آپ کو میرے بچوں کو دیکھنے کا' ان سے ملنے کا شوق نہیں ہے؟" یاسمین نے زچ ہو کر کہا۔

"لے! یہ خیال تجھے اب آرہا ہے۔ جب بچے پیدا کیے تھے تب تجھے خیال نہیں آیا تھا کہ آکر نانا نانی کی گود میں ڈالتی؟ تیرے ابا ترستے رہ گئے۔" اماں اب اس پر بگڑ ہی گئیں۔

"کیوں ترستے رہ گئے؟ وہ خود آجاتے میرے پاس آپ کو لے کر۔" یاسمین برا مان کر بولی تھی۔

"ہاں اب تو ہمیں الزام دے۔"

"میں الزام نہیں دے رہی اماں! خیر چھوڑیں یہ بتائیں' آپ میرے ساتھ چلیں گی کہ نہیں؟" یاسمین نے شکوے شکایت سے بچنے کی خاطر پوچھا۔

اماں نے جواب نہیں دیا تو کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے مجھے بھی جانے کو نہ کہیں۔ اگر آپ اپنے گھر میں نہیں رکھنا چاہتیں تو میں جمیلہ آپا کے پاس چلی جاؤں گی۔"

یاسمین اماں کو یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ وہ انہیں لیے بغیر اپنے گھر نہیں جائے گی۔ اسی کوشش میں جانے ذہن کے کس گوشے سے نکل کر جمیلہ آپا کا نام اس کی زبان پر آگیا تھا۔ جس پر وہ خود بھی حیران تھی۔

"تمہیں جمیلہ اب کہاں ملے گی۔ وہ بے چاری تو بچوں کی خوشیاں بھی نہ دیکھ سکی۔" اماں دکھ کر بولیں تو اس کا دل پھٹنے لگا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں! جمیلہ آپا۔۔۔"

"ہاں گزر گئی' تو نے تو کسی کے مرنے جینے کی خبر ہی نہ رکھی۔ سب پوچھتے تھے تیرا۔ کہتے تھے کون سے دیس بیاہ دیا بیٹی کو کہ پھر پلٹ کر ہی نہ آئی۔" اماں بھرائی آواز میں بول رہی تھیں۔ اس کی نظروں میں جمیلہ سمائی تھی۔

جمیلہ اماں کی بھتیجی تھی۔ اللہ نے جسے خاص فرصت سے بنایا تھا۔ خوب صورتی کے ساتھ خوب سیرتی میں بھی یکتا۔ پورا محلہ اس کے گن گاتا تھا۔ سلیقہ' سگھڑاپا اس پر ختم تھا۔ ہر ایک کے کام آتی تھی۔ بے حد محبت کرنے والی۔ یاسمین کو وہ بہت اچھی لگتی تھی۔ زیادہ وقت اسی کے پاس رہتی اور جب جمیلہ بیاہ کر دیگر گاؤں جارہی تھی تو یاسمین بہت روئی تھی۔ سارا محلہ اداس ہو گیا تھا۔

پھر جمیلہ کبھی کبھی آتی تھی۔ آخری بار جب یاسمین نے اسے دیکھا تھا تو اس کے ساتھ اس کا پانچ چھ سال کا بیٹا تھا جو جمیلہ ہی کی طرح سمجھ داری کی باتیں کرتا تھا۔ اس کی نظروں میں وہ خوب صورت ذہین بچہ آیا تو وہ تڑپ گئی۔

"اماں! کب ہوا جمیلہ آپا کا انتقال؟"

"بہت سال ہو گئے بیٹی!" اماں انگلیوں پر حساب لگانے لگیں پھر بولیں۔ "بارہ چودہ سال۔"

"بارہ چودہ سال۔" اسے وقت کا پتا نہیں چلا اور سال صدیاں بیت گئیں۔

"ایسی بھری جوانی میں گئی لڑکی!" اماں رونے لگیں تو اس کے آنسو بھی چھلک گئے۔

"اور اماں! جمیلہ آپا کا تو ایک بیٹا بھی تھا نا؟"

"ہاں پھر بیٹی ہوئی۔ سال دو سال کی تھی بیٹی کہ اوپر سے جمیلہ کا بلاوا آگیا۔" اماں نے آنسو پونچھتے ہوئے بتایا۔

"اف!" وہ لرز کر بولی تھی۔

"بس اللہ کے کام ہوئی جانے۔"

"اب کہاں ہیں جمیلہ آپا کے بچے؟ ماشاء اللہ بڑے ہو گئے ہوں گے۔" اس نے کہا تو اماں ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولیں۔

"ہاں! بیٹی ہو گی پندرہ سولہ سال کی۔"

"آپ کا جانا ہوتا ہے؟"

"نہیں مدت ہو گئی۔ تیرے ابا کے بعد تو ہر جگہ جانا آنا رہ گیا۔ اب جمیلہ کے اماں ابا بھی نہ رہے ورنہ انہیں سے بچوں کی خبر مل جاتی تھی۔" اماں نے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔

"اور جمیلہ آپا کے میاں؟"

"ارے اس نے تو سال بھر بعد ہی دوسری کرلی تھی۔" اماں جل کر بولی تھیں۔

"وہ تو کرنی تھی اماں! سال دو سال کی بچی کو وہ کیسے سنبھال سکتے تھے۔ اگر ماموں مامی بچوں کو اپنے پاس لے آتے تب بھی مرد کو بیوی کی ضرورت ہوتی ہے۔" اس کا ذہن اب حقائق سوچنے لگا تھا۔

"ہاں یہ تو تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ مرد نہیں رہتا عورت کے بغیر۔" اماں نے تائید کی تو اچانک بے چین ہو کر بولی۔

"چلیں نا اماں! جمیلہ آپا کے بچوں سے مل کے آتے ہیں۔"

"یاسمین! وہ کوئی ادھر رہتے ہیں۔"

"کہیں بھی رہتے ہوں۔ گاڑی ہے ناں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لگے گا۔ شام سے پہلے واپس بھی آجائیں گے۔ چلیں اماں! میرا بڑا دل چاہ رہا ہے۔ جمیلہ آپا کی روح خوش ہو جائے گی۔ اتنا پیار کرتی تھیں وہ مجھ سے۔" اس کی گم گشتہ محبت سر چڑھ کر بولنے لگی تھی۔

اماں کو یاسمین کے اصرار سے زیادہ جمیلہ کی یاد نے مجبور کر دیا تھا۔

* * *

یاسمین ایک بار پہلے اماں کے ساتھ جمیلہ کے سسرال آچکی تھی۔ اس وقت جمیلہ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور وہ چمکیلے کپڑوں میں ادھر ادھر آتی جاتی' کھلکھلاتی یاسمین کو بہت اچھی لگی تھی۔ ابھی بھی وہ اس وقت میں کھوئی تو اسے لگا جیسے ابھی جمیلہ کچن سے شربت کے گلاس لیے نکلے گی پھر میاں کے پکارنے پر بھاگتی ہوئی جائے گی۔ اس کی نظروں میں کتنے منظر گھوم رہے تھے کہ اچانک سارے منظر گڈمڈ ہو گئے۔ اس کی سماعتوں نے یہ کیا سنا تھا۔

"ٹی بی!" وہ جمیلہ کی سوکن کو دیکھنے لگی جو اماں کو بتارہی تھی۔

"ہاں وہ ٹی بی ہو گئی تھی لڑکی کو خون تھوکنے لگی تھی۔"

"کون؟ جمیلہ آپا۔۔۔ جمیلہ آپا کو ٹی بی ہو گئی تھی؟" یاسمین نے متوحش ہو کر پوچھا۔

"ارے نہیں! میں جمیلہ کی بیٹی کی بات کر رہی ہوں۔" جمیلہ کی سوکن نے کہا۔

"کیا۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ نے علاج نہیں کرایا؟"

"لے سارا پیسہ اس کے علاج پر لگ گیا' اپنے پاس تو کچھ بچا ہی نہیں۔"

"اور لڑکی؟" اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"اسے اس کا بھائی شہر لے گیا پھر وہیں علاج ہوا۔ اب تو چنگی موٹی تازی ہو گئی ہے۔ شہر کی ہوا بھی لگ گئی ہے

اسے "آئی تھی پہچانی ہی نہیں جا رہی تھی۔" خاتون کی بات سے یاسمین کی جان میں جان آئی تھی۔

"شکر ہے اور جمیلہ آپا کا بیٹا کیا کرتا ہے؟"

"تاج نہیں وہیں شہر میں کہیں نوکر ہے۔" خاتون نے بتایا تو یاسمین کو دھچکا لگا تھا۔

"نوکر۔ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ جمیلہ آپا کو تو بہت شوق تھا۔ کہتی تھیں بیٹے کو پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنائیں گی۔ اور بچہ تھا بھی بہت ذہین۔"

"ہاں ہے تو چالاک۔" وہ اپنے انداز میں بول رہی تھی۔

"خیر میں تو اس لیے آئی تھی کہ جمیلہ آپا کے بچوں سے ملاقات ہو جائے گی لیکن شاید ان سے ملنا قسمت میں ہی نہیں تھا۔" یاسمین کو اب وہاں بیٹھنا دوبھر ہو گیا۔

"ہاں! تمہیں پہلے نہیں دیکھا۔ یوں تو خیر آئی جاتی تھیں۔ تم کہاں رہتی ہو؟" اس نے جتا کر پوچھا۔

"میں اماں کے ساتھ ہی ہوتی ہوں۔ چلیں اماں۔"

یاسمین اپنے بارے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جب ہی غلط بیانی کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور اماں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھانے لگی تھی کہ جمیلہ کے شوہر کو آتے دیکھ کر رک گئی۔

"السلام علیکم بھائی جی۔"

"وعلیکم السلام!" وہ یاسمین کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگے تو ان کی بیوی بول پڑی۔

"بوا جی آئی ہیں۔ یہ ان کی بیٹی ہے۔"

"اچھا۔ اچھا السلام علیکم بوا جی! بڑی مدت بعد ہماری یاد آئی۔" وہ کہتے ہوئے اماں کے سامنے بیٹھ گئے۔

"بس بیٹا۔ تیرا چاچا نہیں رہا تو پھر کس کے ساتھ آتی جاتی۔ ابھی یہ یاسمین لے کر آئی ہے۔ جمیلہ کے بچوں سے ملنے آئی تھی۔ پر وہ تو یہاں نہیں ہیں۔" اماں کو خود بھی بچوں سے نہ ملنے کا افسوس ہو رہا ہے۔

"ہاں۔ وہ دونوں بہن بھائی شہر میں بس گئے۔ اصل میں تاج کو ٹی بی ہو گئی تھی۔ شمشیر اسے علاج کے لیے لے گیا تو پھر اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ اچھا ہے وہ بھی وہاں اکیلا تھا۔" گو شمشیر علی کے منہ پر اسے برا بھلا کہتے تھے لیکن دل سے اس کے معترف تھے۔

"ہاں بتایا تیری بیوی نے۔ اب تو ٹھیک ہے نا تاجور۔" اماں نے پوچھا تو تاجور کے نام پر یاسمین چونکی تھی۔

"تاجور۔" اس کی نظروں میں تاجور اور جمیلہ کا چہرہ ایک ساتھ آن سمایا تھا۔

"تاجور جمیلہ آپا کی بیٹی ہے؟" وہ حیرت و اشتیاق میں گھری پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔ تو ابھی اسے دیکھتی تو سمجھتی جمیلہ آ گئی ہے۔ بالکل جمیلہ پر پڑی ہے۔ ناک نقشہ، رنگ روپ۔" اماں نے کہا تو یاسمین دل ہی دل میں خود سے بولی تھی۔

"ہاں، وہ بالکل جمیلہ آپا کی طرح ہے۔"

"یوں بیٹھی باتیں بنائے جائے گی یا بوا جی کو شربت بھی پلائے گی۔ چل اٹھ۔ لسی وسی لے کے آ۔" انہوں نے بیوی کو ٹوکتے ہوئے گھرکا تو یاسمین بول پڑی۔

"نہیں بھائی جی! ابھی ہم راستے سے لسی پیتے ہوئے آئے ہیں۔ بس آپ اجازت دیں۔"

"اتنی دور سے آئی ہے۔ روٹی شوٹی کھا کے جانا۔"

"دیر ہو جائے گی بھائی! پھر آئیں گے تو ضرور کھائیں پئیں گے۔"

یاسمین کو اب جانے کی جلدی تھی۔ سہولت سے منع کر کے اماں کو بھی اٹھا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دس منٹ سے وہ دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ اریبہ کی نظریں گلاس وال سے پرے سمندر کی جھاگ اڑاتی لہروں پر جمی تھیں اور شمشیر علی کی نظریں ادھر ادھر بھٹکتی ہوئی بار بار اریبہ کے چہرے پر بھی پڑ رہی تھیں۔ گو کہ جب دن میں اریبہ نے اسے فون کیا تھا کہ وہ آج شام میں اس سے ملے گی تو اس کے لیے شام تک وقت کاٹنا مشکل ہو گیا تھا اور اس عرصے میں اس نے کتنی باتیں سوچ ڈالی تھیں کہ وہ اریبہ سے یہ کہے گا۔ وہ کہے گا۔ لیکن اس کے سامنے آ کر وہ سب بھول گیا تھا یا شاید اس کے اندر یہ خوف تھا کہ وہ جو شادی کی بات کر گئی تھی اس سے منحرف نہ ہو جائے۔ اس کے چہرے پر گزشتہ شام کا کوئی عکس نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ بہت پرسکون نظر آ رہی تھی۔ یوں جیسے طوفان کے بعد ہر شے ساکن ہو جاتی ہے۔ کچھ وقت اور گزرا پھر اریبہ نے اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر گلاس وال کی طرف انگوٹھے سے اشارہ کر کے بولا۔

"اچھا منظر ہے۔"

"ہوں۔!" اریبہ نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا پھر خود کو بولنے پر آمادہ کر کے کہنے لگی۔

"شام۔ کل میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا۔ وہ سب اچانک اور ایک وقتی خیال کے تحت کہی گئی باتیں تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے خود نہیں پتا کہ میں تمہارے گھر تک کیسے آ گئی تھی۔ لیکن پھر میں نے سوچا تو مجھ پر ادراک ہوا کہ یہ سب قدرت کے کھیل ہیں۔ اس میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں۔ ہمارا عمل یہ ہے کہ ہم کہیں خود کو زبردستی جوڑنے پر تلے ہوئے ہیں اور کہیں کسی کی نفی کرتے ہیں اور جو عمل ہم سے انجانے میں ہو جاتا ہے اسے ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ سب سے اہم وہی عمل ہوتا ہے۔ اگر ہم سمجھیں تب۔" آخری لفظ پر اس کے ہونٹ ایک دوسرے میں مدغم ہوئے تو وہ اسی حالت میں اسے دیکھے گئی۔

شمشیر علی سانس روکے بیٹھا تھا۔

"اور میں نے بھی شاید زندگی میں پہلی بار اپنے انجانے عمل کو سوچا تو مجھے اپنی زندگی میں آنے والے سارے موڑ سمجھ میں آنے لگے۔ سیدھی شفاف سڑک پر چلتے ہوئے اچانک کہیں پاؤں پھسل جائے تو ہمیں وہیں رک جانا چاہیے۔ کیونکہ یہ ہمارے لیے رکنے کا اشارہ ہوتا ہے۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے اور زعم میں پھر اٹھ کر بھاگنے لگتے ہیں۔ یہ اندھا دھند بھاگنا ہمیں کھائی میں لے جاتا ہے۔" وہ پھر خاموش ہو گئی۔

شمشیر علی پر صدیاں بیت گئیں۔

"بہرحال!" اب وہ سانس کھینچ کر گویا خود کو کسی شکنجے سے آزاد کر کے گویا ہوئی تھی۔

"کچھ فیصلے صرف دل کے ہوتے ہیں۔ دماغ آمادہ نہیں ہوتا۔ اور کچھ فیصلے صرف دماغ کے۔ جن پر دل احتجاج کرتا رہ جاتا ہے۔ لیکن پائیدار فیصلے وہی ہوتے ہیں جن پر دل اور دماغ دونوں متفق ہوں۔ میں نہیں جانتی، مجھے پرپوز کرنے کا تمہارا فیصلہ دل کا تھا یا دماغ کا۔ لیکن میں پوری سچائی سے اعتراف کر رہی ہوں کہ رات تمہارے بارے میں سوچتے ہوئے میرے دل اور دماغ نے تمہارے حق میں گٹھ جوڑ کر لی تھی۔ جب ہی اب میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"[illegible]" شمشیر علی نے پورا سر پیچھے گرا کر خود کو نئی زندگی ملنے کی مبارکباد دی تھی۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بد مزاجی اور بد زبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے' جبکہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایازاد' اجلال رازی سے ہوچکی ہے' جو اعلا تعلیم کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے۔ یاسمین' اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بد ظن ہوجاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

وہ اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے' مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے' تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خود سر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے' مگر وہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصے میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کرلیتا ہے اور تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے اسپتال داخل کروادیتا ہے۔

اریبہ' یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے' مگر یاسمین جھوٹی کہانی سناکر اسے مطمئن کردیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی' اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچاکر اس کی جان بچالیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی' توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اریبہ' ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی' اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔ تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہوجاتی ہے۔ وہ رہا ہوکر دل گرفتہ سا اسپتال جاکر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے۔ مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہوجاتی ہے۔

یاسمین' اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑجاتی ہے۔ مگر اریبہ دوٹوک انداز میں منع کردیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال' اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہوجاتا ہے۔ اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر سے بات کرتی ہے۔ مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے۔ وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کرلیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہوجانے پر سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ اجلال' ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

شمشیر علی کو اریبہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ وہ اریبہ کو اپنا سیل فون دے دیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے رابطہ کرلے۔ اریبہ اجلال کو فون کرتی ہے' مگر وہ سرد مہری سے بات کرتا ہے تو اریبہ کچھ بتائے بغیر فون بند کردیتی ہے۔ شمشیر علی نے ابراہیم نامی بچے سے اسکیچنگ سیکھ کر تاجور کی تصویر بنائی تو اریبہ اسے دیکھ کر فوراً" پہچان گئی۔ اس نے شمشیر کو بتایا کہ اریبہ اس کے گھر میں حفاظت سے ہے۔ شمشیر اب اریبہ کو واپس پہنچانا چاہتا تھا' لیکن اریبہ نہیں چاہتی ہے کوئی شمشیر علی کو مجرم سمجھے۔ وہ ایک منصوبہ بناتی ہے۔ جس کے تحت شمشیر علی اسے اسپتال میں داخل کرا کے توصیف احمد کو اطلاع کردیتا ہے۔ توصیف احمد اس کے ساتھ اسپتال جاتے ہیں اور اریبہ کو گھر لے آتے ہیں۔

اریبہ کو دیکھ کر اجلال کو محسوس ہوا کہ وہ اس کی محبت سے کبھی دستبردار نہیں ہوسکتا مگر پھر ساجدہ بیگم سے سارہ سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کردیتا ہے۔ وہ ناراض ہوجاتی ہیں۔ ثنا' سمیر کو فون پہ بتادیتی ہے۔ وہ سارہ سے پوچھتا ہے' پھر جواب نہ پاکر اریبہ کو بتادیتا ہے۔ اریبہ' سارہ سے ناراض ہوجاتی ہے۔ اریبہ اپنے والد کے دفتر میں اجلال سے اشاروں' کنایوں میں اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ اجلال کے چہرے کے تاثرات سے اسے جواب مل جاتا ہے۔ سارہ حالات سے خوف زدہ ہوکر خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

ایک عرصے بعد یاسمین کو اپنے والدین یاد آتے ہیں تو وہ توصیف احمد سے اجازت لے کر ان سے ملنے چلی جاتی ہے۔ دوسرے شہر میں ہونے کی وجہ سے وہ ثنا کی شادی میں شرکت نہیں کرپاتی۔ توصیف احمد پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ تاجور اور شمشیر بہن بھائی ہیں۔ یاسمین اپنی والدہ کے ساتھ اپنی مرحومہ کزن کے بچوں سے ملنے جاتی ہے۔ وہاں اسے باتوں میں پتا چلتا ہے کہ ان کے گھر مقیم تاجور ان کی مرحومہ کزن کی بیٹی ہے۔ سارہ اور رازی کی فون پر گفتگو سن لینے کے بعد اریبہ مزید دلبرداشتہ ہوجاتی ہے اور شمشیر کے پروپوزل کی ہامی بھر لیتی ہے۔

۲۱

اکیسویں قسط

"ہا۔ہاہ !" شمشیر علی نے پورا سر پیچھے گرا کر خود کو نئی زندگی ملنے کی مبارک باد دی تھی پھر اسے دیکھ کر بولا۔

"تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔"

"میں کچھ بھی کرسکتی ہوں۔ جان لے بھی سکتی ہوں اور دے بھی سکتی ہوں۔ یہ بات تم ہمیشہ یاد رکھنا۔" وہ بہت سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

"ارے ہم تو ابھی سے دھونس جمانے لگیں۔" وہ اب اپنی جون میں آنے لگا تھا کیونکہ اس کا دل شاد ہوکر اٹھکھیلیاں کرنے کو چاہنے لگا تھا۔

"یہ محض دھونس نہیں ہے شام !" وہ ہنوز سپاٹ تھی۔

"جانتا ہوں بابا' جانتا ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں انگیجڈ تھی۔" اریبہ جانے کیا کہنے جارہی تھی کہ وہ ایک دم خاموش ہوگیا۔

"میری منگنی چار سال رہی۔" وہ کہنے لگی۔ "اور وہ چار سال میری زندگی کے خوب صورت سال تھے میں کسی ایسے جزیرے پر سفر کررہی تھی جہاں سورج بھی آنکھ بند کرکے طلوع ہوتا تھا اور اس دوران میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میرا یہ سفر عارضی بھی ہوسکتا ہے یا اس کا کہیں اختتام بھی ہوگا اور یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ مجھے سوچنا چاہیے تھا کہ روح کو بھی ایک دن جسم سے نکلنا ہے' تکلیف تو ہوتی ہے' لیکن پھر جسم آرام پا جاتا ہے تو شمشیر علی! تم سمجھ لو کہ جس شخص کی محبت میری نس نس میں سمائی تھی' اس کے نکلنے یا نکالنے میں مجھے کتنی اذیت اٹھانی پڑی ہوگی' سمجھ سکتے ہو نا تم۔۔۔؟" وہ سوالیہ نشان بن گئی۔

شمشیر علی بند مٹھی ہونٹوں پر جمائے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے سوال پر پلکیں گرا کر اثبات کا اظہار کیا تو قدرے رک کر وہ پھر کہنے لگی۔

"میں یہ سب تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ اگر کبھی میرے ماضی کو سوچتے ہوئے تمہارے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو اس پر گرفت مت کرنا۔ کیونکہ میں اپنی زندگی سے وہ چار سال نکالنے پر قادر نہیں ہوں، لیکن یہ میں یقین سے کہوں گی کہ ان چار سالوں کی خوب صورتی مسخ ہو کر اتنا بھیانک روپ دھار چکی ہے کہ پلٹ کر دیکھنا تو دور کی بات میں شاید تصور میں بھی نہیں لا سکتی۔" وہ خاموش ہو کر پھر گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

شمشیر علی نے اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی محسوس کی پھر ہونٹوں سے ہاتھ نیچے گرا کر بولا۔

"تم نے وہ سنا نہیں، وہ جوانی جوانی نہیں جس کی کوئی کہانی نہ ہو۔"

اریبہ نے بے اختیار چہرہ اس کی طرف موڑا تھا۔

"ہاں! یہ سچ ہے۔ وہ کہنے لگا۔" کوئی راستہ سیدھا منزل کو نہیں جاتا۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول پڑھا ہے کہ اگر تمہارے راستے میں کوئی مشکل نہیں آئی تو پلٹ کر دیکھ لو، کہیں تم غلط سمت پر تو نہیں جا رہے۔ اس کا مطلب ہے مشکلیں ہمیں ہماری منزل تک لے جاتی ہیں۔ تم اپنے دل سے سارے خدشات نکال ڈالو اریبہ! اور اپنے دل میں صرف اس یقین کو پختہ کر لو کہ آج سے پہلے ہماری زندگی میں جو بھی آیا یا آئی، وہ ہمارے راستے کی مشکلیں یا آزمائشیں تھیں اور ہمیں ان مشکلوں کا شکر گزار ہونا چاہیے، جن کی بدولت ہماری منزل تک رسائی ممکن ہوئی۔" وہ ایک لحظہ کو رکا پھر کہنے لگا۔

"ابھی تم نے کہا تھا کہ جانے میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں پرپوز کیا تھا یا یہ میرے دماغ کا فیصلہ تھا تو میں بھی تمہیں بتا دوں اریبہ! کہ میرا دل تو تب ہی تمہاری تمنا کرنے لگا تھا جب ایک چھوٹے سے مکان میں تمہارے وجود سے مجھے گھر کا احساس ہونے لگا تھا، لیکن میں صرف دل کی نہیں مانتا اگر مجھے صرف دل کی ماننی ہوتی تو اس وقت میرے سامنے تم نہیں، تاباں ہوتی۔"

"تاباں۔" اریبہ کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے۔

"ہاں! ایک ادھوری داستان مجھ سے بھی منسوب ہے اور تمہاری طرح میں بھی اپنی زندگی سے وہ ماہ و سال نکالنے پر قادر نہیں ہوں، لیکن یہ یقین سے کہوں گا کہ ان ماہ و سال کا میری آئندہ زندگی میں کہیں دخل نہیں ہوگا۔"

شمشیر علی نے بتا کر یقین سے کہا تو اریبہ سر جھکا کر جانے کیا سوچنے لگی۔ وہ کچھ دیر اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتا رہا پھر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ ایک دم سر اونچا کر کے بولی۔

"چلیں؟"

"کہاں؟" وہ کہہ کر سٹپٹایا پھر سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "ہاں چلنا چاہیے۔"

اریبہ نے پہلے اس کے اٹھنے کا انتظار کیا پھر اس کے ساتھ چلتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا اور دل میں اعتراف کیا کہ اس پوری دنیا میں یہ واحد شخص ہے، جس کے ساتھ وہ سر اٹھا کر چل سکتی ہے۔

* * *

"اماں! جمیلہ آپا کی بیٹی تاجور میرے پاس ہے۔ میرے گھر میں ہے۔"

یاسمین نے گھر آتے ہی اماں کو بتایا، وہ تمام راستہ اس عجیب اتفاق پر حیران تھی اور یہی سوچتی رہی تھی کہ

قدرت انسان کو کیسے کیسے اور کہاں کہاں ملاتی ہے اور اس ملن میں کیا بھید ہے، یہ تو بھید کھلنے پر ہی سمجھ میں آتا ہے۔

"تیرے پاس۔ تیرے پاس کیسے آ گئی؟" اماں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"وہ اماں! تاجور بیمار تھی نا تو اریبہ پہلے اسپتال میں اس کا علاج کر رہی تھی پھر اسے اپنے ساتھ گھر لے آئی تھی تب سے وہ میرے گھر میں ہے، لیکن اماں! مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ جمیلہ آپا کی بیٹی ہے۔ یہ تو ابھی پتا چلا ہے، میں خود حیران ہو رہی ہوں۔" یاسمین نے بتایا۔

"اور جمیلہ کا بیٹا وہ بھی تیرے گھر میں نوکر ہے؟" اماں نے پوچھا تو یاسمین چونک کر انہیں دیکھنے لگی پھر سوچتے ہوئے انداز میں نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں، اس کا تو مجھے پتا نہیں ہے، اریبہ نے تو بتایا تھا۔" یاسمین پھر سوچ میں پڑ گئی۔

"چل اچھا ہے، بچی تیرے پاس آرام سے ہے اور اب تو تجھے پتا چل گیا ہے اب زیادہ خیال رکھنا تاجور کا۔ بن ماں کی بچی ہے۔" اماں نے کہا۔

"لیکن اماں! اس کا بھائی، جمیلہ آپا کا بیٹا۔" یاسمین کا ذہن الجھ گیا تھا اسے اریبہ کی بات یاد تھی اس نے تاجور کے بارے میں کہا تھا کہ اس کا کوئی نہیں ہے۔

"بتایا تو تھا جمیلہ کی سوکن نے کہ اس کا بیٹا شہر میں کہیں نوکر ہے۔"

"ہاں لیکن۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی پھر پرس میں سے موبائل فون نکالا اور اماں کے پاس سے اٹھ کر صحن میں آ کر اریبہ کا نمبر ملایا۔

"السلام علیکم مما!" اریبہ نے فوراً اس کی کال ریسیو کی تھی۔

"وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو؟" یاسمین نے کوشش سے اپنا دھیان اریبہ کی طرف منتقل کیا تھا۔

"بالکل ٹھیک مما! آپ کب آ رہی ہیں؟" اریبہ نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"آ جاؤں گی بیٹا! جلدی آؤں گی۔ تم بتاؤ، گھر میں سب ٹھیک ہیں؟"

"جی سب ٹھیک ہیں مما! لیکن آپ مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔" اریبہ نے کہا تو یاسمین گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"پریشان نہیں ہوں بیٹا! تم سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"جی۔"

"بیٹا! وہ جو لڑکی تاجور ہمارے گھر میں ہے، تم نے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ اس کا کوئی نہیں ہے۔"

یاسمین کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اریبہ بول پڑی۔

"وہ تو میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا مما! اصل میں تاجور سوتیلی ماں کی ستائی ہوئی تھی، پھر اس کا بھائی اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا، لیکن یہاں مسئلہ یہ تھا کہ وہ سارا دن بہن کو اکیلے گھر میں نہیں چھوڑ سکتا تھا کیونکہ وہ جاب کرتا ہے اس لیے میں تاجور کو اپنے ساتھ لے آئی تھی۔"

"تم اس کے بھائی کو جانتی ہو؟" یاسمین نے فوراً پوچھا۔

"جی مما! تاجور کے بھائی کا نام شمشیر علی ہے۔ جب میرا بائیک ایکسیڈنٹ ہوا تھا تب شمشیر علی نے مجھے اسپتال پہنچایا تھا اور میں تب سے ہی اسے جانتی ہوں۔ اس نے مجھ پر بلکہ سمجھیں تو آپ پر بھی احسان کیا تھا اور میں اس احسان کا بدلہ تو نہیں اتار سکتی، لیکن اس کی پرابلم سمجھتے ہوئے میں تاجور کو گھر لے آئی تھی۔" اریبہ اب

اپنے حساب سے شمشیر علی کو متعارف کرا رہی تھی۔

"ہاں بیٹا! یہ تم نے بہت اچھا کیا۔" فوری طور پر یاسمین یہی کہہ سکی۔

"لیکن مما! آپ کو اس وقت تاجور کا خیال کیسے آگیا؟" اریبہ نے پوچھا۔

"بس بیٹا یوں ہی بلکہ میں آؤں گی تو بتاؤں گی اور ہاں! شمشیر علی، تاجور سے ملنے آتا ہے؟" یاسمین نے ٹالتے ٹالتے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"جی مما! آتا ہے۔"

"اچھا بیٹا! ٹھیک ہے۔" یاسمین نے سیل آف کر کے یوں سر ہلایا جیسے ابھی بھی اس کی کچھ سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔ پھر اماں کے پاس آتے ہی بولی تھی۔

"بس اماں! اب چلنے کی تیاری کریں۔"

"ہائیں! میں کہاں چلنے کی تیاری کروں؟" اماں اسے دیکھنے لگیں۔

"میرے ساتھ میرے گھر۔" وہ زور دے کر کہنے لگی۔ "ضد نہ کریں اماں! یہاں اکیلی پڑی رہتی ہیں، وہاں بچے ہیں، ان کے ساتھ آپ کا دل بہل جائے گا۔"

"یہاں بھی محلے والے آتے جاتے رہتے ہیں۔" اماں کے انداز میں بچوں کی سی ناراضی تھی۔

"ہاں دیکھ لیا ہے میں نے، کون کون آتا جاتا ہے، پھر بھی میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی اماں۔ خدا کے لیے مجھ پر رحم کریں۔ کیا آپ سمجھتی ہیں اب یہاں سے جا کر میں چین سے رہ سکوں گی؟ نہیں اماں! میرا دھیان ہر وقت آپ کی طرف رہے گا۔" یاسمین رونے لگی تو اماں خاموش ہو گئیں۔

"اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلیں گی تو میں سمجھوں گی آپ نے مجھے معاف نہیں کیا۔" یاسمین روتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا بس چپ ہو جا، ذرا ذرا سی بات پہ رونے لگتی ہے۔" اماں سے اس کا رونا برداشت نہیں ہوا تھا۔

"میری قسمت میں ہی رونا لکھا ہے۔" وہ کہہ کر اٹھنے لگی تو اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چل رہی ہوں پر دیکھ، پھر مجھے ادھر ہی لے آنا۔"

یاسمین اماں کا مطلب سمجھ کر چپ ہو گئی تھی۔

* * *

شمشیر علی بہت خوش تھا اور خوشی میں بوکھلا بھی گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ کبھی کچن میں برتنوں کی ترتیب بدلنے لگتا۔ کبھی لاؤنج میں رکھے گملے ادھر سے ادھر کرتا پھر سوچتا کہ اریبہ کو کیا چیز کہاں اچھی لگے گی۔ وہ خود گھر میں زیادہ سامان بھرنے کا قائل نہیں تھا۔ لیکن اریبہ کے لیے اسے اور بہت سی چیزوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ مزید گھر میں جو تھوڑا بہت سامان تھا۔ وہ بھی پرانا لگنے لگا تھا، شاید اس لیے کہ وہ خود اس وقت خوشی کی انتہا پر تھا اور چاہتا تھا اریبہ کے لیے سارا جہان خرید لائے۔ غالباً "زندگی کے ساتھ محبت کا معیار بھی بدل گیا تھا، کیونکہ تاباں کے لیے اس نے ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔ بہر حال اس وقت گھر کی نئے سرے سے سیٹنگ سوچتے ہوئے اسے اچانک خیال آیا کہ ابھی اسے توصیف احمد سے بات کرنی ہے۔ پتا نہیں وہ اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند کرتے بھی ہیں کہ نہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے سیل فون اٹھا کر پہلے ابا کو فون کیا تھا۔

"السلام علیکم ابا!"

"وعلیکم السلام۔" ہمیشہ کی طرح ابا کا روٹھا انداز تھا۔ نہ خوشی کا اظہار، نہ شکوہ کہ اتنے دنوں بعد میری یاد آگئی

"کیا حال ہے ابا! گھر میں سب خیریت ہے؟" اس نے پھر بھی لگاوٹ سے پوچھا۔

"ہاں! شکر ہے۔"

"اچھا ابا! میں نے اس لیے فون کیا ہے کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ اصل بات پر آگیا۔

"ضرور کر۔ کس نے منع کیا ہے، بہن سے فارغ ہو گیا ہے؟" ابا نے پوچھا تو وہ سمجھا نہیں۔

"کیا مطلب؟"

"میں تاجور کا پوچھ رہا ہوں۔ تاجور کی شادی کر دی ہے؟" ابا اس کے نہ سمجھنے پر جھنجلائے تھے۔

"نہیں۔۔۔" وہ بھی چڑ گیا۔ "میں کیسے تاجور کی شادی کر سکتا ہوں ابا! میری بیوی آئے گی تو وہ یہ کام کرے گی۔"

"اچھا تو کر شادی۔ لے آ بیوی۔" ابا نے کہا تو اس نے پہلے خود پر ضبط کیا پھر کہنے لگا۔

"ابا! بیوی ایسے ہی تو نہیں آجاتی نا آپ آئیں، میرا مطلب ہے، میرا رشتہ لے کر جائیں گے تو بات بنے گی نا۔"

"لے میں کیسے آجاؤں؟ ادھر گھر کون دیکھے گا؟" ابا نے کہا تو وہ جز بز ہو کر بولا۔

"ایک دن کی تو بات ہے ابا!"

"نہ پتر! ایک دن تو آنے جانے میں لگ جائے گا، تجھے جو کرنا ہے آپ کر۔"

اسے ابا سے زیادہ امید تو نہیں تھی، بس ایک موہوم سی آس کہ شاید اس کی شادی کا سن کر خوش ہو جائیں، وہ بھی ٹوٹ گئی تو کتنی دیر وہ گم صم بیٹھا رہا۔ پھر پہلے اس نے چائے بنانے میں اپنا دھیان بٹایا۔ اس کے بعد سکون سے توصیف احمد کا نمبر ملایا تھا۔

"سر! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"جی سر ابھی۔۔۔"

"تھینک یو سر! میں آ رہا ہوں۔"

سیل آف کرتے ہی اس کے اندر بجلی دوڑ گئی۔ جب سب کچھ اسے ہی کرنا ہے تو پھر دیر کیوں۔ تیاری میں اس

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہو گئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو راحت جبیں قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں لبنیٰ جدون قیمت: 250 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

نے صرف دس منٹ لگائے اور تقریباً "بیس منٹ بعد وہ توصیف احمد کے سامنے کھڑا تھا۔

"بیٹھو شمشیر علی! سب ٹھیک ہے نا؟" توصیف احمد نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی سر...!" وہ بیٹھ گیا۔

"کوئی آفیشل پرابلم ہے؟" توصیف احمد سگار ہاتھ میں لے کر اسے دیکھنے لگے۔

"نو سر! میں اس وقت آفیشل کام سے نہیں بلکہ پرسنل کام سے آپ کے پاس آیا ہوں۔" وہ فیصلہ تقدیر پہ چھوڑ کر پُراعتماد تھا۔

"ہاں کہو...!" توصیف احمد نے اب اپنا دھیان اس کی طرف منتقل کیا۔ وہ چند ثانیے کو رکا پھر بغیر کسی تمہید کے بولا تھا۔

"سر! میں اریبہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

توصیف احمد نے بے اختیار انگلیوں میں دبے سگار پر گرفت مضبوط کی تھی۔

شمشیر علی نے اپنی بات کہہ کر نظریں جھکالی تھیں اور اپنے چہرے پر توصیف احمد کی نظریں محسوس کرتے ہوئے ان کے بولنے کا منتظر تھا۔

"ہوں!" کتنی دیر بعد توصیف احمد نے ہنکارا بھر کر فقط اس قدر پوچھا۔ "تمہارے ماں باپ؟"

"جی! میری ماں میرے بچپن میں انتقال کرگئی تھیں' اس وقت میری بہن تاجور سال بھر کی تھی' پھر میرے باپ نے دوسری شادی کرلی اور وہ اپنے بال بچوں میں یوں مگن ہوگئے کہ میں اور تاجور کہیں پس منظر میں چلے گئے تھے۔ پھر اللہ نے مجھے ہمت دی' میں نے خود محنت مزدوری کرکے تعلیم حاصل کی اور آج میں آپ کے سامنے جو کچھ بھی ہوں۔ اپنی محنت کے بل بوتے پر ہوں۔ اس میں اللہ کی مدد کے سوا کسی کا حتیٰ کے میرے باپ کا تعاون بھی شامل نہیں ہے۔"

اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مختصراً "بتادیا جس پر توصیف احمد نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اس پر سے نظریں ہٹا کر نئے سرے سے سگار سلگانے لگے۔

شمشیر علی بہت کوشش سے بھی ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں کھوج سکا تو آس و نراس میں گھر گیا۔

"ٹھیک ہے شمشیر علی!" توصیف احمد سگار سلگانے کے بعد اسے دیکھ کر بولے۔ "میں اریبہ کی مدر سے بات کروں گا اور اریبہ کی مرضی معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ تم جانتے ہو وہ پڑھی لکھی اور باشعور لڑکی ہے۔ اگر وہ پسند کرے گی تو پھر شاید مجھے اور اس کی مدر کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"جی...!" اس کا دل ہلکورے لینے لگا تھا اور اب توصیف احمد کے سامنے بیٹھا بھی نہیں جارہا تھا۔

"میں جاؤں سر۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں۔" توصیف احمد نے سر اونچا کرکے اسے دیکھا۔ "اپنی بہن سے نہیں ملوگے؟"

"جی...!" وہ سٹپٹا گیا۔

"چلو' پھر آجانا' ابھی اریبہ اسے آؤٹنگ پر لے گئی ہے۔" توصیف احمد بظاہر سیدھے سادے انداز میں بولے تھے' لیکن ان کے چہرے پر محظوظ مسکراہٹ محسوس ہورہی تھی۔

"ٹھیک ہے سر! میں پھر آجاؤں گا۔" وہ جلدی سے ان سے ہاتھ ملا کر باہر نکل آیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی اریبہ کو فون کرڈالا۔

"کہاں ہو اریبہ؟" فون ریسیو ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

"اچھا' ٹھیک ہے۔ ابھی وہاں سے نکلنا مت۔ میں آرہا ہوں۔" اس نے اریبہ کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا اور سیل آف کرکے اسپیڈ سے گاڑی بھگادی تھی۔

* * *

تین دن بعد ثنا کی شادی تھی تو اسی سلسلے میں اریبہ' سارہ اور تاجور کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلی تھی۔ کپڑوں کے ساتھ میچنگ سینڈلز وہ لے چکی تھیں۔ اس کے بعد سارہ اور تاجور جیولری دیکھ رہی تھیں جب اس نے شمشیر علی کی کال ریسیو کی تھی۔ اسے جیولری کا بالکل شوق نہیں تھا۔ اس لیے وہ ایک طرف کھڑی تھی اور کیونکہ شمشیر علی نے اس کی بات ہی نہیں سنی تھی اور آنے کا کہا تھا تو اس کی نظریں گلاس ڈور سے باہر بھٹک رہی تھیں۔ اس وقت تک وہ بالکل نارمل تھی' لیکن جیسے ہی خودکار زینے سے شمشیر علی کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس کے اندر ہلچل مچ گئی تھی۔ بالکل غیر ارادی طور پر اس نے ایک نظر سارہ اور تاجور کو دیکھا پھر گلاس ڈور دھکیل کر تیز قدموں سے خودکار زینے کے عین سامنے آن کھڑی ہوئی۔

شمشیر علی اسے دیکھ کر دلکشی سے مسکرایا پھر قریب آکر بولا تھا۔

"تمہارے ڈیڈی تو بتارہے تھے' تاجور اور سارہ بھی تمہارے ساتھ ہیں۔"

"تم گھر گئے تھے؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"ہاں توصیف صاحب سے کام تھا۔" شمشیر علی کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اچھا! سارہ اور تاجور وہاں جیولری دیکھ رہی ہیں۔" اریبہ نے اس کی معنی خیز مسکراہٹ سے کترا کر دکان کی طرف اشارہ کیا تو وہ ایک نظر ادھر ڈال کر پوچھنے لگا۔

"کس سلسلے میں؟ آئی مین تمہاری شادی کی تیاری ہورہی ہے؟"

"ابھی تو میری کزن کی شادی ہے۔" وہ کہہ کر پھر تیز قدموں سے واپس پلٹی تو شمشیر علی بھی اس کے ساتھ آگیا اور تاجور کے سر پر چپت مار کر بولا۔

"کیا کررہی ہو؟"

"ہائے بھائی! آپ کیسے آگئے؟" تاجور اسے دیکھ کر خوش ہوگئی۔

"السلام علیکم۔" سارہ نے اسے دیکھ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام' کیسی ہو؟" وہ خوش دلی سے مسکرایا تو سارہ بے دھیانی میں اسے اور اریبہ کو ساتھ ساتھ دیکھے گئی۔

"جلدی کرو سارہ!" اریبہ نے سارہ کی نظروں سے کنفیوز ہو کر اسے ٹوکا تو وہ چونک کر بولی۔

"ہاں بس وہ پیک کررہا ہے تم وہاں پے منٹ کردو۔"

اریبہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی' لیکن اس کے پرس کھولنے تک شمشیر علی نے پے منٹ کردی تو وہ کچھ ناراضی سے اسے دیکھنے لگی۔

"ایک ہی بات ہے ہم کردیا میں۔" وہ مسکرا کر بولا تو وہ سارہ اور تاجور کو جلدی آنے کا کہتے ہوئے دکان سے نکل آئی۔

شمشیر علی' سارہ اور تاجور کو ساتھ لے کر اس کے پاس آتے ہی بولا۔

"میرا خیال ہے۔ اب کچھ ریفرشمنٹ ہوجائے۔"

"جی نہیں! ہمیں پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔" وہ عجلت دکھانے لگی۔

"کچھ دیر اور سہی۔" وہ دھیرے سے بولا۔ اس کے لہجے میں "میری خاطر" کا مان تھا۔ وہ سارہ کو دیکھنے لگی۔

"میں شیک پیوں گی۔" سارہ نے فوراً کہا تو وہ تاجور سے پوچھنے لگا۔

"اور تم۔۔۔؟"

"میں بھی شیک۔۔۔"

"چلو پھر۔" وہ کولڈ کارنر کی طرف بڑھ گیا تو اریبہ سارہ کے بازو میں چٹکی کاٹ کر بولی۔

"کیا ضرورت تھی۔"

"تھی نا۔ بے چارے بھائی جان اتنے پیار سے کہہ رہے تھے اور پیار سے تو کوئی زہر بھی پلائے تو پی لینا چاہیے۔" سارہ کی شوخی پر وہ دانت پیس کر رہ گئی۔

پھر کولڈ کارنر پر وہ مسلسل شمشیر علی کو نظر انداز کرنے کی کوشش میں لگی رہی۔ جانے وہ اتنا بے اختیار کیوں ہو رہا تھا۔

"آپ کچھ اور پییں گی؟" اس نے شیک کا گلاس خالی کیا تو وہ پوچھنے لگا۔

"نو تھینکس۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چلو سارہ!"

"آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں نا بھائی جان!" سارہ نے اٹھتے ہوئے شمشیر علی سے کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"پھر آؤں گا بلکہ فرصت سے آؤں گا۔"

"ضرور۔ چلو تاجور۔" سارہ، تاجور کے ساتھ شاپرز اٹھانے لگی تو شمشیر علی، اریبہ کو دیکھنے لگا۔ اعتراف کے بعد حیا نے اس کی آنکھوں کو بوجھل کر دیا تھا۔ وہ نظریں چراتی اچھی لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا اسے بتائے کہ وہ ابھی اس کے ڈیڈی سے اسے مانگ کر آ رہا ہے۔

"اف! یہ اسے کیا ہو گیا ہے۔" اریبہ کو اس کی نظروں سے گھبراہٹ ہونے لگی تو سارہ اور تاجور پر جھنجلاتے ہوئے چل پڑی اور راستے میں بھی انہیں سخت سست کہتے ہوئے گھر آئی تو یاسمین کے ساتھ اماں کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"السلام علیکم مما۔" وہ اور سارہ ایک ساتھ یاسمین سے لپٹی تھیں۔

"خوش رہو بیٹا۔ دیکھو میں تمہاری نانی اماں کو لے آئی ہوں۔" یاسمین دونوں کو پیار کر کے اماں سے بولی۔

"اماں! یہ آپ کی نواسیاں ہیں۔ اریبہ اور سارہ۔"

"السلام علیکم نانی اماں!" دونوں یاسمین کو چھوڑ کر اماں سے لپٹ گئیں۔

"ہاں، نانی کو دیکھا تو پیار آگیا۔" اماں کی محبت امڈ آئی۔ باری باری دونوں کو چومنے لگیں۔

"تاجور! آؤ بیٹا۔" یاسمین نے تاجور کی طرف بانہیں پھیلائیں تو اریبہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر وہ مزید حیرت میں گھر گئی کہ اگلے پل یاسمین، تاجور کو کھینچ کر سینے سے لگاتے ہوئے رو رہی تھی۔

"مما!" اریبہ، سارہ کو ادھر متوجہ کرتے ہوئے اٹھ کر یاسمین کے پاس آگئی۔

"کیا ہوا مما۔۔۔؟"

یاسمین نے ہاتھ کے اشارے سے اسے تسلی دی پھر تاجور کو اماں کے قریب کر کے بولی۔

"اماں! یہ ہے جمیلہ آپا کی بیٹی۔"

"جمیلہ آپا۔" اریبہ اور سارہ نے نہ سمجھنے کے انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ تاجور حیران تھی۔

"ہاں بیٹا! جمیلہ آپا میری ماموں زاد بہن تھیں، تاجور ان ہی کی بیٹی ہے اور دیکھو، مجھے پتا ہی نہیں تھا۔" یاسمین اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بتانے لگی۔ "ابھی میں اماں کے ساتھ اس کے گھر گئی تھی تو وہاں سے مجھے پتا چلا کہ یہ تو میری اپنی ہے۔ میری پیاری جمیلہ آپا کی بیٹی۔"

"ارے یہ تو سچ مچ ہماری بہن نکلی اور بھائی جان بھی اپنے ہیں۔" سارہ نے خوش ہو کر کہا تو وہ اس نئے رشتے کو سوچتے ہوئے زیر لب مسکرائی پھر تاجور کو دیکھنے لگی اماں اسے سینے سے لگائے کہہ رہی تھیں۔

"تیری ماں بڑی نیک عورت تھی۔ نیکوں کی اولاد کو اللہ رُلنے نہیں دیتا۔ آپ حفاظت کرتا ہے ان کی۔ دیکھ تو کیسے اپنوں میں آگئی ہے۔" تاجور سمجھ رہی تھی یا نہیں، بس سر ہلائے جا رہی تھی۔

اریبہ نے بے اختیار یاسمین کو دیکھا پھر فوراً نظریں چرا کر اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ اچانک متضاد کیفیات میں گھر گئی تھی۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک اور اچھا لگ رہا تھا پر جانے کیوں دل اداس ہو گیا تھا۔

"شام کو پتا چلے گا کہ ہم کزن ہیں تو۔۔۔" اس نے سوچتے ہوئے پرس میں سے سیل فون نکال لیا کہ شمشیر علی کو اس نئے رشتے کے بارے میں بتائے، لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے سیل واپس رکھ دیا تھا۔

* * *

رات کے کھانے پر توصیف احمد بھی موجود تھے۔ اسی وقت یاسمین نے انہیں تاجور کے بارے میں بتایا کہ وہ اس کی ماموں زاد بہن کی بیٹی ہے۔ جس پر توصیف احمد چونک کر تاجور کو دیکھنے لگے۔ کچھ بولے نہیں تھے، کیونکہ ان کا ذہن پہلے ہی شمشیر علی کو سوچ رہا تھا۔ اس نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا تھا تو یہ نہیں تھا کہ انہیں اس کی باتوں پر یقین نہیں تھا۔ یقین کے باوجود بھی انہیں اپنے طور پر اس کا فیملی بیک گراؤنڈ دیکھنا تھا جو اب اچانک ان کے سامنے آگیا تھا تو انہیں اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

"اس کا بھائی شمشیر علی، مجھے سارہ نے بتایا ہے کہ وہ آپ کے آفس میں ہوتا ہے۔" یاسمین نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولے۔

"ہاں میرے نئے آفس میں جی ایم ہے۔"

"جی ایم۔۔۔!" یاسمین حیران ہوئی۔ "اس کا مطلب ہے پڑھا لکھا ہے۔"

"ظاہر ہے۔ کسی ان پڑھ کو تو میں جی ایم بنانے سے رہا۔ اچھا، محنتی، ایمان دار لڑکا ہے۔" توصیف احمد نے دوسری بات کہتے ہوئے اریبہ پر نظر ڈالی تھی جس کے چہرے پر ایک رنگ لہرایا تھا۔

"مجھے خوشی ہوئی۔ جمیلہ آپا کا خواب پورا ہو گیا۔" یاسمین نے کہا پھر تاجور سے پوچھنے لگی۔

"بیٹا! تم نے شمشیر کو بتایا؟"

"جی خالہ! بھائی بہت خوش ہوئے۔ کہہ رہے تھے، صبح آپ سے ملنے آئیں گے۔" تاجور کی جھجک فطری تھی۔ وہ خوشی کا برملا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

"اچھی بات۔"

"اوکے، سارہ بیٹا! کھانے کے بعد مجھے کافی دے دینا؟" توصیف احمد نے اٹھتے ہوئے کہا تو یاسمین یہی سمجھی کہ وہ تاجور اور شمشیر کے موضوع سے اکتا کر جا رہے ہیں۔ اس نے کن انکھیوں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور کچھ خائف ہو گئی کہ پتا نہیں توصیف احمد اب اس کے رشتہ داروں کو یہاں برداشت کریں گے کہ نہیں۔

"آپ کیا سوچنے لگیں مما۔" سارہ نے پوچھا تو وہ چونک کر بولی۔

"کچھ نہیں بیٹا! تم جلدی سے ڈیڈی کے لیے کافی بنا دو۔ میں اماں کو دیکھ لوں نئی جگہ پر پتا نہیں انہیں نیند آتی ہے کہ نہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں مما! میں نانی اماں کے ساتھ سوؤں گی۔" سارہ شوق سے بولی تو یاسمین سر ہلاتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ آئی اور پہلے اس نے اماں کی طرف سے اطمینان کیا پھر اپنے کمرے میں آتے ہوئے رک گئی۔

توصیف احمد وہیں بیٹھے تھے اور جانے کس سوچ میں گم تھے کہ انہیں یاسمین کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

"توصیف۔" اپنے تئیں ان کی سوچ تک رسائی کی کوشش میں ناکام ہو کر یاسمین نے دھیرے سے پکارا۔

"ہوں۔" توصیف احمد چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ یاسمین کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

"بیٹھو، مجھے کچھ بات کرنی ہے۔" توصیف احمد نے سہولت سے کہا تو وہ پھر اپنے طور پر قیاس کرتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھتے ہی بے اختیار بولی تھی۔

"اماں آنا نہیں چاہ رہی تھیں۔ میں زبردستی۔"

"ہاں ! اچھا کیا۔ بہت اچھا کیا تم انہیں اپنے ساتھ لے آئیں وہاں کوئی ان کا خیال کرنے والا نہیں تھا۔"

توصیف احمد نے اس کی سوچ پر پانی پھیر دیا تھا۔

"ہاں لیکن آپ۔ میرا مطلب ہے، آپ تو یہاں سے ہی اماں کا خیال کر رہے تھے۔ ان کے اخراجات کے لیے ماہانہ رقم بھیجتے رہے ہیں۔" یاسمین احسان مندی سے مغلوب ہو کر بولی تھی۔

"میرا خیال ہے، یہ میرا فرض بنتا تھا۔ تم اسے احسان مت سمجھو۔" توصیف احمد کا ظرف تھا کہ انہوں نے جتانے کے بجائے یاسمین کو بھی ٹوک دیا تھا۔

"کیسے نہ سمجھوں احسان! میں نے بیٹی ہو کر کبھی پلٹ کر ان کی خبر نہ لی اور آپ نے میری بدسلوکی کے باوجود میرے ماں باپ کا خیال کیا۔ آپ انسان نہیں۔"

"بس۔ مجھے فرشتہ مت بناؤ۔" توصیف احمد ہاتھ اٹھا کر بولے تو یاسمین نے سر جھکا لیا اور اپنی ہمتیں یکجا کرنے لگی۔

وہ توصیف احمد سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ ان کی چاہت کو سمجھنے کے باوجود وہ قصداً انہیں اذیت پہنچاتی رہی، وہ ان کی گنہگار ہے اور جب تک وہ اسے معاف نہیں کریں گے۔ اللہ بھی اسے معاف نہیں کرے گا۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ سارہ توصیف احمد کے لیے کافی لے آئی۔

"ڈیڈی! آپ کا سیل آف ہے کیا؟" سارہ نے کافی کا مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر پوچھا تو یاسمین بلا ارادہ متوجہ ہو گئی تھی۔

"پتا نہیں بیٹا! وہاں سٹنگ روم میں رکھا ہے۔ کیوں کیا ہوا۔"

"وہ خالدہ آنٹی کا فون آیا تھا۔ پوچھ رہی تھیں۔ آپ یہیں رکیں گے؟" سارہ نے بتایا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولے۔

"ہاں ! آپ انہیں فون کر کے بتا دو میں آج یہیں ہوں۔"

"جی!" سارہ چلی گئی تو انہوں نے کافی کا مگ اٹھا کر یاسمین کو دیکھا۔ وہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔ مجھے لگ رہا ہے تم کسی الجھن میں ہو۔" انہوں نے کہا تو یاسمین ایک دم اٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

"مجھے معاف کر دیں توصیف! میں نے آپ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے اور انجانے میں نہیں بلکہ جان بوجھ کر آپ کو زک پہنچاتی رہی۔ اپنی جھوٹی انا اور ضد میں میں یہ بھی بھول گئی کہ میں کسی اور کا نہیں، اپنا اور اپنی اولاد کا نقصان کر رہی ہوں۔" وہ رونے لگی۔

توصیف احمد کے لیے اب یہ ساری باتیں بے معنی تھیں کیونکہ انہوں نے خود کو اس کا پابند نہیں رکھا تھا۔ وہ اپنی زندگی جی رہے تھے۔ پھر وہ بہت پریکٹیکل تھے۔ اس لیے یاسمین کے رونے کا نوٹس لیے بغیر کہنے لگے۔

"بھول جاؤ سب۔ یہ ماضی پر کڑھنے کا وقت نہیں ہے۔ اس وقت ہمیں اپنے بچوں کا مستقبل سوچنا ہے۔"

یاسمین ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"ہاں ! مجھے اریبہ سے متعلق بات کرنی ہے۔ بیٹھ جاؤ آرام سے۔" انہوں نے کہا تو یاسمین کسی روبوٹ کی طرح وہیں بیٹھ گئی۔ اصل میں وہ ہرٹ ہوئی تھی کہ اس کی بات ابھی شروع ہی نہیں ہوئی تھی کہ ختم ہو گئی تھی۔ توصیف احمد کافی کا گھونٹ لے کر کہنے لگے۔

"اریبہ کے لیے پروپوزل آیا ہے۔ میں شام سے اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اچھا ہوا تم آ گئیں۔ میں اس معاملے کو طول نہیں دینا چاہتا۔ مجھے لڑکا پسند ہے تم اریبہ کی مرضی معلوم کر لو تو۔"

"کون ہے؟" یاسمین نے بے صبری سے پوچھا۔

"شمشیر علی۔ میں اسے بہت عرصے سے جانتا ہوں، البتہ یہ ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ تمہاری کسی عزیزہ کا بیٹا ہے۔"

توصیف احمد نے بتاتے ہوئے کہا تو یاسمین انہیں دیکھنے لگی۔ وہ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت میں گھر گئی تھی۔ زندگی کے اسرار و رموز سمجھنا آسان نہیں ہے۔ طویل سفر کے بعد جب یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ہم وہیں کھڑے ہیں جہاں سے چلے تھے تو عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔

"میں چاہتا ہوں تم جلدی اریبہ کی مرضی معلوم کر لو بلکہ ابھی اگر وہ ایگری کرتی ہے تو پھر میں ثنا کی شادی سے پہلے اریبہ کا نکاح کر دوں گا۔" توصیف احمد جانے کیا سوچے بیٹھے تھے۔

"اتنی جلدی۔" یاسمین الجھ گئی۔

"ہاں ! میں اپنی بیٹی کو کسی کمپلکس کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتا۔ ثنا کی شادی پر کوئی میری بیٹی پر ترس کھائے، یہ مجھے گوارا نہیں۔ اس لیے تم ابھی اریبہ سے بات کر لو۔ وقت کم ہے۔ صرف دو دن۔" انہوں نے کہا تو یاسمین قدرے سناٹے میں بولی تھی۔

"اگر اریبہ نے منع کر دیا؟"

"نہیں کرے گی۔ اریبہ منع نہیں کرے گی۔" توصیف احمد اتنے پُریقین ایسے ہی نہیں تھے انہیں شمشیر علی کا خود آ کر اریبہ سے شادی کا کہنا بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

* * *

اس وقت ساجدہ بیگم، امینہ اور خالدہ تینوں خواتین کا موضوع یاسمین تھی۔ بات اس کے میکے سے شروع ہوئی تھی کہ اتنے برسوں بعد یہ اچانک اس کا میکہ کہاں سے آ گیا، پھر انہیں اس میں بھی یاسمین کی چالیں نظر آنے لگیں۔ امینہ کا کہنا تھا کہ یاسمین کے اپنے اعمال اس کے سامنے آ گئے ہیں۔ وہ جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی تو اریبہ کی گمشدگی پر رازی سے رشتہ ختم ہو جانے کی وجہ سے اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ اس لیے وہ میکے کے بہانے نہیں چلی گئی ہے صرف ثنا کی شادی سے فرار کی خاطر کہ خاندان والوں کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ امینہ کی اس بات سے ساجدہ بیگم اور خالدہ اتفاق کر رہی تھیں کہ اس وقت یاسمین آ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگ تھے اور چہرے پر کھلتی ہوئی مسکراہٹ سے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی محاذ فتح کر کے آ رہی ہو۔

"السلام علیکم!" یاسمین نے قریب آ کر سلام کیا تو امینہ بوکھلا گئیں۔ لیکن ساجدہ بیگم نے خوب صورتی سے بات گھما دی۔

"وعلیکم السلام! بڑی عمر ہے تمہاری۔ ابھی ہم تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے۔"

"اچھا۔" یاسمین نے اس بات کو طول نہیں دیا۔ کیونکہ سب کے چہروں سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ اس کا ذکر

کن لفظوں میں ہو رہا تھا۔

"میں پرسوں ہی آجاتی۔ لیکن میری اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے میں رک گئی اور شاید ابھی بھی نہ آپاتی۔ لیکن ادھر توصیف نے۔۔۔" یاسمین نے قصداً" بات ادھوری چھوڑ کر شاپنگ بیگ اٹھا لیے اور ان میں سے ایک ایک چیز نکال کر ساجدہ بیگم کے سامنے رکھنے لگی۔

"بھابھی! یہ ثنا کا جوڑا ہے۔ یہ آپ کا۔۔۔ اور یہ جیولری سیٹ ثنا کے لیے ہے۔"

"ماشاء اللہ" امینہ نے جیولری سیٹ دیکھ کر بے ساختہ کہا۔ "اللہ پہننا نصیب کرے۔"

"آمین۔"

"بچیوں کو بھی لے آتیں۔ شادی کا گھر ہے۔ یہ ہی تو موقع ہوتا ہے' لڑکیاں ہنس کھیل لیتی ہیں۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو یاسمین ہنس کر بولی۔

"کیسے لے آتی بھابھی! میرے اپنے گھر میں افراتفری مچی ہے۔ اریبہ کا نکاح ہے ناں۔"

"اریبہ کا نکاح؟" ساجدہ بیگم سمجھنے' نہ سمجھنے کی کیفیت میں گھر گئیں۔ جبکہ امینہ اچھل پڑی تھیں۔

"ہائیں! اریبہ کا نکاح؟ کب؟ کہاں؟ ہمیں تو پتا ہی نہیں۔"

"مجھے بھی پتا نہیں تھا۔ توصیف نے آناً" فاناً" طے کر کے مجھے بلا لیا۔ ویسے بات تو کافی پہلے سے چل رہی تھی۔" یاسمین کو باتیں بنانے میں تو ویسے بھی کمال حاصل تھا۔ ابھی بھی اس نے خوب صورتی سے ساری بات توصیف احمد پر ڈال دی تھی۔ پھر بظاہر سادگی سے ساجدہ بیگم سے پوچھنے لگی۔

"آپ کو تو توصیف نے بتایا ہو گا نا بھابھی؟"

"نہیں۔" ساجدہ بیگم جُز بُز ہوئی تھیں۔

"اچھا! خیر۔ کل شام میں اریبہ کا نکاح ہے۔ آپ سب کو ضرور آنا ہے۔ اتنی جلدی میں کارڈ تو نہیں چھپ سکے۔ اس لیے میں خود آگئی ہوں۔ امینہ! تم سے یہیں کہہ دوں یا تمہارے گھر آؤں؟" یاسمین نے اچانک امینہ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"ارے نہیں بھابھی! بس آپ نے کہہ دیا۔۔۔ نہ بھی کہتیں تو میں ضرور آتی۔ بھتیجی کی خوشی میں میں نہیں آؤں گی تو کون آئے گا۔" امینہ خجالت مٹانے کو خوشی کا اظہار کرنے لگیں تو ساجدہ بیگم کو بھی کہنا پڑا۔

"ہاں یاسمین! یہ تو گھر کی بات ہے۔"

"ویسے بھابھی! کہاں کیا ہے اریبہ کا رشتہ؟" امینہ نے پوچھا۔

"توصیف کے جاننے والے ہیں۔" یاسمین اس قدر کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اچھا بھابھی! گھر میں بہت کام ہیں۔"

"ہاں چلو اللہ مبارک کرے۔ تمہیں بھی بہت مبارک ہو۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو یاسمین مسکرائی۔ پھر خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ خالدہ بھابھی! آپ کو تو بھائی توصیف نے بتایا ہو گا؟" یاسمین کے جاتے ہی امینہ نے خالدہ سے پوچھا تو خالدہ جو اس عرصے میں خاموش سر جھکائے بیٹھی تھیں' ناگواری سے بولیں۔

"نہیں! توصیف میرے ساتھ اس گھر کے معاملے شیئر نہیں کرتے اور نہ میں پوچھتی ہوں۔"

"خیر! یہ تو اچھی بات ہے۔" ساجدہ بیگم نے خالدہ کی کیفیت سمجھتے ہوئے کہہ کر بات بدل دی۔ "چلو! اب بیٹھی باتیں نہ بناتی رہو۔ کچھ تیاری کرو۔ نکاح میں بھی دینا دلانا تو ہو گا ناں۔"

"ہاں! مجھے بھی گھر جانا پڑے گا۔ طیبہ کہاں ہے؟ ہمیر کو فون کر دے۔ آکر ہمیں لے جائے" امینہ پر اب

بوکھلاہٹ سوار ہو گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

شمشیر علی تو پہلے ہی تقدیر پر یقین رکھتا تھا اور تقدیر کی ستم ظریفوں پر جہاں پہلے وہ رویا تھا تو اب تقدیر کے پلٹا کھانے پر بے پناہ خوش تھا۔ جب ماجور نے اسے بتایا تھا کہ یاسمین اس کی خالہ ہے تو وہ اسی وقت اس سے ملنے کو بے چین ہو گیا تھا اس وقت اسے اریبہ سے رشتے داری کے احساس سے زیادہ اپنی اماں کا خیال آیا تھا کہ یاسمین اس کی ماں کی قریبی عزیز ہے۔ بچپن میں اس نے اپنے نانا نانی کو دیکھا تھا اور ان کی آغوش میں اسے اپنی ماں کی خوشبو ملتی تھی۔ پھر نانا نانی کے بعد وہ اس خوشبو کو ترس گیا تھا۔ تو اب اسے یہ خیال آیا تھا کہ خالہ بھی ماں جیسی ہوتی ہے۔ بہرحال رات اس نے بمشکل کاٹی تھی اور صبح ناشتا کیے بغیر ہی توصیف ولا پہنچ گیا تھا۔ جہاں یاسمین نے اسے گلے لگایا اور پھر یہ مژدہ بھی سنایا تھا کہ توصیف احمد اس کے رشتے سے نہ صرف خوش ہیں۔ بلکہ فوراً" اس کا اور اریبہ کا نکاح بھی کرنا چاہتے ہیں۔ شمشیر علی کو گو کہ فوراً" کی منطق سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن اس نے کوئی سوال بھی نہیں اٹھایا تھا۔ وہ یاسمین کی باتوں پر "جی اور جیسا آپ بہتر سمجھتے ہیں۔" ہی کہتا رہا تھا۔

اس کے بعد اس کا بہت دل مچلا تھا کہ وہ اریبہ سے ملے۔ لیکن وہ ہی نہیں آئی تھی اور رات سے اس نے اپنا سیل فون بھی بند کر رکھا تھا۔ جانے وہ اب اس سے بات کرنے سے جھجک رہی تھی یا اسے تڑپانا مقصد تھا۔ اس نے آتے ہوئے سارہ سے کہا تھا کہ وہ اریبہ کا سیل فون آن کرے اور پھر گھر آکر وہ کل اپنے نکاح کی تیاریوں کے ساتھ وقفے وقفے سے اس کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ کہیں سہ پہر میں جا کر اریبہ نے اس کی کال ریسیو کی تھی۔

"اف میرے خدا! کیسی ظالم لڑکی ہو۔ میں کل سے پاگل ہو رہا ہوں اور صبح تو میرا ہارٹ فیل ہونے والا تھا۔" وہ چھوٹتے ہی شروع ہو گیا تھا کہ ادھر اریبہ نے نرمی سے ٹوکا۔

"کیوں؟"

"کیوں؟" وہ سر پیٹنے کے انداز میں بولا۔ "یعنی تم سمجھتی ہی نہیں۔"

"اگر تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میرے کزن ہونے کا شرف حاصل ہونے پر تم خوشی سے پاگل ہوئے جا رہے تھے اور پھر اتنی جلدی نکاح کا سن کر تمہارا ہارٹ فیل ہونے والا تھا تو یہ تو کوئی ایسی باتیں نہیں ہیں۔"

اریبہ ابھی بھی نرمی سے بولی تھی۔ شمشیر علی نے سیل فون کان سے ہٹا کر اسے یوں دیکھا۔ جیسے اریبہ کا چہرہ دیکھ رہا ہو۔ پھر دوبارہ کان سے لگا کر بولا۔

"ہاں! واقعی۔ یہ تو کوئی ایسی باتیں نہیں ہیں۔"

"پھر تم کیوں پاگل ہو رہے تھے؟" اب اریبہ کا محظوظ لہجہ محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی تم بتاؤ۔ کل کا کیا پروگرام ہے؟" اس نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں یوں پوچھا تھا کہ اریبہ بے ساختہ بولی تھی۔

"کیسا پروگرام؟"

"صرف نکاح؟ یا رخصتی بھی متوقع ہے؟" وہ کوشش سے بھی خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔ شریر ہو گیا تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" خلاف توقع اریبہ نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ رک کر بولا۔

"میری چاہت تم ہو اور جیسا تم چاہو گی۔"

"تو پھر انتظار کرو۔" وہ فوراً" بولی۔

"جو حکم۔" اس نے سر تسلیم خم کیا۔ پھر پوچھنے لگا۔ "ایک بات مانو گی؟"

"تم ایک دن رک جاؤ۔ پھر تو تمہیں ایک نہیں' ہر بات منوانے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔" اریبہ سنجیدہ تھی لیکن اس نے کچھ بتایا نہیں تھا۔ پھر بھی وہ محسوس کرکے بولا۔

"میں اختیار کا ناجائز استعمال گناہ سمجھتا ہوں۔"

"جانتی ہوں۔ لیکن اپنے معاملے میں میں تمہیں جائز اور ناجائز سے آزاد کر رہی ہوں۔ تمہیں جہاں لگے میں غلط ہوں اور ٹوکنے' سمجھانے کا بھی مجھ پر اثر نہیں ہو رہا تو بے شک میرا حلیہ بگاڑ دینا۔ مجھے شوٹ بھی کر سکتے ہو۔ میں اپنا خون بہا بھی تمہیں معاف کر رہی ہوں۔" وہ جانے کس احساس میں گھری تھی۔ شمشیر علی ٹھٹک گیا۔

"اریبہ! تم ٹھیک تو ہو۔ یہ سب کچھ تمہاری مرضی سے ہو رہا ہے ناں ؟"

"ہاں۔" اریبہ نے "ہاں" کہتے ہی سیل فون بند کر دیا تھا۔

وہ پریشان ہو گیا۔ کیا ہو گیا تھا اسے؟ کہاں تو جان دینے لینے کی بات کر رہی تھی اور اب ایک دم جیسے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس کی دل گرفتی محسوس کرتے ہوئے شمشیر علی کا ہر شے سے جی اچاٹ ہو گیا۔

"خوشیوں میں یہ کون سا رنگ گھل جاتا ہے کہ ساری چمک دمک ماند پڑ جاتی ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے اریبہ کا نمبر ٹرائی کیا اور حسب توقع "پاور ڈ آف" سن کر پہلے مایوس ہوا۔ پھر اچانک خیال آنے پر تاجور کو فون کیا تو اس کی کھنکتی ہوئی آواز آئی تھی۔

"بھائی! مجھے اتنا اچھا لگ رہا ہے۔ بہت خوشی ہو رہی ہے۔"

"اچھا! کل کی تیاری کرلی؟" اصل میں وہ اریبہ کی تیاری پوچھنا چاہتا تھا۔

"جی! خالہ میرے لیے اتنے اچھے اچھے سوٹ لائی ہیں۔ وہ ہی پہنوں گی اور سارہ کہہ رہی تھی ہم رات میں مہندی بھی لگائیں گے۔" تاجور نے بتایا تو وہ بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔

"اور اریبہ کیا کر رہی ہے؟"

"اریبہ باجی اپنے کمرے میں ہیں۔ ابھی سارہ انہیں بہت تنگ کر رہی تھی۔ چھیڑ رہی تھی آپ کا نام لے لے کر۔" تاجور مزے لے کر بتا رہی تھی کہ اس نے بے صبری سے ٹوکا۔

"پھر؟"

"پھر اریبہ باجی شرما کر اپنے کمرے میں بند ہو گئیں۔" تاجور ہنسنے لگی تو وہ تصور کی آنکھ سے اریبہ کو شرماتے ہوئے دیکھنے لگا۔

ادھر تاجور پتا نہیں کیا کہہ رہی تھی۔ اس نے "ہوں ہاں" کرکے فون بند کر دیا۔ پھر اپنے آپ بڑبڑایا تھا۔

"عجیب لڑکی ہے۔"

* * *

رازی اپنے کمرے میں ساجدہ بیگم کو بیٹھے دیکھ کر یہ ہی سمجھا کہ وہ اس سے کل ہونے والے ثنا کی مہندی کے فنکشن کے انتظامات کے بارے میں پوچھیں گی اور ابھی ٹریفک جام میں پھنسنے کے باعث اس کا ذہن اس بری طرح چیخ رہا تھا کہ وہ مزید مغزماری نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے ان کے پوچھنے سے پہلے ہی کہنے لگا۔

"سارے انتظام ہو گئے ہیں امی! آپ اطمینان رکھیں۔ کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہو گی۔ بس آپ سب سے کہہ دیں' وقت کی پابندی کریں۔ نو بجے کلب پہنچ جائیں سب۔"

"نو بجے... ہاں! وہاں سے تو ہم جلدی فارغ ہو جائیں گے۔" ساجدہ بیگم نے اریبہ کے نکاح کا سوچتے ہوئے کہا۔

"مہندی کا فنکشن ہے امی! جلدی کہاں فارغ ہوں گے؟" وہ اپنے حساب سے بولا تو ساجدہ بیگم نے چونک کر دیکھا۔ پھر سانس کھینچ کر بولیں۔

"میں مہندی کے فنکشن کی بات نہیں کر رہی۔"

"پھر؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کل اریبہ کا نکاح ہے۔" ساجدہ بیگم کہہ کر نظریں چرا گئیں۔ جبکہ وہ یوں دیکھے گیا۔ جیسے اس کی سماعتوں نے غلط سنا ہو۔ پھر ساجدہ بیگم کی خاموشی محسوس کرکے بولا۔

"اریبہ کا نکاح؟"

"ہاں! آج یاسمین آئی تھی۔ وہ ہی بتا گئی ہے۔ بلکہ بلاوا بھی دے گئی ہے۔ جانا تو پڑے گا۔"

"ہاں! لیکن اس طرح اچانک... میرا مطلب ہے 'کل تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" وہ یقین اور غیر یقینی میں الجھ کر بولا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو 'کل تک ایسی بات نہیں تھی؟" ساجدہ بیگم کے ٹوکنے پر وہ صاف گوئی سے کہنے لگا۔

"کل میری سارہ سے بات ہوئی تھی۔ اس نے تو اشارتاً" بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ پھر امی! آپ سوچیں اگر پہلے سے سب طے ہوتا تو چچا جان دن' تاریخ کا خیال رکھتے کیا! نہیں پتا نہیں ہے 'کل ثنا کی مہندی ہے؟"

"کیوں پتا نہیں ہے۔ ساری تاریخیں وہ خود تو طے کر گئے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے خیال نہیں کیا۔ ابھی صرف نکاح ہی کرنا تھا تو ثنا کی شادی کے بعد بھی ہو سکتا تھا۔"

"آپ نے یہ بات یاسمین آنٹی سے نہیں کہی؟"

"کیسے کہتی؟ یاسمین تو خود اپنے آپ کو انجان ظاہر کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی توصیف نے سب آناً "فاناً" طے کرکے اسے میکے سے بلوالیا۔ مجھے تو یہ بات ہضم نہیں ہو رہی۔" ساجدہ بیگم کو غصہ جانے کس بات پر تھا۔

"خیر! آپ کو ان سب باتوں سے کیا لینا دینا۔ یہ بتائیں! اریبہ کا نکاح کہاں اور کس سے ہو رہا ہے؟ اب یہ مت کہہ دیجیے گا کہ یاسمین آنٹی کو یہ بھی پتا نہیں تھا۔" اس نے ساجدہ بیگم کا موڈ ٹھیک کرنے کی خاطر ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔ جبکہ وہ ان سے زیادہ محسوس کر رہا تھا۔

"میں نے زیادہ نہیں کریدا۔ جو یاسمین نے کہا سن لیا تھا۔ وہ بھی میں نے نہیں آمنہ نے پوچھا تھا۔"

"ہاں تو یاسمین آنٹی نے کیا بتایا تھا؟" وہ بہت کوشش سے اپنا تجسس چھپا رہا تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہو گئے ہیں

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو راحت جبیں قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں لبنیٰ جدون قیمت: 250 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"ہیں تو توصیف کے جاننے والے۔" ساجدہ بیگم اسے یوں دیکھنے لگیں۔ جیسے وہ توصیف احمد کے سمجھانے والوں سے واقف ہو۔ ذہن تو اس کا بھی ادھر ادھر بھٹکنے لگا تھا۔ لیکن وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا چلیں۔ اب آپ آرام کریں۔ مجھے بھی صبح جلدی اٹھنا ہے۔"

ساجدہ بیگم سمجھ گئیں۔ وہ اس موضوع سے پیچھا چھڑا رہا ہے۔ جب ہی کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلی گئیں۔ تنہا ہوتے ہی رازی کو لگا۔ جیسے وہ زندگی ہار گیا ہو۔ جانے ہم یہ کیوں سمجھ لیتے ہیں کہ ہماری کج ادائیوں کے باوجود وہ تمام عمر انتظار کی دہلیز پر بیٹھا رہے گا۔

"رازی! کیا تم اب بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" اس وقت خود ترسی کا شکار اس لڑکی پر اسے ٹوٹ کر ترس آیا تھا۔ پھر بھی اس نے اسے مایوس کر دیا تھا۔

"ہاں! لیکن کروں گا نہیں۔"

کاش وہ اسے بتا سکتا کہ اس کے "نہیں" میں کیا اسرار تھا۔ وہ جان لیتی تو شاید خود ہی اسے ٹھوکر مار کر چلی جاتی۔ جب ہر دو صورتوں میں جدائی مقدر ہونے جا رہی تھی تو پھر خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔ اب وہ خود ترسی کا شکار تھا۔ سینے پر بھاری بوجھ سے سانس لینا دشوار ہو گیا تھا۔ اس نے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ لیکن ہوا ساکن تھی۔ پوری کائنات نے جیسے دم سادھ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

شام سے بہت پہلے توصیف ولا میں مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ کیونکہ عصر کے فوراً بعد نکاح تھا۔ اس کے بعد ہائی ٹی رکھی گئی تھی۔ پھر سب کو ثنا کی مہندی میں جانا تھا۔ بلال رازی کو نہ چاہتے ہوئے بھی آنا پڑا۔ کیونکہ گھر سے ناتا توڑنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ یہاں سے اسے سارہ کو بیاہ کر لے جانا تھا۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا تو شاید وہ کبھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ مجبوری بھی انسان سے کیا کیا کرواتی ہے۔ سب سے پہلے انا اور خودداری کے لاشے اٹھتے ہیں۔ دل پر پتھر رکھے وہ توصیف احمد کے ساتھ ساتھ لگا رہا۔ آخر میں خاص مہمانوں کے استقبال کے لیے بھی وہ ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ جب شمشیر علی گاڑی سے نکلا تو وہ بلا ارادہ اسے دیکھے گیا۔ اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اس بات کی غماز تھی کہ وہ اریبہ کے دل پر اپنی محبت کے جھنڈے گاڑ چکا ہے۔ بلاشبہ وہ اس کا اہل تھا۔

رازی نے توصیف احمد کو اس کی طرف بڑھتے دیکھا۔ پھر وہ وہاں ٹھہر نہیں سکا۔ یوں بھی اسے راستے سے ہٹنا تھا۔ الٹے قدموں پیچھے ہٹتے ہوئے وہ اندر چلا آیا اور پھر نکاح تک اسے کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں اور کیا کرتا پھر رہا ہے۔ جب مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ تب وہ چونک کر جہاں تھا' وہیں رک گیا۔ پھر سب پر سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں سارہ پر جا ٹھہریں۔ سارہ کے چہرے پر مسکراہٹ۔ لیکن آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔ پھر سارہ کے قریب آکر بولا۔

"مبارک ہو۔" سارہ نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ کہنے لگا۔

"زندگی جینا آسان نہیں ہے۔ یہ ہمیں من مانی تو کرنے ہی نہیں دیتی۔ جانتی ہو ابھی میرا کیا دل چاہ رہا ہے؟"

"نہیں اور بتائیے گا بھی مت۔ میں نہیں سننا چاہتی۔" سارہ کے تھکے لہجے نے اسے خاموش کر دیا تھا۔

"آپ نے اریبہ کو خود سے بدظن کرنے کے لیے جو ڈرامہ رچایا اس کے لیے شکریہ۔ باقی آپ مجھ سے کوئی امید مت رکھیں۔"

سارہ ہنوز تھکے انداز میں کہہ کر پلٹ گئی' وہ سناٹے میں کھڑا تھا۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں :-

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رزیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی گتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے
ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں
اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook
fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بدمزاجی اور بدزبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ، جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جبکہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوجاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

وہ اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے، مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے، تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خودسر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹرسائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے مگر وہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصے میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کرلیتا ہے اور تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے اسپتال داخل کروا دیتا ہے۔

اریبہ' یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے' مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کر دیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔

اجلال رازی' اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔

یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچا لیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی' توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔

وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اریبہ' ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔

رازی' اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔ تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔

توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جا کر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے۔ مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہو جاتی ہے۔

یاسمین' اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑ جاتی ہے۔ مگر اریبہ دوٹوک انداز میں منع کر دیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔

بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال' اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہو جاتا ہے۔ اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر سے بات کرتی ہے۔ مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے۔ وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کرلیتا ہے۔

اریبہ کے اغوا ہو جانے پر سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ اجلال' ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

شمشیر علی کو اریبہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ وہ اریبہ کو اپنا سیل فون دے دیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے رابطہ کرلے۔ اریبہ اجلال کو فون کرتی ہے' مگر وہ سرد مہری سے بات کرتا ہے تو اریبہ کچھ بتائے بغیر فون بند کر دیتی ہے۔ شمشیر علی نے ابراہیم بابا جی سے اسکیچنگ سیکھ کر تاجور کی تصویر بنائی تو اریبہ اسے دیکھ کر فوراً" پہچان گئی۔ اس نے شمشیر کو بتایا کہ اریبہ اس کے گھر میں حفاظت سے ہے۔ شمشیر اب اریبہ کو واپس پہنچانا چاہتا تھا' لیکن اریبہ نہیں چاہتی ہے کوئی شمشیر علی کو مجرم سمجھے۔ وہ ایک منصوبہ بناتی ہے۔ جس کے تحت شمشیر علی اسے اسپتال میں داخل کرا کے توصیف احمد کو اطلاع کرتا ہے۔ توصیف احمد اس کے ساتھ اسپتال جاتے ہیں اور اریبہ کو گھر لے آتے ہیں۔

اریبہ کو دیکھ کر اجلال کو محسوس ہوا کہ وہ اس کی محبت سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا مگر پھر ساجدہ بیگم سے سارہ سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کر دیتا ہے۔ وہ ناراض ہو جاتی ہیں۔ ثنا' سمیر کو فون پہ بتا دیتی ہے۔ وہ سارہ سے پوچھتا ہے' پھر جواب نہ پا کر اریبہ کو بتا دیتا ہے۔ اریبہ' سارہ سے ناراض ہو جاتی ہے۔ اریبہ اپنے والد کے دفتر میں اجلال سے اشاروں' کنایوں میں اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ اجلال کے چہرے کے تاثرات سے اسے جواب مل جاتا ہے۔ سارہ حالات سے خوف زدہ ہو کر خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

ایک عرصے بعد یاسمین کو اپنے والدین یاد آتے ہیں تو وہ توصیف احمد سے اجازت لے کر ان سے ملنے چلی جاتی ہے۔ دوسرے شہر میں ہونے کی وجہ سے وہ ثنا کی شادی میں شرکت نہیں کر پاتی۔ توصیف احمد پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ تاجور اور شمشیر بہن بھائی ہیں۔ یاسمین اپنی والدہ کے ساتھ اپنی مرحومہ کزن کے بچوں سے ملنے جاتی ہے۔ وہاں اسے باتوں میں پتا چلتا ہے کہ ان کے گھر مقیم تاجور ان کی مرحومہ کزن کی بیٹی ہے۔ سارہ اور رازی کی فون پر گفتگو سن لینے کے بعد اریبہ مزید دلبرداشتہ ہو جاتی ہے اور شمشیر کے پروپوزل کی ہامی بھر لیتی ہے۔

۲۲

بائیسویں اور آخری قسط

گھر خالی ہو گیا تھا۔ سب ثنا کی شادی میں چلے گئے تھے۔ اریبہ تبدیل کر کے نانی اماں کے پاس آ بیٹھی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اب تک اتنے انمول رشتے سے محروم رہی تھی۔ بے غرض و بے ریا نانی اماں جب سے آئی تھیں' واری صدقے جا رہی تھیں۔

"تیری ماں نے ادھر مجھے بتایا ہی نہیں تھا کہ تیری شادی ہے۔ بتا دیتی تو میں تیرے لیے کچھ لے آتی ایسے ہی خالی ہاتھ آ گئی ہوں۔" نانی اماں اسی افسوس میں بیٹھی تھیں۔

"نانی اماں! آپ آ گئی ہیں۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔" اس نے نانی اماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا پھر اچانک اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"ویسے آپ میرے لیے کیا لائیں؟"

"جو کچھ تیرے لیے جمع کیا ہے' لے آئی۔" نانی اماں نے کہا تو وہ مزید متجسس ہو گئی۔

"میرے لیے۔ میرے لیے کیا جمع کیا ہے آپ نے؟"

"بس بچی! دو تین جوڑے ہیں اور اپنے وقت کے چاندی کے برتن میں نے سنبھال رکھے تھے۔ یاسمین تو ناک بھوں چڑھاتی تھی۔ تجھے بھی پتا نہیں اچھے لگیں گے کہ نہیں۔" نانی اماں نے بتاتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا تو ان کا دل رکھنے کی خاطر اس نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔

"ہائے سچ نانی اماں! مجھے تو چاندی کے برتن بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"تو لے جائے گی اپنے ساتھ؟" نانی اماں ابھی بھی غیر یقین سی تھیں۔

"بالکل لے جاؤں گی نانی اماں! بہت سنبھال کر رکھوں گی۔ اب تو ایسی چیزیں نایاب ہیں۔"

"کیا ہیں! نانی اماں! ابھی نہیں۔"

"میرا مطلب ہے، ایسی چیزیں اب نہیں ملتیں۔" "اب تو سب کھوٹا ہی کھوٹا ہے نانی اماں! کھرا کچھ بھی نہیں،" نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔

"ہاں بیٹی! قیامت کی نشانی ہے۔"

"چلیں۔ اب آپ آرام کریں۔ مما لوگ تو پتا نہیں کب آئیں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی، پھر جب نانی اماں لیٹ گئیں تو وہ نائٹ بلب آن کر کے اپنے کمرے میں آ گئی اور لیٹتے ہوئے اپنا سیل فون اٹھا کر چیک کیا۔ شمشیر علی کی تین چار کالیں آئی ہوئی تھیں اور ایک میسج تھا۔

"ساقیا آج مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

اریبہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سیل فون رکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں تو پھر نیند کی وادیوں میں اترنے تک اس نے طویل سفر طے کیا تھا۔

* * *

رات ثنا کی مہندی سے واپسی بہت دیر میں ہوئی تھی۔ اس وقت اریبہ سو چکی تھی جب ہی سارہ اسے اس کے نکاح سے متعلق ہونے والی باتیں نہیں بتا سکی تھی، لیکن بتانے کو بہت بے چین بھی تھی۔ اس بے چینی کے باعث ناشتا گول کر کے چائے کا کپ لیے ہوا ریبہ کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"اٹھ گئیں۔"

"رات سوئی بھی تو دیر سے تھی۔ ایک بجے تو وہاں سے واپسی ہوئی تھی۔" سارہ بتاتے ہوئے اطمینان سے صوفے میں دھنس گئی۔

"ارے ہاں کیسا رہا مہندی کا فنکشن؟"

"مہندی کا فنکشن۔" سارہ ہنسی تو اریبہ نے فوراً پوچھا۔

"کیوں۔ بدمزگی ہوئی تھی کوئی؟"

"نہیں۔" سارہ نے ہنسی کے دوران نفی میں سر ہلایا۔

"پھر؟" اریبہ قدرے الجھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"پھر یہ کہ۔" سارہ چائے کا کپ ایک طرف رکھ کر مزا لیتے ہوئے بتانے لگی۔ "تھا تو ثنا کی مہندی کا فنکشن، لیکن سب کا موضوع گفتگو تمہارا نکاح تھا۔ سب لوگ مما کو مبارک باد دے رہے تھے اور سچ اریبہ! مما اور ڈیڈی کو میں نے ایک ساتھ اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا۔ شاید ہمارے بچپن میں بھی مما ڈیڈی اس طرح اکٹھے خوش ہوئے ہوں۔"

"اور باقی لوگ۔۔۔ میرا مطلب ہے سب لوگ خوش تھے؟" اریبہ نے سارہ کی پوری بات سننے کے بعد پوچھا۔

"ہاں بظاہر تو سب ہی خوشی کا اظہار کر رہے تھے اور اگر لوگوں سے تمہاری مراد رازی ہے تو کل سب سے پہلے انہوں نے ہی مجھے مبارک باد دی تھی۔" سارہ نے ہنوز محظوظ انداز میں بتایا تو اریبہ بلا ارادہ بولی تھی۔

"ظاہر ہے۔ اس کے راستے کی رکاوٹ جو دور ہو گئی تھی۔"

"رکاوٹ!" سارہ کو جیسے کسی نے بہت اونچائی سے دھکا دے دیا کہ اس کی اوپر کی سانس اوپر، نیچے کی نیچے رہ گئی

تھی۔

"ہاں نا سارہ! میں تم دونوں کے لیے رکاوٹ ہی تو بنی ہوئی تھی۔" اریبہ بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولی پھر سارہ کو دیکھا تو اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

"ارے، تمہارا رنگ کیوں اڑ گیا۔ کم آن سارہ! آخر کب تک چھپاؤ گی اور کیوں چھپاؤ گی۔ میری تو ہر بات کرید کرید کر پوچھتی رہی ہو اور اپنے معاملے میں اتنی رازداری۔" اریبہ نے اپنے ہلکے پھلکے انداز میں فرق نہیں آنے دیا تھا۔

"دل پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا سارہ! یہ کبھی بھی کہیں بھی بے ایمان ہو سکتا ہے۔ اگر تمہارا دل رازی کے لیے"

"بس کرو اریبہ! اگر میرا دل بے ایمانی کا مرتکب ہوتا تو میں کلائی کی نس کاٹنے کے بجائے دل میں چھرا گھونپ لیتی۔ یہ حیا ہی ہے جس نے میری زبان پر تالے ڈال رکھے ہیں۔ ورنہ میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتاتی کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔" سارہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"تم نے اپنے آپ جو چاہا سمجھ لیا۔ میں اور رازی۔۔۔ نہیں اریبہ! ہمارے دل بے ایمان نہیں ہوئے۔ ہو بھی کیسے سکتے تھے۔ رازی تم سے محبت کرتے ہیں اور میں سمیر سے، لیکن ہم میں سے کسی کو بھی محبت راس نہیں آئی یا شاید ازل سے ہی ہمارے بخت میں نارسائی لکھ دی گئی تھی کہ جب ہی حالات نے ہمارے خلاف کمر کس لی تھی۔"

سارہ سانس لینے کو رکی اور اریبہ جو غور سے اسے سننے لگی تھی، بے اختیار بولی تھی۔

"صرف میرے خلاف سارہ! میں کڈنیپ ہوئی تھی۔"

"یہ تو بعد کی بات ہے۔" سارہ کے لہجے میں دکھ، تلخی اور جانے کیا کچھ تھا۔ اریبہ پھر اسے دیکھنے لگی۔

"ہماری قسمتوں کا فیصلہ تو اس سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔ خصوصاً میرے نصیب پر تو سیاہی ہی پھر گئی تھی۔ اس روز جب تمہارا بائیک ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ تمہیں تو پھر اللہ نے نئی زندگی دے دی، لیکن میری زندگی نہ ختم ہونے والے اندھیروں میں ڈوب گئی۔"

سارہ بولتے ہوئے بار بار تھوک نگل رہی تھی۔ اریبہ نے اس کے دل پر بھاری بوجھ محسوس کر کے خود کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا اور اسے بولنے دیا۔

"اس روز رازی تم سے ملنے آئے تھے، سرد موسم کی ہلکی بارش میں وہ بڑے موڈ میں تھے۔ تمہاری ناراضی کے باوجود ان کا ارادہ تھا کہ وہ زبردستی تمہیں اپنے ساتھ آؤٹنگ پر لے جائیں گے، لیکن تم نہیں تھیں، میں نہا کر نکلی تھی اور اتفاق سے میں نے وہی پرنٹ پہن رکھا تھا، جو تمہارے پاس تھا۔ اچانک رازی پیچھے سے۔۔۔ اور پھر۔۔۔ پھر ایک کمزور لمحے میں رازی نے میرے ساتھ۔۔۔" سارہ کی آواز ساتھ چھوڑ گئی اور اریبہ کے حواس۔ پھر کتنی دیر بعد خاموش فضا میں سارہ کی سسکی ابھری تھی۔

"پھر میں کسی کی نہیں رہی اریبہ!"

"رازی!" اریبہ کے تن وجود میں اچانک شرارے بھر گئے تھے۔ "رازی اتنا گر سکتا ہے اور تم پھر بھی اس کے ساتھ مل کر مجھے آزار پہنچاتی رہیں۔"

"نہیں اریبہ! میں تمہیں آزار پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" سارہ تڑپ اٹھی۔

"کیوں کیا تم راتوں کو چھپ چھپ کر فون پر رازی سے باتیں نہیں کرتی تھیں؟"

"کرتی تھی، لیکن فون میں نہیں، رازی کرتے تھے۔ وہ مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کرتے تھے کہ اس غلطی کی

تلافی صرف وہی کر سکتے ہیں۔ اس گناہ کے بعد کوئی دوسرا شخص مجھے قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے اس کی پروا نہیں اریبہ! کہ مجھے کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں۔ میرا دل رازی کو قبول نہیں کرتا مگر تم بتاؤ کیا میں ایک تیسرے کے ساتھ زندگی بِتا سکتی ہوں۔۔۔ اس سے اچھا ہے میں مر جاؤں۔"

سارہ رونے لگی تو اریبہ اسے دیکھے گئی جبکہ اندر اس کا دل جیسے کسی شکنجے میں آگیا تھا اور ذہن کی اسکرین پر جیسے کوئی مسلسل بٹن آن آف کر رہا ہو۔ جانے کب کب کے منظر ایک ایک کر کے یاد آرہے تھے، پھر ایک منظر پوری طرح روشن ہو کر ٹھہر گیا تھا، وہ دعوے سے کہہ رہی تھی۔

"اگر کبھی میرے ماضی کو سوچتے ہوئے تمہارے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو اس پر گرفت مت کرنا کیوں کہ میں اپنی زندگی سے وہ چار سال نکالنے پر قادر نہیں ہوں، لیکن میں یہ یقین سے کہوں گی کہ ان چار سالوں کی خوب صورتی مسخ ہو کر اتنا بھیانک روپ دھار چکی ہے کہ پلٹ کر دیکھنا تو دور کی بات، میں شاید تصور میں بھی نہیں لا سکتی۔"

سارہ نے روتے ہوئے بھی اریبہ کی غیر معمولی خاموشی محسوس کرلی۔

"مجھے معاف کردو اریبہ! میں ایک توانا مرد کے سامنے بے بس ہونے کے باوجود تمہاری گناہ گار ہوں۔ میں لاکھ کہوں کہ اس میں میرا قصور نہیں لیکن۔۔۔" سارہ نے ساری ہمتیں یکجا کر کے اریبہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"تم تنہا اتنا بوجھ کیسے اٹھائے پھرتی رہیں۔" اریبہ گم صم انداز میں بولی پھر ایک دم سارہ کو دیکھ کر کہا۔ "مجھ پر بھی بھروسا نہیں کیا؟"

"بہت بار سوچا، لیکن ہمت نہیں ہوئی۔ پھر رازی بھی منع کرتے تھے۔" سارہ سر جھکا کر کہنے لگی۔

"رازی کہتے تھے گناہ سے بڑا گناہ اس کا اشتہار لگانا ہے۔ جس بات کا پردہ خدا نے رکھ لیا، اسے عیاں مت کرو۔"

"پھر اب کیوں، اب کیوں تم عیاں ہو گئیں؟" اریبہ کے انداز میں عجیب سی جارحیت تھی۔ "کیا یہ بھی رازی نے کہا ہے کہ اب تو اریبہ راستے سے ہٹ گئی ہے اب اسے سب بتا دو۔"

"نہیں۔ مجھے تمہاری حد سے سوا بدگمانیاں مارے ڈال رہی ہیں۔ مجھ سے اور برداشت نہیں ہوتا اریبہ!"

سارہ پھر رونے لگی تھی کہ یاسمین کی آواز سن کر اریبہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی اور سارہ کو کلائی سے کھینچ کر واش روم میں دھکیل دیا اور خود بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

"اریبہ!" یاسمین اسے پکارتے ہوئے اندر آئی تھی۔

"جی مما!" اریبہ نے اپنی مصروفیت ترک نہیں کی۔

"بیٹا! سارہ نہیں اٹھی؟"

"اٹھ گئی ہے مما! واش روم میں ہے۔" اریبہ اب سیدھی ہو کر اپنے بال سمیٹنے لگی۔ وہ یاسمین کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"اچھا بیٹا! میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ تم دونوں کی تیاری ہے نا، آئی مین! ثنا کی شادی میں چلنا ہے؟" یاسمین نے پوچھا تو وہ بددلی سے بولی۔

"جی مما! چلیں گے۔"

"ہاں بیٹا! خاندان کی پہلی شادی ہے۔ ہمیں لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔"

یاسمین کی اس بات پر اس نے بمشکل خود کو بولنے سے روکا تھا۔ ورنہ اس کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا۔ وہی جو سارہ کہتی تھی کہ "ہم پر انگلیاں اٹھانے سے پہلے سب اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں۔"

* * *

شمشیر علی اس وقت آفس سے نکلا تو سیدھا توصیف ولا آگیا۔ اسے اریبہ پر اب تھوڑا تھوڑا غصہ آنے لگا تھا کیوں کہ وہ اس کا فون ریسیو نہیں کر رہی تھی اور نہ ہی اس کے ٹیکسٹ کا جواب دیا تھا۔ وجہ خواہ کوئی بھی ہو، اس کے لیے قابل قبول نہیں تھی۔ آخر وہ اسے کس بات کی سزا دے رہی تھی۔ وہ شاکی ہو رہا تھا۔ اب یاسمین اور نانی اماں کے پاس بیٹھے ہوئے بھی اسے آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا اور اس کا کہیں پتا نہیں تھا جبکہ شمشیر علی کو یقین تھا کہ اس کی آمد اور موجودگی سے بے خبر نہیں ہوگی۔ آخر اسے یاسمین سے پوچھنا ہی پڑا۔

"اریبہ اور سارہ گھر پر نہیں ہیں کیا؟"

"نہیں، دونوں ہیں۔ اصل میں آج ان کی کزن کی شادی ہے نا تو دونوں اسی تیاری میں لگی ہوئی ہیں۔" یاسمین نے سہولت سے بتایا تو قدرے رک کر وہ پوچھنے لگا۔

"آنٹی! میں اریبہ سے مل سکتا ہوں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ وہ لابی میں رائٹ پر اریبہ کا کمرا ہے، وہیں چلے جاؤ۔" یاسمین نے اجازت کے ساتھ اریبہ کے کمرے کی نشان دہی بھی کر دی تو وہ شکریہ کہہ کر اسی طرف آگیا۔

اس نے دل میں دہرایا پھر دروازہ ہلکے سے بجا کر ہینڈل گھما دیا اور کچھ انتظار کے بعد اس خیال سے دروازہ پورا کھول دیا کہ اریبہ جہاں بھی ہوگی، اسے دیکھ لے گی۔

اور اریبہ سامنے ہی کھڑی تھی کسی گہری سوچ میں گم۔ شمشیر علی کو ڈھونڈنے سے بھی اس کے چہرے اور آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر نہیں ملا جو اس کے دل کو چھو لیتا۔ وہ دروازے کے بیچ اسی شش و پنج میں کھڑا رہا کہ قدم آگے بڑھائے یا واپس پلٹ جائے، پھر کچھ سوچ کر ہلکے سے کھنکھارا تو اریبہ چونکی اور اسے دیکھتے ہی اپنی بے خبری پر جز بز ہونے لگی۔

"اندر آسکتا ہوں؟" شمشیر علی نے اجازت طلب کی۔

"آجاؤ لیکن کوئی سوال مت کرنا۔" اریبہ نے کہا تو وہ بے اختیار بولا۔

"مثلاً؟"

"یہی کہ میں کیا سوچ رہی تھی اور میں تمہارا فون کیوں نہیں اٹینڈ کر رہی تھی وغیرہ وغیرہ۔"

"تمہارے پاس جواب نہیں ہے یا تم جواب دینا نہیں چاہتیں۔" وہ خود کو آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔

"تم جو بھی سمجھ لو۔"

"جو بھی سمجھ لوں؟" شمشیر علی نے زور دے کر کہا تو وہ بظاہر بے نیازی سے کہنے لگی۔

"تم یہی سمجھو گے نا کہ میں اپنا گم شدہ جزیرہ تلاش کرنے میں نکلی تھی۔" شمشیر علی اس کے درست قیاس پر جھنجلاتے ہوئے یکدم اس کی طرف آتے ہوئے بولا۔

"سنو! میں فضول باتیں کرنے نہیں آیا۔ صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ میں اپنی زندگی میں آنے والے اس خوب صورت موڑ کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ تم پلیز مجھے مزید کسی امتحان میں مت ڈالو۔"

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔" اریبہ اپنے آپ بولی تھی۔ شمشیر علی نے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی۔

"سنو! یہ مت بھولنا کہ میں اس وقت تمہیں اپنے ساتھ لے جا بھی سکتا ہوں۔"

"چلو کہاں چلنا ہے؟" اریبہ نے اتنے آرام سے ہتھیار ڈالے کہ اس نے مزید جھنجلا کر اس کی کلائی چھوڑ دی اور صوفے پر اس کی طرف سے منہ موڑ کر روٹھ کر بیٹھ گیا۔ اریبہ کو بے اختیار ہنسی آئی۔ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسی چھپاتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے شاہ! تمہیں پتا تو ہے میری کزن کی شادی ہے۔ پھر ابھی کل ہی تو ہمارا نکاح ہوا ہے۔ تم بے صبری دکھاؤ گے تو کیا سمجھیں گے سب لوگ۔"

"بے صبری پر تم مجھے مجبور کر رہی ہو۔ اگر میرا فون اٹینڈ کر لیتیں تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔" وہ ہنوز روٹھے انداز میں بولا تھا۔

"مجھے تمہارے یہاں آنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے اور جہاں تک فون اٹینڈ نہ کرنے کی بات ہے تو آئی ایم سوری! اصل میں، میں نانی اماں کے پاس تھی۔ رات دیر سے اپنے کمرے میں آئی، تب تمہاری مس کالز دیکھی تھیں۔"

"تو تم مجھے کال بیک نہیں کر سکتی تھیں؟" وہ بہت شاکی ہو رہا تھا۔

"کر سکتی تھی، لیکن رات زیادہ ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا تم سو گئے ہو گے اس لیے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" وہ بہت دھیرج سے بول رہی تھی۔ شمشیر علی جانچتی نظروں سے، جن میں خفگی بھی تھی، اسے دیکھنے لگا۔

"بدگمان ہو رہے ہو؟" اریبہ نے اس کی نظروں کو سمجھ کر پوچھا تو وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں چلتا ہوں۔ جب تم اپنی کزن کی شادی سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتانے کی زحمت کر لینا۔"

اریبہ خاموش ہو گئی۔ اس کی بات کے جواب میں اثبات میں سر تک نہیں ہلایا اور وہ بھی رکا نہیں، تیز قدموں سے وہاں سے نکل گیا۔

* * *

سارہ کو رخصت کر کے اجلال رازی ساجدہ بیگم کے ساتھ گھر آیا تو گہری خاموشی نے ان کا استقبال کیا تھا۔ گو کہ پہلے بھی گھر میں زیادہ افراد تو نہیں تھے، پھر بھی سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔ دل ایک فرض کی ادائی پر اطمینان چاہتا تھا، لیکن اجلال رازی کے لیے کہیں اطمینان نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک سارہ کو کیا ہو گیا ہے۔ اس کے اتنا سمجھانے کے بعد بھی وہ پھر پہلے مقام پر جا کھڑی ہوئی تھی۔ "نہیں نہیں" کی تکرار کرتی ہوئی۔

"میں پاگل ہوں جو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا، حالانکہ میرا کچھ نہیں بگڑا تھا۔"

اسے اب غصہ آنے لگا تھا، ساجدہ بیگم کے لیٹنے تک وہ بمشکل خود پر جبر کیے رہا، پھر اپنے کمرے میں آیا تو تبدیل کر کے ٹہلنے لگا۔ وہ اسی وقت سارہ سے بات کرنا چاہتا تھا، لیکن فوراً" کال کرنے سے رک گیا کیوں کہ اس کے خیال میں سارہ بھی ابھی گھر پہنچی ہوگی اور چینج کر کے وہ اریبہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگی۔ جیسے لڑکیوں کی عادت ہوتی ہے کسی بھی تقریب سے واپسی پر وہاں موجود ہر شخص پر تبصرہ کرتی ہیں۔ اب پتا نہیں ایسا تھا کہ نہیں رازی کو بہر حال اس خیال سے خود پر مزید جبر کرنا پڑ رہا تھا۔ سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کی نظروں میں وہ منظر آن ٹھہرا جب اریبہ اور سارہ میرج لان میں داخل ہوئی تھیں۔ دونوں کا انداز لیا دیا سا تھا اور خصوصاً" اسے تو یوں نظر انداز کر رہی تھیں جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو پھر دونوں یاسمین کے ساتھ جس ٹیبل پر بیٹھیں تو پھر وہاں سے اٹھی تھیں۔ جیسے کسی غیر کی شادی میں شریک ہوئی ہوں۔

وہ اریبہ سے تو نہیں، لیکن سارہ سے ضرور شاکی ہو رہا تھا اور ایک بار تو اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بھری محفل اسے جھنجوڑ ڈالے کہ اسے کس بات کا زعم ہے۔ زعم تو وہی تھا جو وہ گنوا چکی ہے۔ بے بایا ہو چکی ہے وہ اور یہ اس ظرف ہے کہ وہ پھر بھی اسے اپنانا چاہتا ہے۔

اجلال رازی نے سر جھٹکا لیکن اس کے اندر اچانک تنفر بھر گیا تھا۔ سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اس نے سیل فون اٹھا لیا تھا۔

* * *

توصیف ولا کے خاموش ماحول میں ٹیلی فون کی گھنٹی دور تک سنائی دی تھی۔ اریبہ نے چند لمحے انتظار کیا، کمرے سے نکل آئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت رازی فون کرتا تھا۔ اس نے سارہ کے کمرے میں جھانک کر دیکھا دیوار کی طرف کروٹ لیے جانے سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔ ادھر فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ اس نے سارہ کے کمرے کا دروازہ احتیاط سے بند کیا، پھر لابی میں آ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا، لیکن بولی کچھ نہیں۔

"سارہ!" ادھر سے رازی نے پکار کر جیسے سارہ کا یقین کرنا چاہا تھا۔

"ہوں۔" اریبہ نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر ہلکی سی آواز نکالی۔

"کیا ہو گیا ہے سارہ تمہیں؟" رازی اچانک پھٹ پڑا تھا۔ "تم کوئی نادان، نا سمجھ بچی نہیں ہو جو تمہیں بار بار سمجھانا پڑے گا۔ تم خود اچھی طرح سمجھ سکتی ہو کہ تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ پھر تمہیں شکر کرنا چاہیے کہ میں اپنی غلطی پر نادم ہونے کے ساتھ تمہیں مزید کسی رسوائی سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے مجھے کیا کچھ کھونا پڑا۔ یہ تم جانتی ہو۔ میں نے اپنی اولین محبت اریبہ کو کھو دیا جس سے دوری کا تصور ہی میرے لیے سوہان روح تھا۔ صرف اس لیے کہ میرا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جو اپنی غلطیوں پر کبھی پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے بلکہ الٹا الزام اس مظلوم کے سر رکھ دیتے ہیں۔ یہ بہت آسان ہے سارہ! لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا، کیوں کہ میں میزان پر کھڑا ہونے سے ڈرتا ہوں۔ میں بے ضمیر نہیں ہوں سارہ! میں بے ضمیر نہیں ہوں۔ حالانکہ شیطان نے مجھے بہت بہکایا تھا کہ میرا کچھ نہیں بگڑا۔ میں اریبہ سے شادی کر کے یہ ملک ہی چھوڑ جاؤں۔ یہ مشکل نہیں تھا سارہ! لیکن میں نے یہاں شیطان کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ میں اپنی نظروں میں گر گیا، مزید میں نے خود کو اریبہ کی نظروں سے بھی گرا دیا۔ اس سے بڑی سزا اور کیا ہو گی میرے لیے۔ اگر تمہارے نزدیک اس سے بڑی کوئی سزا ہو تو وہ بھی دے ڈالو مجھے، لیکن پلیز مجھے تلافی سے مت روکو۔ تم۔۔۔ تم سن رہی ہو نا؟"

اریبہ کی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو چکے تھے، رازی کے ٹوکنے پر آپ ہی آپ اس کی سسکی نکلی تھی۔

"رو مت سارہ!" رازی کی آواز بوجھل ہو گئی تھی۔ "بے شک اپنے اعمال کے ہم خود ذمہ دار ہیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہم سے وہی عمل سرزد ہوتا ہے جو ازل سے ہماری روح پر لکھ دیا گیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہماری پرکھ ہوتی ہے۔ مجھے اس پرکھ میں سرخرو ہونے دو سارہ! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا۔"

اریبہ نے حیرت سے ریسیور کو دیکھا، پھر آہستگی سے کریڈل پر رکھ دیا اور وہیں بیٹھ گئی۔ اس کے دماغ میں مختلف سوچیں گڈمڈ ہونے لگی تھیں اور دل عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔

"رازی!" اس نے سوچنا چاہا، لیکن سماعتوں پر شمشیر علی کی آواز نے دستک دے ڈالی۔

"کیا ہم ایک دوسرے کی ضرورت نہیں بن چکے تو پھر کیوں نہ احسان کا راستہ چھوڑ کر حقوق و فرائض کی راہ

اپنالیں۔"

اریبہ کے ہاتھ جیسے کسی الجھی ڈور کا سرا آ گیا تھا جس پر گرفت کرتے ہوئے اس نے اپنا سارا دھیان ادھر منتقل کر لیا۔

کتنی مماثلت تھی۔

راہزن ہی راہبر تھا۔

رازی ہو یا شمشیر علی۔

"اف!" وہ ایک دم اٹھی تھی کہ ٹھٹھک گئی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر سارہ کھڑی بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر ایسے ہی سپاٹ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"کیا کہہ رہے تھے رازی؟"

"رازی!" اس نے بے اختیار گردن موڑ کر ٹیلی فون کو دیکھا، پھر قدرے سٹپٹائے انداز میں بولی تھی۔

"ہاں رازی۔۔۔ رازی ہی کا فون تھا۔"

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ کیا کہہ رہے تھے۔" سارہ نے کہا تو وہ سختی سے بولی۔

"اب تک کیا کہتا آیا ہے وہ تم سے۔"

"تو تم نے انہیں بتا دیا ہے کہ تم۔۔۔"

"نہیں۔" وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگی۔ "میں نے کچھ نہیں بتایا۔ میں کچھ بولی ہی نہیں۔ رازی یہی سمجھتا رہا کہ وہ تم سے بات کر رہا ہے۔"

سارہ گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی جیسے اب اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو۔

"تو کمرے میں چلو۔" اس نے بڑھ کر سارہ کا بازو تھام لیا، پھر اسے لیے کمرے میں جانے لگی تھی کہ سارہ ایک دم بازو چھڑا کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اندر سے لاک لگنے کی آواز سن کر اریبہ متوحش ہو گئی اور فوراً اس کے دروازے پر ہاتھ مار کر گھٹی گھٹی آواز میں پکارا۔

"سارہ!"

"پریشان مت ہو اریبہ! میں اپنے ساتھ کچھ نہیں کروں گی۔ تم بس ابھی مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

اندر سے سارہ نے بجھی انداز میں کہا تو اریبہ اس کے احساسات سمجھتے ہوئے مزید کچھ نہیں بولی اور اپنے کمرے میں آ کر صوفے پر دونوں پیر اوپر سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کی نیند اڑ چکی تھی۔ ذہن بھی اچانک خالی ہو گیا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ کر کوئی مصروفیت ڈھونڈنے لگی تو نظر سیل فون پر پڑی۔ اس نے شمشیر علی کا نمبر ملا کر کان سے لگا لیا۔

"تیرے نصیب!" شمشیر علی نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔ وہ حیران ہوئی۔

"تم جاگ رہے تھے؟"

"ہاں۔ عشق کی معراج کو چھونے کے لیے جاگ ضروری ہے۔" شمشیر علی نے ترنگ میں کہا۔

"جاگ!" وہ سمجھی نہیں۔

"جاگ کا مطلب سمجھتی ہو؟" شمشیر علی نے پوچھا۔

"تم بتا دو۔" وہ اس کی نئی منطق سننے کو تیار ہو گئی۔

"جاگ کا مطلب ہے جمانا۔ یعنی بغیر جاگ کے جمنا ممکن نہیں۔ دودھ میں بھی جب تک جاگ نہیں ڈالی جاتی وہ جمتا نہیں اور میں عشق میں قدم جمانے کے لیے جاگ رہا ہوں۔"

"اف! تم بھی بس۔" وہ جھنجلا گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ کب مل رہی ہو؟"

"اگر میں کہوں' کبھی نہیں۔"

"تو مجھے یقین ہو جائے گا کہ تمہارا خون میرے ہاتھوں ہی لکھا ہے۔" شمشیر علی نے فوراً" اس کی بات پوری کی تھی۔

"او کے گڈ نائٹ۔" وہ فون بند کر کے سوچنے لگی کہ اس سے پہلے وہ کیا کر رہی تھی اور سوچنے پر ہی اس کا دھیان سارہ کی طرف گیا تو وہ بس گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔

* * *

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اریبہ' رازی اور سارہ کے معاملے کو سلجھانے کی کوشش میں خود الجھ گئی تھی۔ جو باتیں وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی' وہ مسلسل اس کے ذہن پر دستک دینے لگی تھیں۔ کبھی رازی کی محبتیں یاد آتیں' کبھی اس کا تذلیل آمیز رویہ اور یہ احساس کہ رازی نے اسے خود سے دور کرنے کے لیے اس کی کردار کشی کی تھی' جہاں اسے اطمینان دیتا وہاں افسوس بھی ہوتا کہ اس نے کیوں رازی کا فون اٹینڈ کیا تھا۔ کاش! وہ بے خبر رہتی تاکہ جو دعوا اس نے شمشیر علی کے سامنے کیا تھا کہ وہ کبھی پلٹ کر نہیں دیکھے گی' اس پر قائم رہ پاتی۔ اب خائف ہو گئی تھی۔

"نہیں اریبہ! ہمارے دل بے ایمان نہیں ہوئے' ہو بھی کیسے سکتے تھے۔ رازی تم سے محبت کرتے ہیں۔ اور میں سمیر سے۔" اس وقت سارہ کی بات یاد آنے پر اس کے اندر بے چینی پھیل گئی۔ وہ اب یہ سب نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

"میں اپنے دعوے پر قائم رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے اپنے دل کو باور کراتے ہوئے سیل فون اٹھا کر کچھ سوچا پھر اجلال رازی کا نمبر ملا لیا۔

دوسری طرف بیل جاتے ہی اس کا سارا دھیان بھی ادھر منتقل ہو گیا تھا۔ اسے لگا جیسے رازی سیل فون ہاتھ میں لیے شش و پنج میں بیٹھا ہو کہ اس کی کال ریسیو کرے نہ کرے۔ پھر اس نے خود کو کڑے پہروں میں مقید کر کے کال ریسیو کی ہو۔

"ہیلو!" رازی کی آواز پر چونکتے ہوئے اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کون؟" رازی کا انجان بننا اب اسے محسوس نہیں ہوا تھا۔

"اریبہ بات کر رہی ہوں۔"

"ہاں اریبہ! کیسی ہو؟" رازی نے لیے دیے انداز میں پوچھا تو وہ ان سنی کر کے پوچھنے لگی۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟"

"گھر۔ گھر پر ہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں آ رہی ہوں۔" وہ سلسلہ منقطع کرتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جانے وہ کیا سوچ چکی تھی کہ اسے وہ وقت بھی یاد نہیں آیا' جب رازی نے اس کی کردار کشی کی تھی اور وہ اس گھر سے روتے ہوئے نکلی تھی۔ اب پھر وہیں جا رہی تھی' لیکن اب اس کے اندر کوئی خوف نہیں تھا بلکہ پہلے بھی جیسے وہ تایا ابو کے گھر جاتی تھی' اسی طرح

تائی امی اور ساجدہ بیگم کی حیرت محسوس کرنے کے باوجود ان کے گلے لگ کر پوچھنے لگی۔

"کیسی ہیں تائی امی آپ۔ ثنا کے جانے سے تو آپ اکیلی ہو گئی ہوں گی۔"

"ہیں!" ساجدہ بیگم کی ہاں میں تو بھی شامل تھی۔

"کیسی ہے ثنا؟ خوش تو ہے نا۔" اس نے ساجدہ بیگم کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔ تم کیسے آئیں' مطلب کس کے ساتھ آئی ہو؟" ساجدہ بیگم کو یہی لگا جیسے شمشیر علی بھی ساتھ ہوں۔

"کسی کے ساتھ نہیں تائی امی! مجھے رازی سے کام تھا۔ کہاں ہے رازی؟" وہ صاف گوئی سے اپنی آمد کا مقصد بتا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کمرے میں ہوگا۔" ساجدہ بیگم نے ناگواری سے بتایا۔

"ہاں ابھی میں نے فون کیا تھا اسے۔ کہہ رہا تھا۔ گھر پر ہی ہوں۔" اس نے ایک طرح سے ساجدہ بیگم پر یہ جتا کر کہ وہ اچانک نہیں آئی' رازی کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

پھر ہمیشہ سے برعکس دروازہ پر دستک دے کر رک گئی۔ چند لمحوں بعد رازی نے دروازہ کھولا اور اسے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گیا تو اس نے اندر داخل ہو کر یونہی ادھر ادھر نظر دوڑائی' پھر براہ راست رازی کو دیکھنے لگی۔

"بیٹھو!" دل کے چور نے رازی کو نظریں چرانے پر مجبور کیا تھا۔

"میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔" وہ کہتے ہوئے بیٹھ کر پھر اسے دیکھنے لگی۔

"امی سے ملیں؟" رازی کو کوئی بات نہیں سوجھ رہی تھی۔

"ہاں پہلے تائی امی سے ہی ملی ہوں۔ وہ میرے آنے پر حیرت زدہ ہیں اور شاید تم بھی۔" وہ قصداً" مسکرائی تھی۔

"کیا پیو گی۔ چائے یا ٹھنڈا؟" رازی نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ تم بیٹھ جاؤ۔ مجھے بس ایک دو باتیں کرنی ہیں۔"

رازی صوفے کی طرف بڑھا ضرور' لیکن بیٹھا نہیں تو وہ بھی اٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ایسا ہے رازی! کہ اپنی نئی زندگی کی شروعات سے پہلے میں چاہتی ہوں کہ ہمارے گزشتہ مراسم کی ساری نشانیاں میں اپنے ہاتھوں سے مٹا ڈالوں۔ میرے پاس تمہارے دیے ہوئے جتنے تحائف تھے' وہ میں نے ضائع کر دیے ہیں اور تمہیں تو شاید میں نے کبھی کچھ دیا ہی نہیں تھا سوائے لفظوں کے۔ یہی برتھ ڈے' ہیپی نیو ایئر' ایسی عید مبارک وغیرہ وغیرہ' ہے نا۔"

اس نے تصدیق چاہی تو وہ جو اس پر نظریں جمائے کھڑا تھا' ذرا سی گردن موڑ کر دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھنے لگا۔

"پھر بھی رازی! میں تم سے کچھ لینے آئی ہوں بلکہ مطالبہ کرنے آئی ہوں۔" اس کے دھڑلے پر رازی نے جیسے ہی اسے دیکھا وہ بولی تھی۔

"میرے خواب لوٹا دو۔"

رازی کی آنکھوں میں ایک پل کو ان گنت دیے جل اٹھے تھے جنہیں دیکھ کر وہ کہنے لگی۔

"ہاں رازی! وہی خواب جو ابھی تک تمہاری آنکھوں میں ڈیرہ جمائے ہوئے ہیں گو کہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن سارے۔"

رازی نے ایک دم اسے دیکھا تو وہ خاموش ہو گئی پھر بڑھ کر کھڑکی سے پردے سمیٹتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

"میرا خیال ہے سارہ شاید اسی لیے تم سے شادی پر آمادہ نہیں ہو رہی کہ وہ سمجھتی ہے تم ابھی تک مجھ سے محبت کرتے ہو۔"

"بے وقوف ہے سارہ!" رازی کی آواز اور لہجہ بھی کمزور تھا۔ اریبہ یک لخت بادلوں میں سفر کرنے لگی تھی۔ یہ ایک فطری احساس تھا کہ گردش دوران اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ وہ ابھی تک اپنے مقام پر کھڑی تھی اور "مصلحتاً" ہی سہی اسے توڑنے والا خود ٹوٹ گیا تھا۔

"بہرحال۔۔۔" وہ خود پر قابو پانے کے بعد کچھ کہنے کے لیے رازی کی طرف پلٹی تھی کہ اس کے ہاتھ میں سیاہ بریف کیس دیکھ کر رک گئی۔

"یہ۔۔۔" رازی نے بریف کیس والا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "تمہاری امانت۔"

"امانت؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"تبھی تم اسی کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ باقی سب تو تم ضائع کر چکی ہو۔ یہ خواب بھی لے جاؤ اور ہو سکے تو انہیں کسی ایسی جگہ دفن کر دینا جہاں سے کبھی ہمارا گزر نہ ہو۔"

رازی کوشش سے بھی اس کی طرف دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ اریبہ کو اچانک یاد آیا کہ یہ وہی بریف کیس ہے جس میں ان گنت پھولوں کی پتیاں اور پنکھڑیاں تھیں جنہیں دکھاتے ہوئے رازی نے کہا تھا۔

"یہ محض ایک کونپل یا پنکھڑی نہیں ہے۔ اس کی ہر پتی پر ایک پوری داستان رقم ہے۔ محبتوں کی، جذبوں کی، میرے احساسات کی۔" اریبہ نے فوراً بڑھ کر اس کے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا تو وہ کہنے لگا۔

"میں وعدہ نہیں کرتا۔ البتہ کوشش ضرور کر رہا ہوں کہ گزرے ماہ و سال کا میری آئندہ زندگی میں دخل نہ ہو۔"

"یہ بات مجھ سے نہیں، سارہ سے کہنی چاہیے تمہیں۔" وہ کہہ کر زبردستی مسکرائی۔ پھر اسے خدا حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آئی۔

* * *

سرمئی شام اداسی کا لبادہ اوڑھے رخصت ہو رہی تھی۔ جب اریبہ گھر آئی اور چونکہ اس کے ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ اس لیے وہ سیدھی اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی لیکن لاؤنج میں سب گھر والوں کے ساتھ شمشیر علی کو بیٹھے دیکھ کر اسے رکنا پڑا۔

"السلام علیکم!" اس نے سلام کیا تو سب ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"کہاں چلی گئی تھیں بیٹا!" یاسمین نے پوچھا تو زندگی میں پہلی بار اس نے یاسمین کے منہ پر جھوٹ بولا تھا۔

"میں آپ کو بتا کر تو گئی تھی مما! شائلہ کے ساتھ تھی۔"

"اچھا ہاں! میرے ذہن سے نکل گیا۔ تم نے بتایا تھا۔" یاسمین نے شمشیر علی کی وجہ سے اس کا جھوٹ سنبھالا۔

"اور آپی! میں اتنی دیر سے آپ کو فون کر رہا ہوں۔" حماد نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"میرا سیل فون یہیں رکھا ہے۔ ویسے تم کس خوشی میں مجھے فون کر رہے تھے۔"

"اچھا جاؤ بیٹا! منہ ہاتھ دھو لو۔" اس سے پہلے کہ حماد کچھ کہتا، یاسمین بول پڑی تو وہ سر ہلاتے ہوئے شمشیر علی کو دیکھ کر مسکرائی لیکن وہ ناراض ناراض سا بیٹھا تھا۔

"میں آتی ہوں۔" وہ کہہ کر تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آگئی اور پہلے بریف کیس الماری میں رکھا۔ پھر منہ ہاتھ دھوتے ہوئے اس نے سوچا کہ شمشیر علی کی ناراضی دور کرنے کے لیے اسے آج کی شام اس کے نام کرنی

پھر اسی خیال سے وہ باقاعدہ تیار ہو کر کمرے سے نکل کر آئی تو لاؤنج میں یاسمین کو اکیلے بیٹھے دیکھ کر تعجب سے پوچھنے لگی۔

"مما۔ کہاں گئے سب؟"

"کہاں جائیں گے۔ اپنے کمروں میں ہوں گے۔" یاسمین نے کہا۔ پھر اس کی تیاری دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"تم کہیں جا رہی ہو؟"

"جانا تو تھا لیکن اب نہیں جا رہی۔" وہ بددل سی ہو کر یاسمین کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آئی ایم سوری مما! میں آپ کو بتا کر نہیں گئی تھی۔ اصل میں شائلہ کا فون آیا تو میں۔۔۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا!" یاسمین نے مسکرا کر اس کا گال تھپکا تو اس نے یاسمین کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگایا۔ پھر پوچھنے لگی۔

"شمشیر کیوں چلا گیا مما۔ میرا مطلب ہے آپ نے اسے کھانے پر نہیں روکا۔"

"میں نے تو بہت کہا بیٹا! لیکن اسے شاید کہیں اور جانا تھا۔" یاسمین نے بتاتے ہوئے اس کی طرف رخ موڑا اور سنجیدگی سے بولی۔ "ایک بات بتاؤ بیٹا! یہ سارہ کو کیا ہوا ہے؟"

"کیا ہوا ہے؟" وہ اندر سے خائف ہو گئی تھی۔

"میں کچھ دنوں سے محسوس کر رہی ہوں۔ سارہ بہت چپ چپ ہے۔ تم سے کوئی بات ہوئی ہے؟"

"نہیں تو۔"

"پھر اب کیا ہوا ہے؟" یاسمین فکرمندی سے بولی۔

"کچھ نہیں ہوا مما! آپ وہمی ہو گئی ہیں اور کوئی بات نہیں۔" اس نے یاسمین کو تسلی دی۔

"یہ تو ہے۔ میں واقعی وہمی ہو گئی ہوں۔ شاید عمر کا تقاضا ہے یا حالات کا۔" یاسمین افسردگی سے مسکرائی۔

"نو مما! نہ آپ کی عمر زیادہ ہے، نہ حالات برے ہیں۔ بس آپ زیادہ نہ سوچا کریں اور سارہ کا آپ کو پتا تو ہے موڈی ہے۔ کبھی سارا وقت ہنستی رہتی ہے۔ کبھی چپ سادھ لیتی ہے اور اس کا علاج پتا ہے کیا ہے۔" اریبہ نے آخر میں اچانک یاسمین کو متجسس کر دیا تھا۔

"کیا۔۔۔ کیا علاج ہے؟"

"شادی۔۔۔ بس آپ جلدی اس کی شادی کر دیں۔" اس نے قدرے جوش سے کہا تو یاسمین اس کا گال چھو کر بولی۔

"پہلے تمہاری تو ہو۔"

"یہ کوئی ضروری نہیں ہے مما! کہ جب تک میری شادی نہیں ہو جاتی، آپ سارہ کا سوچیں بھی نہ۔ ایسا کریں آپ ہم دونوں کی ساتھ شادی کر دیں۔ بلکہ ایسا ہی کیجیے گا۔" اس نے اپنی بات پر زور دیا تھا۔

"لیکن بیٹا! کوئی پرپوزل بھی تو ہو۔" یاسمین نے کہا تو وہ رکتے ہوئے بولی۔

"پرپوزل ہے نا مما۔ رازی۔"

"اریبہ۔۔۔" یاسمین کی حیرت میں ناگواری اور تنفر بھی شامل تھا۔ "یہ کیسا مذاق ہے۔"

"مذاق یہ نہیں ہے مما! مذاق وہ تھا جو میرے ساتھ ہوا۔ بہرحال مجھے اب کوئی ملال نہیں۔ آپ بھی گزشتہ ساری باتیں بھلا کر غیرجانبداری سے سوچیں تو رازی اچھا انسان ہے۔" اس نے بات کے اختتام پر یاسمین کو دیکھا۔ وہ سناٹے میں بیٹھی تھی۔

"ممّا پلیز۔" اس نے یاسمین کے ہاتھ پکڑ کر ہلائے۔ "میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی کہ آپ شاکڈ ہو گئیں۔"

یاسمین نفی میں سر ہلانے لگی کہ جیسے یہ ممکن نہیں ہے۔

"اچھا ابھی آپ کچھ نہ سوچیں۔ مجھے بھی ابھی یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو یاسمین ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگی۔

"تم نے ایسی بات کیوں کی۔ کیا سارہ اور رازی کے درمیان ___"

"پتا نہیں ممّا! میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔" وہ پھر بیٹھ گئی۔ "فرض کریں اگر ایسی بات ہوئی تو ___"

"نہیں ___ سارہ اتنی بے وقوف نہیں ہو سکتی۔" یاسمین نے یقین سے کہا تو وہ قصداً ہنس پڑی۔

"کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے ممّا! کہ جہاں قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہاں انسان کی مت ماری جاتی ہے۔ برا بھی اچھا لگنے لگتا ہے اور جہاں قسمت میں نہیں ہوتا وہاں اچھائی نظر ہی نہیں آتی' ہے نا۔"

یاسمین حیرت سے اسے دیکھنے لگی تو وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے اٹھی اور یاسمین کو بھی اپنے ساتھ اٹھا دیا اور نانی اماں کے پاس بھیج کر اپنے کمرے میں آگئی - کپڑے تبدیل کرنے کا خیال آتے ہی اسے یاد آیا کہ وہ شمشیر علی کے لیے تیار ہوئی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے سیل فون اٹھایا اور اسے کال کی تو آگے وہ ناراضی سے بولا۔

"اب کیا ہے؟"

"تم چلے کیوں گئے۔ گھر پر بھی نہیں ملے اور یہاں بھی بات کیے بغیر چلے گئے۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"گھر پر نہیں ملے مطلب؟" شمشیر علی نے پوچھا تو اس نے محض اس کی ناراضی دور کرنے کی غرض سے جھوٹ بولا تھا۔

"مطلب شام! میں اپنی دوست کے ہاں سے واپسی پر تمہارے گھر گئی تھی۔"

"تو تم مجھے اسی وقت کال کر لیتیں۔ میں فوراً" آجاتا۔" شمشیر علی کے لہجے میں افسوس تھا کہ وہ گھر پر کیوں نہیں تھا۔

"ہاں ___ مجھے خیال آیا تھا۔ لیکن میں اپنا سیل فون گھر بھول گئی تھی۔"

"اوہ ___"

"اور پتا ہے جب میں نے اپنے گھر میں تمہیں دیکھا تو سوچا تمہارے ساتھ کہیں باہر جاؤں گی۔ جلدی جلدی تیار ہو کر نیچے آئی تو پتا چلا تم چلے گئے۔ مجھے بہت غصہ آیا۔" وہ اس کی بے تابی کو مزید ہوا دے کر بولی اور آخر میں منہ بھی پھلا لیا۔

"ابھی آجاؤں؟" شمشیر علی نے فوراً" پوچھا تو وہ بے ساختہ ہنسی ہونٹوں میں دبا کر بولی۔

"نہیں ابھی ڈیڈی آگئے ہیں۔ اب میں کل تمہارے گھر آؤں گی۔"

"آؤ گی نا؟"

"کہہ رہی ہوں تو آؤں گی اور اگر تم گھر پر نہیں ملے تو جہاں بھی ہو گے وہیں پہنچ جاؤں گی' اوکے۔"

وہ سیل بند کر کے کھل کر مسکرائی۔ پھر کپڑے بدلنے کی غرض سے واش روم کی طرف بڑھی تھی کہ سارہ کو آتے دیکھ کر رک گئی۔

"کیا کر رہی ہو۔" سارہ نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"کچھ نہیں' آؤ بیٹھو۔" اس نے کہا تو سارہ بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔" وہ سمجھ گئی۔ سارہ کچھ کہنا چاہ رہی ہے۔

"میں تم سے یہ پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ تم بھائی جان کو اگنور کیوں کر رہی ہو۔" سارہ نے کہا تو وہ فوراً" پوچھنے لگی۔

"شمشیر نے کچھ کہا ہے تم سے؟"

"نہیں۔ انہوں نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں خود دیکھ رہی ہوں۔ وہ آتے ہیں تو تم کمرے میں بند ہو جاتی ہو۔ ابھی بھی وہ آتے ہی مایوس ہو کر گئے تھے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔" سارہ بہت سنجیدگی سے اسے ٹوک رہی تھی کہ وہ اچانک کچھ سوچ کر کہنے لگی۔

"کرنا تو نہیں چاہیے' لیکن میں سوچ چکی ہوں کہ جب تک تمہارا معاملہ سیٹ نہیں ہو گا۔ میں اپنے بارے میں نہیں سوچوں گی۔"

"کیا مطلب۔ میرا کیا معاملہ ہے؟" ایک پل کو سارہ کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا۔ پھر وہ ایک دم اٹھ کر چلی گئی تو اریبہ کو اس پر ترس آنے لگا تھا۔

* * *

یاسمین ابھی اریبہ کی باتوں میں الجھی ہوئی ہی تھی کہ امینہ سارہ کے لیے سمیر کا رشتہ لے کر آگئیں اور بظاہر یاسمین خندہ پیشانی سے ملی اور امینہ کے مدعا بیان کرنے پر بھی کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ طریقے سے بات کی تھی۔

"یہ سب تو مقدر کی باتیں ہیں امینہ!"

"بے شک مقدر کی باتیں ہیں بھابھی! آپ ہاں بھریں گی تو مقدر بھی مل جائے گا۔" امینہ نے کہا تو یاسمین قصداً ہنس کر بولی۔

"ارے تم تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات کر رہی ہو۔ پہلے مجھے توصیف سے تو مشورہ کرنے دو اور سارہ کی مرضی بھی معلوم کر لوں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ضرور معلوم کریں۔" امینہ نے کہا۔ تب ہی اریبہ چائے لے کر آگئی۔ اس نے امینہ کی بات سن لی تھی۔ جب ہی پوچھنے لگی۔

"کیا معلوم کرنا ہے پھپھو؟"

"سارہ کی مرضی۔" یاسمین بول پڑی۔ "تمہاری پھپھو! سمیر کے لیے کہہ رہی ہیں۔" اریبہ نے ایک دم یاسمین کو دیکھا۔ پھر چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے امینہ سے کہنے لگی۔

"پھپھو! ابھی تو سمیر کی جاب لگی ہے اور آپ ابھی سے اس کی شادی کا سوچنے لگیں۔ میرا مطلب ہے پہلے اسے سیٹ تو ہونے دیں۔"

"ہو جائے گا سیٹ۔ پھر میں نے ابھی رشتے کی بات کی ہے۔ یہ تو نہیں کہا کہ فوراً" شادی کر دیں۔ یوں بھی توصیف بھائی پہلے تمہاری شادی کریں گے' کیوں بھابھی!" امینہ نے یاسمین سے اپنی بات کی تصدیق چاہی۔

"دیکھو اللہ کو کیا منظور ہے۔" یاسمین نے کہتے ہوئے اریبہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ چائے کا کپ امینہ کو تھما کر وہاں سے چلی گئی۔

"دیکھو امینہ! اب ایسا وقت نہیں ہے کہ بچے ہماری مرضی پر آرام سے سر جھکا دیں۔ اس لیے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ تم میری طرف سے دل برا مت کرنا۔ باقی سارہ کی جو بھی مرضی ہو گی' وہ میں تمہیں بتا دوں

گی۔" یاسمین نے سہولت سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابھی! اور ہاں میں نے سنا تھا رازی بھی سارہ کے لیے کہہ رہا تھا۔" امینہ جاننا چاہتی تھیں کہ ساجدہ بیگم نے اس سلسلے میں کوئی پیش رفت تو نہیں کی لیکن یاسمین یکسر انجان بن گئی۔

"پتا نہیں۔ میں نے تو ایسا کچھ نہیں سنا۔"

"چلیں۔ پھر تو اچھا ہے۔ میں ساجدہ بھابھی سے پہلے آگئی۔"

"بات پہلے اور بعد کی نہیں امینہ! بات ہے مقدر کی' جہاں میری بیٹی کا مقدر ہو گا۔" یاسمین نے کہہ کر چائے کی طرف اشارہ کیا۔

"لو نا امینہ۔ چائے بھی ٹھنڈی ہو جائے گی اور ہاں جانے کی جلدی مت کرنا۔ رات کے کھانے پر تو سمیر یہیں ہوتے ہیں۔ رکنا۔ ان سے بھی تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔"

"ارے نہیں بھابھی! اتنی دیر تک تو میں نہیں رک سکتی۔ پھر آؤں گی۔ بلکہ اب تو آتی رہوں گی۔" امینہ نے کہا تو پھر یاسمین نے رکنے پر اصرار نہیں کیا۔

* * *

سارہ حیران تھی کہ اس کے لاکھ دامن چھڑانے کے باوجود سمیر نے امینہ کو بھیج دیا۔ گو کہ فیصلے کا اختیار اسے حاصل تھا۔ یاسمین نے خود اس سے بات کی تھی اور کہا تھا جیسا وہ چاہے گی اور چاہتی تو وہ بھی یہی تھی کہ سارے خوف پس پشت ڈال کر سمیر کا ہاتھ تھام لے لیکن یہ آسان نہیں تھا۔ بلکہ ناممکن اور اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہو سکتی تھی کہ منزل خود چل کر آئے لیکن اسے اس سمت دیکھنے سے ہی محروم کر دیا جائے۔ ان دنوں وہ بے حد مضمحل اور بے قرار پھر رہی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کرے۔ کبھی سوچتی سمیر کو اصل بات بتا کر پوچھے کہ کیا وہ اب بھی اسے اپنانے کو تیار ہے اور کبھی سوچتی سمیر کو کیا پتا چلے گا۔

وہ مسلسل ان ہی سوچوں میں گھری تھی اور اریبہ۔ جو کتنے دنوں سے اسے نوٹس کر رہی تھی۔ اس وقت اس کے پاس آبیٹھی اور اسے مخاطب کیے بغیر بولی۔

"تم سمیر کے بارے میں سوچ رہی ہو نا؟"

سارہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ بولی کچھ نہیں۔

"سوچو' ضرور سوچو' لیکن حقائق سے نظریں مت چرانا۔" اریبہ نے پھر کہا تو سارہ سوچتے ہوئے بولی۔

"اگر میں سمیر کو حقیقت بتا دوں تو۔۔۔"

"ایسی غلطی کبھی بھول کر بھی مت کرنا۔" اریبہ نے فوراً ٹوکا تو وہ چپ ہو گئی۔

"کیوں کیا ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ سمیر مجھے دھتکار دے گا۔"

"بات صرف دھتکارنے کی ہوتی سارہ! تو شاید میں بھی تمہیں یہی مشورہ دیتی لیکن اس کے بعد جو سارے خاندان میں بات پھیلے گی' اس کے بارے میں سوچا ہے تم نے۔" اریبہ نے تصویر کا مزید بھیانک رخ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

سارہ بری طرح سہم گئی۔

"دیکھو سارہ!" اریبہ نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ "میرا مقصد تمہیں ڈرانا یا ہرٹ کرنا نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں تم ساری باتیں بھلا کر اپنی آنکھوں میں اچھے خواب سجاؤ۔ ایسے خواب جن میں کسی ڈر' کسی خوف کا سایہ نہ ہو اور سمیر یا کسی کے ساتھ بھی یہ ممکن نہیں ہے' بجز رازی کے۔"

سارہ نے بے اختیار اس کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا لیکن اریبہ نے گرفت مضبوط کر لی۔

"میری بات غور سے سنو سارہ! غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں اور پکڑ وہاں ہوتی ہے جہاں بندے کو احساس ہی نہ ہو اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرے۔ تائب نہ ہو۔ رازی اعتراف بھی کر رہا ہے اور نادم بھی ہے تو ایسے میں تو اللہ بھی معاف کر دیتا ہے۔"

"میں نے بھی معاف کیا۔" سارہ جیسے اس موضوع سے جان چھڑانے کی غرض سے بولی تھی۔

"یوں نہیں۔ دل سے معاف کرو۔ اس کے بعد میں یقین سے کہوں گی کہ تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں سارہ! دل کا آئینہ صاف ہو گا۔ تب ہی تو تمہیں اصل شکل نظر آئے گی۔" اریبہ اس کا ہاتھ دبا کر مسکرائی' پھر کہنے لگی۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارے ساتھ زبردستی کر رہی ہوں۔ تم خود سوچو' ابھی اگر تم سمیر کو حقیقت بتا دو اور جوش جذبات میں وہ تمہیں اپنا بھی لے' لیکن پھر تم ساری زندگی اس کے سامنے مجرم سی بنی رہو گی۔ تو ایسی مجرمانہ زندگی سے بہتر نہیں ہے کہ تم اس شخص کا ہاتھ تھامو جس کے ساتھ سر اٹھا کر چل سکو۔"

سارہ کا دل ٹھہرنے لگا۔ اس کے چہرے پر نئی سوچ اتر آئی تھی۔ اریبہ اپنی باتوں کا اثر ہوتے دیکھ کر ایک دم انکشاف پر آمادہ ہو کر پھر سارہ کا ہاتھ دبا کر بولی تھی۔

"تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں سارہ! مجھے کڈنیپ کرنے والا کوئی اور نہیں' شمشیر علی تھا۔"

"بھائی جان!" سارہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"ہوں!" اریبہ کتنی دیر اثبات میں سر ہلاتی رہی۔ پھر سارا واقعہ سنا کر آخر میں کہنے لگی۔ "اسے کہتے ہیں مقدر کی زور آوری۔ ہم لاکھ ادھر ادھر بھٹکتے رہیں۔ ہمیں ملتا وہی ہے جو ہمارے مقدر میں لکھا ہوتا ہے۔ شمشیر علی نے ٹھیک کہا تھا کہ کوئی راستہ سیدھا منزل کو نہیں جاتا اور یہ کہ اب تک ہماری زندگی میں جو بھی آیا یا وہ ہماری راہ کی مشکلیں یا آزمائشیں تھیں۔ ہمیں ان آزمائشوں کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ جن کی بدولت ہماری منزل تک رسائی ممکن ہوئی۔" اریبہ خاموش ہو کر سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ جبکہ سارہ ہنوز سناٹے میں بیٹھی تھی۔

پھر کتنی دیر بعد اریبہ سانس کھینچ کر کہنے لگی۔

"یہی سچ ہے سارہ! منزل وہ نہیں ہوتی جس کی تمنا ہم کرتے ہیں۔ وہ تو ایک سراب ہوتا ہے۔ گرد و غبار میں اٹا سراب' جو ہمارے دل کے آئینے کو یوں دھندلا دیتا ہے کہ ہمیں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ مجھے بھی رازی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا لیکن جب گرد چھٹی تو یقین مانو میں خود حیران رہ گئی۔ میرے دل کے آئینے میں شمشیر علی مسکرا رہا تھا۔"

"اور رازی؟" سارہ کی آواز کہیں بہت دور سے آئی تھی۔

اریبہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ بولی کچھ نہیں تو قدرے رک کر سارہ جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

"صبح رازی کا فون آیا تھا۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟" اریبہ نے قصداً اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

"کہہ رہے تھے میں بالکل خالی ہو گیا ہوں۔ نہ دل میں کوئی امنگ ہے۔ نہ آنکھوں میں کوئی خواب۔ لق و دق صحرا کی مانند ہوں۔" سارہ بتا کر پوچھنے لگی۔ "اس بات سے ان کا کیا مطلب تھا؟"

اریبہ اسے دیکھ کر بے ساختہ مسکرائی۔ "اسی سے پوچھو۔ چلو اٹھو۔ ابھی فون کرو اور اس کے صحرا میں اپنی

محبت کے پھول کھلا دو۔" اریبہ کہتے ہوئے اٹھی اور سارہ کو بھی ہاتھ سے کھینچ کر اٹھا دیا۔

"رکو تو۔" سارہ اپنا ہاتھ کھینچنے لگی۔

"اوں ہوں۔" اریبہ نے سارہ کو ٹیلی فون کے پاس کھڑا کر دیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر اسے تھمایا اور نمبر ڈائل کرکے اسے دیکھنے لگی۔

سارہ ریسیور ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔ کان سے نہیں لگایا تھا۔ دوسری طرف بیل جانے کی آواز آرہی تھی۔ پھر رازی نے پکارا تھا۔

"سارہ!"

سارہ نے گھبرا کر اریبہ کو دیکھا۔ تو وہ اسے فون سننے کا اشارہ کرکے آگے بڑھ آئی اور دل میں تہیہ کیا کہ پلٹ کر نہیں دیکھے گی لیکن جانے کیوں یہ ممکن نہیں ہوتا۔ ہم اپنے تئیں سارے دروازے، ساری کھڑکیاں بند کرلیتے ہیں۔ پھر بھی ماضی خواہ کیسا بھی ہو، خوب صورت یا بد صورت، کوئی روزن تلاش کرکے جھانکتا ضرور ہے۔ اریبہ کے بڑھتے ہوئے قدم بھی لابی کے اختتام پر رک گئے تھے اور خود پر لاکھ جبر کرنے کے باوجود وہ پلٹ کر دیکھنے سے باز نہیں آئی۔

ریسیور کان سے لگائے سارہ کی آنکھوں سے اعتراف کے آنسو گر رہے تھے۔

اریبہ کا دل ایک پل کو عجیب انداز سے دھڑکا تھا۔ پھر اس نے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی تھی اور تقریباً ایک گھنٹے بعد اریبہ شمشیر علی کے ساتھ سمندر کے کنارے بیٹھی تھی۔ اس کی گود میں سیاہ بریف کیس تھا۔ جس میں سے وقفے وقفے سے وہ پھولوں کی پتیوں اور پنکھڑیوں سے مٹھی بھر بھر کر سمندر میں اچھالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"شام! ہم ساری دنیا گھومیں گے لیکن سمندروں کا سفر کبھی نہیں کریں گے۔"

محترم قارئین!

یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا۔ یعنی اس ناول کو لکھتے ہوئے میرے ذہن میں کہانی کا مکمل خاکہ نہیں تھا۔ صرف کردار تھے اور میں خود کو کرداروں کے حوالے کرکے ان کے ساتھ چلنے لگی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ کردار مجھے کہاں لے جاتے ہیں۔ درمیان میں ایک دوبار مجھے لگا ان کے کرداروں نے مجھے بھٹکا دیا ہے تو میں پریشان ہوگئی۔ واپس پلٹنا چاہا تو راستہ نہیں ملا۔ ناچار پھر ان کے ساتھ ہولی۔ پھر یہ تو اپنی منزلوں کو پہنچ گئے لیکن میں تشنہ کھڑی ہوں اور یہی تشنگی مجھے پھر ان کے پاس لے جائے گی۔

"ایک کھڑکی، مگر کھلی ہے ابھی۔"

جی ہاں! میرا اگلا ناول "ایک کھڑکی، مگر کھلی ہے ابھی۔" ان ہی کرداروں کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کھڑکی جو ماضی کی طرف کھلتی ہے۔ وہ کیا رنگ دکھاتی ہے۔ یعنی کس کس پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ کون اپنے ماضی کو ساتھ لے کر چلا۔ کون ماضی سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہوا اور کون نظریں چرا رہا ہے۔ ہم یہ تماشا ضرور دیکھیں گے۔ جی ہاں دنیا تماشا گاہ ہی تو ہے۔

دعاؤں کی طلب گار
نگہت عبداللہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan
Like us on Facebook fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1